معارف الحدیث
یعنی
احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ
تالیف
مولانا محمد منظور نعمانی
دارالاشاعت
کراچی پاکستان

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردُو ترجمہ اَور تشریحات کے ساتھ

جلد ہشتم

(آٹھویں اور آخری جلد)

کتاب العلم، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ
کتاب الفتن وکتاب الفضائل والمناقب

تالیف
مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

تکمیل
مولانا محمد زکریا سنبھلی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

طباعت کمپیوٹر ایڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121 HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON
TX-77074, U.S.A

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ از نبیٔ اُمیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں —— جو "نبی اُمی" سیدنا حضرت محمد

عربی (فداہُ اُمی وابی وروحی وقلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں

اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم

علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں

اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر

آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین حصہ ہشتم

ذریت طیبہ

دیباچہ

از مولانا محمد زکریا سنبھلی

استاذِ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

معارف الحدیث کی پہلی جلد ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی اور اب اس کی آخری جلد (جلد ہشتم) ۱۴۲۱ھ میں اس کے مؤلف مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کی وفات کے تقریباً چار سال بعد شائع ہو رہی ہے۔ اس جلد کی تالیف میں حضرت مولاناؒ کی علالت اور بعض دوسرے علمی اور دینی مشاغل کی وجہ سے کافی تاخیر ہوتی رہی، اس سے پہلی جلد (جلد ہفتم) ۱۴۰۲ھ میں شائع ہو چکی تھی۔ یعنی جلد ہفتم اور جلد ہشتم کے شائع ہونے میں تقریباً انیس سال کا وقفہ رہا۔

معارف الحدیث کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں ایمان اور ایمان کے لوازم و متعلقات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث ایک خاص نہج اور ترتیب سے مرتب کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے جن کو حضرات محدثین نے اپنی مؤلفات کے ابواب الایمان میں درج کیا ہے اور قیامت و آخرت، جنت و دوزخ وغیرہ سے متعلق احادیث کو بھی اسی جلد میں شامل کر دیا گیا ہے کیونکہ ان کا تعلق بھی ایمان اور عقیدہ ہی سے ہے۔

دوسری جلد میں کتاب الرقاق اور کتاب الاخلاق سے متعلق احادیث ہیں۔ رقاق سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات، وہ خطبات و مواعظ اور آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں جن کو پڑھنے اور سننے سے دل میں رقت اور خشیت اور گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ رقاق کی احادیث ہی میں زہد کی احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں جن کو پڑھنے سے دنیا کی طرف بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ ابواب زہد و رقاق کا چونکہ ایمان و احسان سے بہت قریبی تعلق و رابطہ ہے اس لئے ان ابواب کو ایمان و احسان کے ابواب کے بعد ہی رکھا گیا ہے۔

کتاب الاخلاق میں پہلے وہ احادیث درج ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اخلاق کا دین اسلام میں کتنا بلند مقام ہے اور بد اخلاقی اللہ و رسول کے نزدیک کتنا بڑا جرم ہے۔ بعد ازاں اچھے اخلاق کے مختلف شعبوں مثلاً سخاوت، احسان، ایثار و قربانی، باہمی انس و محبت، دینی اخوت، نرم مزاجی و خوش کلامی، صدق و امانت، تواضع و خاکساری، شرم و حیا، صبر و شکر اور اخلاق و للہیت سے متعلق احادیث مذکور ہیں اور ان کے مقابلے میں بد اخلاقی کے مختلف شعبوں کی مذمت اور ان کے بُرے انجام سے ڈرانے والی حدیثیں بھی اسی انداز سے درج ہوئی ہیں۔

تیسری جلد کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ کتاب الطہارۃ میں اولاً وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں طہارت کس درجہ محبوب اور ناپاکی کس درجہ مبغوض ہے۔ پھر طہارت کی جملہ اقسام مثلاً استنجا، وضو، غسل، تیمم وغیرہ سے متعلق احادیث ہیں جن سے ان اعمال کا طریقہ اور ان کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔

کتاب الصلوٰۃ میں اولاً نماز کی اہمیت پر ایک نہایت جامع اور مفید مضمون ہے، اس کے بعد اسی مضمون کی احادیث ہیں۔ پھر اوقات صلوٰۃ، اذان، نماز باجماعت، مسجد کی اہمیت، نماز کے ارکان و اعمال کا صحیح طریقہ، پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ دوسری نمازوں مثلاً جمعہ، عیدین کی نماز، سورج و چاند گرہن اور خشک سالی کی نماز اور نمازِ جنازہ وغیرہ سے متعلق احادیث ہیں۔ جس میں احکام کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیات کا بھی بیان آتا ہے۔

چوتھی جلد کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج پر مشتمل ہے۔ کتاب الزکوٰۃ کے شروع میں حضرتؒ کا ایک تمہیدی مضمون "دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام" کے عنوان سے ہے۔ جس میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کے مقام کے بیان کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ مانعین زکوٰۃ سے قتال و جہاد کرنے پر صحابہؓ کا اجماع کسی اجتہادی مسئلے میں امت مسلمہ کا پہلا اجماع ہے۔ پھر زکوٰۃ کی اہمیت سے متعلق دیگر احادیث اور اس کے بعد زکوٰۃ سے متعلق احکامات کی تفصیلی روایات ہیں۔ نیز نفلی صدقات کی اہمیت اور ان پر اجر و ثواب کے وعدوں والی احادیث بھی آخر میں درج کی گئی ہیں۔

کتاب الصوم کے شروع میں "اسلام کے ارکان اربعہ میں روزہ کی خاص نوعیت" کے عنوان سے ایک مضمون ہے جس میں روزہ کی اس خاص تاثیر کا تذکرہ ہے کہ روزہ کے ذریعہ انسان میں صفتِ تقویٰ پیدا ہوتی ہے جو ایک ملکوتی صفت ہے اور صفت حیوانیت یا صفت بہیمیت پر قابو حاصل کرنے میں روزہ بڑا معین و مددگار ہوتا ہے۔ پھر رمضان المبارک اور اس کے روزوں کے فضائل سے متعلق احادیث ہیں۔ احکام کی بھی روایات ہیں اور اسی سلسلہ میں اعتکاف، تراویح، نفلی روزوں سے متعلق احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

کتاب الحج کے شروع میں ایک مختصر سا مضمون "حج کیا ہے؟" کے عنوان سے ہے جس میں حج کی حقیقت...... کہ وہ اللہ کے دربار کی حاضری اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اداؤں اور طور طریقوں کی نقل کر کے ان کے سلسلہ اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا اور اپنے کو ان کے رنگ میں رنگنے کا نام ہے۔ تفصیل سے اجاگر کی گئی ہے۔ اس کے بعد حج کی فرضیت، اس کی فضیلت اور حج نہ کرنے والوں کے لئے وعید کی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد از اول تا آخر حج کے احکام سے متعلق احادیث کچھ اس طرح ذکر فرمائی گئی ہیں کہ اگر پڑھنے والا ذرا توجہ سے پڑھ لے تو حج کا پورا نقشہ ذہن نشین ہو جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حج جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے کے تذکرہ کی احادیث ہیں۔ آخر میں حرمین شریفین کے فضائل اور روضۂ اطہر کی زیارت کی روایات ہیں۔

پانچویں جلد کا عنوان ہے "کتاب الاذکار والدعوات"، اس جلد میں ذکر و دعا، توبہ و استغفار اور تلاوت

قرآن وغیرہ کی حقیقت، دین میں ان کا مقام اور ان کے فضائل و آداب سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اذکار و دعوات کی اہمیت و تاثیر کا جو دل آویز تذکرہ اور دین کے نظام عبودیت میں اس کی عظمت کا جیسا تعارف اس کتاب نے کرایا ہے عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ایسا تذکرہ و تعارف شاید ہی مل سکے۔

اس جلد کے شروع میں حضرت مولانا نعمانی صاحبؒ کے قلم سے ایک مختصر دیباچہ بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کے ایک خاص پہلو کو بہت اجاگر کیا ہے کہ آپ کی دعائیں آپ کی نبوت کی دلیل ہیں جن کو غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام کے لئے بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے اور مسلمانوں کے اطمینانِ قلب کا بھی ان میں بڑا سامان ہے۔

اس جلد میں اولاً ذکر اللہ کی فضیلت، اس کی عظمت اور برکات سے متعلق احادیث ہیں۔ پھر بعض خاص اذکار کی فضیلت سے متعلق روایات ہیں پھر دعا کی حقیقت، اس کے آداب اور اس سے متعلق ہدایات پر مشتمل روایات ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جن میں آپ کی ہر طرح کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ آخر میں صلوٰۃ و سلام سے متعلق روایات ہیں اور درود شریف کے مختلف الفاظ والی روایات کا بیان ہے۔

جلد ششم میں معاشرت یعنی آپسی تعلقات اور گھریلو زندگی نیز اپنے قرب وجوار کے اور مختلف حیثیتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے حقوق سے متعلق احادیث مذکور ہیں۔ اس کے دیباچہ میں حضرت مولاناؒ نے اسلام میں معاشرتی احکام کی اہمیت اور حقوق العباد کے ادا کرنے کی تاکید اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی پر اللہ کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب کی وعیدوں پر ایک نہایت مفید کلام فرمایا ہے۔ معاشرتی حقوق کی ان احادیث کے ضمن میں حیوانوں اور جانوروں تک کے حقوق سے متعلق احادیث بھی ہیں۔ اس کے بعد "آداب ملاقات" اور "آدابِ مجلس" کے زیر عنوان سلام و مصافحہ، معانقہ، گھر میں داخل ہونے کے آداب اور مجلس سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کا بیان ہے۔ آپسی گفتگو، ہنسی مذاق وغیرہ کے سلسلہ میں نیز چھینکنے اور جمائی لینے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی کیا ہدایات ہیں اس کا بھی ذکر ہے۔ اسکے بعد کھانے پینے اور لباس کے احکام و آداب سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں جن کے ضمن میں ستر اور پردے سے متعلق احادیث بھی آجاتی ہیں۔

جلد ہفتم میں اولاً کتاب المعاشرہ کا باقی حصہ (جو جلد ششم میں نہ آسکا تھا) یعنی نکاح وطلاق اور ان کے متعلقات ہیں۔ پھر معاشی معاملات اور تمدنی زندگی کے تمام بنیادی شعبوں اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات یا معمولات تشریح کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب المعاملات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ اس میں اولاً رزقِ حلال حاصل کرنے کی فضیلت (خواہ وہ تجارت کے ذریعہ ہو یا صنعت و حرفت اور زراعت کے ذریعہ ہو) سے متعلق احادیث درج ہیں۔ پھر ناجائز طریقہ پر کمائے ہوئے مال کی نحوست کو بیان کرنے والی روایات ہیں۔ اس کے بعد ربوا یعنی سود کی روایات کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد بیع وشراء کے احکام سے متعلق روایات ہیں۔

اسی سلسلہ میں ہدیہ تحفہ دینے لینے کا ذکر اور اس کی فضیلت کا بھی بیان ہے۔ وقف فی سبیل اللہ، وصیت، نظام قضا، نظام حکومت اور خلافت وامارت سے متعلق احادیث بھی اسی جلد میں ہیں۔

اب سلسلہ معارف الحدیث کی آخری کڑی (جلد ہشتم) آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس جلد میں پہلے کتاب العلم ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں آپ ﷺ نے علم دین کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح وہ روایات بھی ذکر کی گئی ہیں جن میں دنیوی اغراض سے علم دین حاصل کرنے والوں یا علم حاصل کرنے کے باوجود عمل نہ کرنے والوں کا انجام بد اور ان کے بارے میں دنیا و آخرت کی سخت وعیدوں کا تذکرہ ہے۔

کتاب العلم کے بعد کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ہے۔ جس میں کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے اور بدعات سے احتراز کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذکر کئے گئے ہیں۔ ان احادیث کی تشریح کے ضمن میں سنت و بدعت کی حقیقت، سنت کا تشریعی مقام اور کتاب اللہ ہی کی طرح رسول اللہ ﷺ کے بھی واجب الاتباع اور ذریعہ نجات ہونے کا تذکرہ ہے۔

اسی سلسلے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق روایات بھی ہیں اور اس کام کے اجر و ثواب کا ذکر بھی ہے۔ نیز قدرت رکھنے کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے پر دنیا و آخرت میں سخت مواخذہ کی روایات بھی ہیں۔ امر بالمعروف کی ضمن میں ہی جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت اور اس کی اہمیت و ضرورت سے متعلق روایات مذکور ہیں، اور اس باب میں جہاد سے متعلق بہت اہم اور بنیادی مضامین قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مؤلفؒ کے قلم سے لکھوا دیئے ہیں۔

جہاد سے متعلق روایات کی تشریح و توضیح اور اس سے متعلق ضروری ابحاث کے بعد کتاب الفتن ہے۔ جس میں وہ روایات ذکر کی گئی ہیں جن میں مستقبل میں امت میں پیدا ہونے والے دینی انحطاط و زوال اور فتنوں کا ذکر ہے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ امت ان کے وقوع سے پہلے ہی ان سے تحفظ کا انتظام کرلے اور کوشش کرے کہ ایسے حالات ہی پیدا نہ ہوں جن کے نتیجہ میں فتنوں کے دروازے کھلیں اور اگر خدانخواستہ فتنوں سے واسطہ ہی پڑ جائے تو اس وقت کیا طرز عمل اختیار کیا جائے اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کیا ہیں، اس کا تذکرہ ہے۔ کتاب الفتن ہی میں علامات قیامت سے متعلق احادیث کا ذکر ہے۔ جن میں وقوع قیامت سے پہلے کی علامات اور وقوع قیامت کے وقت کی علامات کا ذکر ہے۔ علامت قیامت میں فتنۂ دجال، حضرت مہدی کی تشریف آوری اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذکر کئے گئے ہیں اور ان کی بہت اچھی تشریح کی گئی ہے۔ جس سے ان امور کے بارے میں اہل سنت کے مسلک کی وضاحت ہو جاتی ہے اور ان کے بارے میں جو غلط عقائد و خیالات امت میں در آئے ہیں ان کا رد بھی ہو جاتا ہے۔ خصوصاً حضرت مہدی کے بارے میں شیعی عقیدہ اور اہل سنت کے مسلک کے فرق کے بارے میں بہت اچھا اور قیمتی کلام اس ضمن میں آگیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی روایات کی تشریح میں قادیانیوں کی بے سروپا باتوں کا بھی نہایت مدلل اور تفصیلی رد ہو گیا ہے۔ جس کی آج

کل بہت ضرورت ہے کہ یہ فتنہ اس وقت پوری دنیا کا عظیم فتنہ بنا ہوا ہے۔ احقر کے خیال میں اہل علم کے لئے بھی اس کا مطالعہ انشاءاللہ مفید ہو گا۔

علامات قیامت کے بعد کتاب المناقب والفضائل ہے۔ جن میں رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات نقل کئے گئے ہیں (اور پھر ان کی تشریح کی گئی ہے) جن میں آپ ﷺ نے بعض خاص افراد واشخاص یا خاص طبقات کے وہ مناقب وفضائل بیان فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمائے تھے......ان احادیث میں بھی امت کے لئے ہدایت کا بڑا سامان ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے سیدنا مولانا (فداہ ابی وامی) حضرت محمد ﷺ کے فضائل اور مقامات عالیہ کے سلسلہ کی احادیث ہیں۔ جن کو آپ ﷺ نے تحدیث نعمت کے طور پر یا امت کو صحیح واقفیت کرانے کے لئے بیان فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں آپ کی ولادت، بعثت اور آپ کی عمر مبارک سے متعلق روایات بھی ذکر کی گئی ہیں اور ان کی تشریح کی گئی ہے اور اس بارے میں کافی علمی مباحث بھی زیر قلم آگئے ہیں جو انشاءاللہ حدیث شریف کے بڑے درجوں کے طلبہ بلکہ علماء کے لئے بھی بہت مفید ہوں گے۔

آپ کے فضائل کے ضمن میں آپ کے اخلاق حسنہ، مرض وفات اور پھر وفات سے متعلق احادیث ذکر کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے۔ مرض وفات کی آپ کی نہایت قیمتی وصیتوں کا ذکر بھی اسی سلسلہ میں کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فضائل ومناقب کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق روایات ذکر کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے جس میں ان کے خلیفہ رسول ﷺ ہونے کا بھی ذکر ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق روایات ذکر کرنے کے بعد وہ روایات بھی ذکر کی گئی ہیں جن میں آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کی فضیلت کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کے دونوں داماد (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے فضائل بالترتیب ذکر کئے گئے ہیں۔ خلفاء راشدین کے فضائل کی ترتیب ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق بھی ہے اور اہل سنت کے نزدیک ان کے مقام ومرتبہ میں جو ترتیب ہے اس کے بھی مطابق ہے۔ ان دونوں حضرات کے فضائل کے سلسلہ میں بعض بہت قیمتی علمی مباحث آگئی ہیں۔ خصوصاً سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں بعض غلط شیعی عقائد کی تنقید اور رد آسان اور عام فہم زبان میں ہو گیا ہے۔

ان خلفاء اربعہ کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے بچے ہوئے باقی چھ حضرات حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کی روایات اور ان کی تشریح ہے۔

حضرات عشرہ مبشرہ کے فضائل کے بیان کے بعد فضائل اہل بیت نبوی کے عنوان سے آپ کی ازواج مطہرات اور بنات طیبات کے فضائل کا تذکرہ ہے۔ حضرتؒ نے اس ضمن میں لفظ "اہل بیت" پر بڑا فاضلانہ کلام کیا ہے۔

ازواج مطہرات میں سے صرف ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین حضرت سودہؓ،

ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے فضائل و مناقب کا بیان حضرتؒ کے قلم سے ہو سکا تھا اور یہ بھی طویل طویل وقفہ سے۔ مختلف عوارض اور امراض کے باوجود حضرت نے یہ کام جس طرح کیا ہے، اس کو ان کا رب ہی جانتا ہے اور انشاء اللہ وہ ان کو اپنی شان عالی کے مطابق اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

اسکے بعد حضرت نے اس سلسلہ کی تکمیل کا حکم احقر کو دیا۔ بے شک یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات تھی لیکن کاش یہ سلسلہ حضرت ہی کے ذریعہ مکمل ہو جاتا تو وہ فرق جو ناظرین محسوس فرمائیں گے وہ نہ ہوتا۔

کہاں حضرت کا علم و فہم اور مشکل سے مشکل مضامین کو نہایت سہل انداز میں پیش کرنے کی خداداد صلاحیت، معلوم ہوتا کہ اَلنّالهُ الحدِيْد کا کسی درجہ میں ظہور ہو رہا ہے اور کہاں یہ بے بضاعت۔

شروع میں تو میں لکھ لکھ کر حضرت کو دکھاتا بھی رہا۔ پھر حضرت کی بیماریوں کی وجہ سے یہ بھی مشکل ہو گیا۔ اب باقی ازواج مطہرات اور سب ہی بنات طیبات اور آپ کے دیگر اہل بیت کے فضائل کا ذکر و بیان احقر کے قلم سے ہے۔ اہل بیت کے فضائل کے تذکرہ کے بعد احقر نے صحابۂ کرامؓ کے فضائل کا ذکر کیا ہے۔

میں نے جن صحابہؓ کا تذکرہ کیا ہے اور جس ترتیب سے کیا ہے وہ ان صحابۂ کرامؓ کے معروف ہونے کی وجہ سے اور اپنے ذہن کی ترتیب کی بنیاد پر کیا ہے ورنہ بالکل ممکن ہے کہ بعض وہ صحابۂ کرامؓ جن کا تذکرہ نہ ہو سکا ان بعض صحابۂ کرامؓ سے اللہ کی نظر میں بلند مقام ہوں جن کے فضائل و مناقب کا بیان میں نے کیا ہے۔

حضرتؒ کا یہ معمول رہا ہے کہ معارف الحدیث کی جلدوں میں دیباچہ یا پیش لفظ کے بعد معارف الحدیث کے ناظرین کو یہ نصیحت یا وصیت فرماتے تھے کہ:

"حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب و توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہو گا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہ راست روحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ از راہِ ادب حدیث نبوی ﷺ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ راقم سطور کو اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ ادب نصیب فرمائے۔

اگر حضرت حیات ہوتے اور اس جلد کا پیش لفظ تحریر فرماتے تو میرا خیال ہے کہ حضرت اس جلد میں بھی اس کا اعادہ فرماتے لہٰذا اس کتاب کے ناظرین سے اس عاجز کی دست بستہ درخواست ہے کہ اس کے مطالعہ کے وقت حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی وصیت پر ضرور عمل کریں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مقدمہ

از ابن المؤلف عتیق الرحمٰن سنبھلی

تکمیلِ ''معارف''

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

''معارف الحدیث'' کا مبارک سلسلہ جس کی آخری جلد بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس کی تحریر و تسوید کا آغاز ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں ہوا تھا۔ اللہ نے اپنے ایک بندے کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ ''جس طرح ہمارے اسی دور اور ہمارے ہی ملک میں (اللہ نے) اپنے بعض بندوں سے اردو زبان میں قرآن مجید کی ایسی خدمتیں کرائیں جن کی اس دور میں خاص ضرورت تھی۔ اسی طرح اس زمانہ کے خاص حالات اور ضروریات کا لحاظ رکھ کر اردو میں حدیث نبوی ﷺ کی بھی ایک خدمت کی جائے۔'' خیال مبارک ثابت ہوا، توفیق ربانی ہم عناں ہوئی۔ اور لمبے لمبے وقفوں کے باوجود سلسلہ کسی نہ کسی طرح چلتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں اس کی پہلی جلد آ گئی۔ اور اسی طرح کے کم و بیش لمبے لمبے وقفوں کے ساتھ (اس لئے کہ حضرت مؤلف علیہ الرحمہ کو ''اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' کے مصداق لکھنے پڑھنے کے لئے جم کر بیٹھنا مشکل ہی سے کبھی میسر آتا تھا) دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی ہوتی ہوئی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں ساتویں جلد بھی شائع ہو گئی۔ مگر اس آخری (آٹھویں) کے مرحلے میں تو کٹھنائیاں آئیں تو یہ بس توفیق ربانی کی دست گیری ہی تھی کہ بیس سال کی دیر سے سہی، مسافر کے جان سے گزر جانے کے بعد سہی، سفر تکمیل کو پہنچ ہی گیا۔ عید آ کر رہی، اگرچہ شام کے بعد!

الغرض یہ آخری تکمیلی جلد حضرت مؤلف کی وفات (۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۷ء) کے بعد شائع ہو رہی ہے۔ اگر زندگی نے کچھ اور وفا کی ہوتی اور انہیں موقع ملتا کہ اس مبارک سلسلے کی یہ آخری کڑی وہ خود ہی اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کریں تو اللہ ہی بہتر جان سکتا ہے کہ شکر کے کن الفاظ اور کن کیفیات میں تقدیم کی یہ رسم انجام پاتی۔ شکر نعمت کا جو مادہ اللہ نے ان کی طبیعت میں ودیعت فرما دیا تھا، شاید ہی کوئی ان کے قارئین میں ایسا نکلے جسے ان کی اس خصوصیت کا احساس نہ ہو۔ وہ جس طرح اپنے آپ کو ناچیز و عاجز لکھتے تھے فی الواقع ایسا ہی سمجھتے بھی تھے اور اسی لئے جب بھی ان سے کوئی کام بن آتا اسے سراسر اللہ کا احسان و کرم ہی سمجھتے اور شکر میں ڈوب جاتے اور یہ سلسلہ معارف الحدیث کا کام تو وہ تھا کہ اسے ان لوگوں نے بھی ''کام'' جانا جو انہیں کسی اور کام کے حوالے سے اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ پس اس بلند پایہ کام کی تکمیلی کڑی پیش

کئے جانے کی اس گھڑی میں بے اختیار خیال آتا ہے کہ کاش ان کی باوفا عمر اتنی وفا اور کرتی کہ اپنے اس مبارک کام کی تکمیل پر جوان کے تصنیفی سلسلے کا سب سے بڑا کام تھا، شکر کے اس سرور سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع پالیتے جو ان کی روح کی بے حد مرغوب غذا تھی۔ چوتھی جلد جس پر کام مکمل نہیں ہوا تھا، صرف نصف ہی تک پہنچا تھا، اس کے دیباچہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ "گزشتہ تیرہ صدیوں میں ہر دور اور ہر علاقے کے مخصوص تقاضوں کے مطابق حدیث نبوی ﷺ کی خدمت کا کام اللہ تبارک و تعالیٰ نے امت کے خادمان حدیث سے لیا ہے، اس زمرے میں اپنے لئے شرکت کی توفیق پر ان کی زبان شکر و حمد یوں زمزمہ آرا ہو جاتی ہے:

"اس رب کریم کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے اپنے ایک نااہل اور گناہگار بندے کو یہ توفیق بخشی کہ وہ بھی خادمان حدیث کے زمرے میں شامل ہو...... سبحان اللہ! ایک غریب مسکین بڑھیا کو بھی توفیق ملی کہ وہ اپنی کل مایہ ہاتھ کا کاتا ہوا سوت لے کر خریداران یوسف کی قطار میں کھڑی ہو جائے۔ لک الحمد یا ربی

من آں خاکم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر روید از تن صد زبانم چو سوسن شکر لطفش کہ توانم

یہ زبان شکر اگر اس کار عظیم کی تکمیل کے اس موقع پر گویا ہوتی تو کیا کیا کیفیت اس کے زمزمہ ہائے حمد و شکر کی نہ ہوتی! مگر صد بار نہیں صد ہزار بار شکر کہ رب کریم نے اپنے بندۂ فانی کے کام کو باقی ہی نہیں رکھا، اسے تکمیل تک پہنچوایا، اور اسکے اخلاف کو موقع دیا کہ وہ اس پر شکر گزار ہو کر اپنی اوقات کے مطابق اعملوا آل داود شکرا (سورۂ سبا ۳۴: ۱۳) کے ارشاد ربانی کی تعمیل کریں۔ لک الحمد یا ربنا! لک الحمد.

کتاب کی تاخیر کے بعض اسباب بھی قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۶ء تک چار سالہ عرصے میں صحت کے مختلف عوارض کے علاوہ ایسی غیر معمولی درجے کے ہنگامی مشاغل کا ہجوم رہا جن سے اپنے عوارض کے باوجود مفر نہ تھا۔ اولاً ان کی مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں رونما ہو جانے والا انتشار، جبکہ وہ مجلس شوریٰ کے ایک اہم ممبر بھی تھے۔ اس قضیے سے کسی طرح کچھ فراغت ہوئی تو "اسلامی انقلاب" کے نام سے عالم اسلام پر امام ایران آیۃ اللہ خمینی صاحب کی یلغار نے انہیں بے چین کر ڈالا۔ اور ایک ایسا کام جس کے لئے اب عمر و صحت موزوں نہ رہی تھی قم باذن اللہ کے انداز میں اٹھالیا اور سال بھر مسلسل مطالعہ کے بعد یادگار کتاب[1] تیار کر ڈالی۔ جس سے اسلامی دنیا کے پڑھے لکھوں میں کم ہی لوگ ناآشنا رہے ہوں گے۔ تقریباً چار سال کا عرصہ ان دو اعصاب شکن مصروفیتوں کی نذر ہو گیا۔

لیکن ۱۹۸۶ء سے انہوں نے معارف الحدیث کا سلسلہ بہر حال بحال کر دیا۔ مگر اب رفتار بہت دھیمی تھی۔ وقفوں وقفوں کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کچھ ہوتا رہا۔ اس میں بھی ۱۹۹۰ء کا ایک سال مکمل ناغہ رہا اور اس کا باعث صرف صحت کے عوارض ہی تھے۔ ۹۱۔ ۱۹۹۲ء میں پھر تھوڑا سا کام ہوا۔ مگر ۱۹۹۳ء سے سلسلہ بالکل ہی موقوف ہو گیا۔ اب قویٰ نے بالکل ہی جواب دے دیا تھا۔ مسافر نے ہر ممکن کوشش کی کہ منزل ہی پہ جا کے دم لے کہ چند ہی قدم کی بات اور رہ گئی تھی، کتاب کا بالکل آخری باب فضائل و مناقب تمام ہونے

[1] ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت

میں تھوڑا ہی سا باقی تھا۔ پس اگلے دو سال انتظار میں گزارے کہ شاید وقت پلٹ آئے۔ مگر مشیت حق کے اپنے راز ہیں، کام کی تکمیل برادر عزیز ادمولوی محمد زکریا صاحب استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے مقدر تھی۔ ۱۹۹۵ء میں یہ محسوس کر کے کہ اب اگر خدا چاہے تو یہ کام کسی اور ہی کے ہاتھ مکمل ہونا ہے اسے عزیز موصوف کے سپرد کر دیا جو اس کام کے لئے ہم سب گھر والوں میں موزوں ترین ہو سکتے تھے۔ اور الحمد للہ ان کے ہاتھوں یہ مبارک کام مکمل ہوا۔ اور اب انشاء اللہ شائقین کے ہاتھوں میں ہے۔

ان سطروں کے لئے قلم اٹھانے سے پہلے راقم نے اس آخری جلد کے مضامین پر نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ حضرت مؤلف علیہ الرحمہ کو جس قدر بھی خواہش اس بات کی نہ رہی ہو کہ کتاب جس باب (فضائل و مناقب) کے ساتھ تکمیل کو پہنچ رہی ہے وہ کسی بھی طرح انہیں کے ہاتھوں مکمل ہو جائے، وہ کم ہے۔ اس باب کا آغاز ہوتا ہے حضور اکرم ﷺ کے فضائل سے اور پھر خلفاء راشدین، ازواج مطہرات و ذریات طیبات سے گزرتے ہوئے اعیانِ اصحاب کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے لذیذ تذکروں پر یہ تمام ہوتا ہے۔ کیا شبہ ہے کہ ایک مؤمن کے لئے یہ تذکرے ذخیرۂ حدیث کا حاصل اور وہ جنت نگاہ و فردوس گوش ہیں کہ ان کے بیچ سے اٹھ جانا قیامت سے کم نہ ٹھہرے۔ یہ آخری جلد یوں تو چار ابواب (بلکہ اصطلاحی زبان میں چار کتابوں پر مشتمل ہے۔ کتاب العلم، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، کتاب الفتن، کتاب المناقب والفضائل، لیکن یہ آخری (فضائل کا) باب باقی تینوں ابواب کے مجموعے سے بھی کم از کم دو گنا بڑا ہے اور اس کو پڑھتے ہوئے آدمی واقعی ایک ایمانی جنت میں سیر کر رہا ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ ذکر خدا کے بعد حبیب خدا ﷺ، آپ کے خلفاء واصحاب اور ذریت وازواج کے تذکرے سے بڑھ کر ایمان افروز اور کونسا تذکرہ ہو سکتا ہے؟ آنحضرت ﷺ کے مناقب میں آپ کے آغاز نبوی کی تفصیل، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں آپ کے مراتب عُلیا کا بیان (خاص طور سے وہ جو روز محشر سامنے آئیں گے، آپ کا مقام شفاعت، خطابت، امامت وقیادت) آپ کے اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ جو عملی پیکر میں قرآن کے اوراق تھے اور آخر میں آپ کے اس دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کے احوال۔ پھر آپ کے خلفاء راشدین کے تذکار، آنحضرت ﷺ کی نظر میں ان کے مراتب، آپ کی بارگاہ میں ان کا تقرب، ان کے وہ اوصاف جنہوں نے ان کو یہ مرتبے دلائے۔ خلفاء اربعہ کے بعد ان کے ان باقی چھ ساتھیوں کے احوال جن سے عشرہ مبشرہ کی گنتی پوری ہوتی ہے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابو عبیدہ بن جراح (رضوان اللہ علیہم اجمعین) حضور کے ان یارانِ خاص کے بعد آپ کے اہل بیت (ازواج مطہرات، اور ذریت پاک) کی پاکیزہ زندگی کے تذکرے، آپ ﷺ کا ان سے اور **ان کا آپ سے** تعلق۔ یعنی حضور پاک کی خانگی زندگی کی تصویر اور آخر میں ان نمایاں حیثیت کے اصحاب کرام کی کچھ یادگار باتیں جن کا صحاح ستہ کے ابواب مناقب میں تذکرہ ملتا ہے۔ الغرض اس ایمان افروز باب کو ادھورا چھوڑنے سے حضرت مؤلف علیہ الرحمہ والرضوان کی طبیعت جس قدر بھی گریزاں رہی ہو وہ کم ہے۔ لیکن مشیت کے اپنے راز ہیں۔ وہ بس حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی تک اس ذکر خیر کو پہنچا سکے۔

ان سطروں سے یہ خیال نہ ہو کہ اس باب میں صرف احوال و تذکار ہی ہیں۔ بعض بڑے اہم مسائل بھی ضمن میں آگئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات اور مرض وفات کے ساتھ حدیث قرطاس کی ایک بڑی معرکہ آرا بحث آتی ہے۔ اسی ضمن میں آنحضرت ﷺ کی خلافت اور قائم مقامی کا وہ مسئلہ بھی ہے جو شیعیت اور سنیت کی کھلی حد بندی کرتا ہے۔ اور بھی چھوٹی چھوٹی بحثیں ضمناً پیدا ہوتی ہیں۔ ان سب مقامات پر اسی انداز کی بصیرت افروز گفتگو قاری کو ملتی ہے جو انداز گفتگو کتاب کی دوسری جلدوں میں ایسے مقامات پر پایا جاتا ہے۔ یعنی بحث و مباحثے اور مناظرے والا انداز اختیار کئے بغیر مسئلے کو صاف کر دینا۔ حتیٰ کہ اگر ایک قاری نہیں جانتا کہ اس جگہ کوئی مسئلہ ہے تو اسے اس مقام کی گفتگو بھی مشکل ہی سے احساس دلا سکے گی کہ یہاں کوئی متنازع فیہ مسئلہ صاف کیا گیا ہے۔ مسئلہ کو مسئلہ بنائے بغیر حل کر دینا، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک حاذق حکیم و طبیب مریض کو مرض کی خطرناکی کا احساس دلائے بغیر علاج کر دینا مناسب جانتا ہے۔ مگر جبکہ اول الذکر (Former) ایک مشکل اور ریاض طلب کام ہے۔

ثانی الذکر (Later) میں ایسی کوئی بات نہیں، صرف خیال اور ارادے کی ضرورت ہے۔ مؤلف علیہ الرحمہ نے یہ ریاض طلب طریق کار جس مصلحت سے اپنایا ہے اس مصلحت پر انہوں نے کتاب کی تیسری جلد میں اپنے قارئین کو بھی متنبہ کر دینا مناسب سمجھا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس آخری جلد کے لئے لکھی گئی ان سطروں میں بھی اس کو دہرا دیا جائے۔ فرمایا ہے:

"پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی احادیث کے ترجمہ و تشریح میں اصل مطمح نظر یہ رہا ہے کہ ہمارے اس دور کے ذہن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی عظمت و قدر و قیمت کو سمجھیں اور ان کے اندر اس کے اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اس نور اور روشنی سے بھی وہ حصہ لے سکیں جس سے آپ کی اس تعلیم و ہدایت کے ذریعہ صحابۂ کرامؓ کو حصہ ملا تھا۔ اس لئے خالص علمی و فنی اور درسی بحثوں سے دانستہ بچا گیا ہے اور اپنی بساط بھر آسان اور مؤثر انداز میں احادیث کا سب مقصد و پیام واضح کرنے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے طریقے پر حسب ضرورت اس کی روح اور حکمت و مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔"

اس تیسری جلد میں نماز سے متعلق احادیث آئی تھیں اور ان کے سلسلے میں بہت سے فقہی اختلافات کی بحثیں آتی ہیں۔ جن سے دامن بچانا بہت مشکل ہے۔ ان تک کے بارے میں حضرت مؤلف نے یہی رویہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"ناظرین کو ذہنی انتشار اور پریشان دماغی سے بچانے کے لئے جہاں کچھ لکھنا پڑا ہے تو امکان بھر اس کی کوشش کی گئی ہے کہ مناظرانہ بحث کی شکل نہ بنے۔"

چند اور خصوصیات

جیسا کہ اوپر شروع میں ذکر آچکا ہے، معارف الحدیث کا یہ سلسلہ احادیث نبوی ﷺ کا ایک جدید انتخاب ہے۔ جس میں اپنے زمانے کی خصوصیتیں اور ضرورتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ اس انتخابی عمل کے بعد اس

کتاب کی دوسری خصوصیت منتخب احادیث کی ترتیب ہے۔ ہر باب کی ان حدیثوں کو ایسی ترتیب کے ساتھ کتاب میں جگہ دی گئی ہے کہ اگر ایک حدیث میں کوئی وضاحت طلب بات ہے اور ایک دوسری سے اس کی وضاحت میں مدد ملتی ہے تو وضاحت طلب حدیث کو پہلے رکھا جائے اور وضاحت میں مدد دینے والی حدیث کو بعد میں۔ اس طرح اولاً تو حدیث سے متعلق کسی اشکال یا غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے کسی تقریر اور تشریح کی خاص ضرورت ہی نہیں رہتی اور نہیں تو ایک اشارہ ہی بس کرتا ہے۔ یہ خدمت حدیث کے سلسلے کا وہ نادر کام ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کتاب کے مؤلفؒ سے لیا۔ تیسری جلد کے دیباچے میں کتاب کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

"ان حدیثوں کے انتخاب اور ترتیب کا کام بہت غور و فکر سے کیا گیا ہے۔ حدیث پر نظر اور دور حاضر کے علمی اور دینی تقاضوں کی خبر رکھنے والے حضرات اگر غور فرمائیں گے تو محسوس کریں کہ ترجمہ و تشریح سے قطع نظر یہ انتخاب اور ترتیب بجائے خود ایک کام ہو گیا ہے۔"

اور جیسا کہ حضرت مؤلفؒ کے انہیں الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے، اس کتاب میں احادیث مبارکہ کا ترجمہ اور ان کی تشریح بھی خدمت حدیث کے اس میدان میں اپنی ایک خصوصیت رکھتا ہے اور وہ خصوصیت بنیادی طور پر یہی ہے کہ اس کام میں بھی الفاظ کے انتخاب اور انداز گفتگو دور حاضر کے علمی اور دینی تقاضوں، اور ان کو پورا کرنے کی نزاکتوں پر نظر رکھی گئی ہے۔ یہ تقاضے اور نزاکتیں کیا ہیں؟ اس کی طرف بھی اس دیباچے میں اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

"ہمارے اس زمانے کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم و نظریات کی ترقی اور اشاعت نے پوری انسانی دنیا کے طرز فکر اور علمی مزاج کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ اس لئے تعلیمات محمدی کے آج کے امینوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی اور فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کو پیش کریں۔"

احادیث کی ترتیب اور ترجمہ و تشریح میں اس دور کے ذہن و مزاج کی رعایت کو قرار واقعی اہمیت دینے کے ساتھ ایک یہ کام بھی حدیث فہمی کو آسان بنانے کے سلسلے کا قابل ذکر ہے کہ ہر ایک مطلب اور موضوع کی احادیث کو ایسے ذیلی عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا ہے جو آپ سے آپ حدیث کے صحیح مفہوم و مدعا کی طرف رہنمائی کر سکتے ہیں۔ مزید ایک اور اہم کام، جس سے فائدہ تو تمام ہی فہمیدہ قارئین انشاء اللہ اٹھائیں گے، لیکن اصل قدر و قیمت اہل علم و نظر ہی جانیں گے، ہر باب کے شروع کے وہ تمہیدی نوٹ ہیں جو حسب ضرورت احادیث باب کو سمجھنے، شرح صدر کے ساتھ قبول کرنے یا ان سے فائدہ اٹھانے کی ذہنی استعداد پیدا کرتے ہیں۔ یہ نوٹ خاص طور سے ان ابواب کی حدیثوں کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں جن کے مضامین کا تعلق ان امور سے ہے جو ہمارے محسوسات، ہمارے تجربات اور ہماری دنیا کے مادیات سے ماوراء ہیں۔ احادیث کے یہ مضامین ان چیزوں کی صف اول میں ہیں جو مغربی فکر کی وسوسہ اندازیوں کی زد میں آئی ہیں۔ یہ نوٹ مغربی افکار سے بحث نہیں کرتے۔ یہ سیدھی سادی زبان میں انسان کی اس سادہ

فطرت کو جگاتے ہیں جس کو انبیاء علیہم السلام کی باتیں سمجھنے اور ماننے میں کبھی کوئی دقت نہیں ہوتی اور اگر فطرت قبول حق کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو تو پھر کوئی دلیل کارگر نہیں ہوتی۔ سادگی کے ساتھ یہ نوٹ "ما قل و ما دل" کا بھی پورا پورا نمونہ اور دین و علم حدیث میں حضرت مؤلف کے رسوخ و بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ نور اللہ مرقدہ

لیکن اپنی کتاب کی ان خصوصیات کا اصل کریڈٹ وہ خود نہیں لیتے، اس کے لئے صاحب حجۃ اللہ البالغہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرف انگلی اٹھا دیتے ہیں۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے دو بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) حضرت مؤلف کے ذہن و فکر پر غیر معمولی طور پر اثر انداز رہے۔ اپنے مجلّہ الفرقان کے پہلے ہی عشرے میں جو ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۳ھ سے شروع ہوتا تھا۔ انہوں نے الفرقان کے دو خاص نمبر شائع کئے۔ مجدد الف ثانی نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر۔ ان نمبروں نے صرف دینی حلقوں ہی میں نہیں، عام علمی اور تاریخی حلقوں میں بھی وہ اہمیت پائی جو رسائل کے خاص نمبروں کو خال خال ہی ملا کرتی ہے۔ یوں تو ان کی ساری ہی علمی اور دینی سرگرمیوں میں ان دونوں فکری دھاروں کی اثر اندازی رہی، مگر جس طرح ان کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" کے بارے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ اس پر ان کی مجددی نسبت کی گویا مہر ہے (کہ ان کی عمر اور صحت کے جس دور میں وہ لکھی گئی وہ ممکن نہ ہوتی اگر مجددی نسبت کی آنچ سے ان کا سینہ خالی ہوتا) اسی طرح معارف الحدیث کے اس سلسلے کو ان کی "ولی اللّٰہیت" کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کی ولی اللّٰہی نسبت کی طرف ایک اشارہ تو اوپر کے ایک اقتباس میں ابھی گزرا ہے۔ وہ اقتباس کتاب کی تیسری جلد کے حوالے سے تھا۔ اسی جلد میں اسی موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا نام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"(ان کے خیال کے مطابق) حدیث و سنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا جیسا سامان اس کتاب میں ہے ایسا پورے اسلامی کتب خانے کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔" اور اسی بنیاد پر فرماتے ہیں:

"اس ناچیز نے چونکہ بیسویں صدی کے ذہن اور اس دور کی خصوصیات کو سامنے رکھ کر اردو میں شرح حدیث کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا...... اس لئے اس میں دوسری شروحِ حدیث کی بہ نسبت زیادہ استفادہ "حجۃ اللہ البالغہ" ہی سے کیا گیا ہے۔"

حضرت شاہ صاحب اور ان کی کتاب کا منفرد مقام اہل علم میں مسلّم ہے۔ لیکن ان کی یہ کتاب بالعموم فلسفۂ اسلام کی کتاب کے طور پر جانی جاتی ہے۔ اس کی یہ جہت کہ احادیث کی تشریح و تفہیم کے لئے معروف شروحِ احادیث سے زیادہ اس پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔ یہ شاید پہلی مرتبہ معارف الحدیث کے اس بیان کے ذریعہ سامنے آتی ہے۔ یہ اگر صحیح ہے (اور کوئی وجہ نہیں کہ استقرائی (Inductive) نوعیت کے اس بیان کو کسی مبالغے اور فرطِ عقیدت پر محمول کیا جائے) تو اس کا یقیناً یہ مطلب ہے کہ صاحب بیان و تجربہ کو علم ولی اللّٰہی سے طبعی اور خصوصی مناسبت ہی نہیں ہے بلکہ انہوں نے ان علوم کی گہرائیوں میں اترنے پر خصوصی

توجہ صرف کی ہے۔

راقم الحروف کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ معارف کو پڑھ کر یہ فیصلہ دے سکے کہ ہاں صاحب معارف کی ان علوم سے واقعی خصوصی مناسبت ثابت ہوتی ہے۔ یہ مقام تو کسی ایسے صاحب علم ہی کا ہو سکتا ہے جو علوم ولی اللّٰہی پر دسترس رکھتا ہے اور اس کی روشنی میں معارف الحدیث کو پرکھ سکتا ہے۔ البتہ ان علوم پر کامل دسترس کے حصول کے لئے صاحب معارف کی جد وجہد کے ایک خاص واقعہ کی شہادت راقم سطور ضرور دے سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جب جلاوطنی کی قید سے نکل کر ہندوستان واپس تشریف لائے تو کچھ ہی دن بعد ہمارے یہاں تشریف آوری ہوئی۔ یہ غالباً ۱۹۳۹ء،۴۰ کی بات ہے، جبکہ ہم لوگ بریلی میں رہتے تھے اور راقم کی عمر اس وقت ۱۱، ۱۲ سال ہو گی۔

مولانا نے کئی دن ہمارے یہاں قیام فرمایا۔ اس تشریف آوری کی تقریب یہ تھی کہ حضرت مؤلف (یعنی میرے والد ماجدؒ) کو کسی مدرسہ کے جلسے میں حضرت مولانا سے نیاز حاصل ہوا اور ایک آدھ دن وہاں قیام میں آپ سے استفادہ کا موقع ملا تو ان کی اس خصوصیت کی بنا پر کہ وہ علوم ولی اللہ کے شارح ہیں والد ماجد نے خواہش کی کہ حجۃ البالغہ کے بعض مقام اچھی طرح سمجھنے کے لئے وہ ان سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تقریب تھی کہ حضرت مولانا نے اس سلسلے میں خود بریلی تشریف لا کر مستفید فرمانے کا وعدہ فرمایا اور تشریف لائے۔ یہ واقعہ اصلاً تو اسی بات کی ایک وزنی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے کہ صاحب معارف کو اپنے امکان بھر علوم ولی اللّٰہی کی گہرائیوں میں اترنے سے کیسی گہری دلچسپی تھی، مگر ضمناً اس میں ان کی طبعی مناسبت کی شہادت بھی اس میں کم نہیں ہے۔ کنوئیں نے پیاسے کو خود آ کے نوازنے کا فیصلہ کیا! کوئی بات ہونی چاہئے۔ [1]

پس علاوہ اور باتوں کے اس کتاب کی یہ ایک الگ اور قابل توجہ خصوصیت ہے کہ جملہ ابواب و عنوانات سے تعلق رکھنے والی احادیث نبوی کی تشریح و تفہیم بنیادی طور سے فکرِ ولی اللّٰہی کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اس کو حدیث کی تدریس (Teaching) میں ایک نئی راہ کھولنے والا تجربہ کہا جا سکتا ہے۔ ایسا تجربہ جس میں حضرت مؤلف کے خیال کے مطابق ہمارے زمانے کے ذہن و فکر کی تشفی کا سامان ہے۔ بلکہ حجۃ اللہ کی روشنی اور رہنمائی کا ایک پہلو تو اس سلسلے میں ایسا ہے کہ حضرت مؤلفؒ ہماری دینی درسگاہوں میں اس کے نظر انداز کئے جانے پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں اور خود انہیں درسگاہوں سے تعلیم پانے کے باوجود انہوں نے اپنے لئے اس کتاب میں ضروری سمجھا ہے کہ اس رہنمائی کی پیروی کریں۔ یہ

[1] بریلی کے ذکر پر خیال آتا ہے کہ والد ماجد کو دور جدید کے ذہن و فکر اور اس کی رعایت کا جو اس قدر احساس تھا اس میں ان کے چودہ سالہ قیام بریلی کا ضرور کافی دخل رہا ہو گا۔ بریلی کا یہ قیام ایک ایسی جگہ رہا جہاں آپس میں رشتہ داریوں والے بس ایسے دو تین خاندان آباد تھے جو تھے تو کسی نہ کسی طور پر اکابر دیوبند سے وابستہ، مگر سب انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ۔ ان میں پروفیسران بھی تھے، ڈپٹی کلکٹران بھی اور ماسٹران بھی اور والد کا مزاج دعوتی۔ پس راقم کا گمان یہ ہے کہ اسی طویل رابطے کی بناء پر والد ماجد کو اس طبقہ کے ذہن و فکر کی ضروریات کا اندازہ ہوا اور فکرِ ولی اللّٰہی میں اس "درد" کی دوا نظر آئی۔

اظہار افسوس تیسری جلد میں اس طور پر سامنے آتا ہے:

"اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حدیث کے مطالب و مقاصد کی وضاحت اور اس کی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کی ایک خصوصیت تو یہی ہے کہ اس سے اس دور کے ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری بڑی اور اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس کی روشنی میں امت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی اور اجتہادی اختلافات کی واقعی نوعیت سامنے آجاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان آئمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ افسوس کہ ہماری درسگاہوں میں ابھی تک یہ ولی اللّٰہی طریقہ رواج نہیں پا سکا، حالانکہ ہمارے اس دور کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔"

دوسرے الفاظ میں فقہاء و آئمہ کرام کی مختلف آراء میں رشتۂ وحدت کی تلاش اور اس پر زور، یہ ہمارے زمانے کے لئے حضرت شاہ صاحب کی بڑی قابل قدر رہنمائی ہے اور اپنی اس رائے کے مطابق اپنی اس کتاب میں آنے والی ان حدیثوں کے سلسلے میں جو اختلاف آئمہ سے تعلق رکھتی ہیں، ایک عملی نمونہ بھی کتاب کے خاکے کی گنجائش کے مطابق، اس امر کا قائم کر دیا ہے کہ شاہ صاحب کی اس رہنمائی سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت اس کی سادہ بیانی ہے۔ جس کی وجہ سے بڑے وسیع پیمانے پر لوگ اس سے مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ لیکن غالب گمان ہے کہ یہی سادہ بیانی ایک ایسا حجاب بن گئی ہو کہ ہمارے طبقۂ علماء کے لئے استفادے کے قابل جو پہلو اس کتاب میں ہیں ان تک نگاہیں مشکل سے پہنچ پا رہی ہوں، حالانکہ حجۃ اللہ جیسی نکات ریز کتاب اس کی خاص اساس ہے اور خود حضرت مؤلف بھی مسلمہ طور پر اپنے وقت کے راسخ العلم اور بالغ نظر علماء میں سے! واقعہ میں یہ کتاب کم از کم عام درجے کے علماء کے لئے بھی نہایت کار آمد اور قدر و توجہ کے ساتھ لائق مطالعہ ہے۔ یہ اپنی صف کے آخری فرد کے علم کا گویا نچوڑ ہے، جو اس کتاب کی شکل میں محفوظ ہو گیا۔ فللہ الحمد

کتاب کی تمام خصوصیتوں کا "لعبِ مقصود" کہے جانے کے قابل خصوصیت اس کم علم راقم کی نگاہ میں یہ ہے کہ اس نے دو ہزار سے زائد احادیث کی ایسی مستند تشریح ہی نہیں بہم پہنچا دی ہے جو احادیث نبوی کے اور امت کے سلیم الفطرت جدید تعلیم یافتہ طبقے کے درمیان مغربی افکار کے ڈالے ہوئے حجاب کو اٹھا دے، بلکہ یہ تشریح احادیث طیبہ کی ایک خاص انداز سے ترتیب کے نتیجہ میں پورے دین کی ایک ایسی مرتب اور مؤثر تشریح و تفہیم بن گئی ہے جو اسے ایک دین فطرت کی شکل میں دکھائے۔ یہ کسی کے بھی ہاتھ میں اعتماد کے ساتھ دی جا سکتی ہے کہ وہ اسلام کے پورے نظام اور قالب کو اس کی اس روح کے ساتھ سمجھے جو ایک مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ دین کی روح ہوتی ہے!...... اور اس کے بعد یہ کہتے ہوئے کسی مبالغہ آرائی کے گمان کا اندیشہ نہ کرنا غالباً صحیح ہوگا کہ دین حق کے اس تعارف کے نتیجے میں آدمی کا دل انشاء اللہ اس یقین سے لبریز ہو رہے

گا کہ صاحب احادیث پاک نبی اُمی، حضرت محمد ﷺ ہی کے قدموں میں انسانیت کی فلاح ہے۔ ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلىٰ عَبْدِكَ وَحَبِيْبِكَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْ هُمْ بِاِحْسَانٍ اِلىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ رَبَّنَا وَاَوْزِعْنَا اَنْ نَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْ اَنْعَمْتَ عَلَيْنَا وَعَلىٰ وَالِدَيْنَا وَاَنْ نَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنَا بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ

الفقیر الی اللہ الغنی
ابن المؤلف عتیق
لندن۔ ۵/ محرم ۱۴۲۲ھ - ۳۱/ مارچ ۲۰۰۱ء

معارفُ الحدیث

حصہ ہشتم

کتابُ العلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

دینی اصطلاح اور قرآن و حدیث کی زبان سے مراد وہی علم ہوتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے آتا ہے۔

اللہ کے کسی نبی و رسول پر ایمان لانے اور ان کو نبی و رسول مان لینے کے بعد سب سے پہلا فرض آدمی پر یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرنے اور جاننے کی کوشش کرے کہ میرے لئے یہ پیغمبر کیا تعلیم و ہدایت لے کر آئے ہیں، مجھے کیا کرنا اور کیا چھوڑنا ہے...... سارے دین کی بنیاد اسی علم پر ہے، اس لئے اس کا سیکھنا اور سکھانا ایمان کے بعد سب سے پہلا فریضہ ہے...... یہ سیکھنا سکھانا زبانی بات چیت اور مشاہدہ سے بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ عہد نبوی ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد کے قریبی دور میں تھا، صحابۂ کرامؓ کا سارا علم وہی تھا جو ان کو خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سننے اور آپ ﷺ کے افعال و اعمال کے مشاہدہ سے یا اسی طرح آپ کے فیض یافتہ دوسرے صحابۂ کرامؓ سے حاصل ہوا تھا، علیٰ ہذا اکثر تابعین کا علم بھی وہی تھا جو صحابۂ کرامؓ کی صحبت و سماع سے حاصل ہوا تھا...... اور یہ علم نوشت و خواند اور کتابوں کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتا ہے، جیسا کہ بعد کے زمانوں میں اس کا عام ذریعہ کتابوں کا پڑھنا اور پڑھانا رہا اور اب بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا ہر اس شخص کے لئے فرض و واجب بتلایا ہے جو آپ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر مان کر آپ ﷺ پر ایمان لائے اور اللہ کا دین اسلام قبول کرے اور اس علم کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کو آپ ﷺ نے ایک طرح کا "فی سبیل اللہ" جہاد اور قرب الٰہی کا خاص الخاص وسیلہ اور اس بارے میں غفلت و بے پروائی کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا ہے، یہ علم انبیاء علیہم السلام اور خاص کر رسول اللہ ﷺ کی خاص میراث اور اس پوری کائنات کی سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی دولت ہے اور جو خوش نصیب بندے اس کو حاصل کریں اور اس کا حق ادا کریں وہ وارثین انبیاء ہیں، آسمان کے فرشتوں سے لے کر زمین کی چیونٹیوں اور دریا کی مچھلیوں تک تمام مخلوقات ان سے محبت رکھتی اور ان کے لئے دعائے خیر کرتی ہے، یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں رکھ دی ہے، اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی اس مقدس میراث کو غلط اغراض کے لئے استعمال کریں، وہ بدترین مجرم اور خداوندی غضب و عذاب کے مستحق ہیں...... نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا

اس مختصر تمہید کے بعد علم اور تعلیم و تعلّم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:-

ہر مسلمان پر علم کی طلب و تحصیل فرض ہے

۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

رواه البيهقي في شعب الايمان وابن عدى في الكامل ورواه الطبراني في الاوسط عن ابن عباس وفي الكبير والاوسط عن ابي مسعود وابي سعيد وفي الصغير عن الحسين

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم کی طلب و تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(یہ حدیث حضرت انسؓ سے بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عدی نے کامل میں روایت کی ہے ...... اور طبرانی نے معجم اوسط میں یہی حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس سے اور معجم کبیر و معجم اوسط میں ابو مسعودؓ اور ابو سعید خدری سے اور معجم صغیر میں حضرت حسین (رضی اللہ عنہم) سے بھی روایت کی ہے[1]۔)

تشریح...... مسلم وہی شخص ہے جس نے دین اسلام قبول کیا اور طے کیا کہ میں اسلامی تعلیم و ہدایت کے مطابق زندگی گزاروں گا اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرلے، اس لئے ہر مؤمن و مسلم پر فرض ہے کہ وہ بقدر ضرورت اسلام کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرے، اس حدیث کا یہی مدعیٰ اور پیغام ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ علم صرف گفت و شنید اور صحبت سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، اور دوسرے تعلیمی ذرائع سے بھی، بہر حال حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے ہر مسلمان پر "عالم" "فاضل" بننا فرض ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اسلامی زندگی گزارنے کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے، اس کا حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔

بعض کتابوں میں یہی حدیث لفظ "کل مسلم" کے بعد "مسلمۃ" کے اضافہ کے ساتھ نقل کی گئی ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں "مسلمۃ" کا اضافہ ثابت اور صحیح نہیں، البتہ "مسلم" کا لفظ معنوی حیثیت سے ہر مسلمان مرد و عورت کو شامل ہے۔

دین نہ جاننے والوں کا فرض ہے کہ وہ جاننے والوں سے سیکھیں اور جاننے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انکو سکھلائیں

۲) **عَنْ اَبْزَى الْخُزَاعِيِّ وَالِدِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَاَثْنٰى عَلٰى طَوَائِفَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ لَايُفَقِّهُوْنَ جِيْرَانَهُمْ وَلَايُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَايَعِظُوْنَهُمْ وَلَا يَاْمُرُوْنَهُمْ وَلَايَنْهَوْنَهُمْ وَمَابَالُ اَقْوَامٍ لَايَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِيْرَانِهِمْ**

[1] کنز العمال ج ۲ صفحہ ۲۰۰ و جمع الفوائد ج ا صفحہ ۴۰۔ اس حدیث میں "طلب العلم فريضة على كل مسلم" کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ یہ اتنی مشہور ہے کہ علماء کے علاوہ بہت سے عوام کو بھی یاد ہوتی ہے اور حدیث کی مختلف کتابوں میں یہ متعدد صحابۂ کرامؓ سے روایت کی گئی ہے (اور مفہوم و مدعیٰ کے لحاظ سے اس کے صحیح ہونے میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں) لیکن یہ عجیب بات ہے کہ محدثین کے اصول و معیار کے مطابق اس کی کوئی سند بھی "صحیح" نہیں ہے، ہر سند میں ضعف ہے، اس لئے تمام متقدم محدثین نے اس کو ضعیف ہی قرار دیا ہے ...... البتہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ میں نے حدیث کی کتابوں میں تلاش کر کے اس کی روایت کے قریباً پچاس طریقے دریافت اور جمع کئے ہیں، اس کثرت طرق کی بناء پر اس کو "صحیح" قرار دیتا ہوں، اگرچہ مجھ سے پہلے تمام محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے ...... اور حافظ سخاوی نے کہا ہے کہ ابن شاہین نے اس حدیث کو حضرت انسؓ سے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے سب راوی ثقہ ہیں (تو اس سند کے لحاظ سے یہ حدیث محدثین کے اصول و معیار پر بھی صحیح ہے)۔ (اعذب الموارد فی تخریج جمع الفوائد ...... بحوالہ فیض القدیر ج ۴ صفحہ ۲۶۸)

وَلَایَتَفَقَّهُوْنَ وَلَایَتَّعِظُوْنَ، وَاللّٰهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَيُفَقِّهُوْنَهُمْ وَيَعِظُوْنَهُمْ وَيَامُرُوْنَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ اَوْلَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِيْ دَارِالدُّنْيَا...... ثُمَّ نَزَلَ فَدَخَلَ بَيْتَه‘ فَقَالَ قَوْمٌ مَنْ تَرَوْنَهُمْ عَنٰى بِهٰؤُلَاءِ؟ فَقَالُوْانَرَاهُ عَنٰى بِهِ الْاَشْعَرِيِّيْنَ، هُمْ قَوْمٌ فُقَهَاءُ وَلَهُمْ جِيْرَانٌ جُفَاةٌ مِنْ اَهْلِ الْمِيَاهِ وَالْاَعْرَابِ...... فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْاَشْعَرِيِّيْنَ، فَاَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَكَرْتَ قَوْمًا بِخَيْرٍ وَذَكَرْتَنَا بِشَرٍّ فَمَابَالُنَا؟ فَقَالَ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَلَيُفَقِّهَنَّهُمْ وَلَيَعِظَنَّهُمْ وَلَيَامُرَنَّهُمْ وَلَيَنْهَيَنَّهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَّعِظُوْنَ وَيَتَفَقَّهُوْنَ اَوْلَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِيْ دَارِالدُّنْيَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَبِطَيْرِ غَيْرِنَا؟ فَاَعَادَ قَوْلَه‘ عَلَيْهِمْ وَاَعَادُوْا قَوْلَهُمْ اَبِطَيْرِغَيْرِنَا؟ فَقَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا، فَقَالُوْا اَمْهِلْنَا سَنَةً فَاَمْهَلَهُمْ سَنَةً لِيُفَقِّهُوْهُمْ وَيُعَلِّمُوْهُمْ وَيَعِظُوْهُمْ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَالِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَايَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَاكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ رواه ابن راهويه والبخاری فی الواحدان وابن السكن وابن مندة والطبرانی فی الكبير [1]

ترجمہ: مشہور صحابی عبدالرحمٰن بن ابزی الخزاعی رضی اللہ عنہما کے والد) ابزی الخزاعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے (مسجد میں منبر پر) خطاب فرمایا، آپ ﷺ نے مسلمانوں کے بعض گروہوں کی تعریف فرمائی (کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں) اس کے بعد آپ ﷺ نے (مسلمانوں کے بعض دوسرے گروہوں کو تنبیہ اور سرزنش کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ کیا حال ہے، ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس) جو اپنے پڑوس والے (ان مسلمانوں کو جو دین سے واقف نہیں ہیں) دین نہیں سمجھاتے اور دین کی تعلیم نہیں دیتے اور وعظ و نصیحت نہیں کرتے اور ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام نہیں دیتے (اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا) اور کیا حال ہے، ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس جو دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں ہیں، اس کے باوجود) وہ اپنے پڑوس میں رہنے والے (ان مسلمانوں سے جو دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم حاصل کرچکے ہیں) دین سیکھنے اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔

(اس کے بعد آپ ﷺ نے قسم کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) کہ وہ لوگ (جو دین کا علم رکھتے ہیں، علم نہ رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور ان کو وعظ نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں...... اور (جو لوگ دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں... کو) میری تاکید ہے کہ وہ (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھنے

[1] کنزالعمال ج ۳ صفحہ ۳۸۸ و جمع الفوائد ج ا صفحہ ۵۲ (بحوالہ معجم بیر المطہ انی عن عبدالرحمٰن بن ابزی)

والے) اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں، ورنہ (یعنی اگر ان دونوں فریقوں نے اس ہدایت پر عمل نہیں کیا تو) میں ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا۔

اس کے بعد (یعنی یہ تنبیہی خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد) آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپس میں کہا کہ کیا خیال ہے، حضور ﷺ کی مراد کون لوگ ہیں؟ (یعنی آپ ﷺ نے اس خطاب میں کن لوگوں کو تنبیہ اور سرزنش فرمائی ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی مراد اشعریین (یعنی ابو موسیٰ اشعری کے قبیلہ کے لوگ) ہیں، انہی کا یہ حال ہے کہ وہ فقہاء ہیں (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھتے ہیں) اور ان کے جوار میں پانی کے چشموں کے پاس رہنے بسنے والے اور ایسے بدوی لوگ ہیں جو بالکل اجڈ (اور دین سے بالکل ناواقف) ہیں۔

یہ ساری بات اشعریین کے علم میں آئی تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (معلوم ہوا ہے کہ) آپ ﷺ نے بعض گروہوں کا ذکر تعریف کے ساتھ فرمایا اور ہم لوگوں کی مذمت فرمائی، ہمارا کیا معاملہ (اور کیا قصور) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (میرا کہنا بس یہی ہے کہ دین کا علم و فہم رکھنے والے) لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ (دین نہ جاننے والے) اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں، ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کریں...... اور جو دین کو نہیں جانتے ان کا فرض ہے کہ وہ (جاننے والے) اپنے پڑوسیوں سے سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہوا کریں اور دین کی سمجھ بوجھ ان سے حاصل کریں، یا پھر ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا...... اشعریین نے عرض کیا کہ کیا دوسرے لوگوں کے جرم اور کوتاہی کی بھی سزا ہم کو بھگتنا ہوگی؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں اپنی وہی بات دہرائی جو فرمائی تھی، اشعریوں نے پھر وہی عرض کیا جو پہلے عرض کیا تھا کہ کیا دوسروں کی غفلت و کوتاہی کی سزا بھی ہم پائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، وہ بھی (یعنی دین کے جاننے والے اگر نہ جاننے والے اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے میں کوتاہی کریں گے تو وہ اس کی بھی سزا پائیں گے) اشعریوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کو ایک سال کی مہلت دی جائے! تو آپ ﷺ نے ان کو ایک سال کی مہلت اس کام کے لئے دے دی کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور وعظ و نصیحت سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں، اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (مسند ابن راهويه، كتاب الوحدان للبخاري، صحيح ابن السكن، مسند ابن منده، معجم كبير للطبراني)

ترجمہ: لعنت ہوئی ہے بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا، داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریم

کی زبان سے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے، وہ ایک دوسرے کو ان برائیوں اور گناہوں سے نہیں روکتے تھے، جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے، برا تھا ان کا یہ فعل۔

تشریح...... حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جتنی تشریح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ کسی آبادی یا علاقے کے جو لوگ دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں ان کی یہ ذمہ داری اور ڈیوٹی ہے کہ وہ اپنے قرب و جوار کے ان لوگوں کو جو دین سے ناواقف ہوں للہ فی اللہ دین سکھائیں، اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی دینی اصلاح و تربیت کی کوشش کرتے رہیں، اور اس تعلیمی خدمت کو اپنی زندگی کے پروگرام کا خاص جز بنائیں۔

اور دین کی واقفیت نہ رکھنے والے مسلمان اس کو اپنا فرض اور زندگی کی ضرورت سمجھیں کہ دین کے جاننے والوں سے رابطہ قائم کر کے دین سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں...... آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں غفلت اور کوتاہی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا تھا۔

دینی تعلیم و تربیت کا یہ ایسا عمومی نظام تھا کہ اس کے ذریعہ ہر شخص بغیر مکتب یا مدرسہ کے اور بغیر کتاب اور کاغذ قلم کے اور بغیر کچھ لکھے پڑھے بھی دین کا ضروری علم حاصل کر سکتا تھا۔ بلکہ اپنی محنت و صلاحیت کے مطابق اس میں کمال بھی حاصل کر سکتا تھا۔ صحابۂ کرامؓ نے اور اسی طرح تابعین کی غالب اکثریت نے بھی علم دین اسی طرح حاصل کیا تھا، ان کا علم یقیناً ہمارے کتابی علم سے زیادہ گہرا اور قابل اعتماد تھا، ان کے بعد امت میں جو کچھ علم دین رہا ہے اور آج ہے وہ سب انہی کا ترکہ ہے...... افسوس ہے کہ بعد میں امت میں یہ نظام قائم نہیں رہا، اگر قائم رہتا تو امت کا کوئی طبقہ اور کوئی عنصر بلکہ کوئی فرد بھی دین سے ناواقف اور بے بہرہ نہ ہوتا...... اس نظام تعلیم کی یہ خاص برکت تھی کہ زندگی علم کے سانچہ میں ڈھلتی چلی جاتی تھی۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ اشعریین کے وفد نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دے دی جائے، ہم اس مدت میں انشاء اللہ یہ تعلیمی مہم انجام دے لیں گے، آپ ﷺ نے ان کی یہ بات منظور فرمالی، یہ گویا اس علاقہ کی پوری آبادی کے لئے "ایک سالہ تعلیمی منصوبہ" تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر آج بھی ہر ملک اور ہر علاقے کے مسلمان خواص و عوام اس طریق کار کو اپنالیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس مقصد کے لئے جدوجہد کریں تو امت کے تمام طبقوں میں ایمانی زندگی اور ضروری درجہ کی دینی واقفیت عام ہو سکتی ہے۔

سلسلۂ کلام کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی جو دو آیتیں تلاوت فرمائیں، ان میں بیان فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں پر اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت ہوئی اور ان کی ملعونیت کا اعلان ہوا، ان کا ایک خاص جرم جو لعنت کا موجب ہوا یہ تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو گناہوں اور برائیوں سے روکنے کی اور ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی کوئی فکر اور کوشش نہیں

کرتے تھے ...... معلوم ہوا کہ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اللہ کی اور اس کے پیغمبروں کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں جو تنبیہ اور سرزنش فرمائی تھی یہ آیتیں اس کی قرآنی سند ہیں، آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرما کر گویا بتلایا کہ جو کچھ میں نے خطبہ میں کہا ہے اور جس پر مجھے اصرار ہے، یہ وہی ہے جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی ان آیتوں میں فرمائی ہے۔

علم دین اور اس کے سیکھنے سکھانے والوں کا مرتبہ ومقام

۳) **عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ بِهٖ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِىْ جَوْفِ الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔**

(رواہ احمد والترمذی وابی داؤد وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ (دین کا) علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا ...... اور (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) اللہ کے فرشتے طالبان علم کے لئے اظہار رضا (اور اکرام واحترام) کے طور پر اپنے بازو جھکا دیتے ہیں، اور (فرمایا کہ) علم دین کے حامل کے لئے آسمان وزمین کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی استدعا کرتی ہیں، یہاں تک کہ دریا کے پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی ...... اور (آپ ﷺ نے فرمایا) عبادت گذاروں کے مقابلہ میں حاملین علم کو ایسی برتری حاصل ہے جیسی کہ چودھویں رات کے چاند کو آسمان کے باقی ستاروں پر اور (یہ بھی فرمایا کہ) علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء علیہم السلام نے دیناروں اور درہموں کا ترکہ نہیں چھوڑا ہے، بلکہ انہوں نے اپنے ترکے اور ورثے میں صرف علم چھوڑا ہے تو جس نے اس کو حاصل کر لیا، اس نے بہت بڑی کامیابی اور خوش بختی حاصل کر لی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح ...... فی الواقع انبیاء علیہم السلام کی میراث ان کا لایا ہوا وہ علم ہی ہے، جو بندوں کی ہدایت کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہے، طبرانی نے معجم اوسط میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہؓ بازار کی طرف سے گزرے، لوگ اپنے کاروبار میں مشغول تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم یہاں ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، لوگ مسجد کی طرف دوڑے اور واپس آکر کہا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں بٹ

رہا۔ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، کچھ لوگ حلال و حرام کی یعنی شرعی احکام و مسائل کی باتیں کر رہے ہیں...... حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث اور آپ ﷺ کا ترکہ ہے۔ (جمع الفوائد ج ا صفحہ ۳۷)

۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ (رواه الترمذى و الضياء المقدسى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ علم کی طلب و تحصیل میں (گھر سے یا وطن سے) نکلا وہ اس وقت تک اللہ کے راستے میں ہے، جب تک واپس آئے۔

(جامع ترمذی، مختارہ للضیاء المقدسی)

۵) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَه' وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةِ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتِ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین میں رہنے والی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور (پانی میں رہنے والی) مچھلیاں بھی اس بندے کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کی اور دین کی تعلیم دیتا ہے۔ (جامع ترمذی)

۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ، اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِالْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ — (رواه الدارمى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا جو آپ کی مسجد میں قائم تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں مجلسیں خیر کی اور نیکی کی مبارک مجلسیں ہیں (ایک مجلس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ) یہ لوگ اللہ سے دعا اور مناجات میں مشغول ہیں، اللہ چاہے تو عطا فرمادے اور چاہے تو عطانہ فرمائے (وہ مالک مختار ہے) اور (دوسری مجلس کے بارے میں فرمایا کہ) یہ لوگ علم دین حاصل کرنے میں اور نہ جاننے والوں کو سکھانے میں لگے ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا درجہ بالاتر ہے اور میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر آپ انہیں میں بیٹھ گئے۔ (مسند دارمی)

۷) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهٖ

❶ جیسا کہ معلوم ہے حضرت حسن بصری تابعی ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں پایا۔ مختلف صحابۂ کرامؓ کے ذریعہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں پہنچی ہیں، انہوں نے یہ حدیث اور اس سے آگے درج ہونے والی حدیث بھی براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، ان صحابی کا حوالہ نہیں دیا، جن سے ان کو یہ حدیثیں....... (جاری ہے)

الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ (رواه الدارمی)

ترجمہ... حضرت حسن بصری نے بطریقہ ارسال[1] روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ اس نیت سے علم دین کی طلب و تحصیل میں لگا ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے، تو جنت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان بس ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (مسند دارمی)

۸) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِي إِسْرَائِيْلَ أَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْآخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِي يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِي يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ كَفَضْلِي عَلٰى أَدْنَاكُمْ (رواہ الدارمی)

ترجمہ... حضرت حسن بصری نے بطریق ارسال روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنی اسرائیل کے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا جن میں سے ایک کا معمول یہ تھا کہ وہ فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی نیکی کی باتیں بتلاتا اور دین کی تعلیم دیتا...... اور دوسرے صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ دن کو برابر روزہ رکھتے اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے (آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں کون افضل اور اعلیٰ ہے؟...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عالم جو فرض نماز ادا کرتا ہے پھر لوگوں کو دین اور نیکی کی باتیں سکھانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، اس کو اس صائم النہار اور قائم اللیل عابد کے مقابلہ میں اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح کی تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح...... مندرجہ بالا حدیثوں میں "علم"، "طالبین علم"، "علماء" اور "معلمین" کی جو غیر معمولی عظمتیں اور فضیلتیں بیان کی گئیں، ان کی لم اور ان کا راز یہی ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نور ہدایت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ آیا ہے اور دنیا سے آپ ﷺ کے اٹھالئے جانے کے بعد آپ ﷺ کا لایا ہوا الٰہی علم (جو قرآن و حدیث میں ہے) امت کے لئے آپ ﷺ کی پیغمبرانہ ہستی کے قائم مقام ہے اور جو اس کے بعد حامل اور امین علماء و معلمین ہیں وہ زندہ انسانوں کی شکل میں حضور ﷺ کے قائم مقام ہیں، وہ نبی تو نہیں ہیں، لیکن وارث انبیاء ہونے کی حیثیت سے کار نبوت سنبھالے ہوئے ہیں اور رسول پاک ﷺ ہی کا کام انجام دے رہے ہیں، گویا آپ ﷺ کے دست و بازو اور آلۂ کار ہیں۔ اسی خصوصیت نے ان کو اس مقام و مرتبہ پر پہنچادیا ہے اور ان غیر معمولی انعامات الٰہیہ کا مستحق بنادیا ہے جن کا مندرجہ بالا حدیثوں کے ذریعہ اعلان فرمایا گیا ہے...... لیکن جیسا کہ آگے درج ہونے والی متعدد حدیثوں سے معلوم ہوگا، اس کی شرط یہ ہے کہ علم دین کی یہ طلب و تحصیل اور تعلیم و تدریس خالصاً لوجہ اللہ اور اجر آخرت کے لئے ہو، اگر خدانخواستہ یہ دنیوی اغراض کے لئے ہو تو بدترین معصیت ہے، اور ایک صحیح حدیث کی صراحت کے مطابق ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا

(گذشتہ سے پیوستہ)
پہنچی ہیں، تابعین کے اس طریقہ روایت کو "ارسال" اور ایسی حدیث کو "مرسل" کہا جاتا ہے۔

ایک ضروری وضاحت

اس سلسلہ میں یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے...... ہمارے اس زمانے میں دینی مدارس اور دارالعلوموں کی شکل میں علم دین کی تحصیل و تعلیم کا جو نظام قائم ہے، اس کی وجہ سے جب ہمارے دینی حلقوں میں "طالب علم" کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن ان دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے "طالب علموں" ہی کی طرف جاتا ہے، اسی طرح عالم دین یا معلم دین کا لفظ سن کر ذہنی اصطلاحی و عرفی علماء اور دینی مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور پھر اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اور اسی طرح اس باب کی دوسری حدیثوں میں علم دین کی طلب و تعلیم، یا طالبان علم دین اور معلمین دین کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے جن غیر معمولی انعامات کی بشارتیں دی گئی ہیں، ان سب کا مقصد ان مدارس ہی کے تعلیمی سلسلہ کو اور ان کے طلبہ اور معلمین ہی کو سمجھ لیا جاتا ہے...... حالانکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، عہد نبوی میں اور اس کے بعد صحابۂ کرامؓ بلکہ تابعین کے دور میں بھی اس طرح کا کوئی تعلیمی اور تدریسی سلسلہ نہیں تھا، نہ مدارس اور دارالعلوم تھے، نہ کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کا کوئی طبقہ تھا، بلکہ سرے سے کتابوں ہی کا وجود نہیں تھا، بس صحبت و سماع ہی تعلیم و تعلم کا ذریعہ تھا، صحابۂ کرامؓ نے (ان کے درجہ اول کے علماء و فقہاء مثلاً خلفائے راشدین، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی) جو کچھ حاصل کیا صرف صحبت و سماع ہی کے ذریعہ حاصل کیا تھا اور بلاشبہ وہ حضرات ان حدیثوں اور بشارتوں کے اولین مصداق تھے۔ راقم سطور عرض کرتا ہے کہ آج بھی جو بندگان خدا کسی غیر رسمی طریقے سے مثلاً صحبت و سماع ہی کے ذریعہ اخلاص کے ساتھ دین سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کریں وہ بھی یقیناً ان حدیثوں کے مصداق ہیں اور بلاشبہ ان کے لئے بھی یہ سب بشارتیں ہیں...... بلکہ ان کو اصطلاحی و عرفی طلبہ اور معلمین پر ایک فضیلت و فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ ہمارے موجودہ مدارس اور دارالعلوموں میں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے اس طلب و تعلیم کے کچھ دنیوی منافع بھی ہو سکتے ہیں (اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس لحاظ سے ہماری برادری کا کیا حال ہے) لیکن جو بے چارے اصلاح و ارشاد کی مجالس میں یا کسی دینی حلقہ میں اپنی دینی اصلاح اور دین سیکھنے کی نیت سے شریک ہوتے ہیں، یا دین سیکھنے سکھانے والے کسی جماعت کے ساتھ اس مقصد سے کچھ وقت گزارتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اس سے کسی دنیوی منفعت کی توقع نہیں کر سکتے، اس لئے ان کی غیر رسمی "طالب علمی" یا "معلمی" بالکل بے غل و غش صرف اللہ ہی کے لئے اور آخرت ہی کے واسطے ہوتی ہے...... اللہ کے ہاں اسی عمل کی قدر و قیمت ہوتی ہے، جو خالصاً لوجہ اللہ ہو...... اس عاجز نے اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے دیکھے ہیں...... ان میں متعدد ایسے بھی پائے جن سے ہم جیسے لوگ (جن کو دنیا عالم فاضل سمجھتی ہے) حقیقت دین کا سبق لے سکتے ہیں۔

یہ وضاحت یہاں اس لئے ضروری سمجھی کہ ہمارے اس زمانے میں "عالم"، "معلم" اور "طالب علم" کے مصداق کے بارے میں مذکورہ بالا غلط فہمی بہت عام ہے، اگرچہ غیر شعوری طور پر ہے۔

دنیوی اغراض کیلئے علم دین حاصل کرنیوالوں کا ٹھکانہ دوزخ، وہ جنت کی خوشبو تک سے محروم

۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَايَتَعَلَّمُهٗ اِلاَّ لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِىْ رِيْحَهَا

(رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ علم جس سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے (یعنی دین اور کتاب و سنت کا علم) اگر اس کو کوئی شخص دنیا کی دولت کمانے کے لئے حاصل کرے تو وہ قیامت میں جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ (مسند احمد۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ابن ماجہ)

۱۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَاَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے علم دین اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ غیر اللہ کے لئے (یعنی اپنی دنیوی اور نفسانی اغراض کے لئے) حاصل کیا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اور آخر میں سیدنا حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اور اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید کے ذریعہ اس لئے نازل فرمایا کہ اس کی روشنی اور رہنمائی میں اس کے بندے اللہ کی رضا کے راستہ پر چلتے ہوئے اس کے دار رحمت جنت تک پہنچ جائیں...... اب جو بدنصیب آدمی اس مقدس علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی دولت کمانے کا وسیلہ بناتا ہے، اور اسی کے واسطے اس کی تحصیل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اس مقدس علم پر ظلم عظیم کرتا ہے، اور یہ شدید ترین معصیت ہے، اور ان حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے اطلاع دی ہے کہ اس کی سزا جنت کی خوشبو تک سے محرومی اور جہنم کا عذاب الیم ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا

بے عمل عالم اور معلم کی مثال اور آخرت میں اس کا حال

۱۱) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْعَالِمِ الَّذِىْ يُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَيَنْسٰى نَفْسَهٗ كَمَثَلِ السِّرَاجِ يُضِيْئُ النَّاسَ وَيُحَرِّقُ نَفْسَهٗ (رواہ الطبرانی والضیاء)

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس عالم کی مثال جو

دوسرے لوگوں کو تو نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے کو بھولے رہتا ہے، اس چراغ کی سی ہے جو آدمیوں کو تو روشنی فراہم کرتا ہے لیکن اپنی ہستی کو بس جلاتا رہتا ہے۔ (معجم کبیر طبرانی، مختار للضیاء المقدسی)

۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ عِلْمُهٗ ...... (رواه الطیالسی فی مسنده وسعید بن منصور فی سننه وابن عدی فی الکامل والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم دین نے نفع نہیں پہنچایا (یعنی اس نے اپنی عملی زندگی کو علم کے تابع نہیں بنایا) (مسند ابو داؤد طیالسی۔ سنن سعید بن منصور۔ کامل ابن عدی۔ شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ...... بعض گناہ ایسے ہیں جن کو بلا تفریق مؤمن و کافر سب ہی انسان شدید و سنگین جرم اور سخت سزا کا مستوجب سمجھتے ہیں، جیسے ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا بالجبر، چوری، رشوت ستانی، یتیموں اور بیواؤں اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی اور ان کی حق تلفی جیسے ظالمانہ گناہ، لیکن بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو عام انسانی نگاہ اس طرح شدید سنگین نہیں سمجھتی لیکن اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ ان کبائر و فواحش ہی کی طرح یا ان سے بھی زیادہ شدید و سنگین ہیں، شرک و کفر بھی ایسے ہی گناہ ہیں، اور علم دین (جو نبوت کی میراث ہے) اس کا بجائے دینی مقاصد کے دنیوی اغراض کے لئے سیکھنا اور دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا علیٰ ہذا اپنی عملی زندگی کو اس کے تابع نہ بنانا بلکہ اس کے خلاف زندگی گزارنا یہ بھی اسی قبیل سے ہیں ...... پہلی قسم کی معصیتوں میں مخلوق کا مخلوق پر ظلم ہوتا ہے، اس لئے اس کو خدا نا آشنا کافر بھی محسوس کرتا اور ظلم و پاپ سمجھتا ہے ...... لیکن دوسری قسم کے گناہوں میں اللہ و رسول اور ان کی ہدایت و شریعت اور اس کے مقدس علم کی حق تلفی اور ان پر ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے، اس کی سنگینی اور شدت کو وہی بندے محسوس کر سکتے ہیں، جن کے قلوب اللہ و رسول اور دین و شریعت اور ان کے علم کی عظمت سے آشنا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم دین کو بجائے رضائے الٰہی اور اجر اخروی کے دنیوی اغراض کے لئے سیکھنا اور اس کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا، اسی طرح خود اس کے خلاف زندگی گزارنا، شرک و کفر اور نفاق کے قبیل کے گناہ ہیں، اس لئے ان کی سزا وہ ہے جو مندرجہ بالا حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہے (یعنی جنت کی خوشبو تک سے محروم رہنا اور دوزخ کا عذاب) ...... اللہ تعالیٰ حاملین علم دین کو توفیق عطا فرمائے کہ رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات و تنبیہات ہمیشہ ان کے سامنے رہیں۔

کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

کتاب اللہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی پابندی اور بدعات سے اجتناب کی ہدایت و تاکید

اس دنیا سے رسول اللہ ﷺ کے رخصت ہو جانے کے بعد آپ ﷺ کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کی تعلیمات جن کا معروف عنوان "سنت" ہے اس دنیا میں ہدایت کا مرکز و سر چشمہ اور گویا آپ ﷺ کی مقدس شخصیت کے قائم مقام ہیں، اور امت کی صلاح و فلاح، ان کی پیروی و پابندی سے وابستہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں امت کو مختلف عنوانات سے ہدایت و آگاہی دی ہے، اور محدثات و بدعات سے اجتناب کی تاکید فرمائی ہے، اگلی امتیں اسی لئے گمراہ ہوئیں کہ محدثات و بدعات کو اپنا دین بنالیا...... اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے چند اہم ارشادات ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

۱۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَالْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَالْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرُّالْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اثنائے خطبہ میں) ارشاد فرمایا کہ...... امابعد...... سب سے بہتر بات اور سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہتر طریقہ (اللہ کے رسول) محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں ایجاد کر لئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت جابر کی یہ حدیث صحیح مسلم میں خطبہ جمعہ کے باب میں متعدد سندوں سے روایت کی گئی ہے۔ روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد بار بار سنا تھا۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے، بہت مختصر الفاظ میں امت کو وہ ہدایت دے دی گئی ہے جو قیامت تک راہ راست پر قائم رکھنے اور ہر طرح کی گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے...... اعتقادات، اعمال، اخلاق اور جذبات وغیرہ کے بارے میں انسانوں کو جس مثبت یا منفی ہدایت (امر بالمعروف یا نہی عن المنکر) کی ضرورت ہے یقیناً کتاب اللہ اور سنت نبوی و طریق محمدی اس کے پورے کفیل ہیں، اس کے بعد گمراہی کا ایک دروازہ رہ جاتا ہے کہ اللہ و رسول نے جن باتوں کو دین قرار نہیں دیا ان کو دین کا رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور قرب و رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنا لیا جائے۔ دین کے رہزن شیطان کا سب سے خطرناک جال یہی ہے، اگلی امتوں کو اس نے زیادہ تر اسی راستہ سے گمراہ کیا ہے...... مختلف امتوں کے مشرکوں میں بت پرستی، عیسائیوں میں تثلیث اور حضرت مسیح کی ابنیت و ولدیت اور کفارہ کا عقیدہ اور احبار و رہبان کو "اربابًا من دون اللّٰہ" بنانے کی گمراہی یہ سب اسی راستہ سے آئی تھیں...... اور رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں میں جو گمراہیاں آئی تھیں، وہ سب آپ کی امت میں بھی آئیں گی اور انہی راستوں سے آئیں گی جن سے پہلی امتوں میں آئی تھیں، اس لئے آپ ﷺ اپنے مواعظ و

خطبات میں بار بار یہ آگاہی دیتے تھے کہ بس کتاب اللہ اور میری سنت کا اتباع کیا جائے، صرف وہی حق و ہدایت ہے اور اسی میں خیر و فلاح ہے، اور محدثات و بدعات سے اپنی اور دین کی حفاظت کی جائے۔ بدعت خواہ ظاہری نظر میں کیسی ہی حسین و جمیل معلوم ہو، فی الحقیقت وہ صرف ضلالت اور ہلاکت ہے...... آپ ﷺ کا یہ ارشاد جو بقول حضرت جابرؓ آپ جمعہ کے خطبوں میں بار بار فرماتے تھے، اس کا یہی پیغام ہے اور اس میں یہی آگاہی دی گئی ہے۔

بدعت کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا آخری جملہ ہے "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" (ہر بدعت گمراہی ہے) بعض اکابر علماء و شارحین حدیث نے "بدعة" کے اصل لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھا اور لکھا ہے کہ ہر وہ امر بدعت ہے جو عہد نبوی میں نہیں تھا اور قرآن و حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے...... پھر انہوں نے دیکھا کہ ایسے بہت سے امور ہیں جو نہ تو عہد نبوی میں تھے اور نہ قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے، مگر دینی لحاظ سے وہ اشد ضروری اور ناگزیر ہیں اور امت کے علماء و فقہاء میں سے کسی نے بھی ان کو "بدعت" اور ناجائز نہیں قرار دیا ہے، بلکہ دین کی ضروری خدمت اور موجب اجر و ثواب سمجھا ہے۔ مثلاً قرآن مجید پر اعراب لگانا، فصل و وصل اور وقف وغیرہ کی علامات کا لکھنا تاکہ عوام بھی قرآن پاک کی صحیح تلاوت کر سکیں، اسی طرح حدیث اور فقہ کی تدوین اور کتابوں کی تالیف اور حسب ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر تصانیف اور ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لئے مکاتب و مدارس کا قیام وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں نہیں تھیں اور قرآن و حدیث میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، تو بدعت کی مذکورہ بالا تشریح کے لحاظ سے یہ سب امور بدعت ہونے چاہئیں، اسی طرح ساری نئی ایجادات، ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تار برقی اور ٹیلی فون وغیرہ کا استعمال بھی اس تشریح کے لحاظ سے بدعت اور ناجائز ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ بات بداہۃً غلط ہے۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ان علماء و شارحین حدیث نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو وہ "بدعت سیئہ" ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"...... مطلب یہ ہے کہ ہر "بدعت سیئہ" گمراہی ہے...... اور دوسری قسم بدعت کی وہ ہے جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ مطابق ہو وہ "بدعت حسنہ" ہے اور یہ بدعت حسنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کبھی واجب ہوتی ہے، کبھی مستحب اور کبھی مباح و جائز...... پس قرآن مجید پر اعراب اور فصل و وصل وغیرہ کی علامات لکھنا اور حدیث و فقہ کی تدوین اور حسب تقاضائے ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت اور مدارس کا قیام وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ کے قبیل سے ہیں، اس طرح نئی ایجادات کا استعمال بھی بدعت حسنہ ہی اس کے قبیل سے ہے، ناجائز نہیں ہے مباح اور جائز ہے۔

لیکن علمائے محققین بدعت کی مذکورہ بالا تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرف ان کی تقسیم کے اس نظریہ سے متفق نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایمان و کفر اور صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ کی طرح "بدعۃ" ایک خاص دینی اصطلاح ہے اور اس سے مراد ہر وہ امر ہے جس کو دینی رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور اگر وہ کوئی عمل ہے تو اس کو دینی عمل کی حیثیت سے کیا جائے اور عبادات وغیرہ دینی امور کی طرح اس کو ثواب آخرت اور رضائے الٰہی کا وسیلہ سمجھائے اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو، نہ کتاب و سنت کی نص، نہ قیاس اور اجتہاد و استحسان جو شریعت میں معتبر ہیں۔

ظاہر ہے کہ بدعت کی اس تشریح کی بناء پر ان نئی ایجادات کا استعمال اور وہ نئی باتیں جو عہد نبوی میں نہیں تھیں اور جن کو امر دینی نہیں سمجھا جاتا بدعت کے دائرے ہی میں نہیں آتیں، جیسے کہ ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ سفر اور اسی طرح کی دوسری جدید چیزوں کا استعمال...... اسی طرح جس زمانے میں دینی مقاصد کی تحصیل و تکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے جن جدید وسائل کا استعمال کرنا ضروری ہو، وہ بھی بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گے، جیسے قرآن مجید پر اعراب وغیرہ لگانا تاکہ عوام بھی صحیح تلاوت کر سکیں اور کتب حدیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا، اور فقہ کی تدوین اور مختلف زبانوں میں حسب ضرورت دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا اہتمام اور دینی مدارس اور کتب خانوں کا قیام وغیرہ، یہ سب چیزیں بھی بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گی کیونکہ اگرچہ یہ عہد نبوی میں نہیں تھیں لیکن جب اہم دینی مقاصد کی تحصیل و تکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے یہ ضروری اور ناگزیر ہو گئیں تو یہ شرعاً مطلوب اور مامور بہ ہو گئیں۔ جس طرح وضو کرنا شریعت کا حکم ہے لیکن جب اس کے لئے پانی کا تلاش کرنا یا کنویں سے نکالنا ضروری ہو تو وہ بھی شرعاً واجب ہو گا، دین و شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی فرض و واجب کے ادا کرنے کے لئے جو کچھ کرنا ضروری اور ناگزیر ہو، وہ بھی واجب ہے، لہٰذا اس طرح کے سارے امور جن کا اوپر ذکر کیا گیا بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے ہی میں نہیں آتے بلکہ یہ سب شرعی مطلوبات اور واجبات ہیں۔

بدعت کی یہی تشریح و تعریف صحیح ہے اور اس بناء پر ہر بدعت ضلالت ہے جیسا کہ زیر تشریح حدیث میں فرمایا گیا ہے "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" (ہر بدعت گمراہی ہے)

اس موضوع پر نویں صدی ہجری کے ممتاز عالم و محقق، امام ابواسحاق ابراہیم شاطبیؒ نے اپنی کتاب "الاعتصام" میں بڑی فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے، اور بدعت کی پہلی والی تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرف اس کی تقسیم کے نظریہ کو بڑے محکم دلائل سے رد کیا ہے، اس ضخیم کتاب کا یہی موضوع ہے...... ہمارے اس ملک کے عظیم ترین عارف و مصلح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بہت سے مکتوبات میں اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور بڑی شدت کے ساتھ اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ جن علماء نے بدعت کو دو خانوں (حسنہ اور سیئہ) میں تقسیم کیا ہے، ان سے بڑی علمی غلطی ہوئی ہے، بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں ہے، بدعت ہمیشہ سیئہ اور ضلالت ہی ہوتی ہے، اگر کسی کو کسی بدعت میں نورانیت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کے

احساس و ادراک کی غلطی ہے، بدعت میں صرف ظلمت ہوتی ہے...... صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس موضوع پر شرح وبسط سے کلام کیا ہے اور وہ اہل علم کے لئے لائق مطالعہ اور قابل استفادہ ہے۔

۱۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... بدعات و محدثات کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس میں ان محدثات اور نوایجاد باتوں کو (خواہ وہ اعمال کے قبیلہ سے ہو یا عقائد کے قبیل سے) قابل رد اور مردود قرار دیا گیا ہے، جو دین میں ایجاد کی جائیں اور ان کو امر دینی یعنی رضائے الٰہی اور ثواب اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے اور فی الواقع ان کی یہ حیثیت نہ ہو، نہ اللہ و رسول کی طرف سے صراحۃً یا اشارۃً ان کا حکم دیا گیا ہو، نہ شرعی اجتہاد و استحسان اور قواعد شریعت پر ان کی بنیاد ہو...... حدیث کے لفظ "فی امرنا هذا" اور "مالیس منه" کا مفاد اور مطلب یہی ہے، پس دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں جن کو دینی اور وسیلہ رضائے الٰہی و ثواب اخروی نہیں سمجھا جاتا، اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا جیسے نئی نئی قسم کے کھانے، نئے طرز کے لباس، جدید طرز کے مکانات اور سفر کے نئے ترقی کے ذرائع کا استعمال کرنا، اسی طرح شادی وغیرہ کی تقریبات کے سلسلہ کے وہ خرافاتی رسوم اور لہو و لعب اور تفریحات کے وہ پروگرام جن کو کوئی بھی امر دینی نہیں سمجھتا، ان سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں، ہاں جن رسوم کو امر دینی سمجھا جائے اور ان سے ثواب آخرت کی امید کی جائے وہ اس حدیث کا مصداق، قابل رد اور بدعت ہیں، موت اور غمی کے سلسلہ کی زیادہ رسوم اسی قبیل سے ہیں، جیسے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی، ہر جمعرات کو مردوں کی فاتحہ، بڑے پیر صاحب کی گیارہویں، بارہویں، بزرگوں کی قبروں پر چادر پھول وغیرہ چڑھانا اور عرسوں کے میلے ٹھیلے ان سب کو امر دینی سمجھا جاتا ہے اور ثواب آخرت کی ان سے امید رکھی جاتی ہے، اس لئے یہ سب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد" کا مصداق اور مردود بدعات و محدثات ہیں۔

پھر ان عملی بدعات سے زیادہ مہلک وہ بدعات ہیں جو عقائد کے قبیل سے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور دراز سے پکارنے والوں کی پکار و فریاد کو سنتے ہیں اور ان کی مدد اور حاجت روائی کرتے ہیں، یہ عقیدہ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی کتاب پاک کا اعلان ہے کہ اس جرم کے مجرم اللہ کی مغفرت و

بخشش سے قطعی محروم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ"

۱۵) عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَلَوْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِىْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ —

(رواه احمد وابوداؤد والترمذى وابن ماجة الا انهما لم يذكر الصلوٰة)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوگئے اور ہماری طرف رخ فرمالیا اور ایسا مؤثر وعظ فرمایا کہ اس کے اثر سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل خوفزدہ ہو کر دھڑکنے لگے تو ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تو گویا ایسا وعظ ہے جیسے الوداع کہنے والے اور رخصت ہونے والے کا وعظ ہوتا ہے (پس اگر ایسی بات ہے) تو پھر آپ ہم کو (ضروری امور کی) وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی اور اولوالامر (خلیفہ یا امیر) کا حکم سننے اور ماننے کی اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہی ہو، اس لئے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا (تو ایسی حالت میں) تم اپنے اوپر لازم کر لینا میرے طریقے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی و پابندی اور مضبوطی سے اس کو تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا اور (دین میں) نئی نکالی ہوئی باتوں سے اپنے کو الگ رکھنا، اس لئے کہ دین میں نئی نکالی ہوئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... ظاہر ہے کہ یہ حدیث کسی وضاحت اور تشریح کی محتاج نہیں، اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے آخری دور حیات کا ہے، آپ نے نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس کے غیر معمولی انداز سے اور اس میں آپ ﷺ نے جو ہدایات اور آگاہیاں دیں ان سے صحابۂ کرامؓ نے اندازہ کیا کہ شاید آپ ﷺ پر منکشف ہو گیا ہے کہ اس دنیا سے آپ ﷺ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے، اس بناء پر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہم کو بعد کے لئے وصیت فرمائیے!...... آپ ﷺ نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے وصیت فرمائی سب سے پہلے تقوے کی، یعنی خدا سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی، اس کے بعد دوسرے نمبر پر وصیت فرمائی کہ خلیفہ اور امیر کے حکم کی بہر حال اطاعت کی جائے اگرچہ وہ کسی کمتر طبقہ کا آدمی ہو...... دین میں تقوے کی اہمیت تو ظاہر ہے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح اسی پر موقوف ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں امت کا اجتماعی نظام صحیح اور مضبوط طور پر قائم رہنے کے لئے

ضروری ہے کہ خلیفہ اور امیر کی اطاعت کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو انتشار و افتراق پیدا ہوگا اور انار کی پھیلے گی اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچے گی (لیکن رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر بار بار یہ وضاحت فرمائی ہے) کہ اگر امیر و خلیفہ اور کوئی بالاتر شخصیت کسی ایسی بات کا حکم دے جو اللہ ورسول کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ (لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق)

تقویٰ اور اولوالامر کی اطاعت کی ہدایت و وصیت کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ امت میں بڑے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے حالات میں نجات کا راستہ یہی ہے کہ میرے طریقہ کو اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور بس اس کی پیروی کی جائے اور دین میں پیدا کی ہوئی نئی نئی باتوں اور بدعتوں سے بچا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی اور صرف گمراہی ہے۔

یہ حدیث شریف حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات مقدسہ میں ایسی حالت میں جب کہ کسی کو آپ ﷺ کی امت میں اختلاف و افتراق کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا فرمادیا تھا کہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑے بڑے اختلافات دیکھیں گے، یہی ظہور میں آیا کہ آپ کے وہ اصحاب و رفقاء جو آپ کے بعد ۲۵۔۳۰ سال بھی زندہ رہے انہوں نے امت کا یہ اختلاف آنکھوں سے دیکھ لیا...... اور اس کے بعد اختلافات میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرہویں صدی شروع ہو چلی ہے، امت کے اختلافات کا جو حال ہے وہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں...... اللہ تعالیٰ حق و ہدایت اور آپ ﷺ کی سنت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

کتاب اللہ اور تعلیمات نبوی کی پابندی

۱۶) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ......** (رواه في شرح السنة وقال النووي في اربعينه هذا حديث صحيح رويناه في كتاب الحجة باسناد صحيح مشكوة المصابيح)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی (حقیقی) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کے تابع نہ ہو جائیں۔ (اس حدیث کو امام محی السنہ بغویؒ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے اور امام نووی نے اپنی کتاب "اربعین" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اسناد کی رو سے صحیح ہے۔ ہم نے اس کو کتاب الحجہ میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

تشریح...... حدیث کا پیغام اور مدعی یہ ہے کہ حقیقی مؤمن وہی ہے جس کا دل و دماغ اور جس کی خواہشات و رجحانات آپ کی لائی ہوئی ہدایت و تعلیم (کتاب و سنت) کے تابع ہو جائیں، یہ آپ پر ایمان لانے اور آپ کو خدا کا رسول مان لینے کا لازمی اور منطقی نتیجہ بھی ہے۔ اگر کسی کا یہ حال نہیں ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس کو حقیقی ایمان ابھی نصیب نہیں ہوا ہے، وہ اس کی فکر اور اپنے کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرے۔

۱۷) عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ — (رواہ فی المؤطا)

ترجمہ: حضرت امام مالک بن انس سے بطریق ارسال روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دو چیزیں تمہارے میں چھوڑی ہیں تم جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے (وہ ہیں) کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت۔ (مؤطا امام مالک)

تشریح...... حدیث کا مدعا یہ ہے کہ میرے بعد میری لائی ہوئی کتاب اللہ اور میری سنت میری قائم مقام ہوں گی، امت جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہے گی گمراہیوں سے محفوظ اور راہ ہدایت پر مستقیم رہے گی۔

اس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار ذکر کی جاچکی ہے کہ کبھی کبھی کوئی تابعی یا تبع تابعی رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اس واسطہ کا ذکر نہیں کرتے جن سے ان کو وہ حدیث پہنچی ہے، اس طرح روایت کرنے کو محدثین کی اصطلاح میں "ارسال" کہا جاتا ہے اور ایسی حدیث کو "مرسل" ...... یہ حدیث امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں اسی طرح روایت کی ہے، وہ خود تبع تابعین میں سے ہیں، انہوں نے کسی صحابی کو بھی نہیں پایا، ہاں تابعین کو پایا ہے اور انہی کے ذریعہ ان کی حدیثیں پہنچی ہیں ...... یہ حدیث انہوں نے درمیانی راویوں کا ذکر کئے بغیر براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، ایسا وہ جب ہی کرتے ہیں، جب ان کے نزدیک حدیث روایت کے لحاظ سے صحیح اور قابل قبول ہوتی ہے ...... لیکن حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں پوری سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے...... کنزالعمال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن بیہقی کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَااِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْ اَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ [1]

ترجمہ: اے لوگو! میں وہ (سامان ہدایت) چھوڑ کر جاؤں گا جس سے اگر تم وابستہ رہے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

نیز اسی کنزالعمال میں اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ [2]

کتاب اللہ کی طرح "سنت" بھی واجب الاتباع ہے

رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ کسی زمانے میں کچھ کھاتے پیتے پیٹ بھرے بے فکرے فتنہ پرداز لوگ امت میں یہ گمراہی پھیلانے کی کوشش کریں گے کہ دینی حجت اور واجب الاتباع صرف "کتاب اللہ" ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز، خود رسول اللہ ﷺ کی بھی کوئی تعلیم و ہدایت واجب الاتباع نہیں...... آپ نے

[1] کنزالعمال جلد اول صفحہ ۱۸۷۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۷۳

اس فتنہ کے بارے میں امت کو واضح آگاہی اور ہدایات دیں۔

۱۸) عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلاَ اِنِّیْ اُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلاَ يُوْشَكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلیٰ اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَاحَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ —

(رواه ابو داؤد والدارمی وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو اور آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ہدایت کے لئے) قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی...... آگاہ رہو کہ عنقریب بعض پیٹ بھرے لوگ (پیدا) ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (یا مسہری) پر (آرام کرتے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ بس اس قرآن ہی کو لے لو، اس میں جس چیز کو حلال بنایا گیا ہے اس کو حلال جانو اور جو حرام قرار دیا گیا ہے اس کو حرام سمجھو (یعنی حلال و حرام بس وہی ہے، جس کو قرآن میں حلال یا حرام بتلایا گیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں)...... (آگے رسول اللہ ﷺ نے اس گمراہانہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) اور یہ واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، وہ بھی انہیں چیزوں کی طرح حرام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو وحی آتی تھی، اس کی دو صورتیں تھیں، ایک متعین الفاظ اور عبارت کی شکل میں اس کو "وحی متلو" کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے) یہ حیثیت قرآن پاک کی ہے...... دوسری صورت وحی کی یہ ہوتی تھی کہ آپ کو مضمون کا القاء اور الہام ہوتا تھا، آپ اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے یا عمل کے ذریعہ تعلیم فرماتے تھے، اس کو "وحی غیر متلو" کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) رسول اللہ ﷺ کی عام دینی ہدایات وارشادات کی حیثیت یہی ہے، الغرض ان کی بنیاد بھی وحی الٰہی پر ہے، اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ چیز منکشف فرما دی تھی کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ اٹھیں جو یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ اور اسلامی شریعت کو معطل کریں گے کہ دینی احکام بس وہی ہیں جو قرآن میں ہیں اور جو قرآن میں نہیں ہے، وہ دینی حکم ہی نہیں ہے...... رسول اللہ ﷺ نے اس زیر تشریح حدیث میں امت کو اس فتنہ سے باخبر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے علاوہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعہ احکام دیئے گئے ہیں اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ احادیث نبوی کے حجت دینی ہونے سے انکار کرتے ہیں، وہ اسلامی شریعت کے پورے نظام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں...... قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی

تعلیم اور احکام ہیں، ان کے بارے میں وہ ضروری تفصیلات جن کے بغیر ان احکام پر عمل ہی نہیں ہو سکتا، رسول اللہ ﷺ کی فعلی یا قولی احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، مثلاً قرآن پاک میں نماز کا حکم ہے، لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ کن اوقات میں پڑھی جائے؟ اور کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، یہ ساری تفصیلات احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، اسی طرح مثلاً قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم ہے، لیکن یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے اور ساری عمر میں ایک دفعہ نکالی جائے یا ہر سال یا ہر مہینے نکالی جائے، یہی حال اکثر و بیشتر قرآنی احکام کا ہے...... الغرض حدیث کے حجت دینی ہونے کا انکار انجام کے لحاظ سے پورے نظام دینی کا انکار ہے...... اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں امت کو خاص طور پر آگاہی دی ہے...... یہ حدیث اس حیثیت سے حضور ﷺ کا معجزہ بھی ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والے اس فتنہ (انکار حدیث) کی اطلاع دی ہے جس کا آپ ﷺ کے زمانے میں بلکہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں بھی تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۱۹) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَاُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْنَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَااَدْرِیْ مَاوَجَدْنَاہُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ —

(رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں پاؤں (یعنی اس کا یہ حال ہو) کہ وہ اپنے شاندار تخت پر تکیہ لگائے (متکبرانہ انداز میں) بیٹھا ہو اور اس کو میری کوئی بات پہنچے، جس میں، میں نے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہو تو وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے، ہم تو بس اسی حکم کو مانیں گے جو ہم کو قرآن میں ملے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، دلائل النبوۃ بیہقی)

تشریح...... اس حدیث کا مدعا اور پیغام بھی وہی ہے جو حضرت مقدام بن معدیکرب کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے اور دونوں حدیثوں کے الفاظ و انداز سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس گمراہی (انکار حدیث) کے اصل علمبردار ایسے لوگ ہوں گے جن کے پاس دنیا کے ساز و سامان کی فراوانی ہوگی اور ان کے طور طریقے متکبرانہ ہوں گے جو اس بات کی علامت ہوگی کہ عیش دنیا نے ان کو خدا سے غافل اور آخرت کی طرف سے بے فکر کر دیا ہے...... اللہ تعالیٰ ہر فتنے اور ہر گمراہی سے حفاظت فرمائے۔

امت کیلئے رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ہی اسوۂ حسنہ ہے

۲۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَۃُ رَھْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِھَا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ وَقَدْ غَفَرَاللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدٌ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّھَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِیُّ ﷺ اِلَیْھِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا

وَكَذَا؟ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَيْسَ مِنِّیْ — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ.. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ (صحابۂ کرامؓ میں سے) تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول کیا ہے؟) جب ان کو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک ﷺ سے کیا نسبت! ان کے تو اگلے پچھلے سارے قصور اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیئے ہیں (اور قرآن میں اس کی خبر بھی دے دی گئی ہے، لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت ریاضت کی ضرورت ہی نہیں، ہاں ہم گناہگاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) چنانچہ ایک نے کہا کہ اب میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب نے کہا کہ میں طے کرتا ہوں کہ ہمیشہ بلاناغہ دن کو روزہ رکھا کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق اور دور رہوں گا، نکاح شادی کبھی نہیں کروں گا۔ (رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی) تو آپ ان تینوں صاحبوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کئے ہیں) سن لو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... جن تین صحابیوں کا اس حدیث میں ذکر ہے بظاہر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں مغفرت و جنت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی لذتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلے اور بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے، اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی حال ہوگا...... لیکن جب ان کو ازواج مطہرات سے عبادت (نماز روزے وغیرہ) کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا، لیکن ازراہ عقیدت وادب اس کی توجیہ یہ کی کہ آپ ﷺ کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت میں درجات عالیہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ کو عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی ضرورت ہی نہیں...... ہمارا معاملہ دوسرا ہے ہم کو اس کی ضرورت ہے اور اس بناء پر انہوں نے اپنے لئے وہ فیصلے کئے جن کا حدیث میں ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مثال پیش کر کے ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی...... آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے، اس کے باوجود میرا حال یہ ہے کہ میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا

ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، دنوں میں روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں، میری بیویاں ہیں، ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں...... زندگی کا یہی وہ طریقہ ہے جو میں بہ حیثیت نبی اور رسول کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں، اب جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ کر چلے اور اس سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے۔

صرف عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا، فرشتوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ہی پیدا کیا ہے کہ ان کے ساتھ نفس کا کوئی تقاضا نہیں ہے، ان کے لئے ذکر و عبادت قریب قریب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس کی آمد و رفت...... لیکن ہم بنی آدم کھانے پینے کی جیسی بہت سی ضرورتیں اور نفس کے بہت سے تقاضے لے کر پیدا کئے گئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود و احکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنی دنیوی ضرورتیں اور نفسانی تقاضے پورے کریں اور باہمی حقوق کو صحیح طور پر ادا کریں...... یہ بڑا سخت امتحان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے، اور اسی میں کمال ہے، اسی لئے وہ فرشتوں سے افضل ہیں اور ان میں بہترین نمونہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے...... حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کثرت عبادت کوئی غلط چیز ہے بلکہ اس کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ وہ ذہنیت اور وہ نقطہ نظر غلط اور طریقۂ محمدی کے خلاف ہے، جس بنیاد پر ان تین صاحبوں نے اپنے بارے میں وہ فیصلے کئے تھے...... غالباً انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کا راتوں میں آرام فرمانا اور ہمیشہ روزہ نہ رکھنا اور ازدواجی زندگی اختیار کرنا اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہونا اپنے طرز عمل سے امت کی تعلیم کے لئے تھا، اور یہ کار نبوت کا جز تھا اور یقیناً آپ کے حق میں یہ نفلی عبادات سے افضل تھا...... اس کے باوجود آپ کبھی کبھی اتنی عبادت فرماتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا اور جب آپ سے عرض کیا جاتا کہ آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ فرماتے "اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا"...... اسی طرح کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن بلا افطار اور بلا سحری کے روزے رکھتے، جس کو "صوم وصال" کہا جاتا ہے...... الغرض حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث یا اسی مضمون کی دوسری حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ عبادت کی کثرت کوئی ناپسندیدہ چیز ہے۔ ہاں رہبانیت اور رہبانیت والی ذہنیت بلاشبہ ناپسندیدہ اور طریق محمدی اور تعلیم محمدی کے خلاف ہے۔

اس دور میں نجات کا واحد راستہ اتباع محمدی ہے

(۲۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ، فَسَكَتَ، فَجَعَلَ يَقْرَءُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَتَغَيَّرُ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَاتَرٰى مَابِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْبَدَالَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ

وَتَرَكْتُمُوْنِىْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِىْ لَاتَّبَعَنِىْ — (رواه الدارمی)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تورات کا ایک نسخہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا (زبان مبارک سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا) حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھنا (اور حضور ﷺ کو سنانا) شروع کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ (حضرت عمرؓ پڑھتے رہے اور حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کے تغیر سے بے خبر رہے) حضرت ابو بکرؓ نے (جو مجلس میں حاضر تھے، حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور) فرمایا "ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ" حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کی کیفیت تم نہیں دیکھ رہے ہو! تو حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر کی اور فوراً بولے...... اللہ کی پناہ! اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے ہم (دل و جان سے) راضی ہیں، اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور حضرت محمد کو نبی و رسول مان کر، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا...... اس خداوند عالم کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر (اللہ کے پیغمبر) موسیٰ (اس دنیا میں) تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار کرلو تو راہ حق اور صحیح راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور گمراہ ہو جاؤ گے اور (سنو) اگر (اللہ کے نبی) موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے (اور میری لائی ہوئی شریعت ہی پر چلتے۔) (مسند دارمی)

تشریح...... "نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ" کا مطلب ہے تورات کے عربی ترجمہ کا کوئی جز اور کچھ اوراق۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ناگواری اور چہرۂ مبارک پر اس کے اثر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے جو جملہ فرمایا "ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ" اس کا لفظی ترجمہ ہے "رونے والیاں تجھ کو روئیں"...... جب اظہار ناراضی کے موقع پر یہ جملہ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب صرف ناراضی کا اظہار ہوتا ہے، لفظی معنی مراد نہیں ہوتے، ہر زبان میں ایسے محاورے ہوتے ہیں، ہماری اردو زبان میں مائیں اپنے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے "موا" کہتی ہیں، (جس کے لفظی معنی ہیں مرا ہوا) مقصد صرف ناراضی اور غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر حضور ﷺ کی ناراضی و ناگواری کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ "خاتم الکتب" قرآن مجید اور "خاتم الانبیاء" حضرت محمد ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے بعد بھی تورات یا کسی قدیمی صحیفہ سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے، حالانکہ قرآن اور تعلیم محمدی نے معرفت الٰہی اور ہدایت کے باب میں ہر دوسری چیز سے مستغنی کر دیا ہے، اگلی کتابوں اور انبیاء سابقین کے صحیفوں میں جو ایسے حقائق اور مضامین و احکام تھے، جن کی بنی آدم کو ہمیشہ ضرورت رہے گی وہ سب قرآن مجید میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ" جو قرآن پاک کی صفت ہے، اس کا مطلب یہی ہے...... نیز تورات اور دوسرے اگلے صحیفوں کا دور ختم ہو چکا ہے، نزول قرآن اور بعثت محمدی کے بعد نجات اور رضائے الٰہی کا حصول، انہی کے اتباع پر موقوف ہے، اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے آپ نے قسم کھا کے فرمایا کہ اگر بالفرض آج صاحب تورات موسیٰ علیہ السلام زندہ ہو کر اس

نیا میں تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے اور میری لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کو چھوڑ کے ان کی پیروی اختیار رلو، تو تم راہ یاب نہیں ہو۔گے بلکہ گمراہ اور راہ حق سے دور ہو جاؤ گے...... اس حقیقت پر اور زیادہ روشنی التے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت ورسالت کا یہ ورپاتے تو وہ خود بھی اسی ہدایت الٰہی اور اسی شریعت کا اتباع کرتے جو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس طرح میری اقتدا اور میری پیروی کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ آپ ﷺ کے اخص الخواص اصحاب میں سے تھے، اس لئے ان کی یہ ذرا سی لغزش بھی حضور ﷺ کے لئے ناگواری کا باعث ہوئی۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ اَهْلُ الْکِتَابِ یَقْرَؤُنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِیَّةِ وَیُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِیَّةِ لِاَهْلِ الْاَسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْکِتَابِ وَلَا تُکَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا الْاٰیَة — (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ اہل کتاب مسلمانوں کے سامنے عبرانی زبان میں توراۃ پڑھتے اور عربی میں اس کی تفسیر و تشریح کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ اہل کتاب کی (ان باتوں کو جو وہ تورات کے حوالہ سے تم کو سناتے اور بتلاتے ہیں) نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، بس (اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق قرآن پاک کے الفاظ میں) یہ کہہ دیا کرو کہ:

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ آیت ۱۳۶)

ترجمہ: ہم ایمان لائے، اللہ پر اور اس کی اس کتاب پر جو ہماری طرف (اور ہماری ہدایت کے لئے) نازل کی گئی ہے، اور ان سب ہدایت ناموں پر ایمان لائے جو نازل کئے گئے تھے (انبیاء سابقین) ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق اور اسباط پر اور جو نازل کئے گئے موسیٰ و عیسیٰ پر اور (ان کے علاوہ) اور نبیوں کو جو ہدایت عطا ہوئی ان کے پروردگار کی طرف سے، ہم (نبی ورسول ہونے کی حیثیت سے) ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے (ہم سب کو مانتے ہیں) اور ہم بس اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

تشریح...... واقعہ یہ ہے کہ تورات میں اور اسی طرح انجیل میں طرح طرح کی تحریفات ہوئی تھیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ ان کی سب باتوں کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، یہ عقیدہ رکھو اور دوسروں کے سامنے بھی اپنا یہ موقف واضح کردو کہ اللہ کے سب نبیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے سب ہدایت ناموں پر ہمارا ایمان ہے، ہم ان سب کو برحق مانتے ہیں، اس لحاظ سے اللہ کے نبیوں میں ہم کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے بندے ہیں، اسی کے حکموں پر چلتے ہیں، اور اس دور کے

لئے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی آخری کتاب قرآن اور اس کے لانے والے آخری نبی و رسول کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کی جائے ...... اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایمان اللہ کے سب نبیوں پر اور اس کی نازل کی ہوئی سب کتابوں پر لایا جائے، سب کا احترام اور سب کی عظمت کا احترام کیا جائے لیکن پیروی اپنے زمانے کے نبی و رسول کی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی کی جائے۔

۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَاتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّه' عَلَانِيَةً لَكَانَ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّصْنَعُ ذَالِكَ، وَاِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِىْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوْا مَنْ هِىَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِى

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں وہ سب برائیاں آئیں گی جو بنی اسرائیل میں آئی تھیں بالکل برابر برابر، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بدبخت ہوا ہوگا جس نے اعلانیہ اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو ایسا کرے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی اور یہ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے (وہی جنتی ہوگا) صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو اس راستے پر ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (جامع ترمذی)

(قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داوٗد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔)

تشریح...... اس حدیث میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ امت کے لئے بہت بڑی آگاہی ہے، مقصد یہ ہے کہ ہر امتی اس کی فکر اور اس کا دھیان رکھے کہ وہ انہی عقائد و نظریات اور اسی مسلک پر قائم رہے جس پر خود آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابِ کرام تھے، نجات اور جنت کی ضمانت انہی کے لئے ہے۔

اس طبقہ نے اپنے لئے "اہل السنۃ والجماعۃ" کا عنوان اختیار کیا ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستگی رکھنے والے) ...... دوسرے بہتّر (۷۲) فرقے جن کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے "كُلُّهُمْ فِى النَّارِ" ان سب کی تعیین کے ساتھ نشاندہی نہیں کی جاسکتی، بہرحال یہ وہ ہیں، جن کا دینی طرز فکر اور اعتقادی مسلک "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ" سے اصولی طور پر مختلف ہے، مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے جیسے زیدیہ، معتزلہ، جہمیہ اور ہمارے زمانے کے منکرین حدیث اور وہ مبتدعین جن کے عقیدے کا فساد کفر تک نہیں پہنچا ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں نے ایسے عقائد اختیار کر لئے جن کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو گئے ...... جیسے قدیم زمانے میں مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت کو نبی ماننے والے، یا ہمارے زمانے کے قادیانی، سو ایسے لوگ "امت" کے دائرہ ہی سے نکل گئے اس لئے یہ ان بہتر (۷۲) فرقوں میں شامل نہیں ہیں، یہ بہتر (۷۲) فرقے وہ ہیں جو امت کے دائرہ میں ہیں، مگر انہوں نے "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" کے راستہ سے ہٹ کر اعتقادی مسلک اور دینی طرز فکر اختیار کر لیا، لیکن ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار اور کوئی ایسا عقیدہ اختیار نہیں کیا جس کی وجہ سے اسلام اور امت کے دائرہ ہی سے خارج ہو گئے ہوں ...... ان کے بارے میں جو فرمایا گیا "كُلُّهُمْ فِی النَّارِ" (یہ سب جہنم میں جائیں گے) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ کے فساد اور گمراہی کی وجہ سے یہ عذاب جہنم کے مستحق ہوں گے۔ اسی طرح "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" کے مسلک سے وابستگی رکھنے والے تہترویں فرقے کے جنتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعتقادی استقامت کی وجہ سے نجات اور جنت کا مستحق ہوگا ...... بہر حال حدیث میں جس "تفرق" (فرقوں میں تقسیم ہونے کا) ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا اعمال کی نیکی بدی اور اچھائی برائی سے تعلق ہے، فرقہ بندی کا تعلق عقائد وانکار سے ہوتا ہے ...... اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کی وجہ سے ثواب یا عذاب کا مستحق ہونا بھی برحق ہے، لیکن اس حدیث کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امت میں عمومی فساد وبگاڑ کے وقت سنت اور طریق محمدی ﷺ سے وابستگی

۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ

(رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے فساد وبگاڑ کے وقت میری سنت اور میرے طریقہ سے وابستہ اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے، اس کے لئے شہید کا اجر وثواب ہے۔ (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح ...... حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہوا اور اس کے علاوہ دوسری متعدد حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں کی طرح آپ کی امت میں بھی فساد بگاڑ آئے گا اور ایسے دور بھی آئیں گے جب امت میں بے راہ روی اور نفس و شیطان کی پیروی بہت عام ہو جائے گی اور اس کی غالب اکثریت آپ کی ہدایت و تعلیم اور آپ کے طریقہ کی پابند نہیں رہے گی ...... ظاہر ہے کہ ایسے فاسد ماحول اور ایسی ناموافق فضا میں آپ کی ہدایت اور سنت و شریعت پر قائم رہ کر زندگی گزارنا بڑی عزیمت کا کام ہوگا اور ایسے بندوں کو بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی قربانیاں دینی ہوں گی ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان اصحاب عزیمت کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا درجہ اور اجر و ثواب عطا ہوگا۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ہماری زبان میں "سنت" کا لفظ ایک مخصوص اور محدود معنی میں استعمال ہوتا ہے، مگر حدیث میں "سنت" سے مراد آپ کا طریقہ اور آپ کی ہدایت ہے جس میں عقائد اور فرائض وواجبات بھی شامل ہیں۔

فائدہ "مشکوٰۃ المصابیح" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔ "مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِأَةِ شَهِيْدٍ" اور اس کی تخریج کے لئے حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا گیا ہے، بظاہر زیادہ قابل اعتماد معجم اوسط طبرانی کی وہی روایت ہے جو یہاں "جمع الفوائد" سے نقل کی گئی ہے اور جس میں "فَلَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ" فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

احیاء سنت اور امت کی دینی اصلاح کی جدوجہد

۲۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْيٰى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي اُمِيْتَتْ بَعْدِي فَقَدْ اَحَبَّنِي وَمَنْ اَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ — (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد مردہ ہوگئی تھی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کی کسی ہدایت اور کسی سنت پر جب تک عمل ہو رہا ہے اور وہ رواج میں ہے تو وہ زندہ ہے اور جب اس پر عمل متروک ہو جائے اور رواج نہ رہے تو گویا اس کی زندگی ختم کردی گئی...... اب آپ کا جو وفادار امتی آپ کی اس سنت اور ہدایت کو پھر سے عمل میں لانے اور رواج دینے کی جدوجہد کرے اس کے لئے اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس نے مجھ سے محبت کی اور محبت کا حق ادا کر دیا اور اب وہ آخرت اور جنت میں میرے ساتھ اور میرا رفیق ہوگا۔

۲۶) عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْيٰى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِي كَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا —

(رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت بلال بن الحارث مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد ختم کردی گئی تھی، (متروک ہوگئی تھی) تو اس شخص کو اجر وثواب ملے گا ان تمام بندگان خدا کے اجر وثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں سے کچھ کمی کی جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث کے مضمون کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے کسی علاقے کے مسلمانوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کا یا مثلاً باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ دینے کا رواج نہیں رہا، پھر کسی بندۂ خدا کی محنت اور جدوجہد سے اس گمراہی اور بددینی کی اصلاح ہوئی اور لوگ زکوٰۃ ادا کرنے لگے اور بیٹیوں

کو شرعی حصہ دیا جانے لگا تو اس کے بعد علاقہ کے جتنے لوگ بھی زکوٰۃ ادا کریں گے اور بہنوں کو ان کا شرعی حق دیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عمل کا جتنا اجر و ثواب ملے گا، اس سب کے مجموعہ کے برابر اس بندے کو عطا ہو گا جس نے ان دینی احکام و اعمال کو پھر سے زندہ کرنے اور رواج دینے کی جدوجہد کی تھی اور یہ اجر عظیم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر عطا ہو گا، ایسا نہیں کہ عمل کرنے والوں کے اجر سے کاٹ کر اور کچھ کم کر کے دیا جائے ...... اس کی ہمارے ہی زمانے کی ایک واقعاتی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ ہر مسلمان، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا، دین کی ضروری واقفیت حاصل کرے اور دین پر چلے اور اپنے خیالات اور استطاعت کے مطابق دوسروں میں بھی اس کے لئے محنت اور کوشش کرے ...... لیکن کچھ تاریخی اسباب کی وجہ سے مرور زمان کے ساتھ یہ نظام کمزور پڑتا رہا اور صدیوں سے یہ حال ہو گیا کہ علماء مخلصین اور خواص اہل دین کے بہت ہی محدود حلقہ میں دین کی فکر باقی رہ گئی ہے ...... پھر ہمارے ہی زمانے میں اللہ کے ایک مخلص بندے اور رسول اللہ ﷺ کے ایک وفادار امتی نے دین کی فکر و محنت کے اس عمومی اور عوامی نظام کو پھر سے چالو کرنے اور رواج میں لانے کے لئے جدوجہد کی اور اپنی زندگی اسی کے لئے وقف کر دی جس کا یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس وقت (جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم ہو کر پندرہویں صدی شروع ہوئی ہے) دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے وہ لاکھوں افراد جن کا دین سے نہ علمی تعلق تھا نہ عملی اور ان کے دل آخرت کی فکر سے بالکل خالی تھے ...... اب وہ آخرت ہی کو سامنے رکھ کر خود اپنی زندگی کو بھی اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے مطابق بنانے اور دوسروں میں بھی اس کی فکر پیدا کرنے کے لئے محنت و کوشش کر رہے ہیں، اس راہ میں قربانیاں دے رہے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں ...... بلاشبہ احیاء سنت کی عظیم مثال ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ امت میں اور پھر پورے عالم انسانی میں ہدایت کو عام فرمائے۔ ''وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ''

۲۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِىْ مِنْ سُنَّتِىْ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین (اسلام) جب شروع ہوا تو وہ غریب (یعنی لوگوں کے لئے اجنبی اور کسمپرسی کی حالت میں) تھا، پس شادمانی ہو غرباء کے لئے اور (غرباء سے مراد) وہ لوگ ہیں جو اس فساد اور بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں گے جو میرے بعد میری سنت (اور میرے طریقہ) میں لوگ پیدا کریں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... ہماری اردو زبان میں تو ''غریب'' نادار اور مفلس آدمی کو کہا جانے لگا ہے، لیکن اس لفظ کے اصل معنی ایسے پردیسی کے ہیں جس کا کوئی شناسا اور پرسان حال نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم

سے آپ ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے اسلام پیش کیا تھا تو اس کی تعلیم، اس کے عقائد، اس کے اعمال اور اس کے نظام زندگی لوگوں کے لئے بالکل نامانوس اور اجنبی تھے اور وہ اس وقت ایسے غریب الوطن پردیسی کی طرح تھا جس کا کوئی جاننے پہچاننے والا اور کوئی اس کی بات پوچھنے والا نہ ہو...... پھر رفتہ رفتہ یہ صورت حال بدلتی رہی لوگ اس سے مانوس ہوتے رہے اور اس کو اپناتے رہے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ پہلے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اجتماعی طور پر اس کو سینہ سے لگایا، اس کے بعد جلدی ہی قریباً پورے جزیرۃ العرب نے اس کو اپنالیا، پھر دنیا کے دوسرے ملکوں نے بھی اس کو خوش آمدید کہا اور اس کو عام مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں بگاڑ آیا آپ کی امت میں بھی آئے گا اور اس کی غالب اکثریت گمراہانہ رسوم اور غلط طور طریقوں کو اپنالے گی اور اصل اسلام جس کی دعوت و تعلیم آپ نے دی تھی، بہت ہی کم لوگوں میں رہ جائے گی اور اپنے ابتدائی دور کی طرح وہ پھر غریب الوطن پردیسی کی طرح ہو جائے گا...... تو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں امت کو اس انقلاب حال کی اطلاع اور آگاہی دی ہے...... اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا ہے کہ امت کے اس عمومی فساد کے وقت اصل اسلام پر قائم رہنے والے جو وفادار امتی اس فساد و بگاڑ کی اصلاح کی کوشش اور بگڑی ہوئی امت کو اصل اسلام کی طرف لانے کی جد و جہد کریں گے ان کو شاباش اور مبارکباد...... اس حدیث شریف میں دین کے ایسے وفادار خادموں کو رسول اللہ ﷺ نے "غرباء" کا خطاب دیا ہے۔

بلاشبہ ہمارے اس زمانے میں مسلمان کہلانے والی امت کا جو حال ہے، اس پر یہ حدیث پوری طرح منطبق ہے، امت کی غالب اکثریت دین کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر قبر پرستی جیسے صریح شرک میں مبتلا اور نماز و زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کی بھی تارک ہے، دن رات کے معاملات، خرید و فروخت وغیرہ میں حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں ہے، جھوٹے مقدمات اور جھوٹی گواہی جیسے موجب لعنت گناہوں سے صرف اللہ و رسول ﷺ کے حکم کی وجہ سے پرہیز کرنے والے بہت ہی کم رہ گئے ہیں، علماء و درویشوں کی بڑی تعداد میں نفس پرستی اور حب جاہ و مال کی پیدا کی ہوئی وہ ساری خرابیاں دیکھی جاسکتی ہیں جو یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان میں پیدا ہوگئی تھیں، اور جن کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہوئی، ایسے فساد عام کے وقت میں جو باتوفیق بندے اصل اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و سنت سے وابستہ رہیں اور امت کی اصلاح کی فکر و کوشش میں حصہ لیں وہ لشکر محمدی کے وفادار سپاہی ہیں، انہیں کو اس حدیث میں "غربا" کہا گیا ہے) اور زبان نبوت سے ان کو شاباشی اور مبارکباد دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس عاجز راقم سطور کو اور اس کے پڑھنے والوں کو بھی توفیق دے کہ وہ اپنے کو اس زمرے میں شامل کرنے کی کوشش کریں۔ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاحْشُرْنَا فِىْ زُمْرَتِهِمْ"

دنیوی معاملات میں حضور ﷺ کی ذاتی رائے کی حیثیت

اللہ کے پیغمبر جو بھی حکم نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے دیں وہ واجب الاطاعت ہے، خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاق سے ہو یا معاشرت سے، یا زندگی

کے کسی بھی شعبہ سے...... لیکن کبھی کبھی اللہ کے پیغمبر کسی خالص دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے بھی مشورہ دیتے ہیں تو اس کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا ہے کہ وہ امت کے لئے واجب اطاعت نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ صحیح ہو، اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث کا مدعیٰ یہی ہے۔

۲۸) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَابِرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَاتَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهٗ، قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا لَكَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ فَذَكَرُوْا ذَالِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْهُ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَاْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ اہل مدینہ کھجور کے درختوں پر تابیر کا عمل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہ کیا کرتے ہیں؟ (اور کس واسطے کرتے ہیں؟) انہوں نے عرض کیا کہ یہ ہم پہلے سے کرتے آئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم اس کو نہ کرو تو بہتر ہو، تو انہوں نے اس کو ترک کر دیا، تو پیداوار کم ہوئی، تو لوگوں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں (اپنی فطرت کے لحاظ سے) بس ایک بشر ہوں، جب میں تم کو دین کی لائن کی کسی بات کا حکم کروں تو اس کو لازم پکڑلو (اور اس پر عمل کرو) اور جب میں اپنی ذاتی رائے سے کسی بات کے لئے تم سے کہوں تو میں بس ایک بشر ہوں۔ (مسلم)

تشریح...... مدینہ طیبہ کھجور کی پیداوار کا خاص علاقہ تھا (اور اب بھی ایسا ہی ہے) رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ کھجور کے درختوں میں ایک درخت کو نر اور دوسرے کو مادہ قرار دے کر ان کے شگوفوں میں ایک خاص طریقہ سے پیوند کاری کرتے ہیں، جس کو "تابیر" کہا جاتا تھا، چونکہ مکہ معظّمہ اور اس کے اطراف میں کھجور پیدا نہیں ہوتی اس لئے یہ تابیر کا عمل آپ ﷺ کے لئے ایک نئی بات تھی، آپ ﷺ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں اور کس لئے کرتے ہیں؟ وہ اس کی کوئی خاص حکمت اور نافعیت نہیں بتلا سکے، صرف یہ کہا کہ پہلے سے ہی یہ ہوتا رہا ہے، یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا تھا اس لئے ہم بھی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے اس کو دور جاہلیت کی دوسری بہت سی لغو باتوں کی طرح کا ایک فضول اور بے فائدہ کام سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ شاید اس کو نہ کرو تو بہتر ہو...... ان لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ سن کر اس عمل تابیر کو ترک کر دیا...... لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اس فصل میں کھجور کی پیداوار گھٹ گئی تو حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ...... الخ" یعنی میں اپنی ذات سے ایک بشر ہوں. ی ہر بات دینی ہدایت اور وحی کی بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے بھی بات کرتا ہوں تو جب میں ہی . سول کی حیثیت سے دین کی لائن کی کسی بات کا حکم

دوں تو وہ واجب التعمیل ہے اور جب میں کسی دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے کچھ کہوں تو اس کی حیثیت ایک بشر کی رائے کی ہے، اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اور عمل تابیر کے بارے میں جو بات میں نے کہی تھی وہ میرا ذاتی خیال اور میری ذاتی رائے تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب خاصیتیں رکھ دی ہیں، جن کا پورا علم بھی بس اسی کو ہے، تابیر کے عمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو کچھ نہیں بتلایا گیا تھا، اور آپ ﷺ کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، آپ باغبانی کے رموز بتلانے کے لئے نہیں آئے تھے، بلکہ عالم انسانی کی ہدایت اور اس کو رضائے الٰہی اور جنت کا راستہ دکھلانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور اس کے لئے جس علم کی ضرورت تھی، وہ آپ کو بھرپور عطا فرمایا گیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ خیال اور عقیدہ غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی ہر بات اور ہر چیز کا علم تھا...... جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ حضور ﷺ کے مقام عالی سے ناآشنا ہیں۔

اس حدیث پر "کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" ختم ہوئی۔

دعوت الی الخیر
امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اسی لئے بھیجے جاتے تھے کہ اس کے بندوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دیں، پسندیدہ اعمال واخلاق اور ہر طرح کے اعمال خیر کی طرف ان کی رہنمائی کریں اور ہر نوع کی برائیوں سے ان کو روکنے اور بچانے کی کوشش کریں تاکہ دنیا وآخرت میں وہ اللہ کی رحمت اور رضا کے مستحق ہوں اور اس کے غضب وعذاب سے محفوظ رہیں ..... اسی کا جامع عنوان "دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے۔

جب خاتم النّبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم کردیا گیا تو قیامت تک کے لئے اس پیغمبرانہ کام کی پوری ذمہ داری آپ کی امت کے سپرد کردی گئی ..... قرآن پاک میں فرمایا گیا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آل عمران ۳: ۱۰۴)

ترجمہ: اور لازم ہے کہ تم میں ایک ایسی امت ہو جو (لوگوں کو) دعوت دے خیر اور بھلائی کی اور حکم کرے معروف (اچھی باتوں) کا اور روکے ہر طرح کی برائیوں سے اور وہی بندے فلاح یاب ہوں گے (جو یہ فریضہ ادا کریں گے)

پھر چند ہی آیتوں کے بعد اسی سورت میں فرمایا گیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران ۳: ۱۱۰)

ترجمہ: اے پیروان محمد! تم (تمام امتوں میں) وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح وہدایت) کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے تمہارا کام (اور تمہاری ذمہ داری) یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (اور ایمان والی زندگی گزارتے ہو۔)

بہر حال سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس پیغمبرانہ کام کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لئے امت محمدیہ پر عائد کردی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے جو امتی اس ذمہ داری کو کماحقہ ادا کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے کیسے عظیم انعامات کے مستحق ہوں گے اور جو اس میں کوتاہی کریں گے وہ اپنے نفسوں پر کتنا بڑا ظلم کریں گے، اور ان کا انجام اور حشر کیا ہوگا ...... اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کا اجر وثواب

۲۹) عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ ...... (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی

نیک کام کی طرف (کسی بندے کی) رہنمائی کی تو اس کو اس نیک کام کے کرنے والے بندے کے اجر کے برابر ہی اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث کا مطلب و مدعا اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً ایک شخص نماز کا عادی نہیں تھا، آپ کی دعوت ترغیب اور محنت کے نتیجہ میں وہ پابندی سے نماز پڑھنے لگا، وہ قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر اللہ سے غافل تھا، آپ کی دعوت اور کوشش کے نتیجہ میں وہ قرآن پاک کی روزانہ تلاوت کرنے لگا، ذکر و تسبیح کا بھی عادی ہو گیا، وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا، آپ کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ کے اثر سے وہ زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگا، اسی طرح اور بھی اعمال صالحہ کا پابند ہو گیا..... تو اس کو عمر بھر کی نمازوں، ذکر و تلاوت، زکوٰۃ و صدقات اور دیگر اعمال صالحہ کا جتنا اجر و ثواب آخرت میں ملے گا (اس حدیث کی بشارت کے مطابق) اللہ تعالیٰ اتنا ہی اجر و ثواب بطور انعام کے اپنے لامحدود خزانۂ کرم سے اس داعی الی الخیر بندے کو بھی عطا فرمائے گا جس کی دعوت و تبلیغ نے اس کو ان اعمال صالحہ پر آمادہ کیا اور عادی بنایا..... واقعہ یہ ہے کہ اس راستہ سے جتنا اجر و ثواب اور آخرت میں جو درجہ حاصل کیا جاسکتا ہے، وہ کسی دوسرے راستہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا ..... بزرگان دین کی اصطلاح میں یہ "طریق نبوت" کا سلوک، بشرطیکہ خالصاً لوجہ اللہ اور صرف رضائے الٰہی کی طلب میں ہو۔

۳۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَعیٰ اِلیٰ هُدیً کَانَ لَه' مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَه' لَایَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعیٰ اِلیٰ ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَه' لَایَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندے نے کسی نیکی کے راستہ کی طرف (لوگوں کو) دعوت دی تو اس داعی کو ان سب لوگوں کے اجروں کے برابر اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر نیکی کے اس راستہ پر چلیں گے اور عمل کریں گے اور اس کی وجہ سے ان عمل کرنے والوں کے اجروں میں کوئی کمی نہ ہوگی..... (اور اسی طرح) جس نے (لوگوں کو) کسی گمراہی (اور بدعملی) کی دعوت دی تو اس داعی کو ان سب لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا جو اس کی دعوت پر اس گمراہی اور بدعملی کے مرتکب ہوں گے اور اس کی وجہ سے ان لوگوں کے گناہوں میں (اور ان کے عذاب میں) کوئی کمی نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں داعیان حق وہدایت کو بشارت سنانے کے ساتھ داعیان ضلالت کی بدانجامی بھی بیان فرمائی گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دعوت الی الخیر اور ارشاد وہدایت کی توفیق ملتی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مشن کے خادم اور ان کے لشکر کے سپاہی ہیں اور جن کی بدبختی نے ان کو گمراہی اور بدعملی کا داعی بنادیا ہے، وہ شیطان کے ایجنٹ اور اس کے لشکری ہیں، اور ان دونوں کا انجام وہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

۳۱) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْكَ رَجُلاً، خَیْرٌ لَكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ وَغَرُبَتْ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر اور تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تمہارے لئے اس ساری کائنات سے بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہے۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ اس دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس پر آفتاب طلوع اور غروب نہ ہوتا ہو، تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے حق میں اس سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے کہ مشرق سے مغرب تک کی ساری دنیا تم کو مل جائے...... اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید اور اس میں کوتاہی پر سخت تہدید

۳۲) عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَیُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَن یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا یُسْتَجَابُ لَكُمْ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، (اے اہل ایمان) قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے اور تم کو تاکید ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو (یعنی اچھی باتوں اور نیکیوں کی لوگوں کو ہدایت و تاکید کرتے رہو اور بری باتوں اور برے کاموں سے ان کو روکتے رہو) یا پھر ایسا ہوگا کہ (اس معاملہ میں تمہاری کوتاہی کی وجہ سے) اللہ تم پر اپنا کوئی عذاب بھیج دے گا، پھر تم اس سے دعائیں کرو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو واضح الفاظ میں آگاہی دی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میری امت کا ایسا اہم فریضہ ہے کہ جب اس کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کسی فتنہ اور عذاب میں مبتلا کر دی جائے گی...... اور پھر جب دعائیں کرنے والے اس عذاب اور فتنہ سے نجات کے لئے دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔

اس عاجز کے نزدیک اس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں کہ صدیوں سے یہ امت طرح طرح کے جن فتنوں اور عذابوں میں مبتلا ہے اور امت کے اخیار اور صلحاء کی دعاؤں اور التجاؤں کے باوجود ان عذابوں سے نجات نہیں مل رہی ہے، تو اس کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری سپرد کی تھی اور اس سلسلہ میں جو تاکیدی احکام دیئے تھے اور اس کا جو عمومی نظام قائم فرمایا تھا، وہ صدیوں سے تقریباً معطل ہے، امت کی مجموعی تعداد میں اس فریضہ کے

ادا کرنے والے فی ہزار ایک کے تناسب سے بھی نہیں ہیں..... الغرض یہ وہی صورت حال ہے، جس کی رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں واضح آگاہی دی تھی۔

۳۳) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِالصِّدِّیْقِ اِنَّکُمْ تَقْرَؤُنَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَااهْتَدَیْتُمْ" فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَأَوْ مُنْکَرًا فَلَمْ یُغَیِّرُوْا یُوْشِكُ اَنْ یَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ. (رواه ابن ماجه والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے ہو "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَااهْتَدَیْتُمْ" (اے ایمان والو تم پر لازم ہے اپنے نفسوں کی فکر، تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے گمراہ ہونے والے لوگ جب تم راہ ہدایت پر ہو۔)..... (حضرت صدیق اکبر نے اس آیت کا حوالہ دیکر فرمایا کہ کسی کو اس آیت سے غلط فہمی نہ ہو) میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ شریعت کے خلاف کام ہوتے دیکھیں اور اس کی تغییر و اصلاح کے لئے کچھ نہ کریں تو قریبی خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب ہی پر عذاب آجائے۔" (سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی)

تشریح سورۂ مائدہ کی یہ ایک سو پچیسویں ۱۲۵ آیت ہے جس کا حوالہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، نے دیا ہے، اس آیت کے ظاہری الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اہل ایمان کی ذمہ داری بس یہ ہے کہ وہ اس کی فکر کریں کہ وہ خود اللہ و رسول کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے رہیں، دوسروں کی اصلاح و ہدایت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر دوسرے لوگ اللہ و رسول کے احکام کے خلاف چل رہے ہیں تو چلتے رہیں، ہم کو ان کی گمراہی اور غلط کاری سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ آیت سے ایسا سمجھنا غلط ہوگا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا رویّہ یہ ہو جائے کہ وہ دوسرے لوگوں کو خلاف شریعت کام کرتے دیکھیں اور ان کی اصلاح کے لئے کچھ نہ کریں بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تو اس بات کا قریبی خطرہ ہوگا کہ خدا کی طرف سے ایسا عذاب آئے جو سب ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور قرآن و حدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں سورۂ مائدہ کی اس آیت کا مفاد اور مدعیٰ یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان جب تم راہ ہدایت پر ہو، اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (جس میں امر بالمعروف نہی عن المنکر اور بقدر امکان بندگان خدا کی اصلاح و ہدایت کی کوشش بھی شامل ہے) تو اس کے بعد جو ناخدا ترس لوگ ہدایت قبول نہ کریں اور گمراہی کی حالت میں رہیں، تو اس کی اس گمراہی اور معصیت کوشی کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں، تم عند اللہ بری الذمہ ہو۔

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث "مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ..... الحدیث" اس سلسلۂ معارف الحدیث کی کتاب الایمان میں درج ہو چکی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو

شخص کوئی خلاف شریعت کام ہوتا دیکھے تو اگر اس کے لئے اس کا امکان ہے کہ طاقت استعمال کر کے اس کو روک دے تو ایسا ہی کرے اور اگر اس کی استطاعت اور قدرت نہیں ہے تو زبان ہی سے نصیحت اور اظہار ناراضی کرے، اگر اس کی بھی استطاعت اور قدرت نہیں ہے، تو دل ہی سے اس کو برا سمجھے اور دل میں اس کے خلاف جذبہ رکھے۔)

۳۴) عَنْ جَرِيْرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِىْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِىْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَايُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَمُوْتُوْا. (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی قوم (اور جماعت) میں کوئی آدمی ہو جو ایسے اعمال کرتا ہو جو گناہ اور خلاف شریعت ہیں اور اس قوم اور جماعت کے لوگ اس کی قدرت اور طاقت رکھتے ہوں کہ اس کی اصلاح کر دیں اور اس کے باوجود اصلاح نہ کریں (اسی حال میں اس کو چھوڑے رکھیں) تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے کسی عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ استطاعت اور قدرت کے باوجود غلط کار اور بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی کوشش نہ کرنا اور بے پروائی کا رویہ اختیار کرنا، اللہ کے نزدیک ایسا گناہ ہے جس کی سزا آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی دی جاتی ہے "اللھم اغفرلنا وارحمنا ولا تعذبنا!"

۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا، فَقَالَ يَارَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ، قَالَ تَعَالٰى اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْفِىَّ سَاعَةً قَطُّ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اس کی پوری آبادی کے ساتھ الٹ دو! جبرائیل نے عرض کیا خداوندا! اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے، جس نے پل جھپکنے کے برابر بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اس بستی کو اس بندے پر اور اس کے دوسرے سب باشندوں پر الٹ دو، کیونکہ کبھی ایک ساعت کے لئے بھی میری وجہ سے اس بندے کا چہرہ متغیر نہیں ہوا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے کسی زمانہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ کوئی بستی تھی، جس کے باشندے عام طور سے سخت فاسق فاجر تھے اور ایسی بداعمالیاں کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کا باعث بن جاتی ہیں ..... لیکن اسی بستی میں ایک ایسا بندہ بھی تھا جو اپنی ذاتی زندگی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا پورا فرمانبردار تھا اور اس سے کبھی معصیت سرزد نہیں ہوئی تھی، مگر دوسری طرف اس کا حال یہ تھا کہ بستی والوں کے فسق و فجور اور ان کی بداعمالیوں پر کبھی اس کو غصہ بھی نہیں آتا تھا اور اس کے چہرے پر شکن بھی

نہیں پڑتی تھی...... اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی اس درجہ کا جرم تھا کہ جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بستی کے فاسق فاجر باشندوں کے ساتھ اس بندے پر بھی بستی کو الٹ دو۔

اللہ تعالیٰ اس حدیث سے عبرت حاصل کرنے اور سبق لینے کی توفیق دے۔ (آمین)

۳۶) عَنِ الْعُرْسِ بْنِ عَمِيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيْئَةُ فِى الْاَرْضِ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا

ترجمہ: حضرت عرس بن عمیرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی سرزمین میں گناہ کیا جائے تو جب لوگ وہاں موجود ہوں اور اس گناہ سے ناراض ہوں تو (اللہ کے نزدیک) وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو وہاں موجود نہیں ہیں (یعنی ان سے اس گناہ کے بارے میں کوئی بازپرس نہ ہوگی) اور جو لوگ اس گناہ والی سرزمین میں موجود نہ ہوں مگر اس گناہ سے راضی ہوں وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو وہاں موجود تھے (اور گویا شریک گناہ تھے)۔ (سنن ابی داود)

تشریح — اس باب کی دوسری حدیثوں کی روشنی میں حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے سامنے اللہ ورسول کے احکام اور شریعت کے خلاف کام کئے جائیں وہ اگر ان سے ناراض ہوں اور حسب استطاعت اصلاح و تغییر کی کوشش کریں ورنہ کم از کم دل ہی میں اس کے خلاف جذبہ رکھیں تو خواہ ان کی ناراضی اور کوششوں کا کوئی اثر نہ ہو اور معصیتوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے تب بھی ان سے کوئی بازپرس نہ ہوگی (بلکہ وہ انشاء اللہ ماجور ہوں گے) اور جن لوگوں کو ان خلاف شریعت کاموں سے ناگواری اور ناراضی بھی نہ ہو، وہ اگرچہ گناہوں کی جگہ سے دور ہوں پھر بھی وہ مجرم ہوں گے اور شریک گناہ سمجھے جائیں گے...... اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ہم اپنا احتساب کریں۔

۳۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِىْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعُ فِيْهَا مَثَلُ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِىْ اَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِىْ اَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِىْ فِىْ اَسْفَلِهَا يَمُرُّ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِىْ اَعْلَاهَا، فَتَاَذَّوْا بِهٖ فَاَخَذَ فَاْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ فَاَتَوْهُ فَقَالُوْا مَالَكَ؟ قَالَ تَاَذَّيْتُمْ بِىْ وَلَابُدَّلِىْ مِنَ الْمَاءِ، فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ نَجَّوْهُ وَنَجَّوْا اَنْفُسَهُمْ وَاِنْ تَرَكُوْهُ اَهْلَكُوْهُ وَاَهْلَكُوْا اَنْفُسَهُمْ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مثال ان لوگوں کی جو اللہ کی حدود اور اس کے احکام کے بارے میں مداہنت (یعنی سہل انگاری اور ڈھیلے پن) سے کام لیتے ہیں (روک ٹوک نہیں کرتے) اور ایسے لوگوں کی جو خود اللہ کی حدود کو پامال اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ایک ایسے گروہ کی سی مثال ہے جو باہم قرعہ اندازی کر کے ایک کشتی پر سوار ہوا تو کچھ لوگوں نے کشتی کے نیچے کے درجہ میں جگہ پائی اور کچھ نے اوپر والے درجہ میں...... تو نیچے کے درجہ والا آدمی پانی لے کر اوپر کے درجہ والوں پر سے گزرتا تھا، اس سے انہوں نے تکلیف محسوس کی (اور اس پر ناراضی

کا اظہار کیا) تو نیچے کے درجہ والے نے کلہاڑا لیا اور لگا سوراخ کرنے کشتی کے نیچے کے حصے میں (تاکہ نیچے ہی سے دریا سے براہ راست پانی حاصل کرلے اور پانی کے لئے اوپر آنا جانا نہ پڑے) تو اوپر کے درجہ والے اس کے پاس آئے اور کہا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ (یہ کیا کر رہے ہو؟) اس نے کہا کہ (پانی کے لئے میرے آنے جانے سے) تم کو تکلیف ہوئی (اور تم نے ناراضی کا اظہار کیا) اور پانی تو (زندگی کی) ناگزیر ضرورت ہے (میں دریا سے پانی حاصل کرنے کے لئے یہ سوراخ کر رہا ہوں...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) تو اگر یہ کشتی والے اس آدمی کا ہاتھ پکڑ لیں (اور اس کو کشتی میں سوراخ نہ کرنے دیں) تو اس کو بھی ہلاکت سے بچالیں گے اور اپنے کو بھی اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے (اور کشتی میں سوراخ کرنے دیں گے) تو اس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اور اپنے کو بھی (سب ہی غرقاب ہو جائیں گے۔) (صحیح بخاری)

تشریح...... حدیث کی بقدر ضرورت تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں کر دی گئی ہے، بڑی ہی عام فہم اور سبق آموز مثال ہے...... حدیث کا پیغام یہ ہے کہ جب کسی بستی یا کسی گروہ میں اللہ کی حدود پامال کی جاتی ہوں اور اس کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوتی ہو، وہ بداعمالیاں ہوتی ہوں جو خداوند ذوالجلال کے قہر وعذاب کو دعوت دیتی ہیں، تو اگر ان میں کے اچھے اور نیک لوگ اصلاح وہدایت کی کوئی کوشش نہیں کریں گے تو جب خدا کا عذاب نازل ہوگا تو یہ بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے اور ان کی ذاتی نیکی اور پرہیزگاری ان کو نہ بچا سکے گی...... قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّاتُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ"O (الانفال نمبر ۲۵) (اور اس عذاب سے ڈرو اور بچنے کی کوشش کرو، جو صرف ظالموں، مجرموں ہی پر نہیں آئے گا، اور خود جان لو کہ اللہ کی سزا بڑی ہی سخت ہے۔)

کن حالات میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے

۳۸) عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَااهْتَدَيْتُمْ" قَالَ اَمَا وَاللّٰهِ سَاَلْتُ عَنْهَا خَبِيْرًا، سَاَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَّدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْيِهٖ فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعِ الْعَوَامَّ فَاِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ اَيَّامًا اَلصَّبْرُ فِيْهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيْهِنَّ مِثْلُ اَجْرِ خَمْسِيْنَ رَجُلاً يَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَااهْتَدَيْتُمْ" کے بارے میں (ایک صاحب کے سوال کے جواب میں) فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں اس ہستی سے پوچھا تھا جو (اس کے مطلب اور مدعی سے اور اللہ کے حکم سے) سب سے زیادہ باخبر تھی، (یعنی) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ نے ارشاد

فرمایا کہ (اس آیت سے غلط فہمی میں نہ پڑو) بلکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برابر کرتے رہو ...... یہاں تک کہ جب (وہ وقت آجائے کہ) تم دیکھو کہ بخل اور دولت اندوزی کے جذبہ کی اطاعت کی جاتی ہے اور (اللہ ورسول کے احکام کے مقابلہ میں) اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور (آخرت کو فراموش کر کے) بس دنیا ہی کو مقصود بنالیا گیا ہے اور ہر شخص خودرائی اور خود بینی کا مریض ہے (تو جب عام لوگوں کی حالت یہ ہو جائے) تو اس وقت بس اپنی ذات ہی کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو (ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کردو) کیونکہ تمہارے بعد میں ایسا دور بھی آئے گا کہ صبر اور ثابت قدمی (کے ساتھ دین پر قائم رہنا اور شریعت پر چلنا) ایسا (مشکل اور صبر آزما) ہوگا جیسا ہاتھ میں انگارہ لے لینا، ان دنوں میں شریعت پر عمل کرنے والوں کو تمہاری طرح عمل کرنے والے پچاس آدمیوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی ابو امیہ شعبانی نے سورۂ مائدہ کی اسی آیت نمبر ۱۲۵ کے متعلق جس کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد اوپر گزر چکا ہے، سوال کیا تھا، تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تھا (کیونکہ اس کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہم خود اللہ و رسول کی ہدایت کے مطابق چل رہے ہیں تو دوسرے لوگوں کے دین کی فکر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہماری ذمہ داری نہیں ہے) ...... تو رسول اللہ ﷺ نے وہ جواب ارشاد فرمایا جو حدیث میں مذکور ہوا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے دین کی فکر کے ساتھ دوسرے بندگانِ خدا کے دین کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی دینی فریضہ اور خداوندی مطالبہ ہے، اس لئے اس کو برابر کرتے رہو ...... ہاں جب امت کا حال یہ ہو جائے کہ بخل و کنجوسی اس کا مزاج بن جائے اور دولت کی پوجا ہونے لگے، اور اللہ ورسول کے احکام کے بجائے بس خواہشات نفس کا اتباع کیا جانے لگے اور آخرت کو بھلا کر دنیا ہی کو مقصود بنالیا جائے اور خود بینی اور خودرائی کی وباعام، ہو جائے تو اس بگڑی ہوئی فضا میں چونکہ امر بالمعروف اور نہی منکر کی تاثیر و افادیت اور عوام کی اصلاح پذیری کی امید نہیں ہوتی اس لئے چاہئے کہ بندہ عوام کی فکر چھوڑ کے بس اپنی ہی اصلاح اور معصیت سے حفاظت کی فکر کرے۔

آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ بعد میں ایسے دور بھی آئیں گے جب دین پر قائم رہنا اور اللہ ورسول کے احکام پر چلنا ہاتھ میں آگ لینے کی طرح تکلیف دہ اور صبر آزما ہوگا ...... ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں خود دین پر قائم رہنا ہی بہت بڑا جہاد ہوگا اور دوسروں کی اصلاح کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی ...... اور ایسی ناموافق فضا اور سخت حالات میں اللہ ورسول کے احکام پر صبر و ثابت قدمی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو پچاس پچاس تمہارے جیسے عمل کرنے والوں کی برابر اجر و ثواب ملے گا۔

فی سبیل اللہ جہاد وقتال اور شہادت

جیسا کہ معلوم ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام نبی ورسول اسی لئے بھیجے گئے کہ اس کے بندوں کو "دین حق" یعنی زندگی کے اس خدا پرستانہ اور شریفانہ طریقہ کی دعوت و تعلیم دیں اور اس پر چلانے کی کوشش کریں جو ان کے خالق و پروردگار نے ان کے لئے مقرر کیا ہے اور جس میں ان کی دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح ہے اور جس پر چلنے والوں کے لئے خدا کی رضا اور رحمت اور جنت کی ضمانت ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ سب ہی انبیاء ورسل علیہم السلام نے اپنے اپنے دور اور دائرہ میں اسی کی دعوت دی اور اسی کے لئے جدوجہد کی ...... لیکن قریباً سب ہی کے ساتھ ایسا ہوا کہ ان کے زمانے اور ان کی قوم کے شریر و بدنفس لوگوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی دعوت حق کو قبول نہیں کیا بلکہ شدید مخالفت و مزاحمت کی اور دوسروں کا بھی راستہ روکا اور اگر ان کے ہاتھ میں طاقت ہوئی تو انہوں نے اللہ کے نبیوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو ظلم و جبر کا بھی نشانہ بنایا...... بلاشبہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی دعوت حق کے یہ دشمن، انسانوں اور انسانیت کے حق میں سانپوں اور اژدہوں سے بھی زیادہ زہریلے اور خطرناک تھے، اس لئے اکثر ایسا ہوا کہ ایسے لوگوں اور ایسی قوموں پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا اور وہ اسی کے مستحق تھے "وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ○" قرآن مجید میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے شریر و بدنفس مکذبین کے یہ حالات تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔

سب سے آخر میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے انبیائے سابقین کی طرح آپ نے بھی قوم کو "دین حق" کی دعوت دی ...... کچھ نیک فطرت بندگانِ خدا نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کفر و شرک، فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی جاہلی زندگی چھوڑ کے وہ خدا پرستانہ پاکیزہ زندگی اختیار کر لی جس کی آپ دعوت دیتے تھے، لیکن قوم کے اکثر بڑوں اور سرداروں نے شدید مخالفت اور مزاحمت کا رویہ اختیار کیا، خود رسول اللہ ﷺ کو بھی ستایا اور آپ پر ایمان لانے والوں پر، خاص کر بیچارے غرباء اور ضعفاء پر مظالم و مصائب کے پہاڑ توڑے، مکہ کے یہ اشرار ابو جہل، ابو لہب وغیرہ بلاشبہ اس کے مستحق تھے کہ اگلی امتوں کے معذبین کی طرح ان پر بھی آسمانی عذاب آتا اور صفحۂ ہستی کو ان کے وجود سے پاک کر دیا جاتا، لیکن رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین و خاتم النبیین کے علاوہ "رحمۃ للعالمین" بنا کر بھی بھیجا تھا اور اس بنا پر آپ ﷺ کے لئے طے فرما دیا گیا تھا کہ آپ کے مخالفین و مکذبین اور ستانے والے خبیث ترین دشمنوں پر بھی آسمانی عذاب نازل نہیں کیا جائے گا ...... اور بجائے اس کے آپ پر ایمان لانے والوں ہی کے ذریعہ ان کا زور توڑا جائے گا اور "دین حق" کی دعوت کا راستہ صاف کیا جائے گا اور انہی کے ہاتھوں سے ان مجرمین کو سزا دلوائی جائے گی اور اس عمل میں ان کی حیثیت اللہ کے لشکریوں اور خداوندی کارندوں کی ہوگی ...... چنانچہ جب وہ وقت آگیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے مقرر تھا تو نبوت کے تیرھویں سال رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم ہوا...... یہ ہجرت دراصل دین حق کی دعوت کے اس

دوسرے مرحلہ کی ابتدا تھی، جس کے لئے ایمان لانے والے حاملین دعوت کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ وہ مزاحمت کرنے والے اور اہل ایمان پر ظلم وستم کرنے والے اشرار ناہنجار کا زور توڑنے کے لئے اور دعوت حق کا راستہ صاف کرنے کے لئے حسب ضرورت اپنی جان اور اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور میدان میں آجائیں...... اسی کا عنوان "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" ہے اور اس راستہ میں اپنی جان قربان کر دینے کا نام شہادت ہے۔

ناظرین کرام نے اس تمہید سے سمجھ لیا ہو گا کہ کفر واہل کفر کے خلاف اہل ایمان کی مسلح جد و جہد (خواہ اقدامی ہو یا مدافعانہ) اللہ ورسول کے نزدیک اور شریعت کی زبان میں جب ہی "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" ہے جب کہ اس کا مقصد دین حق کی حفاظت و نصرت یا اس کے لئے راستہ صاف کرنا اور اللہ کے بندوں کو خدا کی رحمت کا مستحق اور جنتی بنانا ہو...... لیکن اگر جنگ اور طاقت آزمائی کا مقصد ملک و مال ہو یا اپنی قوم یا وطن کا جھنڈا اونچار کھنا ہو تو وہ ہر گز "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" نہیں ہے۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں جہاد کا حکم و قانون اس لحاظ سے "بڑی رحمت" ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت حق کی تکذیب اور مزاحمت کرنے والوں پر جس طرح کے آسمانی عذاب پہلے آیا کرتے تھے، اب قیامت تک کبھی نہیں آئیں گے، گویا "جہاد" کسی درجہ میں اس کا بدل ہے...... واللہ اعلم۔

اس تمہید کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھے جائیں، جن میں مختلف عنوانات سے جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

۳۹) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ رَضِىَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْسَعِيْدٍ فَقَالَ اَعِدْهَا عَلَىَّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَاُخْرىٰ يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِى الْجَنَّةِ بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، قَالَ وَمَا هِىَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ اَلْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے دل سے برضا و رغبت اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک و پروردگار، اسلام کو اپنا دین، اور محمد (ﷺ) کو اللہ کا رسول و ہادی مان لیا، اس کے لئے جنت واجب ہو گئی...... (رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بشارت سن کر حدیث کے راوی) ابو سعید خدریؓ کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے (حضور ﷺ سے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہی بات پھر ارشاد فرمادیں! چنانچہ آپ ﷺ نے پھر وہی بات دوبارہ ارشاد فرمائی، (اسی کے ساتھ مزید یہ بھی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک اور دینی عمل ہے (جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا عظیم ہے کہ) اس عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت میں سو درجے بلند فرمائیں گے جن میں سے دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا سا فاصلہ ہو گا۔ (یہ سن کر) ابو سعید خدریؓ نے عرض کیا کہ حضرت

وہ کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ظاہر ہے کہ جو شخص بشرح صدر اور دل وجان سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کو رسول برحق اور اسلام کو اپنا دین بنالے گا، اس کی زندگی بھی اسلامی ہوگی وہ اپنے رب کا فرمانبردار اور رسول پاک ﷺ کا تابعدار ہوگا...... آپ ﷺ نے ایسے بندوں کو بشارت سنائی کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا فیصلہ ہوچکا ہے، اور جنت ان کے لئے واجب ہوچکی ہے...... حضرت ابو سعید خدریؓ کو حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بشارت سن کر بے حد خوشی ہوئی (غالباً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے یہ دولت ان کو نصیب تھی) انہوں نے (اسی وجد و مسرت کی حالت میں) حضور ﷺ سے درخواست کی حضرت اس کو دوبارہ ارشاد فرمادیں...... آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمادیا اور اس کے ساتھ مزید ارشاد فرمایا کہ ایک اور عمل ایسا ہے جس کے عامل کو اللہ تعالیٰ جنت میں سو(۱۰۰) درجے بلند فرمائیں گے، حضرت ابو سعیدؓ کے یہ دریافت کرنے پر کہ وہ کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ہے، جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیـــــــــل اللہ۔

آپ ﷺ نے جواب میں تین دفعہ ارشاد فرمایا" اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اس سے ہر صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں جہاد کی کیسی عظمت اور کیسی رغبت و محبت تھی، آگے درج ہونے والی حدیث سے یہ بات اور زیادہ واضح ہوجائے گی۔

واضح رہے کہ آخرت اور جنت و دوزخ کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کی پوری حقیقت وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی، ہماری اس دنیا میں اس کی کوئی نظیر اور مثال بھی موجود نہیں ہے ...... ہمیں بس دل سے مان لینا اور یقین کرلینا چاہئے کہ اللہ و رسول نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ برحق ہے، اور جب وقت آئے گا انشاء اللہ اس کو ہم بھی دیکھ لیں گے۔

۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالاً مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَاتَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ وَلَا اَجِدُمَا اَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَاتَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰی ثُمَّ اُقْتَلُ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بہت سے اہل ایمان کے دل اس پر راضی نہیں کہ وہ جہاد کے سفر میں میرے ساتھ نہ جائیں، اور میرے پاس ان کے لئے سواریوں کا انتظام نہیں ہے (اگر یہ مجبوری حائل نہ ہوتی) تو میں راہ خدا میں جہاد کے لئے جانے والی ہر جماعت کے ساتھ جاتا (اور جہاد کی ہر مہم میں حصہ لیتا) قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری دلی آرزو

ہے کہ میں راہِ خدا میں شہید کیا جاؤں اور مجھے پھر زندہ کر دیا جائے، اور میں پھر شہید کیا جاؤں، اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندگی عطا فرمائی جائے اور پھر میں شہید کیا جاؤں۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... حدیث کا مقصد و مدعا، جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کی عظمت اور محبوبیت بیان فرمانا ہے۔
حضور ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میرے دل کا داعیہ اور جذبہ تو یہ ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کے لئے جانے والے ہر لشکر اور ہر دستہ کے ساتھ جاؤں اور ہر جہادی مہم میں میری شرکت ہو، لیکن مجبوری یہ دامن گیر ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے فدائی ہیں، جو اس پر راضی نہیں ہو سکتے کہ میں جاؤں اور وہ میرے ساتھ نہ جائیں، اور میرے پاس ان سب کے لئے سواریوں کا بندوبست نہیں ہے، اس لئے ان کی خاطر میں اپنے جذبہ کو دبا لیتا ہوں اور انتہائی دلی خواہش کے باوجود ہر جہادی مہم میں نہیں جاتا ...... آگے آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں اپنے دلی داعیہ اور جذبے کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اور قسم کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں میدانِ جہاد میں دشمنانِ حق کے ہاتھوں قتل کیا جاؤں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ مجھے پھر زندہ فرمائے اور میں پھر اس کی راہ میں اسی طرح قتل کیا جاؤں، اور پھر اللہ تعالیٰ مجھے زندگی عطا فرمائے، اور پھر اسی طرح شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندگی عطا ہو اور میں پھر اس کو قربان کروں اور شہید کیا جاؤں۔

۴۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَافِى الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّاالشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ - (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں پہنچ جانے کے بعد کوئی شخص بھی نہیں چاہے گا اور نہیں پسند کرے گا کہ اس کو پھر دنیا میں اس حال میں واپس کر دیا جائے کہ دنیا کی ساری چیزیں اس کی ہوں (وہ سب کا مالک ہو) البتہ جو راہِ خدا میں شہید ہو کر جنت میں پہنچے گا وہ اس کی آرزو کرے گا کہ اس کو پھر دنیا میں واپس کر دیا جائے اور وہ پھر (ایک دفعہ نہیں) دس دفعہ راہِ خدا میں شہید کیا جائے ...... وہ یہ آرزو اس لئے کرے ...... گا کہ جنت میں دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہیدوں کا کیسا اکرام و اعزاز ہے (اور وہاں ان کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۴۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْقَتْلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الدَّيْنَ - (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راہِ خدا میں شہید ہونا سب گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، سوائے قرض کے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ بندے سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں اور جو قصور و گناہ ہوئے ہوں گے، راہِ خدا میں جان کی مخلصانہ قربانی اور فی سبیل اللہ شہادت ان سب کا کفارہ بن

جائے گی، شہادت کے طفیل وہ سب معاف ہو جائیں گے ..... ہاں اس پر جو کسی بندے کا قرض ہوگا اور اس کے علاوہ بھی بندوں کے جو حقوق ہوں گے وہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوں گے، اس حدیث سے شہادت فی سبیل اللہ کی عظمت بھی معلوم ہوئی اور قرض وغیرہ حقوق العباد کی غیر معمولی سنگینی بھی ..... اللہ تعالیٰ اس سے سبق لینے کی توفیق دے۔

۴۳) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشَّهِيْدُ لَايَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقُرْصَةِ.** (رواه الترمذی والنسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راہ خدا میں شہید ہونے والا بندہ قتل کئے جانے کی بس اتنی ہی تکلیف محسوس کرتا ہے، جتنی تکلیف تم میں سے کوئی آدمی چیونٹی کے کاٹ لینے کی محسوس کرتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی)

تشریح ..... جس طرح ہماری اس دنیا میں آپریشن کی جگہ کو دوا یا انجکشن کے ذریعہ سن کر کے بڑے بڑے آپریشن کئے جاتے ہیں، اور اس کی وجہ سے آپریشن کی تکلیف برائے نام ہی محسوس ہوتی ہے، اس طرح سمجھنا چاہئے کہ جب کوئی بندہ راہ خدا میں شہید کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ایسی کیفیت طاری کر دی جاتی ہے کہ اس کو اس سے زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی جتنی کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

جامع ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ راہ خدا میں شہید کیا جاتا ہے تو اسی وقت جنت میں اس کا جو ٹھکانا ہے، وہ اس کے سامنے کر دیا جاتا ہے (يرىٰ مقعده من الجنة) جنت کے اس نظارہ کی لذت و محویت بھی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے قتل کی تکلیف کا محسوس نہ ہونا قرین قیاس ہے۔ [1]

۴۴) **عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَاَلَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ.** (رواه مسلم)

---

[1] ہمارے ہی زمانے کا واقعہ ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد حسین امرتسری (رحمۃ اللہ علیہ) جو ملک کی تقسیم کے بعد امرتسر سے لاہور منتقل ہو گئے تھے، اور وہاں "جامعہ اشرفیہ" قائم فرمایا، ان کے پاؤں میں ایک زخم تھا جو بڑھتے بڑھتے گھٹنے کے اوپر ران تک پہنچ گیا تھا لاہور کے ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ ران کے اوپر کے حصہ سے ٹانگ کاٹ دینا ضروری ہے، حضرت ممدوح اس کے لئے آمادہ ہو گئے، آپریشن روم میں جب میز پر لٹایا گیا تو ڈاکٹروں نے قاعدہ کے مطابق آپ کو بے ہوش کرنا چاہا، آپ نے فرمایا کہ بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں، آپ لوگ اسی طرح اپنا کام کریں، ڈاکٹروں نے کہا کہ بہت غیر معمولی آپریشن ہے کئی گھنٹے لگیں گے اور ہڈی کاٹی جائے گی اس لئے بے ہوش کرنا ضروری ہے، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا بالکل ضرورت نہیں، آپ اپنا کام شروع کریں، اور خود تسبیح ہاتھ میں لے کر دوسری طرف رخ کر کے لیٹ گئے، ڈاکٹروں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں اسی طرح کام شروع کیا، آپریشن میں تقریباً ڈھائی گھنٹے لگے اور مفتی صاحب اسی طرح لیٹے رہے، ڈاکٹروں کو انتہائی حیرت ہوئی، یہ چیز ان کی عقل و قیاس سے باہر تھی۔ بعد میں کسی خاص نیازمند نے اصرار سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا؟ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت اس تکلیف کا اجر میرے سامنے کر دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نظارے میں محو کر دیا تھا۔ اس آپریشن کے واقعہ کے بعض مشاہد اب بھی لاہور میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہمارے خیال و قیاس سے وراء الوراء ہے۔

ترجمہ: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو بندہ صدق قلب سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی استدعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں ہی کے مقام و مرتبہ پر پہنچا دے گا اگرچہ اپنے بستر ہی پر اس کا انتقال ہو۔" (صحیح مسلم)

تشریح ...... ہمارے زمانے میں قتال فی سبیل اللہ اور شہادت کا دروازہ گویا بند ہے، لیکن اس حدیث نے بتلایا کہ جو بندے شہادت کے مندرجہ بالا فضائل پر نگاہ رکھتے ہوئے سچے دل سے اس کے طالب اور آرزومند ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طلب اور نیت کی بناء پر ان کو شہیدوں ہی کا مقام و مرتبہ عطا فرمائے گا۔

٤٥) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَاسِرْتُمْ مَسِيْرًا وَلَاقَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ ؟ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ. (رواه البخاری و رواه مسلم عن جابر)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے جب واپس ہوئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس پورے سفر میں تمہارے ساتھ رہے اور جب تم نے کسی وادی کو عبور کیا تو اس وقت بھی وہ تمہارے ساتھ تھے...... بعض رفقاء سفر نے عرض کیا کہ حضرت وہ مدینہ میں تھے (اور پھر بھی سفر میں ہمارے ساتھ رہے ؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہاں وہ مدینہ ہی میں رہے، کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے وہ ہمارے ساتھ سفر نہیں کر سکے...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے صحابہؓ میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ جانا چاہتے تھے، اور ان کا پکا ارادہ تھا، لیکن کسی وقتی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکے، تو چونکہ ان کی نیت حضور ﷺ کے ساتھ جانے کی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے دفتر میں وہ جانے والوں ہی میں لکھے گئے، اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی "اَلَّا شَرِكُوْكُمْ فِى الْاَجْرِ" یعنی وہ مؤمنین مخلصین اپنی صادق نیت کی وجہ سے اس غزوۂ تبوک کے اجر و ثواب میں تمہارے شریک اور حصہ دار قرار پائے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ کسی نیک عمل میں شرکت کی نیت رکھتا ہو لیکن کسی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے وہ بروقت شرکت نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت ہی پر عملی شرکت کا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

٤٦) عَنْ اَبِىْ مُوْسىٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔" (صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ میدان جہاد میں جہاں تلواریں سروں پر کھیلتی ہیں اور اللہ کے راستہ میں جان کی

بازی لگانے والے مجاہد شہید ہوتے ہیں، وہیں جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، جو بندہ راہ خدا میں شہید ہوتا ہے وہ اسی وقت جنت کے دروازے سے اس میں داخل ہو جاتا ہے...... صحیح مسلم میں اس حدیث کی جو روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کسی جہاد کے میدان میں ایسے وقت سنایا تھا، جب میدان کارزار گرم تھا...... آگے روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہوا جو دیکھنے میں خستہ حال سا تھا، اس نے کہا کہ اے ابو موسیٰ کیا تم نے خود حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے خود حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سنا ہے، تو وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں تم کو آخری سلام کرنے آیا ہوں، میرا رخصتی سلام لو، اس کے بعد اس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کے پھینک دیا، اور ننگی تلوار لے کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھتا چلا گیا، پھر وہ شمشیر زنی کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اور اپنی مراد کو پہنچ گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق جنت کے دروازے سے داخل جنت ہو گیا۔

۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ لَايَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلَاصَلٰوةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجاہد فی سبیل اللہ (اللہ کے نزدیک) اس بندہ کی مانند ہے جو برابر روزے رکھتا ہو، اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہو اور آیات الٰہی کی تلاوت کرتا ہو اور اس روزے اور نماز سے تھک کر ستاتا نہ ہو...... وہ جب تک گھر واپس آئے (اللہ کے نزدیک اسی حال میں ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو بندہ راہ خدا میں جہاد کے لئے گھر سے نکلا، وہ گھر واپس آنے تک اللہ کے نزدیک مسلسل عبادت میں ہے، اور اس عبادت گذار بندے کی طرح ہے جو مسلسل روزے رکھتا ہو اور اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتا اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہو۔

۴۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَيْنَانِ لَاتَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ تَحْرُسُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو(۲) آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ چھو بھی نہیں سکے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ آنکھ جس نے جہاد میں (رات کو جاگ کر) چوکیداری اور پہرہ داری کی خدمت انجام دی ہو۔ (جامع ترمذی)

۴۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَغَدْوَةٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک صبح کو راہ خدا میں نکلنا

یا ایک شام کو نکلنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ راہ خدا میں تھوڑے سے وقت کا نکلنا بھی اللہ کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور یقین کرنا چاہئے کہ آخرت میں اس کا جو اجر ملے گا اس کے مقابلہ میں یہ ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ہیچ ہے، دنیا و مافیہا فانی ہے، اور وہ اجر لا فانی۔

۵۰) عَنْ اَبِیْ عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ.
(رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی بندے کے قدم راہ خدا میں چلنے سے گرد آلود ہوئے ہوں پھر ان کو دوزخ کی آگ چھو سکے۔ (صحیح بخاری)

تشریح اس حدیث کا مضمون کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت ابو عبس کی اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی یزید بن ابی مریم نے بیان کیا کہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے (جامع مسجد کی طرف) جا رہا تھا تو مجھے عبایہ بن رفاعہ تابعی ملے اور انہوں نے مجھ سے فرمایا:

"اَبْشِرْ فَاِنَّ خُطَاكَ هٰذِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سَمِعْتُ اَبَا عَبْسٍ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَی النَّارِ"

ترجمہ: تم کو بشارت ہو کہ تمہارے یہ قدم (جن سے چل کر تم جامع مسجد کی طرف جا رہے ہو) یہ راہ خدا میں ہیں اور میں نے ابو عبس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کے قدم راہ خدا میں گرد آلود ہوئے تو وہ قدم دوزخ پر حرام ہیں (یعنی دوزخ کی آگ ان کو چھو بھی نہ سکے گی)

تشریح عبایہ بن رفاعہ تابعی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک "فی سبیل اللہ" جہاد و قتال ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وسعت ہے، نماز ادا کرنے کے لئے جانا اور اسی طرح دین کی خدمت اور اللہ کی مرضیات کے لئے دوڑ دھوپ کرنا بھی اس کے وسیع مفہوم میں شامل ہے، اسی طرح اس سے پہلی حضرت انسؓ والی حدیث (لَغَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ الخ) کے بارے میں بھی سمجھنا چاہئے کہ اللہ کے لئے اور دین کی خدمت کے سلسلہ کی ہر مخلصانہ جدو جہد اور دوڑ دھوپ کرنے والوں کا بھی اس بشارت میں حصہ ہے۔

۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ، مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اس حال میں انتقال کیا کہ نہ تو کبھی جہاد میں عملی حصہ لیا اور نہ کبھی جہاد کو سوچا (نہ اس کی نیت کی) تو اس نے ایک قسم

کی منافقت کی حالت میں انتقال کیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... قرآن پاک سورۂ حجرات میں فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّمَاالْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (حجرات: ۴۹)

ترجمہ: اصلی ایمان والے بس وہی بندے ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر، پھر (ان کے دل میں) کوئی شک شبہ نہیں آیا اور انہوں نے اپنے جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا، بس وہی سچے پکے ہیں۔

تشریح...... اس آیت سے معلوم ہوا کہ راہ خدا میں جہاد ایمانِ صادق کے لوازم میں سے ہے، اور سچے پکے مؤمن وہی ہیں جن کی زندگی اور جن کے اعمالنامہ میں جہاد بھی ہو (اگر عملی جہاد نہ ہو تو کم از کم اس کا جذبہ اور اس کی نیت اور تمنا ہو) پس جو شخص دنیا سے اس حال میں گیا کہ نہ تو اس نے جہاد میں عملی حصہ لیا اور نہ جہاد کی نیت اور تمنا ہی کبھی کی تو وہ "مومن صادق" کی حالت میں دنیا سے نہیں گیا بلکہ ایک درجہ کی منافقت کی حالت میں گیا...... بس یہی اس حدیث کا پیغام اور مدعا ہے۔

۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ بِغَیْرِ اَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِیَ اللّٰهَ وَفِیْهِ ثُلْمَةٌ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اس حال میں اللہ کے حضور پیش ہوگا کہ اس میں جہاد کا کوئی اثر اور نشان نہ ہو تو اس کی یہ پیشی ایسی حالت میں ہوگی کہ اس میں (یعنی اس کے دین) نقص اور رخنہ ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی اوپر والی حدیث کی تشریح میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے...... اس حدیث اور اس طرح کی دوسری حدیثوں کے مطالعہ کے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرآن و سنت کی زبان میں "جہاد" صرف قتال اور مسلح جنگ ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ دین کی نصرت و خدمت کے سلسلہ میں جس وقت جس قسم کی جدو جہد کا امکان ہو، وہی اس وقت کا جہاد ہے، اور جو بندے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اس دور میں وہ جدو جہد کریں اور اس کے سلسلہ میں اپنے جان و مال اور اپنی صلاحیتوں کو قربان کریں وہ عند اللہ "مجاہدین فی سبیل اللہ" ہیں...... عنقریب انشاء اللہ اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے عرض کیا جائے گا۔

۵۳) عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِیاً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِیًا فِیْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے راہ خدا میں جہاد کرنے والے کسی غازی کو سامان جہاد فراہم کیا تو (اللہ کے نزدیک) اس نے بھی جہاد اور غزوے میں حصہ لیا، اور جس کسی نے جہاد میں جانے والے کسی غازی کے اہل و عیال کی اس کی نیابت میں خدمت کی

اور خبر لی اس نے بھی جہاد میں عملی حصہ لیا (یعنی ان دونوں آدمیوں کو بھی جہاد کا ثواب حاصل ہوگا اور اللہ کے دفتر میں وہ بھی مجاہدین میں لکھے جائیں گے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ اصولی بات معلوم ہوئی کہ دین کی کسی بڑی خدمت کرنے والوں کے لئے اس کا سامان فراہم کرنے والے اور اسی طرح خدمت دین اور نصرت دین کے سلسلہ میں باہر جانے والوں کے اہل و عیال کی خبر گیری کرنے والے، اللہ کے نزدیک دین کی اس خدمت و نصرت میں شریک اور پورے اجر کے مستحق ہیں ...... ہم میں جو لوگ اپنے خاص حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے دین کی نصرت و خدمت کے کسی بڑے کام میں براہ راست حصہ نہیں لے سکتے، وہ دوسروں کے لئے اس کا سامان فراہم کر کے اور ان کے گھر والوں کی خدمت اور دیکھ بھال اپنے ذمہ لے کے دین کے خدام و انصار کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں، اور اس کا پورا اجر حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

٥٤) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ جَاهِدُ واالْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ.

(رواہ ابوداؤد، والنسائی، والدارمی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہاد کرو مشرکوں سے اپنے جان و مال اور اپنی زبانوں سے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن دارمی)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کو توحید اور دین حق کے راستہ پر لانے اور ان کا زور توڑ کے دعوت حق کا راستہ صاف کرنے کے لئے جیسا موقع اور وقت کا تقاضا ہو اپنے جان و مال سے جد و جہد کرو اور ان کی قربانی دو اور زبان و بیان سے بھی کام لو ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کے راستہ میں پیسے خرچ کرنا اور زبان و بیان (اور اسی طرح قلم) سے کام لینا بھی جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے۔

جہاد کے بارے میں ضروری وضاحت

ہماری اردو زبان میں "جہاد" اس مسلح جنگ ہی کو کہتے ہیں جو اللہ و رسول کے حکم کے مطابق دین کی حفاظت و نصرت کے لئے دشمنان حق سے کی جائے، لیکن اصل عربی زبان اور قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "جہاد" کے معنی حریف کے مقابلہ میں کسی مقصد کے لئے پوری جد و جہد اور امکانی طاقت صرف کرنے کے ہیں، جو احوال و ظروف کے لحاظ سے جنگ و قتال کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے، اور دوسرے طریقوں سے بھی ...... (قرآن مجید میں جہاد کا لفظ جابجا اسی وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے)

رسول اللہ ﷺ منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد قریباً ۱۳ برس مکہ معظمہ میں رہے، اس پوری مدت میں دین کے دشمنوں، کافروں، مشرکوں سے نہ صرف یہ کہ جہاد بالسیف اور جنگ و قتال کی اجازت نہیں تھی، بلکہ اس کی ممانعت تھی اور حکم تھا "كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ ......" (یعنی جنگ اور قتال سے اپنے ہاتھ روکے رکھو) ...... سورۂ "الفرقان" اسی مکی دور میں نازل ہوئی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے "فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" (آیت نمبر ۵۲) مطلب یہ ہے کہ

اے ہمارے نبی و رسول آپ ان منکروں کی بات نہ مانئے اور ہمارے نازل کئے ہوئے قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کرتے رہئے!...... ظاہر ہے کہ اس آیت میں جس جہاد کا حکم ہے اس سے مراد جہاد بالسیف اور جنگ و قتال نہیں ہے، بلکہ قرآن کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کی جدو جہد ہی مراد ہے، اور اسی کو اس آیت میں صرف "جہاد" نہیں بلکہ "جہاد کبیر" اور "جہاد عظیم" فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح سورۂ "عنکبوت" بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی کے زمانۂ قیام میں نازل ہوئی ہے، اس میں فرمایا گیا ہے "وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ" (آیت نمبر ۶) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ (راہ خدا میں) جہاد کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرے گا (خدا کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا) خدا سب سے بے نیاز ہے۔

اور اسی سورۂ عنکبوت کی آخری آیت ہے "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ O" یعنی جو بندے ہماری راہ میں یعنی ہماری رضا حاصل کرنے کے لئے جہاد و مجاہدہ کریں گے اور مشقتیں جھیلیں گے ان کو ہم اپنے راستوں (یعنی اپنے قرب و رضا کے راستوں) کی ہدایت کی نعمت سے نوازیں گے...... ظاہر ہے کہ سورۂ عنکبوت کی ان دونوں آیتوں میں بھی "جہاد" سے جہاد بالسیف، مراد نہیں لیا جا سکتا، بلکہ راہ خدا میں اور اس کے قرب و رضا کے لئے جدو جہد اور محنت و مشقت ہی مراد ہے جس صورت میں بھی ہو...... بہر حال دین کی راہ میں اور اللہ کے لئے ہر مخلصانہ جدو جہد، اور جان و مال اور عیش و آرام کی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال، یہ سب بھی اپنے اپنے درجہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی شکلیں ہیں، اور ان کا راستہ ہر وقت اور دنیا کے ہر حصے میں آج بھی کھلا ہوا ہے۔

ہاں جہاد بالسیف اور قتال فی سبیل اللہ بعض پہلوؤں سے اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے، اور اس راہ میں جان کی قربانی اور شہادت مؤمن کی سب سے بڑی سعادت ہے، جس کے لئے خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دلی شوق اور تمنا کا اظہار فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

آگے درج ہونے والی حضرت فضالہ بن عبیدؓ کی حدیث بھی جہاد کے مفہوم کی اس وسعت کی ایک مثال ہے۔

۵۵) عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ –
(رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے "إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ" (یعنی انسان کا نفس برائی اور گناہ کا تقاضا کرتا ہے) پس اللہ کا جو بندہ اپنی نفسانی خواہشات سے جنگ کرے، ان کی پیروی کے بجائے احکام الٰہی کی تابعداری کرے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ وہ اصل "مجاہد" ہے...... اسی

طرح اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کتاب المعاشرہ میں والدین کی خدمت کے بیان میں وہ حدیث ذکر کی جاچکی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت کو بھی "جہاد" قرار دیا ہے۔ (ففیهما فجاهد)

شہادت کے دائرہ کی وسعت

پھر جس طرح "جہاد" کے مفہوم میں یہ وسعت ہے، اور وہ جہاد بالسیف میں محدود نہیں ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اطلاع دی ہے کہ "شہادت کا دائرہ بھی وسیع ہے، اور بہت سے وہ بندے بھی اللہ کے نزدیک شہیدوں میں شامل ہیں، جو جہاد بالسیف اور قتال کے میدان میں اہل کفر وشرک کی تلواروں یا گولیوں سے شہید ہوتے بلکہ ان کی موت کا سبب کوئی ناگہانی حادثہ یا کوئی غیر معمولی مرض ہوتا ہے۔

۵۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاتَعُدُّوْنَ الشَّهِیْدَ فِیْكُمْ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ، قَالَ اِنَّ شُهَدَاءَ اُمَّتِیْ اِذًا لَقَلِیْلٌ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِی الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِی الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک روز صحابہؓ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ تم لوگ اپنے میں کس کو "شہید" شمار کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت (ہمارے نزدیک تو) جو بندہ راہ خدا میں قتل کیا گیا وہی شہید ہے...... آپ ﷺ نے فرمایا اس صورت میں تو میری امت کے شہداء تھوڑے ہی ہوں گے...... (سنو!) جو بندہ راہ خدا میں شہید کیا گیا وہ شہید ہے، اور جس بندہ کا انتقال راہ خدا میں ہوا (یعنی جہاد کے سفر میں جس کو موت آگئی) وہ بھی شہید ہے، اور جس بندہ کا طاعون میں انتقال ہوا، وہ بھی شہید ہے، اور جس بندہ کا پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا (جیسے کہ ہیضہ، تخمہ، اسہال استسقاء وغیرہ) وہ بھی شہید ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... واقعہ یہ ہے کہ حقیقی "شہید" تو وہی خوش نصیب بندے ہیں جو میدان جہاد میں اہل کفر وشرک کے ہاتھوں شہید ہوں (شریعت میں ان کے لئے خاص احکام ہیں، مثلاً یہ کہ ان کو غسل نہیں دیا جاتا، اور وہ اپنے ان کپڑوں ہی میں دفن کئے جاتے ہیں، جن میں وہ شہید ہوئے) لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے بعض غیر معمولی امراض یا حادثوں سے مرنے والوں کو بھی آخرت میں شہید کا درجہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے، جن میں سے کچھ کا ذکر اس حدیث میں اور بعض کا آئندہ درج ہونے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے، امتیاز کے لئے پہلی قسم کے شہداء کو "شہید حقیقی" اور دوسری قسم والوں کو "شہید حکمی" کہا جاتا ہے، غسل اور کفن کے معاملہ میں ان کا حکم وہ نہیں ہے جو حقیقی شہداء کا ہے، بلکہ عام اموات کی طرح ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی۔

۵۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِیْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِیْدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "شہداء" پانچ (قسم) ہیں، طاعون

میں مرنے والا، اور پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، اور ڈوب کے مرنے والا اور عمارت وغیرہ ڈھے جانے کے نتیجہ میں مرنے والا اور راہ خدا میں (یعنی میدان جہاد میں) شہید ہونے والا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۵۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسافرت کی موت شہادت ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح ..... ان حدیثوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بندوں کی موت کسی بھی ناگہانی حادثہ میں یا کسی دردناک اور قابل ترحم مرض میں ہو، ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص رحم و کرم سے کسی درجہ میں شہادت کا اجر عطا فرمائے گا...... ظاہر ہے کہ اس میں اس طرح مرنے والوں کے لئے بڑی بشارت اور ان کے متعلقین اور پسماندگان کے لئے تسلی کا بڑا سامان ہے، اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے...... ہمارے اس زمانہ میں موٹروں وغیرہ کے ایکسیڈنٹ میں یا ریلوں، ہوائی جہازوں کے حادثوں میں، اسی طرح قلبی دورے جیسے مفاجاتی امراض کے نتیجہ میں بندگان خدا کی زندگیاں ختم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ ان سب کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ یہی ہوگا، بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حد وسیع ہے۔

کتاب الفتن

امت میں پیدا ہونے والے دینی انحطاط وزوال اور فتنوں کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح عقائد و ایمانیات، عبادات، اخلاق اور معاشرت و معاملات، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے بارے میں ہدایت دیں اور امت کی رہنمائی فرمائی، اسی طرح مستقبل میں واقع ہونے والے دینی زوال وانحطاط، تغیرات اور فتنوں کے بارے میں بھی امت کو آگاہی دی ہے، اور ہدایات فرمائی ہیں...... اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمایا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں دینی زوال وانحطاط آیا اور وہ طرح طرح کی گمراہیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نصرت سے محروم ہوئیں ایسے ہی حالات آپ کی امت پر بھی آئیں گے...... اس انکشاف واطلاع کا مقصد یہی تھا کہ آپ ﷺ امت کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کریں اور اس بارے میں ہدایات دیں۔

حدیث کی کتابوں میں "کتاب الفتن" یا "ابواب الفتن" کے زیر عنوان جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے اسی سلسلہ کے ارشادات ہیں...... ان کی حیثیت صرف پیشین گوئیوں کی نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد و مدعا امت کو آئندہ آنے والے فتنوں سے باخبر کرنا اور ان کے اثرات سے تحفظ کا داعیہ پیدا کرنا اور طریق کار کے بارے میں ہدایات دینا ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں درج ہونے والی حدیثیں پڑھی جائیں، ان میں غور و فکر کیا جائے، ان کی روشنی میں خود اپنا اور اپنے ماحول کا جائزہ لیا جائے، اور ان سے ہدایت ورہنمائی حاصل کی جائے۔

۵۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ فَمَنْ؟ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً ایسا ہوگا کہ تم (یعنی میری امت کے لوگ) اگلی امتوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے بالشت برابر بالشت اور برابر ذراع (یعنی بالکل ان کے قدم بقدم چلو گے) یہاں تک کہ اگر وہ گھسے ہوں گے گوہ کے بل میں تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کرو گے...... عرض کیا گیا کہ اے خدا کے رسول کیا یہود و نصاریٰ (مراد ہیں)؟ آپ نے فرمایا تو اور کون؟...... (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح — "شبر" کے معنی بالشت اور "ذراع" کے معنی ہاتھ کی انگلیوں کے سرے سے لے کر کہنی تک کی مقدار، جو ٹھیک دو بالشت برابر ہوتی ہے...... حدیث کے الفاظ "شبرًا بشبر وذراعاً بذراع" کا مطلب بالکل وہ ہے جو اردو محاورہ میں "قدم بقدم" کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کے گمراہ لوگوں کی قدم بقدم پیروی کریں گے، جن گمراہیوں اور غلط کاریوں میں وہ مبتلا ہوئے تھے، یہ بھی ان میں مبتلا ہوں گے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے

کسی سرپھرے پاگل نے "ضب" (گوہ) کے بل میں گھسنے کی کوشش کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے پاگل ہوں گے جو یہ مجنونانہ حرکت کریں گے (مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی احمقانہ حرکتوں میں بھی ان کی پیروی اور نقالی کریں گے، یہ دراصل کامل پیروی اور نقالی کی ایک تعبیر و تمثیل ہے)...... آگے حدیث میں ہے کہ حضور کا یہ ارشاد سن کر کسی صحابی نے عرض کیا کہ حضرت! ہم سے پہلی امتوں سے کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ نہیں تو اور کون...... مطلب یہ کہ ہاں میری مراد یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔

جیسا کہ تمہیدی سطروں میں عرض کیا گیا یہ صرف پیشینگوئی نہیں ہے، بلکہ بڑے موثر انداز میں آگاہی ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والے خبردار اور ہوشیار رہیں، اور یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں اور غلط کاریوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوں۔

٦٠) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ ﷺ اَصَابِعَه، وَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَاعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو اِذَا بَقِيْتَ حُثَالَةٌ قَدْ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَاَمَانَاتُهُمْ وَاخْتَلَفُوْا فَصَارُوْا هٰكَذَا، قَالَ فَكَيْفَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ تَاْخُذُ مَاتَعْرِفُ وَتَدَعُ مَاتُنْكِرُ وَتُقْبِلُ عَلٰى خَاصَّتِكَ، وَتَدَعُهُمْ وَعَوَامَهُمْ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور (مجھ سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرو! تمہارا اس وقت کیا حال اور کیا رویہ ہوگا جب صرف ناکارہ لوگ باقی رہ جائیں گے ان کے معاہدات اور معاملات میں دغا فریب ہوگا اور ان میں (سخت) اختلاف (اور ٹکراؤ) ہوگا اور وہ باہم اس طرح گتھ جائیں گے (جیسے میرے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے گتھی ہوئی ہیں) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر مجھے کیسا ہونا چاہئے یارسول اللہ؟ (یعنی اس فساد عام کے زمانہ میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بات اور جس عمل کو تم اچھا اور معروف جانو اس کو اختیار کرو اور جس کو منکر اور برا سمجھو اس کو چھوڑ دو اور اپنی پوری توجہ خاص اپنی ذات پر رکھو (اور اپنی فکر کرو) اور ان ناکارہ و بے صلاحیت اور آپس میں لڑنے بھڑنے والوں سے اور ان کے عوام سے تعرض نہ کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... "حثالہ" کے معنی بھوسی کے ہیں، یہاں اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آدمی ہونے کے باوجود آدمیت کے جوہر سے بالکل خالی ہوں، ان میں کوئی صلاحیت نہ ہو، جس طرح بھوسی میں صلاحیت نہیں ہوتی...... آگے رسول اللہ ﷺ نے ان کا یہ حال بھی بیان فرمایا کہ ان کے معاہدات اور معاملات میں مکر و فریب اور دغابازی ہو اور باہم جنگ و پیکار ان کا مشغلہ ہو۔

نوعمر صحابۂ کرام میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فطری طور پر بڑے خیر پسند، پرہیزگار اور عبادت گذار تھے، رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ان سے فرمایا کہ جب کبھی ایسا وقت آجائے کہ ایسے ہی ناکارہ اور

بدکردار اور باہم لڑنے بھڑنے والے لوگ باقی رہ جائیں، تو تمہارا رویہ اس وقت کیا ہوگا؟...... رسول اللہ ﷺ نے یہ سوال ان سے اسی لئے کیا تھا کہ وہ اس بارے میں آپ سے ہدایت کے طالب ہوں تو آپ ﷺ ہدایت فرمائیں...... یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ تعلیم تھا...... چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اور آپ ﷺ نے جواب دیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب واسطہ ایسے ہی لوگوں سے ہو جو آدمیت کے جوہر سے محروم ہوں اور نیکی کو قبول کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہ رہی ہو تو اہل ایمان کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے صرف نظر کر کے بس اپنی فکر کریں۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے مسلمانوں کو جو ہدایت دینا چاہتے تھے، اس کا مخاطب صحابۂ کرامؓ ہی کو بناتے تھے...... اللہ تعالیٰ ان اصحاب کرام اور ان کے بعد والے راویانِ حدیث کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی یہ ہدایات بعد والوں تک پہنچائیں اور ائمہ حدیث نے ان کو کتابوں میں محفوظ کر دیا۔

٦١) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُوْشِكُ اَنْ یَّكُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ ایسا زمانہ آئے کہ ایک مسلمان کا اچھا مال بکریوں کا گلہ ہو جن کو لے کر وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بارش والی وادیوں کی تلاش کرے، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے بھاگ جائے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... قرآن پاک میں قیامت کو قریب ہی بتلایا گیا ہے (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ) رسول اللہ ﷺ بھی قیامت اور اس سے پہلے ظاہر ہونے والے فتنوں کا اس طرح ذکر فرماتے تھے، جیسے کہ یہ سب کچھ عنقریب ہی ہونے والا ہے...... اولاً تو اس لئے کہ جو چیز آنے والی ہے، اور اس کا آنا یقینی ہے، اس کو قریب ہی سمجھنا چاہئے...... دوسرے اس میں یہ بھی حکمت تھی کہ کوئی شخص اس کو بہت دور سمجھ کر مطمئن نہ ہو بیٹھے اور اس کے لئے جو کچھ کرنا چاہئے اس میں سستی نہ کرے...... اسی اصول و معمول کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فتنہ کے ایسے زمانے کے قریب ہونے کی آگاہی دی ہے جب بھری پڑی آبادیوں کا حال ایسا خراب ہو جائے گا کہ وہاں رہنے والے کے لئے دین پر قائم رہنا اور اللہ و رسول کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا قریباً ناممکن ہو جائے گا...... آپ...... نے فرمایا ایسے وقت میں وہ بندۂ مؤمن بڑی خیریت میں ہوگا جس کے پاس چند بکریوں کا گلہ ہو، وہ ان کو لے کر پہاڑیوں کی چوٹیوں پر یا ایسی وادیوں میں چلا جائے جہاں بارشیں ہوتی ہوں، بکریاں اللہ کے اگائے ہوئے سبزے سے اپنا پیٹ بھریں اور یہ بندہ ان بکریوں سے گزارہ کرے، اور اس طرح آبادیوں کے فتنوں سے محفوظ رہے۔

٦٢) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِیْهِمْ عَلٰی دِیْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَی الْجَمْرِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے ایک وقت ایسا آئے گا کہ صبر و استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنے والا بندہ اس وقت اس آدمی کی مانند ہو گا جو ہاتھ میں جلتا ہوا انگارہ تھام لے...... (جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ فسق و فجور اور خدا فراموشی ماحول اور فضا پر ایسی غالب آجائے گی کہ خدا اور رسول کے احکام پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا اور حرام سے بچ کر زندگی گزارنا اتنا مشکل اور صبر آزما ہو جائے گا جیسا کہ جلتا انگارہ ہاتھ میں تھام لینا...... یہ وہی زمانہ ہو گا جس کا ذکر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں کیا گیا ہے...... واللہ اعلم

۶۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ فِیْهِ عُشْرَمَا اُمِرَ هَلَكَ، ثُمَّ یَاتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ فِیْهِ بِعُشْرِمَا اُمِرَنَجَا — (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس وقت ایسے زمانے میں ہو کہ جو کوئی اس زمانے میں احکام الٰہی کے (بڑے حصہ پر) عمل کرے صرف، دسویں حصہ پر عمل ترک کردے تو وہ ہلاک ہو جائے گا (اس کی خیریت نہیں) اور بعد میں ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جو کوئی اس زمانہ میں احکام الٰہی کے صرف دسویں حصہ پر عمل کرلے گا وہ نجات کا مستحق ہو گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح — رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں آپ کی صحبت اور براہ راست تعلیم و تربیت اور معجزات و خوارق کے مشاہدہ کے نتیجہ میں ایسا ماحول بن گیا تھا کہ احکام الٰہی ذوق و شوق سے تعمیل کرنا نہ صرف آسان بلکہ مرغوب و محبوب بن گیا تھا، اور اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، اس ماحول اور اس ایمانی فضا میں جو شخص احکام الٰہی کی پیروی میں تھوڑی بھی کوتاہی کرے، اس کے بارے میں اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قصوروار اور قابل مواخذہ ہے "قربانِ ایشاں بود حیرانی"...... اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب ماحول دین کے لئے سخت ناسازگار ہو گا (اور جیسا کہ حضرت انسؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں فرمایا گیا ہے، دین پر چلنا ایسا صبر آزما ہو گا جیسا ہاتھ میں انگارہ تھام لینا) ایسے زمانے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت میں اللہ کے جو بندے دین کے تقاضوں اور شریعت کے احکام پر تھوڑا بھی عمل کرلیں گے، ان کی نجات ہو جائے گی...... (عاجز کا خیال ہے کہ "اس حدیث" میں "عشر" کے لفظ سے متعین طور پر دسواں حصہ (۱/۱۰) مراد نہیں ہے، بلکہ کثیر کے مقابلہ میں قلیل مراد ہے...... اور حضور ﷺ کے ارشاد کا مدعا وہی ہے جو عاجز نے ان سطروں میں عرض کیا ہے......
(واللہ اعلم)

دولت، تعیش اور حب دنیا کا فتنہ

۶۴) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِیِ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَیْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَیْرٍ مَاعَلَیْهِ اِلَّابُرْدَةٌ لَه،

مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكٰى لِلَّذِىْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِىْ هُوَ فِيْهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِىْ حُلَّةٍ وَرَاحَ فِىْ حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ اُخْرٰى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَاَانْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک ایسے صاحب نے مجھ سے بیان کیا جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خود (یہ واقعہ) سنا تھا کہ ہم لوگ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) اس حالت اور ہیئت میں سامنے آگئے کہ ان کے جسم پر بس ایک (پھٹی پرانی) چادر تھی جس میں کھال کے ٹکڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو (اس حالت اور ہیئت میں) دیکھا تو آپ کو رونا آگیا، ان کا وہ وقت یاد کر کے جب وہ (اسلام لانے سے پہلے مکہ میں) عیش و تنعم کی زندگی گذارتے تھے، اور ان کی (فقر و فاقہ کی) موجودہ حالت کا خیال کر کے...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ (بتلاؤ) اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہو گی اور کیا حال ہو گا، جب (دولت اور سامان تعیش کی ایسی فراوانی ہو گی کہ) تم میں کے لوگ صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلیں گے اور شام کو دوسرا جوڑا پہن کر، اور (کھانے کے لئے) ان کے آگے ایک پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا، اور تم اپنے مکانوں کو اس طرح لباس پہناؤ گے جس طرح کعبۃ اللہ پر غلاف ڈالا جاتا ہے۔ (آپ کے اس سوال کے جواب میں حاضرین مجلس میں سے کچھ) لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارا حال اس وقت آج کے مقابلہ میں بہت اچھا ہو گا...... ہمیں اللہ کی عبادت کے لئے پوری فراغت اور فرصت حاصل ہو گی، (معاش وغیرہ کے لئے) محنت و مشقت اٹھانی نہیں پڑے گی...... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! تم آج (فقر و فاقہ کے اس دور میں، عیش و تنعم والے) اس دن کے مقابلہ میں بہت اچھے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کے راوی محمد بن کعب قرظی تابعی ہیں جو علم قرآن اور صلاح و تقوے کے لحاظ سے اپنے طبقہ میں ممتاز تھے، انہوں نے اس راوی کا نام ذکر نہیں کیا جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ واقعہ ان کو سنایا تھا...... لیکن ان کا اس طرح روایت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔

مصعب بن عمیرؓ کی صحابۂ کرامؓ میں ایک خاص شان اور تاریخ تھی، وہ بڑے ناز پروردہ ایک رئیس زادے تھے، ان کا گھرانہ مکہ کا بڑا دولت مند گھرانہ تھا، اور یہ اپنے گھر کے بڑے لاڈلے چہیتے تھے، اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی زندگی امیرانہ اور عیش و تنعم کی زندگی تھی، پھر اسلام لانے کے بعد زندگی کا رخ بالکل بدل گیا، اور وہ حال ہو گیا جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پھٹی پرانی چادر ہی جسم پر تھی، جس میں جابجا چمڑے کے ٹکڑوں کے بھی پیوند تھے، ان کو اس حالت اور ہیئت میں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ان کی

عیش و تنعم والی امیرانہ زندگی کا نقشہ آگیا، اور آپ کو رونا آگیا...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرامؓ کو ایک اہم حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے ان سے فرمایا کہ...... ایک وقت آئے گا جب تمہارے پاس یعنی میری امت کے پاس عیش و تنعم کے سامان کی فراوانی ہو گی، ایک آدمی صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلے گا اور شام کو دوسرا جوڑا...... اسی طرح دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے ہوا کریں گے، بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے وہ وقت تمہارے لئے کیسا ہو گا؟...... کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ وقت اور وہ دن تو بہت ہی اچھا ہو گا، ہمیں فراغت اور فرصت ہی فرصت ہو گی، بس اللہ کی عبادت کیا کریں گے...... آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے، آج تم جس حال میں ہو بیہ آئندہ آنے والے...... عیش و تنعم کے حال سے بہت بہتر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ حقیقت بیان فرمائی تھی اس وقت تو "ایمان بالغیب" ہی کی طور پر اس پر یقین کیا جا سکتا تھا، لیکن پہلے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور حکومت میں اور بعد کی اکثر دوسری مسلم حکومتوں کے دور میں بھی اور آج کی ان مسلم حکومتوں میں جن کو اللہ تعالیٰ نے عیش و تنعم کا سامان انتہائی فراوانی سے دے رکھا ہے، یہ حقیقت آنکھوں سے دیکھ لی گئی ہے اور دیکھی جا رہی ہے...... بلاشبہ یہ اور اس طرح کی تمام پیشین گوئیاں رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل میں سے ہیں۔

٦٥) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعىَ الْاَكِلَةُ اِلىٰ قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَيَقْذِفَنَّ فِىْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.

(رواہ ابوداؤد والبیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ...... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قریب ہے (ایسا زمانہ) کہ (دشمن) قومیں تمہارے خلاف (جنگ کرنے اور تم کو مٹا دینے کے لئے) ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں جس طرح کھانے والی جماعت کے آدمی کھانے کی لگن (تشت) کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں...... کسی عرض کرنے والے نے عرض کیا کہ کیا اس دن ہماری تعداد کی قلت کی وجہ سے ایسا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تم اس وقت بڑی تعداد میں ہو گے، لیکن تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح (بے جان اور بے وزن) ہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکال دے گا، اور (اس کے برعکس) تمہارے دلوں میں "وہن" ڈال دے گا، کسی عرض کرنے والے نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "وہن" کا کیا مطلب؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔　(سنن ابی داؤد و دلائل النبوۃ بیہقی)

تشریح...... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کا جو ارشاد نقل ہوا ہے، جس وقت آپ ﷺ نے وہ فرمایا ہو گا، اس وقت بلکہ اس کے کئی صدی بعد تک بھی حالات ایسے رہے کہ بظاہر دور دور

تک اس کا امکان بھی نظر نہیں آتا تھا کہ کبھی آپ ﷺ کی امت کا ایسا حال بھی ہو گا اور وہ دشمن قوموں کے مقابلہ میں ایسی کمزور اور بے جان ہو جائے گی اور ان کے لئے نرم نوالہ بن جائے گی...... لیکن آپ ﷺ نے جو فرمایا تھا، وہ واقع ہو کر رہا اور بار بار وقوع میں آیا اور آج بھی اس کے مظاہرے آنکھوں کے سامنے ہیں...... اور اس انقلاب حال اور انحطاط و زوال کا بنیادی سبب جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی ہے کہ اس دنیا اور یہاں کی زندگی سے ہم کو عشق ہو گیا اور موت، (راہ خدا کی موت بھی) ہمارے لئے کڑوا گھونٹ بن گئی...... بلا شبہ ہماری اس حالت نے ہم کو دشمنوں کے لئے تر نوالہ بنا دیا ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی صرف پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ امت کو آگاہی ہے کہ "وہن" (یعنی حب دنیا اور کراہیت موت) کی بیماری سے قلوب کی حفاظت کی جائے۔

٦٦) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ اُمَرَاءُ كُمْ خِیَارَكُمْ وَاَغْنِیَاءُ كُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰی بَیْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَاِذَا كَانَ اُمَرَاءُ كُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِیَاءُ كُمْ بُخَلَاؤَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰی نِسَاءِ كُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب (حالت یہ ہو کہ) تمہارے حکمراں تم میں کے نیک لوگ ہوں، اور تم میں کے دولت مندوں میں سماحت و سخاوت کی صفت ہو، اور تمہارے معاملات باہم مشورہ سے طے ہوتے ہوں تو (ایسی حالت میں) زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے بطن (پیٹ) سے بہتر ہے...... اور (اس کے برعکس) جب حالت یہ ہو کہ تمہارے حکمراں تم میں کے بدترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولت مندوں میں (سماحت کے بجائے) بخل اور دولت پرستی آجائے، اور تمہارے معاملات (بجائے اہل الرائے کی مشاورت کے) تمہاری عورتوں کی رایوں سے چلیں، تو (ایسی حالت میں) زمین کا بطن (پیٹ) تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ امت کا حال ایک زمانے تک یہ رہے گا کہ ان کے حکمراں اور عمال حکومت نیک اور اچھے لوگ ہوں گے، اور ان میں کے دولت مندوں میں سماحت کی صفت ہو گی یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی دولت کو اخلاص و خوشدلی سے اچھے مصارف میں صرف کریں گے، ان کے معاملات خاص کر حکومتی اور اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے ہوا کریں گے، (یہ تین حالتیں اس بات کی علامت ہیں کہ امت کا اجتماعی حال اور مزاج اللہ و رسول کے احکام اور مرضیات کے مطابق ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امت کے لئے یہ دور خیریت کا ہو گا اور اس دور کے یہ اہل ایمان اس کے مستحق ہوں گے کہ اس دنیا میں اور اس زمین کی پشت پر رہیں. خیر امت ہونے کی حیثیت سے دنیا کی ہدایت و قیادت کی ذمہ داری سنبھالیں...... اسی کے ساتھ آپ پر منکشف کیا گیا تھا کہ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ امت کا حال اس کے

بالکل برعکس ہو جائے گا۔
حکومت کی باگ اور سارا حکومتی نظام بدترین لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے گا، اور مسلمانوں میں کے دولت مند لوگ سماحت و سخاوت کے بجائے دولت کے پجاری ہو جائیں گے اور اہم معاملات بجائے اس کے کہ اہل الرائے کے باہمی مشورے سے طے کئے جائیں، گھر والیوں کی خواہشات اور ان کی رائے کے مطابق طے کئے جانے لگیں گے...... رسول اللہ ﷺ نے شر و فساد کے اس زمانے کے بارے میں فرمایا کہ اس وقت یہ بگڑی ہوئی امت زمین کے اوپر چلنے اور رہنے بسنے سے زیادہ اس کی مستحق ہو گی کہ ختم ہو کر زمین کے پیٹ میں چلی جائے اور اس میں دفن ہو جائے۔
جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا یہ حدیث شریف بھی صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ اس میں امت کو بڑی سخت آگاہی ہے اس کا پیغام یہ ہے کہ میری امت کو اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر رہنے اور چلنے پھرنے کا حق اس وقت تک ہے جب تک اس میں "خیر امت" والی ایمانی صفات رہیں، لیکن جب وہ ان صفات سے محروم ہو جائے اور اس کی زندگی میں شر و فساد غالب آجائے تو وہ اس کی مستحق ہو گی کہ ختم ہو کر زمین میں دفن ہو جائے۔

امت میں پیدا ہونے والے فتنوں کا بیان

٦٧) عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِىْ كَافِرًا وَيُمْسِىْ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جلدی کر لو اعمال صالحہ، ان فتنوں کے آنے سے پہلے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح پے بہ پے آئیں گے (حال یہ ہو گا کہ) صبح کرے گا آدمی اس حال میں کہ اس میں ایمان ہو گا، اور شام کرے گا اس حال میں کہ وہ ایمان سے محروم ہو چکا ہو گا، اور شام کو وہ مؤمن ہو گا اور اگلی صبح وہ مؤمن نہ رہے گا کافر ہو جائے گا، دنیا کی متاع قلیل کے بدلے وہ اپنا دین و ایمان بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ آپ کی امت پر ایسے حالات بھی آئیں گے کہ رات کے اندھیرے کی طرح نوع بہ نوع فتنے لگاتار برپا ہوں گے، ان کی وجہ سے ایسا بھی ہو گا کہ ایک آدمی صبح کو اس حال میں اٹھے گا کہ اپنے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے اچھا خاصا مؤمن و مسلم ہو گا لیکن شام ہوتے ہوتے وہ کسی گمراہی یا بد عملی میں مبتلا ہو کر اپنا دین ایمان برباد کر دے گا۔
یہ فتنے گمراہانہ تحریکوں اور دعوتوں کی شکل میں بھی آسکتے ہیں اور آتے رہے ہیں اور مال و دولت یا اقتدار کی ہوس اور دوسری نفسانی خواہشات کی شکل میں بھی، حدیث کا آخری جملہ "يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا" (دنیا کی قلیل متاع کے بدلے اپنا دین ایمان بیچ ڈالے گا) اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حدیث کا

مطلب یہی نہیں ہے کہ آدمی دین حق اسلام کا منکر ہو کر ملت سے خارج اور خبیث کافر ہو جائے گا، بلکہ اس میں وہ سب صورتیں داخل ہیں، جن میں آدمی دنیا کے لئے (جس میں مال و دولت اور اقتدار کی ہوس اور ہر طرح کی نفسانی اغراض شامل ہیں) دین کو یعنی اللہ و رسول کے احکام کو نظر انداز کر دے، اس طرح دنیا کی طلب میں آخرت فراموشی اور ہر قسم کا فسق و فجور بھی اس میں شامل ہے جو عملی کفر ہے جیسا کہ بار بار عرض کیا جا چکا ہے، رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات کے مخاطب اگرچہ بظاہر صحابۂ کرام ہی ہوتے تھے لیکن فی الحقیقت ان کے مخاطب ہر دور کے آپ ﷺ کے امتی ہیں اور آپ ﷺ کے اس پیام اور وصیت کا حاصل یہ ہے کہ ہر مؤمن، آنے والے ایمان کش فتنوں سے ہوشیار رہے، اور اعمال صالحہ کے اہتمام میں سبقت اور جلدی کرے، ایسا نہ ہو کہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر اعمال خیر کی توفیق ہی نہ ہو ...... نیز اگر اعمال صالحہ کرتا رہے گا تو وہ اس کا مستحق ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے فتنوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

۶۸) عَنِ الْمِقْدَادِبْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، وَلَمَنِ ابْتُلِىَ فَصَبَرَ فَوَاهًا. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ.. حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ فرما رہے تھے کہ یقیناً وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے محفوظ رکھا گیا، وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے دور رکھا گیا، وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے الگ رکھا گیا، اور جو بندہ مبتلا کیا گیا اور وہ صابر اور ثابت قدم رہا تو (اس کا کیا کہنا) اس کو شاباش اور مبارک باد۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ کسی بات کی اہمیت سامعین اور مخاطبین کے ذہن نشین فرمانا چاہتے تو اس کو مکرر سہ کرر ارشاد فرماتے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا "اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ" (وہ بندہ خوش نصیب ہے جو فتنوں سے دور اور الگ رکھا جائے) یہ بات آپ ﷺ نے بار بار غالباً اس لئے ارشاد فرمائی کہ کسی بندہ کا فتنوں سے محفوظ رہنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، لیکن یہ نعمت چونکہ نظر نہیں آتی اس لئے بہت سے بندوں کو اس کا احساس اور شعور بھی نہیں ہوتا، اس وجہ سے نہ ان کے دل میں اس نعمت کی قدر ہوتی ہے نہ اس پر شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو بڑی محرومی ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرما کر اس نعمت کی اہمیت و عظمت ذہن نشین کرنے کی کوشش فرمائی ...... آخر میں فرمایا کہ اور جو بندہ تقدیر الٰہی سے فتنوں میں مبتلا کیا گیا اور اس نے اپنے کو تھاما، یعنی وہ دین پر اور اللہ و رسول کی وفاداری پر صابر و ثابت قدم رہا تو اس کو شاباش اور مبارک باد اس کا کیا کہنا، وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے ...... حدیث کے آخری جملے "وَلَمَنِ ابْتُلِىَ فَصَبَرَ فَوَاهًا" کا مطلب شارحین نے اور بھی بیان کیا ہے، اس عاجز کے نزدیک وہی راجح ہے جو یہاں لکھا گیا ہے۔ والعلم عند اللہ

۶۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى

الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ، قَالُوْا وَمَاالْهَرَجُ؟ قَالَ الْقَتْلُ— (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ.. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (وقت آئے گا) زمانہ قریب قریب ہو جائے گا، اور علم اٹھالیا جاوے گا، اور فتنے نمودار ہوں گے، اور (انسانی طبیعتوں اور دلوں میں) بخل ڈال دیا جائے گا، اور بہت ہو گا ہرج صحابہ نے عرض کیا کہ ہرج کا کیا مطلب؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (اس کا مطلب ہے) کشت و خون۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والے چند فتنوں کے بارے میں آگاہی دی ہے، اس سلسلے میں سب سے پہلی بات آپ ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی "يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ" شارحین نے اس کے متعدد مطلب بیان کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک ان میں قریب الفہم یہ ہے کہ وقت میں برکت نہ رہے گی، جلدی جلدی گزرے گا، جو کام ایک دن میں ہو جانا چاہئے وہ کئی دن میں ہو سکے گا، راقم سطور کا تو یہ ذاتی تجربہ بھی ہے واللہ اعلم..... دوسری بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ علم اٹھالیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ علم جو نبوت کی میراث ہے وہ اٹھالیا جائے گا، ایک دوسری حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ علمائے ربانی (جو اس علم کے وارث و امین ہیں) اٹھالئے جائیں گے (چاہے کتب خانے باقی رہیں اور پیشہ ور عالموں سے ہماری بستیاں بھری رہیں) حقیقت یہ ہے کہ علم جو نبوت کی میراث ہے، اور جو ہدایت اور نور ہے، وہ وہی ہے جس کے حامل اور امین علمائے ربانی ہیں..... جب وہ باقی نہیں رہیں گے اور اٹھالئے جائیں گے تو وہ علم اور نور بھی ان کے ساتھ اٹھ جائے گا..... تیسری بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی "اور طرح طرح کے فتنے نمودار ہوں گے" یہ بات کسی توضیح و تشریح کی محتاج نہیں..... چوتھی بات آپ ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی "وَيُلْقَى الشُّحُّ" مطلب یہ ہے کہ سخاوت و فیاضی اور ایثار جو صفات محمودہ ہیں وہ لوگوں میں سے نکل جائیں گے اور ان کے بجائے ان کی طبیعت میں بخل جو ایک منحوس رزیلہ ہے ڈال دیا جائے گا..... آخری بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ کشت و خون کی گرم بازاری ہو گی، جو دنیا کے لحاظ سے بھی افراد اور امتوں کے لئے تباہ کن ہے، اور آخرت کے لحاظ سے بھی گناہ عظیم..... اللہ تعالیٰ ان سب فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

۷۰) عَنْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِبَادَةُ فِى الْهَرَجِ كَهِجْرَةٍ اِلَىَّ. (رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کشت و خون کے زمانے میں عبادت میں مشغول ہو جانا ایسا ہے جیسا کہ ہجرت کر کے میری طرف آ جانا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جب ناحق کشت و خون کی گرم بازاری ہو تو مؤمن کو چاہئے کہ اپنا دامن بچا کے اور یکسو ہو کے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائے..... اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسا ہو گا جیسا کہ اپنا ایمان بچانے کے لئے دار الکفر سے ہجرت کر کے میری طرف آ جانا۔

۷۱) عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَانَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ

اِصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَايَاْتِىْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّاالَّذِىْ بَعْدَهٗ اَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، سَمِعْتُهٗ مِنْ نَبِيِّكُمْ ﷺ (رواه البخاری)

ترجمہ: زبیر بن عدی تابعی سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے حجاج کی طرف سے ہونے والے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ (ان مظالم اور مصائب پر) صبر کرو، اور یقین کرو کہ جو زمانہ بھی تم پر آئے گا، اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہی ہو گا، یہاں تک کہ تم اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو جاؤ گے ...... یہ بات میں نے سنی ہے، تمہارے نبی ﷺ سے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... اس سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی، وہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد قریباً اسی ۸۰ سال حیات رہے، بصرہ میں قیام رہا ...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بنی امیہ کا جو دور ہے اس میں حجاج ثقفی کا ظلم اور اس کی سفاکی ضرب المثل ہے ...... زبیر بن عدی تابعی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے حجاج کے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مقابلہ صبر و تحمل سے کرو، آگے اس سے بھی زیادہ برا زمانہ آنے والا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بعد میں آنے والا زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہو گا۔

اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حجاج کے بعد تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور بھی آیا ان کے بعد بھی مختلف زمانوں میں اچھے اچھے عادل و صالح سلاطین اور حکمراں ہوئے ہیں، پھر حضور ﷺ کے اس ارشاد کی کیا توجیہ ہو گی کہ بعد کا ہر زمانہ پہلے سے بدترین ہو گا؟

واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا تعلق صرف حکومت اور ارباب حکومت سے نہیں ہے، بلکہ عام امت کے عمومی احوال کے لحاظ سے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "بعد کا زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہو گا" ...... اور اس میں کوئی شبہ نہیں، مشاہدہ ہے ...... حجاج بلا شبہ ویسا ہی تھا، جیسا کہ اس کو سمجھا جاتا ہے، اس کے علاوہ حکمراں طبقہ میں اسوقت اور بھی لوگ تھے، جن میں شر و فساد تھا، لیکن امت میں اسوقت اچھی خاصی تعداد صحابہ کرامؓ کی موجود تھی، اکابر تابعین جو امت میں صحابہ کرامؓ کے بعد سب سے افضل ہیں بڑی تعداد میں تھے، تو عام مؤمنین میں بھی صلاح و تقویٰ تھا، بعد کا ہر دور مجموعی لحاظ سے اس کے مقابلہ میں یقیناً بدتر ہی رہا ...... اور تاریخ شاہد ہے کہ ماضی اور مستقبل میں یہی تناسب رہا ہے ...... اور اپنی زندگی میں تو آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے ...... اللہ تعالیٰ فتنوں سے ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے۔

۷۲) **عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْخِلَافَةُ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكًا ثُمَّ يَقُوْلُ سَفِيْنَةُ اَمْسِكْ خِلَافَةَ اَبِىْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ وَخِلَافَةَ عُمَرَ عَشْرَةً وَعُثْمَانَ اِثْنَتَىْ عَشْرَةَ وَعَلِىٍّ**

سِتَّةً. (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خلافت بس تیس (۳۰) سال تک ہے، اس کے بعد ہو جائے گی بادشاہت ...... پھر کہتے سفینہ شمار کرو خلافت ابو بکرؓ کی دو (۲) سال، اور خلافت عمرؓ کی دس (۱۰) سال اور عثمان کی بارہ (۱۲) سال اور علی کی چھ (۶) سال۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ...... حضرت سفینہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے حضور ﷺ کا جو ارشاد نقل فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت یعنی ٹھیک ٹھیک میرے طریقہ پر اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ طریقہ پر میری نیابت میں دین کی دعوت و خدمت اور نظام حکومت کا کام (جس کا مختصر معروف عنوان "خلافت راشدہ" ہے) بس تیس (۳۰) سال تک چلے گا، اس کے بعد نظام حکومت بادشاہت میں تبدیل ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ حقیقت منکشف فرما دی تھی، آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اس کا اظہار فرمایا اور امت کو اس کے بارے میں آگاہی دی، مختلف صحابہ کرامؓ سے اس سلسلہ کے آپ ﷺ کے ارشادات مروی ہیں ...... حضرت سفینہؓ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمانے کیساتھ اس کا حساب بھی بتلایا لیکن اس کو تقریبی یعنی موٹا حساب سمجھنا چاہئے، تحقیقی حساب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کی مدت دو (۲) سال چار (۴) مہینے ہے ...... اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کی مدت خلافت دس ۱۰ سال چھ ۶ ماہ ہیں، اس کے بعد حضرت ذوالنورین کی خلافت کی مدت چند دن کم بارہ (۱۲) سال ہیں، اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کی مدت چار (۴) سال نو (۹) مہینے ہے، ان کی میزان انتیس (۲۹) سال سات مہینے ہوتی ہے، ان کے ساتھ سیدنا حضرت حسنؓ کی خلافت کی مدت قریباً پانچ (۵) ماہ جوڑ لی جائے تو پورے تیس (۳۰) سال ہو جاتے ہیں ...... یہی تیس (۳۰) سال خلافت راشدہ کے ہیں، اس کے بعد جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، نظام حکومت بادشاہت میں تبدیل ہو گیا، اس طرح کی رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں آپ ﷺ کی نبوت کی کھلی دلیلیں بھی ہیں، اور ان میں امت کو آگاہی بھی ہے۔

۷۳) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَقَامًا مَاتَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِىْ مَقَامِهٖ ذَالِكَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّاحَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِىْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْئُ قَدْنَسِيْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُالرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَاغَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن وعظ و بیان کے لئے) کھڑے ہوئے اس بیان میں آپ ﷺ نے نہیں چھوڑی کوئی چیز جو ہو گی قیامت تک، مگر آپ ﷺ نے اس کو بیان فرمایا، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا، اور اس کو بھول گیا جو بھول گیا، میرے ان ساتھیوں کو بھی اس کا علم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس بیان کی کوئی چیز میں بھولے ہوئے ہوتا ہوں پھر اس کو (ہوتا

ہوا) دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آجاتی ہے، جس طرح ایک آدمی دوسرے کسی آدمی کے چہرے کو بھول جاتا ہے جب وہ اس سے غائب ہو جائے، پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے (اور بھولا ہوا چہرہ یاد آجاتا ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... حضرت حذیفہ کے علاوہ دوسرے متعدد صحابۂ کرامؓ سے بھی یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن بہت طویل بیان فرمایا جس میں آپ ﷺ نے قیامت تک ہونے والے واقعات و حوادث کا ذکر فرمایا، ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے غیر معمولی حوادث و واقعات اور ایسے اہم فتنوں کا ذکر فرمایا جن کے بارے میں امت کو آگاہی دینا آپ ﷺ نے ضروری سمجھا، یہی آپ ﷺ کے منصب نبوت کا تقاضا اور آپ ﷺ کے شایان شان تھا، لیکن وہ لوگ جن کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک زمین و آسمان کی ساری کائنات اور تمام مخلوقات کا، ذرے ذرے اور پتے پتے کا علم کلی محیط حاصل تھا ..... وہ حضرت حذیفہ کی اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں ..... ان کے نزدیک ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اس بیان میں ان کی اصطلاح کے مطابق تمام "ماکان ومایکون" بیان فرمایا تھا یعنی روئے زمین کے سارے ملکوں، ہندوستان، ایران، افغانستان، چین، جاپان، امریکہ، افریقہ انگلینڈ، فرانس، ترکی، روس وغیرہ وغیرہ دنیا کے تمام ملکوں میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں، حیوانوں، چرندوں، پرندوں، چونٹیوں، مکھیوں، مچھروں، کیڑے مکوڑوں اور سمندر میں پیدا ہونے والی مخلوقات کے سبھی تمام حالات آپ ﷺ نے بیان فرمائے تھے کہ یہ سب بھی "ماکان ومایکون" میں شامل ہے، اسی طرح مختلف ملکوں کے ریڈیو سے مختلف زبانوں میں جو خبریں اور جو گانا بجانا نشر ہوتا ہے، اور مختلف ملکوں کے ہزاروں اخبارات میں مختلف زبانوں میں جو کچھ چھپتا رہا ہے اور چھپتا ہے اور قیامت تک چھپے گا وہ سب بھی آپ ﷺ نے مسجد نبوی کے اس خطبہ میں صحابۂ کرامؓ کو بتلایا تھا، کیونکہ یہ سب بھی "ما کان وما یکون" میں داخل ہیں۔

جس آدمی کو اللہ نے ذرہ برابر بھی عقل دی ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا اور ایسا دعویٰ کرنا کس قدر جاہلانہ اور احمقانہ بات ہے۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ان لوگوں کے دعوے کے مطابق تمام "ماکان ومایکون" اور ہر طرح کے جزئی حوادث و واقعات بیان فرمائے تھے، تو اس کا تو ضرور ہی ذکر فرمایا ہوگا کہ میرے بعد پہلے خلیفہ ابو بکرؓ ہوں گے اور ان کے زمانہ خلافت میں یہ یہ ہوگا ..... ان کے بعد دوسرے خلیفہ عمر بن الخطاب اور ان کے بعد تیسرے خلیفہ عثمان بن عفانؓ ہوں گے اور ان کے دور میں اور اس کے بعد یہ یہ واقعات پیش آئیں گے ..... تو اگر حضور ﷺ نے اس خطبہ میں "جمیع ما کان وما یکون" اور اس سلسلہ میں یہ سب بھی بیان فرمادیا تھا، تو حضور ﷺ کی وفات کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا کچھ بھی نہ ہوتا ..... ہر شخص کو یاد ہوتا کہ حضور ﷺ نے چند ہی روز پہلے تو فرمایا تھا کہ میرے بعد خلیفہ

ابو بکرؓ ہوں گے ...... اسی طرح حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی، خود حضرت عمرؓ کو اور ان چھئوں حضرات کو جن کے سپرد آپ ﷺ نے انتخاب خلیفہ کا مسئلہ فرمایا تھا، ضرور یاد ہوتا کہ حضور ﷺ نے بتلادیا تھا کہ عمرؓ بن الخطاب کے بعد میرے تیسرے خلیفہ عثمانؓ بن عفان ہوں گے ...... یہ سب حضرات اس وقت امت میں سب سے افضل سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے اس خطبہ میں بیان تو یہ سب کچھ فرمادیا تھا، لیکن یہ سب اس کو بھول گئے ...... تو دین کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں رہتی ...... امت کو سارا دین صحابۂ کرامؓ ہی کے ذریعہ اور انہی کی نقل و روایت سے ملا ہے، جب ان کے درجہ اول کے حضرات، سابقین اولین اور عشرۂ مبشرہ کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ خود ان ہی سے متعلق حضور ﷺ کی فرمائی ہوئی اتنی اہم باتوں کو بھول گئے اور کسی ایک کو بھی حضور ﷺ کا وہ بیان یاد نہیں رہا، تو ان کی نقل و روایت پر قطعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ حدیث کے کسی راوی کے متعلق بھی ثابت ہو جائے کہ وہ ایسا بھولنے والا تھا تو محدثین اس کی کسی بھی روایت کا اعتبار نہیں کرتے وہ روایت میں ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتماد قرار دے دیا جاتا ہے۔

بہر حال حضرت حذیفہ کی اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں کی بنا پر ان لوگوں کا یہ دعویٰ کہ حضور ﷺ نے مسجد نبوی کے اپنے اس بیان اور خطبہ میں ان کی اصطلاح کے مطابق **"جمیع ما کان وما یکون"** بیان فرمایا تھا، مذکورہ بالا وجوہ سے انتہائی احمقانہ اور جاہلانہ دعویٰ ہے ...... ان سب حدیثوں کا مطلب و مفاد صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس بیان اور خطبہ میں قیامت تک واقع ہونے والے ان غیر معمولی واقعات و حوادث اور ان اہم فتنوں کا بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمائے تھے اور ان کے بارے میں امت کو آگاہی دینا آپ ﷺ نے ضروری سمجھا ...... یہی منصب نبوت کا تقاضا اور آپ ﷺ کے شایان شان ہے۔

علاماتِ قیامت

علاماتِ قیامت

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح امت میں پیدا ہونے والے فتنوں کی اطلاع دی ہے اسی طرح کچھ چیزوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت سے پہلے ان کا ظہور ہو گا، ان میں سے کچھ بہت غیر معمولی قسم کی ہیں، جو بظاہر اس عام قانون قدرت کے خلاف ہیں جن پر اس دنیا کا نظام چل رہا ہے...... جیسے سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا، اور دابۃ الارض کا خروج، اور دجال کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول وغیرہ، ان غیر معمولی علامات کا ظہور اس وقت ہو گا جب قیامت بہت قریب ہو گی، یہ چیزیں گویا قیامت کا پیش خیمہ اور اس کی تمہید ہوں گی، ان کو قیامت کی "علامات خاصہ" اور "علامات کبریٰ" بھی کہا جا سکتا ہے...... ان کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے قیامت سے پہلے کچھ ایسی چیزوں، ایسے واقعات اور ایسے تغیرات کے ظہور کی اطلاع دی ہے، جو اس طرح کے غیر معمولی تو نہیں ہیں، لیکن خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک اور زمانۂ خیر القرون کے لحاظ سے مستبعد اور غیر معمولی ہیں، اور امت میں ان کا ظہور شر و فساد کی علامت ہے، ان کو قیامت کی عمومی علامات کہا جا سکتا ہے...... ذیل میں پہلے رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں جن میں آپ نے دوسری قسم کی چیزوں کا یعنی قیامت کی عمومی علامات کا ذکر فرمایا ہے...... پہلی قسم یعنی "علامات کبریٰ" سے متعلق حدیثیں بعد میں پیش کی جائیں گی۔

قیامت کی عمومی نشانیاں

۷۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِىُّ ﷺ يُحَدِّثُ اِذْجَاءَ اَعْرَابِىٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ كَيْفَ اِضَاعَتُهَا؟ قَالَ اِذَا وُسِّدَالْاَمْرُ اِلىٰ غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ ﷺ بیان فرما رہے تھے، ایک اعرابی (بدوی) آیا اور اس نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب (وہ وقت آجائے کہ) امانت ضائع کی جانے لگے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرو، اس اعرابی نے عرض کیا کہ امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب معاملات نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو انتظار کرو قیامت کا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... ہماری اردو زبان میں "امانت" کا مفہوم بہت محدود ہے لیکن قرآن و حدیث کی زبان میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اپنے اندر عظمت اور اہمیت بھی لئے ہوئے ہے، ہر عظیم اور اہم ذمہ داری کو "امانت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، امانت کے مفہوم کی وسعت اور عظمت کو سمجھنے کے لئے آخر سورۂ احزاب کی آیت "اِنَّا عَرَضْنَاالْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ...... الآية" پر غور کر لیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں امانت کے ضائع کئے جانے کی وضاحت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے کہ ذمہ داریاں ایسے لوگوں کو سپرد کی جائیں جو ان کے اہل نہ ہوں، اس میں درجہ بدرجہ ہر طرح کی ذمہ داری شامل ہے۔ حکومت، حکومتی مناصب اور عہدے، حکومتی اختیارات، اسی طرح دینی قیادت وامامت، افتاء وقضا، اوقاف کی تولیت اور ان کے انتظام وغیرہ کی ذمہ داری، اس طرح کی جو بھی بڑی یا چھوٹی ذمہ داری نااہلوں کے سپرد کی جائے گی تو یہ امانت کی اضاعت اور اجتماعی زندگی کی شدید معصیت ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کی نشانی بتلایا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد ہے اگرچہ وہ ایک اعرابی سائل کے جواب میں ہے، لیکن عام امتیوں کے لئے اس کا یہ پیغام اور سبق ہے کہ امانت کی حفاظت کی اہمیت کو محسوس کر واس کا حق ادا کرو، ہر درجہ کی ہر نوع کی ذمہ داریاں ان افراد کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں، اس کے خلاف کرو گے تو امانت کی اضاعت کے مجرم ہو گے اور خدا کے سامنے اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

۷۵) عَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ كَذَّابِيْنَ فَاحْذَرُوْهُمْ . (رواه مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے (کچھ کذاب لوگ ہوں گے، تم کو چاہئے کہ ان سے پرہیز کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... "کذابین" سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جن کا جھوٹ غیر معمولی قسم کا ہو اور اس کا تعلق دین سے ہو جیسے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے، اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے اور جھوٹے قصے گھڑ کے اپنی بدعات وخرافات کو رواج دینے والے...... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد قیامت سے پہلے ایسے لوگ پیدا ہوں گے اور تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے...... میرے امتیوں کو چاہئے کہ ان سے ہوشیار اور دور رہیں، ان کے جال میں نہ پھنسیں جیسا کہ معلوم ہے عہد نبوی سے اب تک سینکڑوں مدعیان نبوت بھی پیدا ہوئے جن میں سب سے پہلا یمامہ کا مسیلمہ کذاب تھا، اور ہماری معلومات کے لحاظ سے آخری غلام احمد قادیانی، اسی طرح مہدویت کے مدعی بھی پیدا ہوتے رہے، اور بہت سی گمراہ کن دعوتوں کے داعی اور قائد بھی...... یہ سب ان کذابین میں شامل ہیں، جن کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں دی ہے، اور ان سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

۷۶) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اتُّخِذَالْفَيْئُ دِوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِالدِّيْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَه' وَعَقَّ اُمَّه' وَاَدْنَا صَدِيْقَه' وَاَقْصَا اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِى الْمَسَاجِدِ وَسَادَالْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمَ الْقَوْمِ اَرْذَلُهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ

سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب غنیمت کو بنایا جانے لگے ذاتی دولت، اور امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان، اور علم حاصل کیا جانے لگے دین کے علاوہ دوسری (دنیوی) اغراض کے لئے، اور لوگ فرمانبرداری کریں اپنی بیوی کی اور نافرمانی کریں اپنی ماں کی، اور اپنے سے لگائیں دوستوں کو اور دور کریں باپ کو، اور بلند ہوں آوازیں مسجدوں میں اور قبیلہ کی سرداری کرے ان میں کا فسق، اور قوم کا لیڈر ایسا شخص ہو جو ان میں سب سے کمینہ ہو، اور جب کسی آدمی کا اکرام کیا جائے اس کے شر کے ڈر سے اور (پیشہ ور) گانے والیاں اور باجے گاجے عام ہوں، اور شرابیں پی جائیں، اور امت کے بعد والے اس کے اگلوں پر لعنت کریں...... تو اس وقت انتظار کرو، سرخ آندھیوں کا، اور زلزلوں کا، اور زمین میں دھنسائے جانے کا اور صورتیں مسخ کئے جانے کا اور پتھر برسنے کا اور (ان کے علاوہ اس طرح کی) اور نشانیوں کا جو پے در پے اس طرح آئیں گی جس طرح ایک ہار ہو، کاٹ دیا گیا ہو اس کا دھاگہ، تو پے در پے گریں اس کے دانے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے پہلے امت میں پیدا ہونے والی پندرہ (۱۵) خرابیوں کا ذکر فرمایا ہے، پہلی یہ کہ مال غنیمت جو دراصل مجاہدین اور غازیوں کا حق ہے، اور جس میں فقراء و مساکین کا بھی حصہ ہے، ارباب اختیار اس میں ذاتی دولت کی طرح تصرف کرنے لگیں گے، دوسری یہ کہ لوگ حکومت کو زکوٰۃ خوش دلی سے ادا نہیں کریں گے، بلکہ اس کو ایک طرح کا تاوان سمجھیں گے،[1] تیسری یہ کہ علم دین جو دین ہی کے لئے اور اپنی آخرت ہی کے لئے حاصل کیا جانا چاہئے، وہ غیر دینی اغراض کے لئے یعنی دنیوی منافع اور مقاصد کے لئے حاصل کیا جانے لگے گا، چوتھی اور پانچویں یہ کہ لوگ اپنی بیویوں کی تابعداری اور ناز برداری کریں گے، اور ماؤں کے ساتھ ان کا رویّہ نافرمانی اور ایذارسانی کا ہوگا، اور چھٹی اور ساتویں یہ کہ یار دوستوں کو گلے لگایا جائے گا اور باپ دھتکارا جائے گا اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے گی آٹھویں یہ کہ مسجدیں جو خانہ خدا ہیں، اور از راہ ادب ان میں بلاضرورت زور سے بولنا منع ہے، ان کا ادب و احترام نہیں رہے گا، ان میں آوازیں بلند ہوں گی اور شور و ہنگامہ ہوگا، نویں یہ کہ قبیلوں کی سیادت و قیادت فاسقوں فاجروں کے ہاتھ میں آجائے گی، دسویں یہ کہ قوم کے ذمہ دار وہ ہوں گے جو ان میں سب سے زیادہ کمینے ہوں گے، گیارہویں یہ کہ شریر آدمیوں کی شرارت اور شیطنت کے خوف سے ان کا اکرام و اعزاز کیا جائے گا، بارہویں اور تیرہویں یہ کہ پیشہ ور گانے والیوں کی اور معازف و مزامیر یعنی باجوں گاجوں کی (اور ان سے دل بہلانے والوں کی) کثرت ہوگی، چودھویں یہ کہ شرابیں خوب پی جائیں گی، اور پندرھویں یہ کہ امت میں بعد میں آنے والے لوگ امت کے پہلے طبقہ کو اپنی لعنت و بدگوئی کا نشانہ بنائیں گے...... آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امت میں یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو انتظار کرو کہ خداوندی قہران

---

[1] ملحوظ رہے کہ اسلامی نظام میں زکوٰۃ حکومت وصول کرتی اور وہی اس کو مستحقین کو پہنچاتی ہے، جن کے دلوں میں خوف خدا اور ایمان راسخ نہیں ہوتا وہ اس کو حکومتی ٹیکسوں کی طرح تاوان سمجھتے ہیں۔

شکلوں میں آئے، سرخ آندھیاں اور شدید زلزلے اور آدمیوں کا زمین میں دھنسایا جانا، اور ان کی صورتوں کا مسخ ہو جانا، اور اوپر سے پتھروں کا برسنا، اور ان کے علاوہ بھی خداوندی قہر و جلال کی نشانیاں جو اس طرح لگاتار اور پے بہ پے ظاہر ہوں گی جس طرح ہار کا دھاگا ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کے دانے لگاتار گرتے ہیں۔

بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ خرابیاں امت میں اور مسلم معاشرے میں بہت عام ہو جائیں گی تو خداوندی قہر و جلال ان شکلوں میں ظاہر ہوگا۔

۷۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيْضَ حَتّٰى يُخْرِجَ الرَّجُلُ زَكٰوةَ مَالِهٖ فَلَايَجِدُ اَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَتَعُوْدُ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَّاَنْهَارًا.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسا وقت نہ آجائے کہ) غیر معمولی بہتات ہو مال کی اور وہ بہا بہا پھرے، یہاں تک کہ (حالت یہ ہو جائے کہ) ایک آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے اور وہ نہ پاسکے کوئی ایسا (فقیر مسکین صاحب حاجت) جو زکوٰۃ کو اس سے قبول کرے، اور ہو جائے عرب کی زمین (جس کا بڑا حصہ آج بے آب و گیاہ ہے) سرسبز چراگاہوں اور نہروں کی شکل میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: گزشتہ نصف صدی کے اندر اندر عرب ملکوں میں پیٹرول کی دریافت کے بعد جو انقلاب آیا ہے، اور دولت کی جو ریل پیل ہے اور چٹیل میدانوں اور ریگستانوں کو کشت زار اور باغ و بہار میں تبدیل کرنے اور نہریں نکالنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، یقیناً یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں جس وقت آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا اس وقت اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا انقلاب آئے گا، آپ ﷺ نے اس ارشاد میں امت کو اس کی اطلاع دی تھی، صحابۂ کرامؓ نے صرف سنا تھا، اور ہمارے زمانہ میں آنکھوں سے دیکھا جارہا ہے ...... بلاشبہ حضور ﷺ کی اس طرح کی اطلاعات آپ کا معجزہ اور آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہیں۔

۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيْئُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ (یہ واقعہ نہ ہو جائے کہ) ایک (غیر معمولی قسم کی) آگ اٹھے گی حجاز کی سرزمین سے جو روشن کردے گی شہر بصری میں اونٹوں کی گردنوں کو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: دنیا میں واقع ہونے والے جو غیر معمولی حوادث اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر منکشف کئے گئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ایک وقت پر سرزمین حجاز سے ایک انتہائی غیر معمولی قسم کی آگ نمودار ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ہوگی، اس کی روشنی ایسی ہوگی کہ سینکڑوں میل دور

ملک شام کے شہر بصریٰ کے اونٹ اوران کی گردنیں اس روشنی میں نظر آئیں گی ...... اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسی کی اطلاع دی ہے۔

حجاز اس وسیع علاقہ کا نام ہے جس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ، طائف، رابغ وغیرہ شہر واقع ہیں ... اور بصریٰ ملک شام کا ایک شہر تھا، دمشق سے قریباً تین منزل کی مسافت پر ... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے شارحین، حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور امام نووی وغیرہ اکثر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی کا مصداق وہ آگ تھی جو ساتویں صدی ہجری کے وسط میں مدینہ منورہ کے قریب سے نمودار ہونی شروع ہوئی، پہلے تین دن شدید زلزلہ کی کیفیت رہی اس کے بعد ایک نہایت وسیع و عریض علاقے میں آگ نمودار ہوئی، اس آگ میں بادل کی سی گرج اور کڑک بھی تھی۔

لکھا ہے کہ یہ آگ ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آگ کا ایک بہت بڑا شہر ہے، وہ جس پہاڑ پر سے گزرتی وہ چورچور ہو جاتا یا پگھل جاتا یہ آگ اگرچہ مدینہ منورہ سے فاصلہ پر تھی، لیکن اس کی روشنی سے مدینہ منورہ کی راتوں میں دن کا سا اجالا رہتا تھا، لوگ اس میں وہ سب کام کر سکتے تھے، جو دن کے اجالے میں کئے جاتے ہیں، اس کی روشنی سینکڑوں میل دور تک پہنچتی تھی، یمامہ اور بصریٰ تک پہنچتی دیکھی گئی۔

یہ بھی لکھا ہے کہ اس آگ کے عجائبات میں سے یہ بھی تھا کہ وہ پتھروں کو تو جلا کر راکھ کر دیتی تھی، لیکن درختوں کو نہیں جلاتی تھی، لکھا ہے کہ یہ آگ شروع جمادی الاخریٰ سے اواخر رجب تک قریباً پونے دو مہینے تک رہی لیکن مدینہ منورہ اس سے نہ صرف یہ کہ محفوظ رہا بلکہ ان دنوں میں وہاں نہایت خوشگوار ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں۔ بلا شبہ یہ آگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شان قہر و جلال کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی ...... آنحضرت ﷺ نے ساڑھے چھ سو برس پہلے اس کی اطلاع دی تھی۔

قیامت کی علاماتِ کبریٰ

آفتاب کا جانبِ مغرب سے طلوع، دابۃ الارض کا خروج، دجال کا فتنہ، حضرت مہدی کی آمد، حضرت مسیح کا نزول

۷۹) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰيٰتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّابَةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى وَاَيُّهُمَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبِهَا فَالْاُخْرىٰ عَلىٰ اِثْرِهَا قَرِيْبًا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ قیامت کی نشانیوں سے سب سے پہلے جس کا ظہور ہوگا وہ آفتاب کا طلوع ہونا ہے مغرب کی طرف سے اور لوگوں کے سامنے چاشت کے وقت دابۃ الارض کا برآمد ہونا اور دونوں میں سے

جو بھی پہلے ہو، دوسری اس کے بعد متصلاً ہی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... ظاہر ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اتنا ہی منکشف کیا گیا تھا کہ قیامت کی علامات کبریٰ میں سے سب سے پہلے ان دو غیر معمولی اور خارق عادت واقعات کا ظہور ہوگا، ایک یہ کہ آفتاب جو ہمیشہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، وہ ایک دن جانب مغرب سے طلوع ہوگا، اور دوسرے یہ کہ ایک عجیب و غریب جانور (دَابَّةُ الْاَرْض) کا خارق عادت طریقہ سے ظہور ہوگا..... اس وقت تک آپ ﷺ پر یہ منکشف نہیں فرمایا گیا تھا کہ ان میں سے کون سا واقعہ پہلے ہوگا اور کون بعد میں، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے جو بھی پہلے ہو دوسرا اس کے بعد متصلاً ہی ہوگا..... گویا یہ دونوں واقعے ساتھ ساتھ ہوں گے۔

"دَابَّةُ الْاَرْض" کے خروج کا ذکر قرآن مجید (سورۂ نحل کی آیت نمبر ۸۲) میں بھی فرمایا گیا ہے..... اس کے بارے میں بہت سی بے اصل باتیں عوام میں مشہور ہیں، اور تفسیر کی بعض کتابوں میں بھی اس سے متعلق رطب ویابس روایتیں لکھ دی گئی ہیں، لیکن قرآن پاک کے ظاہری الفاظ اور قابل اعتبار روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین پر چلنے اور دوڑنے والا جانور ہوگا، جس کو اللہ تعالیٰ خارق عادت طریقہ سے زمین سے پیدا فرمائے گا، (جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی ایک چٹان سے پیدا فرمائی تھی) اور وہ بحکم خداوندی انسانوں کی طرح کلام کرے گا، اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم کرے گا..... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کی صفا پہاڑی سے برآمد ہوگا۔

یہ دونوں واقعات جن کا اس حدیث میں ذکر ہے (آفتاب کا بجائے مشرق کے جانب مغرب سے طلوع ہونا اور کسی جانور (دَابَّةُ الْاَرْض) کا توالد و تناسل کے عام معروف طریقہ کے بجائے زمین سے برآمد ہونا) بظاہر اس نظام قدرت کے خلاف ہے، جو اس دنیا کا عام نظام ہے، اس لئے ایسے کم فہموں کو جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت سے آشنا نہیں ہیں، ان کے بارے میں شک شبہ ہو سکتا ہے، لیکن ان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ سب اس وقت ہوگا جب دنیا کا وہ نظام جس پر یہ دنیا چل رہی ہے ختم کیا جائے گا اور قیامت کا دور شروع ہوگا، اور زمین و آسمان بھی فنا کر دیئے جائیں گے اور دوسرا عالم برپا ہوگا پھر تو وہ سب کچھ سامنے آئے گا جو ہماری اس دنیا کے نظام سے بالکل مختلف ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قیامت کی "علامات خاصہ" اور "علامات کبریٰ" بھی دو طرح کی ہیں، بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا، گویا ان علامات کے ظہور ہی سے قیامت کی شروعات ہو جائے گی جس طرح صبح صادق کی نمود دن کی آمد کی علامت ہوتی ہے اور اسی سے دن کی آمد شروع ہو جاتی ہے، یہ دونوں علامتیں جن کا اس حدیث میں ذکر ہے اسی قبیل سے ہیں، اور اس قبیل کی علامتوں میں سب سے پہلے انہی کا ظہور ہوگا اور ان کا ظہور گویا اس کا اعلان ہوگا کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اب تک جس نظام پر چل رہی تھی، اب وہ ختم ہو گیا اور قیامت کا دور اور دوسرا نظام شروع ہو گیا..... اور

قیامت کی "علامات کبریٰ" میں سے بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت سے کچھ مدت پہلے ہوگا اور وہ قرب قیامت کی علامات ہوں گے، دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (جن کا ذکر آگے درج ہونے والی حدیثوں میں آرہا ہے) قیامت کی اس قسم کی علامات میں سے ہے۔

۸۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ اِذَا خَرَجْنَ لَایَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْ اِیْمَانِهَا خَیْرًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْاَرْضِ.
(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کی نشانیوں میں سے) تین وہ ہیں جن کے ظہور کے بعد کسی ایسے شخص کو جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا، اور ایمان کے ساتھ عمل صالح نہیں کیا تھا اس کا ایمان لانا (اور نیک عمل کرنا) کوئی نفع نہیں پہنچائے گا (اور کچھ کام نہ آئے گا) آفتاب کا طلوع ہونا مغرب کی جانب سے اور دجال کا ظاہر ہونا اور دَابَّةُ الْاَرْض کا برآمد ہونا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ان تینوں نشانیوں کے ظہور کے بعد یہ بات کھل کر سب کے سامنے آجائے گی کہ اب دنیا کے نظام کے درہم برہم ہونے کا اور قیامت کا وقت قریب آگیا، اس لئے اس وقت ایمان لانا یا گناہوں سے توبہ کرنا یا صدقہ خیرات جیسا کوئی نیک کام کرنا جو پہلے نہیں کیا گیا تھا ایسا ہوگا جیسا کہ موت کے دروازے پر پہنچ کر اور غیبی حقائق کا مشاہدہ کر کے کوئی ایمان لائے یا گناہوں سے توبہ کرے، یا صدقہ خیرات جیسا کوئی نیک کام کرے، اس لئے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ کام نہ آئے گا۔

۸۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَابَیْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک کوئی امر (کوئی واقعہ اور حادثہ) دجال کے فتنہ سے بڑا اور سخت نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے اب تک اور اب سے قیامت تک اللہ کے بندوں کے لئے جو بے شمار فتنے پیدا ہوئے اور ہوں گے دجال کا فتنہ ان میں سب سے عظیم و شدید ہوگا اور بندگان خدا کیلئے اس میں سخت ترین آزمائش ہوگی، اللہ تعالیٰ ایمان پر قائم رکھے اور ایمان کے ساتھ اٹھائے۔

۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِیْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَاحَدَّثَ بِهٖ نَبِیٌّ قَوْمَهٗ اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّهٗ یَجِیْئُ مَعَهٗ مِثْلَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِیْ یَقُوْلُ اِنَّهَا الْجَنَّةُ هِیَ النَّارُ وَاِنِّیْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں دجال کے فتنہ

کے بارے میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلاؤں جو کسی پیغمبر نے اپنی امت کو نہیں بتلائی (سنو) وہ کانا ہوگا (اس کی آنکھ میں انگور کے دانے کی طرح ناخنہ پھولا ہوگا) اور اس کے ساتھ ایک چیز ہوگی جنت کی طرح اور ایک دوزخ کی طرح، پس وہ جس کو جنت بتائے گا وہ فی الحقیقت دوزخ ہوگی، اور میں تم کو دجال کے بارے میں آگاہی دیتا ہوں، جیسی آگاہی اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی تھی۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... حدیث کے ذخیرے میں مختلف صحابۂ کرامؓ سے دجال سے متعلق اتنی حدیثیں مروی ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے قریب دجال کے ظہور کی اطلاع دی ہے اور یہ کہ اس کا فتنہ بندگان خدا کے لئے عظیم ترین اور شدید ترین فتنہ ہوگا، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اسکے ثبوت میں عجیب و غریب کرشمے دکھائے گا ...... انہی کرشموں میں سے ایک یہ بھی ہوگا کہ اس کے ساتھ جنت کی طرح ایک نقلی جنت اور دوزخ کی طرح ایک نقلی دوزخ ہوگی ...... اور حقیقت یہ ہوگی کہ جس کو وہ جنت بتلائے گا وہ دوزخ ہوگی۔ اور اسی طرح جس کو وہ دوزخ کہے گا وہ در حقیقت جنت ہوگی، ...... یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ دجال کے ساتھ والی یہ دوزخ اور جنت صرف اس کی جادوگری، شعبدہ بازی اور نظر فریبی کا نتیجہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے ہماری آزمائش کے لئے شیطان پیدا فرمایا ہے، اور دجال پیدا فرمائے گا اسی طرح دجال کے ساتھ والی جنت اور دوزخ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہو ...... اسی کے ساتھ اس کی دجالیت اور کذابیت کی ایک کھلی علامت یہ ہوگی کہ وہ آنکھ سے کانا ہوگا اور صحیح روایات میں ہے کہ اس کی آنکھ میں انگور کے دانے جیسا پھولا ہوگا جو سب کو نظر آئے گا، اس کے باوجود بہت سے خدا نا آشنا جو ایمان سے محروم ہوں گے یا جو بہت ضعیف الایمان ہوں گے اس کی شعبدہ بازیوں اور استدراجی کرشموں سے متاثر ہو کر اس کے خدائی کے دعوے کو مان لیں گے، اور جن کو ایمان کی حقیقت نصیب ہوگی ان کے لئے دجال کا ظہور اور اس کے خارق عادت کرشمے ایمان و یقین میں مزید ترقی اور اضافہ کا ذریعہ بنیں گے، وہ اس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہی وہ دجال ہے جس کی خبر ہمارے پیغمبر صادق ﷺ نے دی تھی، اس طرح دجال کا ظہور ان کے لئے ترقی درجات کا وسیلہ بنے گا۔

دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے خوارق

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا قیامت سے پہلے دجال کے ظہور سے متعلق حدیث نبوی کے ذخیرہ میں اتنی روایتیں ہیں جن کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ قیامت سے پہلے دجال کا ظہور ہوگا، اسی طرح ان روایات کی روشنی میں اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ہاتھ پر بڑے غیر معمولی اور محیر العقول قسم کے ایسے خارق عادت امور ظاہر ہوں گے جو بظاہر مافوق الفطرت اور کسی بشر اور کسی بھی مخلوق کی طاقت و قدرت سے باہر اور بالاتر ہوں گے ...... مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی (جس کا مندرجہ بالا حدیث میں بھی ذکر ہے) اور مثلاً یہ کہ وہ بادلوں کو حکم دے گا

کہ بارش برسے اور اس کے حکم کے مطابق اسی وقت بارش ہوگی...... اور مثلاً یہ کہ وہ زمین کو حکم دے گا کہ کھیتی اُگے، اور اسی وقت زمین سے کھیتی اگتی نظر آئے گی...... اور مثلاً یہ کہ جو خدا ناشناس اور ظاہر پرست لوگ اس طرح کے خوارق دیکھ کر اس کو خدا مان لیں گے ان کے دنیوی حالات بظاہر بہت ہی اچھے ہو جائیں گے اور وہ خوب پھولتے پھلتے نظر آئیں گے اور اس کے برخلاف جو مؤمنین صادقین اس کے خدائی کے دعوے کو رد کر دیں گے اور اس کو دجال قرار دیں گے بظاہر ان کے دنیوی حالات بہت ہی ناساز گار ہو جائیں گے، اور وہ فقر و فاقے میں اور طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا نظر آئیں گے...... اور مثلاً یہ کہ وہ ایک اچھے طاقتور جوان کو قتل کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور پھر وہ اس کو اپنے حکم سے زندہ کر کے دکھادے گا اور سب دیکھیں گے کہ وہ جیسا تندرست و توانا جوان تھا ویسا ہی ہو گیا...... الغرض حدیث کی کتابوں میں دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے اس طرح کے محیر العقول خوارق کی روایتیں بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ اس بارے میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس کے ہاتھ پر اس طرح کے خوارق ظاہر ہوں گے...... اور یہی بندوں کے لئے امتحان اور آزمائش کا باعث ہوں گے۔

اس طرح کے خوارق اگر انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ انبیاء کرام کے وہ معجزات جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرمایا گیا ہے، یا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ شق القمر اور دوسرے معجزات جو حدیثوں میں مروی ہیں...... اور اگر ایسے خوارق انبیاء علیہم السلام کے متبعین مؤمنین صالحین کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو کرامت کہا جاتا ہے، جیسے کہ قرآن پاک میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اور اس امت محمدیہ کے اولیاء اللہ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات معلوم و معروف ہیں...... اور اگر اس طرح کے خوارق کسی کافر و مشرک یا فاسق و فاجر داعی ضلالت کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو استدراج کہا جاتا ہے، دجال کے ہاتھ پر جو خوارق ظاہر ہوں گے وہ استدراج ہی کے قبیل سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار الامتحان بنایا ہے، انسان میں خیر کی بھی صلاحیت رکھی گئی ہے اور شر کی بھی، اور ہدایت اور دعوت الی الخیر کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور ان کے نائبین قیامت تک یہ خدمت انجام دیتے رہیں گے اور اضلال اور دعوت شر کے لئے شیطان اور انسانوں اور جنات میں سے اس کے چیلے چانٹے بھی پیدا کئے گئے جو قیامت تک اپنا کام کرتے رہیں گے...... بنی آدم میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ پر ہدایت اور دعوت الی الخیر کا کمال ختم کر دیا گیا، اب آپ ہی کے نائبین کے ذریعہ قیامت تک ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کا سلسلہ جاری رہے گا...... اور اضلال اور دعوت شر کا کمال دجال پر ختم ہوگا اور اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور استدراج ایسے غیر معمولی اور محیر العقول خوارق دیئے جائیں گے جو پہلے کسی داعی ضلال کو نہیں دیئے گئے۔

یہ گویا بندوں کا آخری امتحان ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ یہ ظاہر فرمائے گا کہ سلسلۂ نبوت وہدایت خاص کر خاتم النبیین ﷺ اور آپ ﷺ کے نائبین کی ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کی مخلصانہ کوششوں کے

نتیجہ میں وہ صاحب استقامت بندے بھی اس دجالی دنیا میں موجود ہیں جن کے ایمان و یقین میں ایسے محیر العقول خوارق دیکھنے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوا اور ان کو وہ مقام صدیقیت حاصل ہوا جو اس سخت امتحان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت مہدی کی آمد، ان کے ذریعہ برپا ہونے والا انقلاب

اس موضوع سے متعلق جو احادیث و روایات کسی درجہ میں قابل اعتبار و استناد ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا کے خاتمہ اور قیامت سے پہلے آخری زمانے میں امت مسلمہ پر اس دور کے ارباب حکومت کی طرف سے ایسے شدید و سنگین مظالم ہوں گے کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہو جائے گی، ہر طرف ظلم و ستم کا دور دورہ ہوگا، اس وقت اللہ تعالیٰ اس امت میں سے (بعض روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی نسل سے) ایک مرد مجاہد کو کھڑا کرے گا، اس کی جدوجہد کے نتیجہ میں ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ دنیا سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو جائے گا، ہر طرف عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت غیر معمولی برکات کا ظہور ہوگا، آسمان سے ضرورت کے مطابق بھرپور بارشیں ہوں گی، اور زمین سے غیر معمولی اور خارق عادت پیداوار ہوگی، جس مرد مجاہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ انقلاب برپا فرمائے گا (بعض روایات کے مطابق اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبد اللہ ہوگا، مہدی اس کا لقب ہوگا) اللہ تعالیٰ ان سے بندوں کی ہدایت کا کام لے گا۔

اس مختصر تمہید کے بعد ناظرین کرام اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ فرمائیں۔

۷۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَنْزِلُ بِاُمَّتِیْ بَلاءٌ شَدِیْدٌ مِنْ سُلْطَانِهِمْ حَتّٰی یَضِیْقَ الْاَرْضُ عَنْهُمْ فَیَبْعَثُ اللّٰہُ رَجُلاً مِنْ عِتْرَتِیْ فَیَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ ظُلْماً وَجَوْرًا، یَرْضٰی عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَآءِ وَسَاكِنُ الْاَرْضِ لَاتَدَّخِرُ الْاَرْضُ شَیْئًا مِنْ بَذْرِهَا اِلَّا اَخْرَجَتْهُ وَلَاالسَّمَآءُ مِنْ قَطْرِهَا اِلَّاصَبَّتْهُ وَیَعِیْشُ سَبْعَ سِنِیْنَ اَوْثَمَانَ سِنِیْنَ اَوْتِسْعًا. (رواه الحاكم في المستدرك)[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (آخری زمانے میں) میری امت پر ان کے ارباب حکومت کی طرف سے سخت مصیبتیں آئیں گی، یہاں تک کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہو جائے گی اس وقت اللہ تعالیٰ میری نسل میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا، اس کی جدوجہد سے ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ اللہ کی زمین جس طرح ظلم و ستم سے بھر گئی تھی، اسی طرح عدل و انصاف سے بھر جائے گی، آسمان والے بھی اس سے راضی ہوں گے اور زمین کے رہنے والے بھی، زمین میں جو بیج ڈالا جائے گا اس کو زمین اپنے پاس روک کے نہیں رکھے گی، بلکہ اس سے جو پودا بر آمد ہونا چاہئے وہ بر آمد ہوگا (بیج کا ایک دانہ بھی ضائع نہ ہوگا) اور اسی طرح آسمان بارش کے قطرے

[1] کنز العمال کتاب القیامت۔

ذخیرہ بنا کے نہیں رکھے گا، بلکہ ان کو برسا دے گا (یعنی ضرورت کے مطابق بھرپور بارشیں ہوں گی) اور یہ مرد مجاہد لوگوں کے درمیان سات سال، یا آٹھ سال یا نو سال زندگی گزارے گا۔" (مستدرک حاکم)

تشریح...... قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ "اِسْمُهٗ اِسْمِیْ وَاِسْمُ اَبِیْهِ اِسْمُ اَبِیْ" (اس شخص کا نام میرا والا نام (یعنی محمد) ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے والد کا نام (عبداللہ) ہوگا۔ یہ حدیث طبرانی کی معجم کبیر اور مسند بزار کے حوالہ سے کنز العمال میں نقل کی گئی ہے، ان دونوں حدیثوں میں مہدی کا لفظ نہیں ہے، لیکن دوسری روایات کی روشنی میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ مراد حضرت مہدی ہی ہیں، ان کا نام محمد اور مہدی لقب ہوگا۔

اس حدیث میں حضرت مہدی کا زمانہ حکومت سات یا آٹھ یا نو سال بیان فرمایا گیا ہے۔ لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے آگے ذکر کی جائے گی، ان کا زمانہ حکومت صرف سات سال بیان کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مندرجہ بالا روایت میں جو "سات یا آٹھ یا نو سال" ہے وہ راوی کا شک ہو، واللہ اعلم۔

۸۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِىْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِىْ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک یہ نہ ہوگا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک اور فرمانروا ہوگا، اس کا نام میرے نام کے مطابق (یعنی محمد) ہوگا۔

تشریح...... اس حدیث میں بھی مہدی کا لفظ نہیں ہے، لیکن مراد حضرت مہدی ہی ہیں، اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق (یعنی عبداللہ) ہوگا، نیز یہ بھی اضافہ ہے کہ "يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا" (وہ اللہ کی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح پہلے وہ ظلم و ناانصافی سے بھری ہوئی تھی) سنن ابی داؤد کی اس روایت سے اور حضرت مہدی سے متعلق دوسری بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حکومت پوری دنیا میں ہوگی، پس جامع ترمذی کی زیر تشریح روایت میں جو عرب پر حکومت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ غالباً اس بنیاد پر ہے کہ ان کی حکومت کا اصل مرکز عرب ہی ہوگا۔ دوسری توجیہ اس کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابتداء میں ان کی حکومت عرب پر ہوگی، بعد میں پوری دنیا ان کے دائرۂ حکومت میں آ جائے گی۔ واللہ اعلم۔

۸۵) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَهْدِىُّ مِنِّىْ اَجْلَى الْجَبْهَةِ اَقْنَى الْاَنْفِ يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ — (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مہدی میری

اولاد میں سے ہوگا۔ روشن اور کشادہ پیشانی، بلند بینی، وہ بھر دے گا روئے زمین کو عدل وانصاف سے جس طرح وہ بھر گئی تھی ظلم وستم سے، وہ سات سال حکومت کرے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... اس حدیث میں آنکھوں سے نظر آنے والی حضرت مہدی کی دو جسمانی نشانیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، ایک یہ کہ وہ روشن اور کشادہ پیشانی ہوں گے اور دوسری یہ کہ وہ بلند بینی (کھڑی ناک والے) ہوں گے۔ ان دونوں چیزوں کو انسان کی خوبصورتی اور حسن وجمال میں خاص دخل ہوتا ہے، اسی لئے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیثوں میں خود رسول اللہ ﷺ کا جو حلیہ مبارک اور سراپا بیان کیا گیا ہے، اس میں بھی ان دونوں چیزوں کا ذکر آتا ہے، ان دو نشانیوں کے ذکر کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ حسین وجمیل بھی ہوں گے، لیکن ان کی اصل نشانی اور پہچان ان کا یہ کارنامہ ہوگا کہ دنیا سے ظلم وعدوان کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہماری یہ دنیا عدل وانصاف کی دنیا ہو جائے گی۔

۸۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ يَقْسِمُ الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهٗ.

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک خلیفہ (یعنی سلطان برحق) ہوگا جو (مستحقین کو) مال تقسیم کرے گا، اور گن گن کر نہیں دے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب و مدعا صرف یہ ہے کہ آخری زمانہ میں میری امت میں ایک ایسا حاکم اور فرمانروا ہوگا جس کے دور حکومت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی برکت اور مال ودولت کی کثرت اور بہتات ہوگی، اور خود اس میں سخاوت ہوگی، وہ مال ودولت کو ذخیرہ بنا کے نہیں رکھے گا، بلکہ گنتی شمار کے بغیر مستحقین کو تقسیم کرے گا۔ صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "يَحْثِى الْمَالَ حَثْيًا وَلَا يَعُدُّهٗ عَدًّا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کے مستحقین کو دے گا اور گنتی شمار نہیں کرے گا) حدیث کے بعض شارحین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس حدیث میں جس خلیفہ کا ذکر فرمایا گیا ہے، وہ غالباً مہدی ہی ہیں، کیونکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی برکات کا ظہور ہوگا اور مال ودولت کی فراوانی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۸۷) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمَهْدِىْ مِنْ عِتْرَتِىْ مِنْ اَوْلَادِ فَاطِمَةَ

(رواه ابوداؤد)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ مہدی میری نسل سے فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

۸۸) عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ عَلِىٌّ وَنَظَرَ اِلٰى اِبْنِهِ الْحَسَنِ اِبْنِىْ هٰذَا سَيِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاِسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهٗ فِى الْخُلُقِ وَلَا يُشْبِهُهٗ فِى الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَاُ الْاَرْضَ عَدْلًا— (رواه ابوداؤد)

ترجمہ.. ابو اسحاق سبیعی سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو یہ نام (سید) دیا ہے۔ ضرور ایسا ہو گا کہ اس کی نسل سے ایک مرد خدا پیدا ہو گا، جس کا نام تمہارے نبی والا نام (یعنی محمد) ہو گا، وہ اخلاق و سیرت میں رسول اللہ ﷺ کے بہت مشابہ ہو گا اور جسمانی بناوٹ میں وہ آپ ﷺ کے زیادہ مشابہ نہ ہو گا، پھر حضرت علی رضی اللہ نے بیان فرمایا یہ واقعہ کہ وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔　　(سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس روایت میں ابو اسحاق سبیعی نے (جو تابعی ہیں) حضرت حسنؓ کی نسل سے پیدا ہونے والے جس مرد خدا کے بارے میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، چونکہ وہ امور غیب سے ہے، اور سینکڑوں یا ہزاروں برس بعد ہونے والے واقعہ کی خبر ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ بات صاحب وحی رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی فرمائی ہو گی۔ صحابۂ کرامؓ کے ایسے بیانات محدثین کے نزدیک حدیث مرفوع (یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات) ہی کے حکم میں ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ رسول اللہ ﷺ ہی سے سنا ہو گا۔

اس روایت میں حصرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ "میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ نام (سید) دیا تھا، بظاہر اس سے حضرت علیؓ کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی طرف ہے جو آپ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمایا تھا "اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے متحارب (برسرِ جنگ) گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں سید کا استعمال فرمایا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے، لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے ہوں گے، بعض شارحین نے ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہوں گے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دی کہ مہدی ان کی اولاد میں سے ہوں گے، لیکن یہ روایتیں بہت ہی ضعیف درجہ کی ہیں،[1] جو روایتیں کسی درجہ قابل اعتبار ہیں، ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نسل اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔

---

[1] یہ روایتیں کنز العمال کتاب القیامۃ قسم الاقوال اور قسم الافعال میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ طبع اول دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد، جلد ۷ صفحہ ۱۸۸ و ۲۶۰

اسی موضوع سے متعلق ایک ضروری انتباہ

حضرت مہدی سے متعلق احادیث کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری معلوم ہوا کہ ان کے بارے میں اہل سنت کے مسلک و تصور اور شیعی عقیدہ کا فرق و اختلاف بھی بیان کر دیا جائے کیونکہ بعض شیعہ صاحبان ناواقفوں کے سامنے اس طرح بات کرتے ہیں گویا ظہور مہدی کے مسئلہ پر دونوں فرقوں کا اتفاق ہے، حالانکہ یہ سراسر فریب اور دھوکا ہے۔

اہل سنت کی کتب حدیث میں حضرت مہدی سے متعلق جو روایات ہیں (جن میں سے چند ان صفحات میں بھی درج کی گئی ہیں) ان کی بنیاد پر اہل سنت کا تصور ان کے بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے قریب ایک وقت آئے گا جب دنیا میں کفر و شیطنت اور ظلم و طغیان کا ایک ایسا غلبہ ہو جائے گا کہ اہل ایمان کے لئے اللہ کی وسیع زمین تنگ ہو جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ امت مسلمہ ہی میں سے ایک مرد مجاہد کو کھڑا کرے گا (ان کی بعض علامات اور صفات و خصوصیات بھی احادیث میں بیان کی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ان کے ساتھ ہو گی، ان کی جدوجہد سے کفر و شیطنت اور ظلم و عدوان کا غلبہ دنیا سے ختم ہو جائے گا، پورے عالم میں ایمان و اسلام اور عدل و انصاف کی فضا قائم ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی طریقہ پر آسمانی اور زمینی برکات کا ظہور ہو گا۔ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں دجال کا خروج ہو گا، جو ہماری اس دنیا کا سب سے بڑا اور آخری فتنہ اور اہل ایمان کے لئے سخت ترین امتحان ہو گا، اس وقت خیر اور شر کی طاقتوں میں آخری درجہ کی کشمکش ہو گی، خیر اور ہدایت کے قائد و علمبردار حضرت مہدی ہوں گے، اور شر اور کفر و طغیان کا علمبردار دجال ہو گا، پھر اسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور انہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے فتنہ کو ختم کرائے گا (نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق احادیث انشاء اللہ آگے پیش کی جائیں گی، وہیں ان کی تشریح کے ساتھ حیات مسیح علیہ السلام اور نزول مسیح علیہ السلام کے مسئلہ پر بھی بقدر ضرورت انشاء اللہ کلام کیا جائے گا۔)

الغرض حضرت مہدی کے بارے میں اہل سنت کا مسلک اور تصور یہی ہے، جو ان سطور میں عرض کیا گیا، لیکن شیعی عقیدہ اس سے بالکل مختلف ہے، اور دنیا کے عجائبات میں سے ہے، اور تنہا یہی عقیدہ جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہے، ارباب دانش کو اثنا عشری مذہب کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہاں تو صرف اہل سنت کی واقفیت کے لئے اجمال و اختصار ہی کے ساتھ اس کا ذکر کیا جا رہا ہے، اس کی کسی قدر تفصیل شیعہ مذہب کی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ اس عاجز کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مہدی کے بارے میں شیعی عقیدہ

شیعوں کا عقیدہ ہے جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سے قیامت تک کے لئے

اللہ تعالیٰ نے بارہ امام نامزد کر دیئے ہیں، ان سب کا درجہ رسول اللہ ﷺ کے برابر اور دوسرے تمام نبیوں و رسولوں سے برتر و بالا ہے۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی طرح معصوم ہیں، اور ان کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی کی طرح فرض ہے، ان سب کو وہ تمام صفات و کمالات حاصل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے، بس یہ فرق ہے کہ ان کو نبی یا رسول نہیں کہا جائے گا بلکہ امام کہا جائے گا، اور امامت کا درجہ نبوت و رسالت سے بالاتر ہے، ان کی امامت پر ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانا شرط نجات ہے، ان بارہ میں سب سے پہلے امام امیر المومنین حضرت علیؓ، ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ، ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن الحسین (امام زین العابدین) ان کے بعد اسی طرح ہر امام کا ایک بیٹا امام ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ گیارہویں امام حسن عسکری تھے، جن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی، شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ ان کی وفات سے چار پانچ سال پہلے (باختلاف روایت ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں) ان کی فرنگی کنیز (نرگس) کے بطن سے ایک بیٹے پیدا ہوئے تھے، جن کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر رکھا جاتا تھا، کوئی ان کو دیکھ نہیں پاتا تھا، اس وجہ سے لوگوں کو (خاندان والوں کو بھی ان کی پیدائش اور ان کے وجود کا علم نہیں تھا) یہ صاحبزادے اپنے والد حسن عسکری کی وفات سے صرف دس دن پہلے (یعنی ۴۔۵ سال کی عمر میں) امامت سے متعلق وہ سارے سامان ساتھ لے کر (جو امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے لے کر گیارہویں امام ان کے والد حسن عسکری تک ہر امام کے پاس رہے تھے) معجزانہ طور پر غائب اور اپنے شہر "سرمن رائی" کے ایک غار میں روپوش ہو گئے۔ اس وقت سے وہ اسی غار میں روپوش ہیں، ان کی غیبوبت اور روپوشی پر اب ساڑھے گیارہ سو برس سے بھی زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، شیعہ صاحبان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ وہی بارہویں اور آخری امام مہدی ہیں، وہی کسی وقت غار سے برآمد ہوں گے، اور دوسرے بے شمار معجزانہ اور محیر العقول کارناموں کے علاوہ وہ مردوں کو بھی زندہ کریں گے اور (معاذ اللہ) (حضرت) ابو بکرؓ، (حضرت) عمرؓ اور (حضرت) عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کو (جو شیعوں کے نزدیک ساری دنیا کے کافروں، مجرموں، فرعون و نمرود وغیرہ سے بھی بدتر درجہ کے کفار و مجرمین ہیں) ان کی قبروں سے نکال کر اور زندہ کر کے ان کو سزا دیں گے، سولی پر چڑھائیں گے، اور ہزاروں بار زندہ کر کر کے سولی پر چڑھائیں گے، اور اسی طرح ان کا ساتھ دینے والے تمام صحابۂ کرامؓ اور ان سے محبت و عقیدت رکھنے والے تمام سنیوں کو بھی زندہ کر کے سزا دی جائے گی اور رسول اللہ ﷺ اور امیر المؤمنین حضرت علیؓ اور تمام آئمہ معصومین اور خاص شیعہ محبین بھی زندہ ہوں گے اور (معاذ اللہ) اپنے ان دشمنوں کی سزا اور تعذیب کا تماشہ دیکھیں گے، گویا شیعوں کے نزدیک یہ جناب امام مہدی قیامت سے پہلے ایک قیامت برپا کریں گے، شیعہ حضرات کی خاص مذہبی اصطلاح میں اس کا نام رجعت ہے اور اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ رجعت کے سلسلہ کی شیعی روایات میں یہ بھی ہے کہ جب یہ رجعت ہو گی تو ان جناب مہدی کے ہاتھ پر سب سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ بیعت کریں گے، اس کے بعد دوسرے نمبر پر امیر المؤمنین حضرت علیؓ بیعت کریں گے، اس کے بعد درجہ بہ درجہ دوسرے حضرات بیعت کریں گے۔

یہ ہیں شیعہ حضرات کے امام مہدی، جن کو وہ القائم، الحجة اور المنتظر کے ناموں سے یاد کرتے ہیں، اور غار سے ان کے بر آمد ہونے کے منتظر ہیں اور جب ان کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے اور لکھتے ہیں عجل اللّٰہ فرجہ (اللہ جلدی ان کو باہر لے آئے)

اہل سنت کے نزدیک اول سے آخر تک یہ صرف خرافاتی داستان ہے جو اس وجہ سے گھڑی گئی ہے کہ فی الحقیقت شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری ۲۶۰ھ میں لاولد فوت ہوئے تھے، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا، اور اس سے اثنا عشریہ کا یہ عقیدہ باطل ہوتا ہے کہ امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے اور بارہواں امام آخری امام ہوگا، اور اس کے بعد دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ الغرض صرف اس غلط عقیدہ کی مجبوری سے یہ بے تکی داستان گھڑی گئی، جو غور و فکر کی صلاحیت رکھنے والے شیعہ حضرات کے لئے آزمائش کا سامان بنی ہوئی ہے۔

افسوس ہے کہ اختصار کے ارادہ کے باوجود مہدی سے متعلق شیعہ عقیدہ کے بیان میں اتنی طوالت ہوگئی، لیکن مہدی سے متعلق اہل سنت کے تصور و مسلک اور شیعی عقیدہ کے فرق و اختلاف کو واضح کرنے کے لئے یہ سب لکھنا ضروری سمجھا گیا۔

حضرت مہدی سے متعلق احادیث کی تشریح کے سلسلہ میں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے محقق اور ناقد و بصیر عالم و مصنف ابن خلدون مغربی نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف "مقدمہ" میں مہدی سے متعلق قریب قریب ان سب ہی روایات کی سندوں پر مفصل کلام کیا ہے جو اہل سنت کی کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں، اور قریباً سبھی کو مجروح اور ضعیف قرار دیا ہے، [1] اگرچہ بعد میں آنے والے محدثین نے ان کی جرح و تنقید سے پورا اتفاق نہیں کیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابن خلدون کی اس جرح و تنقید نے مسئلہ کو قابل بحث و تحقیق بنا دیا ہے۔ والمسئول من اللہ تعالیٰ ھدایة الحق والصواب۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

قیامت کی علامات کبریٰ جو احادیث نبوی ﷺ کے بیان کے مطابق دنیا کے خاتمہ کے قریب، قیامت قائم ہونے سے پہلے ظاہر ہوں گی، ان میں ایک بہت غیر معمولی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہے، ان صفحات میں تو حسب معمول اس موضوع سے متعلق بھی چند ہی حدیثیں پیش کی جائیں گی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی قریباً تمام ہی کتابوں میں مختلف سندوں سے اتنے صحابۂ کرامؓ سے نزول مسیح علیہ السلام کی حدیثیں روایت کی گئی ہیں، جن کے متعلق (ان کی صحابیت سے قطع نظر کر کے بھی از روئے عقل و عادت) یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے باہم سازش کر کے حضور ﷺ پر یہ بہتان باندھا ہے کہ آپ نے قیامت سے پہلے آسمان سے حضرت مسیح کے نازل ہونے کی خبر دی تھی، اور اسی طرح یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان سب صحابۂ کرامؓ سے آپ ﷺ کی بات سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہوگی۔ بہر حال حدیث کے ذخیرہ میں اس مسئلہ سے متعلق جو روایات ہیں، ان کو سامنے رکھنے کے بعد ہر سلیم العقل کو اس بات کا قطعی اور یقینی

---

[1] مقدمہ ابن خلدون مغربی فصل فی امر الفاطمی وما یذھب الیہ الناس فی شانہ وکشف الغطاء عن ذالک صفحہ ۲۴۶ تا ۲۶۱

علم ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی اطلاع امت کو دی تھی، اس کے لئے استاذنا حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کا مطالعہ کافی ہے، اس میں صرف اسی مسئلہ سے متعلق حدیث کی کتابوں سے منتخب کر کے ستر (۷۰) سے اوپر حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں۔

پھر احادیث نبوی ﷺ کے علاوہ قرآن مجید سے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھالیا جانا، اور پھر قیامت سے پہلے اس دنیا میں آنا ثابت ہے، اس بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے حضرت استاذ قدس سرہ کے رسالہ "عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام" کا مطالعہ کافی ہوگا۔ (ملحوظ رہے کہ حضرت استاذ قدس سرہ کے یہ دونوں رسالے عربی زبان میں ہیں۔)

اس عاجز راقم سطور کا ایک رسالہ ہے "قادیانی کیوں مسلمان نہیں ...... اور مسئلہ نزول مسیح وحیات مسیح" اس میں قریباً ۷۰ صفحات اسی مسئلہ سے متعلق لکھے گئے ہیں، اردو خواں حضرات کو اس کے مطالعہ سے بھی انشاء اللہ یہ اطمینان ویقین حاصل ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید نے اپنے معجزانہ انداز میں اور رسول اللہ ﷺ نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ قیامت کے قریب حضرت مسیح علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دی ہے۔

لیکن چونکہ اس مسئلہ کے بارے میں بہت سے لوگوں کو عقلی شبہات اور وساوس ہوتے ہیں اور قادیانی مصنفین واہل قلم نے (مرزا غلام احمد قادیانی کے لئے دعوائے مسیحیت کی گنجائش پیدا کرنے کے واسطے) اس موضوع پر چھوٹے بڑے بے گنتی رسائل اور مضامین لکھ کر شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش بھی کی ہے، اس لئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس سلسلہ کی احادیث کی تشریح سے پہلے تمہید کے طور پر کچھ اصولی باتیں عرض کر دی جائیں، امید ہے کہ ان کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ صاحب ایمان اور سلیم الفہم ناظرین کرام کو اس مسئلہ کے بارے میں وہ اطمینان ویقین حاصل ہو جائے گا، جس کے بعد کسی شبہ اور وسوسہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔ واللہ ولی التوفیق۔

مسئلہ نزول مسیح سے متعلق چند اصولی باتیں

(۱) ...... سب سے پہلی اور اہم بات جس کا اس مسئلہ پر غور وفکر کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اس کا تعلق اس ذات سے ہے جس کا وجود ہی عام سنت اللہ اور اس دنیا میں جاری قانون فطرت کے بالکل خلاف ہے، یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اس طرح پیدا نہیں ہوئے جس طرح ہماری اس دنیا میں انسان، مرد اور عورت کے ملاپ اور مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں (اور جس طرح تمام اولوالعزم پیغمبر اور ان کے خاتم وسردار حضرت محمد ﷺ بھی پیدا ہوئے تھے) بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت اور اس کے حکم سے اس کے فرشتہ جبریل امین (روح القدس) کے توسط سے اپنی ماں حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے بغیر اس کے کہ ان کو کسی مرد نے چھوا بھی ہو معجزانہ طور پر پیدا کئے گئے، اسی لئے قرآن مجید

میں ان کو "اللہ کا کلمہ" بھی کہا گیا ہے، قرآن مجید نے سورۂ آل عمران کی آیات ۴۵، ۵۱ میں اور سورۂ مریم کی آیات ۱۹ تا ۲۳ میں ان کی معجزانہ پیدائش کا حال تفصیل سے بیان فرمایا ہے (اور انجیل کا بیان بھی یہی ہے، اور اسی کے مطابق ساری دنیا کے مسلمانوں اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔)

ایسی ہی ایک دوسری عجیب بات قرآن مجید نے اس بارے میں یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم و کلمہ سے معجزانہ طور پر مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہوئے (جو کنواری تھیں اور ان کا کسی مرد سے نکاح نہیں ہوا تھا) اور وہ ان کو اپنی گود میں لئے بستی میں آئیں اور برادری اور بستی کے لوگوں نے ان کے بارے میں اپنے گندے خیالات کا اظہار کیا اور معاذ اللہ اس نو مولو بچے کو ولد الزنا سمجھا، تو اسی نو مولود بچہ (عیسیٰ بن مریم) نے اللہ کے حکم سے اسی وقت کلام کیا اور اپنے بارے میں اور حضرت مریم علیہا السلام کی پاکبازی کے بارے میں بیان دیا۔ (سورۂ مریم آیات ۲۷ تا ۳۰)

پھر قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے حکم سے ان کے ہاتھوں پر انتہائی محیر العقول معجزے ظاہر ہوئے کہ وہ مٹی کے گوندے سے پرندہ کی شکل بناتے، پھر اس پر پھونک مار دیتے تو وہ زندہ پرندہ کی طرح فضا میں اڑ جاتا، اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں پر ہاتھ پھیر دیتے یا دم کر دیتے تو وہ فوراً اچھے بھلے ہو جاتے، اندھوں کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور کوڑھیوں کے جسم پر کوئی اثر اور داغ دھبہ بھی نہیں رہتا اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کر کے دکھا دیتے۔ ان کے ان محیر العقول معجزوں کا بیان بھی قرآن مجید (سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ) میں تفصیل اور وضاحت سے فرمایا گیا ہے اور انجیل میں بھی ان معجزات کا ذکر کچھ اضافہ ہی کے ساتھ کیا گیا، اور عیسائی دنیا کا عقیدہ بھی اسی کے مطابق ہے۔

پھر قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا اور آپ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ایمان اور ایمانی زندگی کی دعوت دی تو آپ کی قوم کے لوگوں نے ان کو جھوٹا مدعی نبوت قرار دے کر سولی کے ذریعہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا، [1] اور اپنے خیال میں انہوں نے اس فیصلہ کا نفاذ بھی کر دیا، اور سمجھ لیا کہ ہم نے عیسیٰ کو سولی پر چڑھا کے موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوا۔ (انہوں نے جس شخص کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھایا وہ دوسرا شخص تھا) عیسیٰ علیہ السلام کو تو وہ یہودی پا ہی نہ سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا، اور وہ قیامت سے پہلے اللہ کے حکم سے پھر اس دنیا میں آئیں گے، اور یہیں وفات پائیں گے اور ان کی وفات سے پہلے اس وقت کے تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان سے دین محمدی کی خدمت لے گا، اور ان کا نزول ہونا قیامت کی ایک خاص علامت اور نشانی ہوگا۔ (یہ سب سورۂ نساء اور سورۂ زخرف میں بیان فرمایا گیا ہے [2]۔)

---

[1] تورات کے قانون اور اسرائیلی شریعت میں نبوت و رسالت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کی یہی سزا تھی جس طرح اسلامی شریعت میں بھی جھوٹا مدعی نبوت سزاوارِ قتل ہے۔

[2] سورۂ نساء اور سورۂ زخرف کی جن آیات میں یہ بیان فرمایا گیا ہے، ان کی تشریح و تفسیر راقم سطور..... (جاری ہے)

پس جو اہل ایمان قرآن پاک کے بیان کے مطابق ان کی معجزانہ پیدائش اور ان کے مذکورہ بالا محیر العقول معجزات پر ایمان لا چکے ہیں، ان کو بحکم خداوندی آسمان پر ان کے اٹھالئے جانے اور اسی کے حکم سے مقرر کئے ہوئے وقت پر آسمان پر نازل ہونے کے بارے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

الغرض سب سے پہلی اور اہم بات جس کا اس مسئلہ نزول مسیح پر غور و فکر کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نرالی شخصیت اور ان کی مذکورۂ بالا وہ خصوصیات ہیں جو قرآن پاک کے حوالہ سے سطور بالا میں ذکر کی گئیں اور جن میں وہ انسانی دنیا میں منفرد ہیں۔

(۲)...... اسی طرح کی ایک دوسری یہ بات بھی اس مسئلہ پر غور کرتے وقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جس کی اطلاع قرآن مجید میں بالاجمال اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دی گئی ہے، اس وقت ہوگا جبکہ قیامت بالکل قریب ہو گی، اور اس کی قریب ترین علامات کبریٰ کا ظہور شروع ہو چکا ہو گا۔ مثلاً آفتاب کا بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونا اور دابۃ الارض کا خارق عادت طریقہ پر زمین سے پیدا ہونا اور وہ کرنا جس کا ذکر صحیح احادیث میں ہے۔ گویا اس وقت قیامت کی صبح صادق ہو چکی ہو گی اور نظام عالم میں تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہو گا اور لگاتار وہ خوارق و حوادث رونما ہوں گے جن کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (انہیں میں سے دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہو گا)

پس عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یا دجال کے خروج و ظہور کا اس بناء پر انکار کرنا کہ ان کی جو نوعیت اور تفصیل حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ ہماری عقل میں نہیں آتی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قیامت اور جنت دوزخ کا اس وجہ سے انکار کر دیا جائے کہ ان کی جو تفصیلات خود قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی ہیں، ان کو ہماری عقلیں ہضم نہیں کر سکتیں، جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ وہ خداوند قدوس کی معرفت سے محروم اور اس کی قدرت کی وسعت سے ناآشنا ہیں۔

(۳)...... مسئلہ حیات مسیح و نزول مسیح علیہ السلام پر غور کرتے وقت ایک تیسری بات یہ بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرآن مجید کے بیان اور ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہماری اس دنیا میں نہیں ہیں، جہاں کا عام فطری نظام یہ ہے کہ آدمی کھانے پینے کی جیسی ضروریات اور تقاضوں سے بے نیاز نہیں ہوتا، بلکہ وہ عالم سمٰوات میں ہیں، جہاں اس طرح کی کوئی ضرورت اور کوئی تقاضا نہیں ہوتا، جیسا کہ فرشتوں کا حال ہے، حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ ماں کی طرف سے انسانی نسل ہیں، لیکن ان کی پیدائش اللہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

کے رسالہ "قادیانی کیوں مسلمان نہیں اور مسئلہ نزول مسیح و حیات مسیح علیہ السلام" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (صفحہ ۹۴ تا ۱۲۰) امید ہے کہ ان کے مطالعہ سے ہر سلیم الفطرت صاحب ایمان کو انشاء اللہ اطمینان ہو جائے گا کہ ان آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالئے جانے اور آخری زمانے میں پھر اس دنیا میں نازل کئے جانے کا بیان فرمایا گیا ہے، اور ان کے اس نزول کو قیامت کی علامت اور نشانی بتلایا گیا ہے۔ ۱۲

تعالیٰ کے "کلمہ" سے اس کے فرشتے روح القدس کے توسط سے ہوئی، اس لئے وہ جب تک ہماری انسانی دنیا میں رہے، انسانی ضروریات اور تقاضے بھی ان کے ساتھ رہے، لیکن جب وہ انسانی دنیا سے عالم سمٰوات اور عالم ملکوت کی طرف اٹھالئے گئے تو وہ ان ضروریات اور تقاضوں سے فرشتوں ہی کی طرح بے نیاز ہو گئے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب ہے "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" (جو دراصل عیسائیوں کے رد میں لکھی گئی ہے) اس میں ایک جگہ گویا اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ "حضرت مسیح علیہ السلام جب آسمان پر ہیں تو ان کے کھانے پینے جیسی ضروریات کا کیا انتظام ہے؟" شیخ الاسلام نے تحریر فرمایا ہے:

فليست حاله كحالة اهل الارض فى الاكل والشرب واللباس والنوم والغائط والبول ونحو ذالك. [1]

ترجمہ: (وہاں آسمان پر) کھانے پینے اور لباس اور سونے کی جیسی ضروریات اور تقاضوں کے معاملہ میں ان کا حال زمین والوں کا سا نہیں ہے (وہاں وہ فرشتوں کی طرح ان چیزوں سے بے نیاز ہیں۔)

امید ہے کہ ان اصولی باتوں کو پیش نظر رکھا جائے گا تو حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و نزول کے بارے میں وہ شبہات اور وساوس انشاء اللہ پیدا نہ ہوں گے جو عقلوں کی خامی، ایمان کے ضعف اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت سے ناآشنائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ کیا جائے۔

۸۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَنْزِلَ فِيْكُمْ اِبْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيْضُ الْمَالُ حَتّٰى لَايَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰى تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ" الاية (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یقیناً قریب ہے کہ نازل ہوں گے تم میں (یعنی مسلمانوں میں) عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے، پھر توڑ دیں گے وہ صلیب کو، اور قتل کرائیں گے خنزیروں کو اور ختم کر دیں گے جزیہ، اور کثرت و بہتات ہو گی مال کی، یہاں تک کہ کوئی قبول نہیں کرے گا اس کو، تا آنکہ ہو گا اس وقت ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر...... پھر کہتے تھے ابوہریرہؓ کہ اگر (قرآن سے اس کا ثبوت چاہو تو) پڑھو (سورۂ نساء کی یہ آیت) "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ"...... الاية (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) "اور سب ہی اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ضرور بالضرور ایمان لے آئیں گے، اور قیامت کے دن وہ ان کے بارے میں شہادت دیں گے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور ان کے چند اہم اقدامات

[1] الجواب الصحيح. ج ۲ صفحه ۲۸۰

اور کارناموں کا ذکر فرمایا، اور امت کو اس کی اطلاع دی ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ غیر معمولی تھا اور بہت سے کوتاہ عقل اور ضعیف الایمان لوگوں کو اس میں شک شبہ ہو سکتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو قسم کے ساتھ ذکر فرمایا، سب سے پہلے فرمایا "وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِه" (اس خداوند پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے) اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا "لَيُوْشِكَنَّ" یقیناً قریب ہے) یہ بھی نزول مسیح علیہ السلام کے یقینی اور قطعی ہونے کی ایک تعبیر ہے، جس طرح قرآن مجید میں قیامت کے بارے میں فرمایا گیا، "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" (قیامت قریب ہی ہے) مطلب یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں سمجھنا چاہئے کہ بس آنے ہی والی ہے، بہرحال قسم کے بعد "لَيُوْشِكَنَّ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو اطلاع دی جارہی ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔

قسم اور "لَيُوْشِكَنَّ" کے ذریعہ مزید تاکید کے بعد جو اطلاع رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس ارشاد میں دی، اس کو واضح اور عام فہم الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ یقیناً یہ ہونے والا ہے کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم اللہ کے حکم سے عادل حاکم کی حیثیت سے تم مسلمانوں میں (یعنی اس وقت ان کی حیثیت مسلمانوں ہی میں کے ایک عادل حاکم اور امیر کی ہوگی) اور وہ اپنی حاکمانہ حیثیت سے جو اقدامات کریں گے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صلیب جو بت پرستوں کے بتوں کی طرح عیسائیوں کا گویا "بت" بن گئی ہے، اور جس پر ان کے انتہائی گمراہ کن اور موجب کفر عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، اس کو توڑ دیں گے، توڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو تعظیم اور ایک طرح کی پرستش عیسائیوں میں ہو رہی ہے، اس کو ختم کر دیں گے۔ الغرض "صلیب شکنی" کا مطلب وہی سمجھنا چاہئے جو ہماری زبان میں "بت شکنی" کا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح کا ایک دوسرا اقدام ان کا یہ ہوگا کہ خنزیروں کو قتل کرائیں گے، عیسائیوں کی ایک بڑی گمراہی اور دین عیسوی میں ایک بڑی تحریف یہ بھی ہے کہ خنزیر (جو تمام آسمانی شریعتوں میں حرام ہے) اس کو انہوں نے جائز کر لیا ہے، بلکہ وہ ان کی مرغوب ترین غذا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف یہ کہ اس کی حرمت کا اعلان فرمائیں گے بلکہ اس نسل ہی کو نیست و نابود کر دینے کا حکم دیں گے، اس کے علاوہ ان کا ایک خاص اقدام یہ بھی ہوگا کہ وہ جزیہ کے خاتمہ کا اعلان فرما دیں گے۔ (جب رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فیصلہ اور اعلان اسی کی بنیاد پر ہوگا، اپنی طرف سے اسلامی شریعت و قانون میں تبدیلی نہیں ہوگی) آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں مال و دولت کی ایسی کثرت اور بہتات ہوگی کہ کوئی کسی کو دینا چاہے گا تو وہ لینے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا، دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور اس کے مقابلہ میں آخرت کے اجر و ثواب کی طلب و رغبت اللہ کے بندوں میں اس درجہ پیدا ہو جائے گی کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک سجدہ زیادہ عزیز اور قیمتی سمجھا جائے گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ "فاقرء وا ان شئتم الخ" مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کے نازل ہونے کا بیان قرآن میں پڑھنا چاہو تو سورۂ نساء کی یہ آیت "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ

مَوْتِه الاٰیة (سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۵۹) پڑھو۔

۹۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا، اس وقت جب نازل ہوں گے تم میں عیسیٰ ابن مریم اور امام تمہارے ہوں گے، تم میں سے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... بظاہر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت حالات بہت غیر معمولی ہوں گے، جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث اور اس موضوع سے متعلق دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، حدیث کے آخری جز "وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اس وقت عیسیٰ بن مریم کی حیثیت یہ ہوگی کہ (اگلے زمانے کے ایک نبی و رسول ہونے کے باوجود) تم میں کے یعنی تم مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد کی حیثیت سے تمہارے امام اور امیر ہوں گے، اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں "وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ" کی جگہ "فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ" ہے اور اس کے ایک راوی ابن ابی ذئب نے اس کی شرح ان الفاظ میں کی ہے "فَاَمَّکُمْ بِکِتَابِ رَبِّکُمْ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِیِّکُمْ ﷺ" یعنی عیسیٰ بن مریم نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کے امام و حاکم ہوں گے اور وہ امامت و حکومت قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق کریں گے، اس تشریح کے مطابق اس حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کی امامت سے مراد صرف نماز کی امامت نہیں بلکہ امامت عامہ مراد ہے۔ یعنی امت کی دینی و دنیوی قیادت و سربراہی اور حاکمانہ حیثیت۔ گویا اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے نائب و خلیفہ ہوں گے۔

۹۱) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ قَالَ فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ فَیَقُوْلُ اَمِیْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَیَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَکْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ** — (رواه مسلم)

ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو حق کے لئے لڑتی رہے گی، اور کامیاب رہے گی، اسی سلسلہ کلام میں آگے آپ نے فرمایا کہ پھر نازل ہوں گے عیسیٰ بن مریم، تو مسلمانوں کے اس وقت کے امیر و امام ان سے کہیں گے کہ آپ نماز پڑھائیے تو عیسیٰ بن مریم فرمائیں گے نہیں (یعنی میں اس وقت امام بن کر نماز نہیں پڑھاؤں گا) تمہارے امیر و امام تم ہی میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث کے پہلے جز میں تو رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے ہو چکا ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو حق پر ہوگی اور حق کے لئے حسب حالات

وضرورت دشمنان حق سے لڑتی رہے گی، اور کامیاب رہے گی، حدیث کے شارحین نے لکھا ہے کہ دین حق کی حفاظت وبقا اور فروغ کے لئے یہ لڑائی مسلح جنگ کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، اور زبان و قلم اور دلائل و براہین سے بھی، اور دین حق کی اس طرح حفاظت اور اس کے فروغ کی جدوجہد کرنے والے سب ہی باتوفیق بندے دین حق کے سپاہی اور مجاہد فی سبیل الحق ہیں، اور بلاشبہ کوئی زمانہ ایسے بندگان خدا سے خالی نہیں رہا، اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہو چکا ہے، حدیث کے دوسرے جز میں رسول اللہ ﷺ نے بطور پیشین گوئی و آگاہی یہ اطلاع دی ہے کہ قیامت کے قریب آخری زمانے میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، وہ نماز کا وقت ہوگا تو اس وقت مسلمانوں کے جو امام و امیر ہوں گے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ آپ تشریف لے آئے، اب آپ ہی نماز پڑھائیں، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز کی امامت کرنے سے انکار کردیں گے اور فرمائیں گے کہ نماز آپ ہی پڑھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جو خاص اعزاز بخشا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا امام انہی میں سے ہو۔

سنن ابن ماجہ میں حضرات ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے خروج دجال اور نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے (یعنی دجال کے فتنہ سے حفاظت اور اس کے مقابلہ کے لئے مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے) فجر کی نماز کا وقت ہوگا اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے ہوں گے، ان کے امام جو ایک "مرد صالح" ہوں گے، (ہو سکتا ہے کہ وہ جناب مہدی ہوں) نماز پڑھانے کے لئے امام کی جگہ کھڑے ہو جائیں گے، اور اقامت کہی جاچکی ہوگی اس وقت اچانک عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں گے تو مسلمانوں کے جو امام و امیر نماز پڑھانے کے لئے آگے کھڑے ہو چکے ہوں گے، وہ پیچھے ہٹنے لگیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ اب نماز آپ پڑھائیں (کیونکہ بہتر یہی ہے کہ جماعت میں جو سب سے افضل ہو وہی امامت کرے اور نماز پڑھائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اگلے زمانے میں اللہ کے نبی و رسول تھے بلاشبہ سب سے افضل ہوں گے، اس لئے اس وقت کے مسلمانوں کے امام امامت کے مصلے سے پیچھے ہٹ کر ان سے درخواست کریں گے کہ اب جبکہ آپ تشریف لے آئے تو نماز آپ ہی پڑھائیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت نماز پڑھانے سے انکار کردیں گے، اور فرمائیں گے کہ نماز آپ ہی پڑھائیں، کیونکہ آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے اس وقت جماعت کھڑی ہوئی ہے اور اقامت کہی جاچکی ہے۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد یہ پہلی نماز ہوگی اور وہ یہ نماز رسول اللہ ﷺ کے ایک امتی کے مقتدی بن کر ادا کریں گے، اور خود امامت سے انکار فرمادیں گے۔ وہ ایسا اس لئے کریں گے کہ ابتداء ہی میں عمل سے بھی یہ بات ظاہر ہو جائے کہ اگلے زمانے کے جلیل القدر نبی و رسول ہونے کے باوجود اس وقت وہ امت محمدیہ کے افراد کی طرح شریعت محمدی کے متبع ہیں، اور اب دنیا کے خاتمہ تک شریعت محمدی ہی کا دور ہے۔

۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ (یعنی عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَام) نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَی الْحُمْرَةِ وَالْبَیَاضِ بَیْنَ مُمَصَّرَتَیْنِ کَاَنَّ رَاْسَہٗ یَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ یُصِبْهُ بَلَلٌ فَیُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَیَدُقُّ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُهْلِكُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَیُهْلِكُ الْمَسِیْحُ الدَّجَّالَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ثُمَّ یُتَوَفّٰی فَیُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے، اور ان کے ساتھ اپنا خاص تعلق بیان فرماتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں (ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی نبی ورسول بنا کر بھیجا ہے) اور یقیناً وہ (میرے دور نبوت میں قیامت سے پہلے) نازل ہونے والے ہیں، تم جب ان کو دیکھو تو پہچان لیجیو، وہ میانہ قد ہوں گے، ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہوگا، وہ زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ہوں گے، ایسا محسوس ہوگا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں اگرچہ سر کو تر نہ کیا گیا ہوگا، وہ نازل ہونے کے بعد اسلام کے لئے جہاد و قتال کریں گے، وہ صلیب کو پاش پاش کردیں گے اور خنزیروں کو نیست و نابود کرائیں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے، اور ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا ساری ملتوں اور مذہبوں کو ختم کردیں گے، اور حضرت مسیح علیہ السلام دجال کا خاتمہ کردیں گی، اس کو فنا کردیں گے، پس وہ اس زمین اور اس دنیا میں چالیس سال رہیں گے، پھر یہیں وفات پائیں گے، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی اطلاع کے ساتھ ان کی بعض ظاہری علامتیں بھی بیان فرمائیں، ایک یہ کہ نہ تو وہ زیادہ دراز قد ہوں گے نہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد ہوں گے، دوسری یہ کہ ان کا رنگ سرخ و سفید ہوگا، تیسری یہ کہ ان کا لباس ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے ہوں گے، چوتھی یہ کہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوگا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، حالانکہ ان کے سر پر پانی نہ پڑا ہوگا، وہ تو اسی وقت آسمان سے اترے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے صاف شفاف ہوں گے اور ان کے سر کے بالوں کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے کہ ابھی غسل فرما کے تشریف لا رہے ہیں۔

یہ چند ظاہری علامتیں بتلانے کے بعد آپ ﷺ نے ان کے خاص اقدامات اور کارناموں کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ کی پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین حق اسلام کی دعوت دیں گے (جس کی دعوت اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے سب پیغمبروں نے دی ہے) اور ان کا آسمان سے نازل ہو کر دین اسلام کی دعوت دینا اس کے دین حق ہونے کی ایسی روشن دلیل ہوگی جس کے بعد اس کو قبول کرنے سے صرف وہی بدبخت اور سیاہ باطن لوگ انکار کریں گے جن کے دلوں میں حق سے عناد ہوگا، اور اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہی نہ ہوگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو بھی دین حق اور اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لئے بالآخر طاقت استعمال فرمائیں گے، اور جہاد و قتال کریں گے، اس کے علاوہ دو

اقدام ان کے خاص طور سے ان کے نام لیوا عیسائیوں سے متعلق ہوں گے، ایک یہ کہ وہ صلیب کو پاش پاش کردیں گے، جس کو عیسائیوں نے اپنا شعار اور گویا معبود بنالیا ہے، اور جس پر ان کے انتہائی گمراہانہ عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، اس کے ذریعہ اس حقیقت کا بھی اظہار ہوگا کہ وہ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے، اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں فرقوں کا عقیدہ غلط باطل ہے۔ حق وہ ہے جس کا اعلان قرآن پاک میں کیا گیا ہے اور جو امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔ اپنے نام لیوا عیسائیوں سے ہی متعلق دوسرا اقدام ان کا یہ ہوگا کہ وہ خنزیروں کو نیست ونابود کرائیں گے، جن کو عیسائیوں نے اپنے لئے حلال قرار دے لیا ہے، حالانکہ وہ تمام آسمانی شریعتوں میں حرام رہا ہے، اس کے بعد حدیث شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کے اس اقدام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ جزیہ لینا موقوف اور ختم کردیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر ظاہر فرمادیا کہ ہماری شریعت میں جزیہ کا قانون نزول مسیح کے وقت تک کے لئے ہے، جب وہ نازل ہوجائیں گے اور آپ کے خلیفہ کی حیثیت سے امت مسلمہ کے سربراہ اور حاکم ہوں گے، تو جزیہ کا قانون ختم ہوجائے گا، (اس کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غیر معمولی برکات ہوں گی تو حکومت کو جزیہ وصول کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی جو ایک طرح کا ٹیکس ہے) اس کے بعد حدیث شریف میں ان کے دو اہم کارناموں کا ذکر فرمایا گیا ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ دین حق اسلام کے سوا دوسرے تمام باطل مذہبوں اور ملتوں کو ختم فرمادے گا، سب ایمان لے آئیں گے، اور اسلام قبول کرلیں گے، اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہی کے ہاتھ سے دجال کو ہلاک کرا کے جہنم واصل کرے گا، اور دنیا دجال کے اس فتنہ سے نجات پائے گی، جو اس دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا، آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسیح علیہ السلام نازل ہونے کے بعد اس دنیا اور اس زمین میں چالیس سال رہیں گے، اس کے بعد یہیں وفات پائیں گے، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہاں نقل کی گئی اور یہاں تک اس کی تشریح کی گئی یہ مسند امام احمد میں بھی ہے، اور اس میں کچھ اضافہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد اور ان کے زمانہ حکومت وخلافت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خارق عادت برکات ہوں گی ان میں سے ایک یہ بھی ہوگی کہ شیر، بھیڑیئے وغیرہ درندوں کی فطرت بدل جائے گی، بجائے درندگی کے ان میں سلامتی آجائے گی، شیر، چیتے، اونٹوں، گایوں، بیلوں کے ساتھ اسی طرح بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ گھومیں گے، کوئی کسی پر حملہ نہیں کرے گا، اسی طرح چھوٹے بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور سانپ کسی کو نہیں ڈسے گا، اور کسی سے کسی کو ایذا نہیں پہنچے گی، یہ خوارق اور درندوں کی فطرت تک میں یہ انقلاب اس کی علامت ہوگا کہ یہ دنیا اب تک جن نظام کے ساتھ چل رہی تھی، اب وہ ختم ہونے والا ہے، اور قیامت قریب ہے، اور اس کے بعد آخرت والا نظام چلنے والا ہے، جیسا کہ راقم سطور نے تمہیدی اصولوں کے ضمن میں عرض کیا تھا، اس وقت کو روز قیامت کی صبح صادق سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت پر جس کا ایمان ہو، اس کے لئے ان میں سے کوئی بات بھی ناقابل فہم اور ناقابل یقین نہیں۔

۹۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَيَمْكُثُ خَمْسًا وَّاَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِىَ فِىْ قَبْرِىْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فِىْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَيْنَ اَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (رواه ابن الجوزی فی کتاب الوفا)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہوں گے، وہ یہاں آکر نکاح بھی کریں گے، اور ان کی اولاد بھی ہو گی، اور وہ پینتالیس سال رہیں گے۔ پھر ان کی وفات ہو جائے گی، وفات کے بعد ان کو میرے ساتھ (اس جگہ جہاں میں دفن کیا جاؤں گا) دفن کیا جائے گا، پھر جب قیامت قائم ہو گی تو میں اور عیسیٰ بن مریم ابو بکر و عمر کے درمیان قبر کی اسی جگہ سے اٹھیں گے۔ (کتاب الوفا ابن الجوزی)

تشریح یہ مسلمات میں سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ہماری دنیا میں تھے، تو انہوں نے یہاں پوری زندگی تجرد کی گزاری، نکاح نہیں کیا، حالانکہ نکاح اور تزوج انسان کی فطری ضروریات میں سے ہیں، اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں، اسی لئے جہاں تک معلوم ہے، ان سے پہلے اللہ کے تمام پیغمبروں نے اور ان کے بعد آنے والے خاتم النبیین ﷺ نے بھی نکاح کیا ہے، ابن الجوزی کی کتاب الوفا کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ نزول کے بعد کی یہاں کی زندگی میں وہ نکاح بھی کریں گے، اور اولاد بھی ہو گی۔ آگے اس روایت میں ان کے قیام کی مدت پینتالیس سال بیان کی گئی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا روایت (جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے اوپر نقل کی گئی ہے) نزول کے بعد ان کی مدت قیام چالیس سال بتلائی گئی ہے، بعض اور روایات میں بھی ان کی مدت قیام چالیس سال ہی بیان فرمائی گئی ہے، بعض شارحین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ چالیس والی روایات میں اوپر کا عدد حذف کر دیا گیا ہے اور عربی محاورات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسر حذف کر دی جاتی ہے، واللہ اعلم۔ روایت کے آخری حصہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہیں وفات پائیں گے، اور جہاں میں دفن کیا جاؤں گا وہیں وہ بھی دفن کئے جائیں گے، اور جب قیامت قائم ہو گی تو میں اور وہ ساتھ ہی اٹھیں گے اور ابو بکر و عمر بھی دائیں بائیں ہمارے ساتھ ہوں گے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر مستقبل کی جو بہت سی باتیں منکشف کی گئی تھیں، جن کی آپ ﷺ نے امت کو اطلاع دی، ان میں سے یہ بھی تھی کہ جس جگہ میں دفن کیا جاؤں گا، وہیں میرے بعد میرے دونوں خاص رفیق ابو بکر و عمر بھی دفن کئے جائیں گے۔ اور آخری زمانے میں جب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور یہیں وفات پائیں گے تو ان کو بھی اس جگہ میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے گا اور جب قیامت قائم ہو گی تو ہم دونوں ساتھ اٹھیں گے اور ابو بکر و عمر ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ شریفہ میں ہوئی تھی، اور آپ کے ایک ارشاد کے مطابق اسی جگہ آپ دفن کئے گئے، اس کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو وہ بھی وہیں برابر میں دفن کئے گئے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ

عنہ شہید کئے گئے تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رضا اور اجازت سے وہ بھی وہیں صدیق اکبرؓ کے برابر میں دفن کئے گئے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حجرہ شریفہ میں ایک قبر کی جگہ اسکے بعد بھی باقی رہی، پھر سبط اکبر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تو لوگوں نے چاہا کہ انکو وہاں دفن کیا جائے۔ ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رضامندی اور اجازت دے دی، لیکن اس وقت اموی حکومت کے جو حکام مدینہ منورہ میں تھے وہ مانع ہوئے (غالباً اس وجہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہیں کیا گیا۔)

پھر جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) تب بھی یہی ہوا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انکی تدفین کی اجازت دے دی، لیکن وہ بھی وہاں دفن نہیں کئے جاسکے۔ پھر جب خود ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مرض وفات پر ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو اس جگہ دفن کیا جائے، تو انہوں نے فرمایا کہ بقیع میں جہاں حضور ﷺ کی دوسری ازواج مطہرات مدفون ہیں، مجھے بھی انکے ساتھ بقیع ہی میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہ وہیں دفن کی گئیں، بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد روضہ اقدس میں ایک قبر کی جو خالی جگہ رہی تھی، وہ خالی ہی ہے، اور مندرجہ بالا روایت کیمطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہونیکے بعد وفات پائیں گے تو وہیں دفن کئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی ہیں۔ یہ پہلے یہودی تھے، اور تورات اور قدیم آسمانی صحیفوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ جامع ترمذی میں ان کا یہ بیان روایت کیا ہے، جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ترمذی ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

۹۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهُ — (جامع ترمذی. مشکوۃ المصابیح)

ترجمہ: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ تورات میں حضرت محمد ﷺ کا حال بیان کیا گیا ہے (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے ساتھ (یعنی ان کے قریب ہی) دفن کئے جائیں گے۔

امام ترمذی کی سند میں اس حدیث کے راویوں میں ایک ابو مودود ہیں، امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ ان ابو مودود کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے، وقد بقي في البيت موضع قبر (یعنی حجرہ شریفہ میں (جواب روضۂ مقدسہ ہے) ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

کیا عجب بلکہ قرین قیاس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قبر کی جگہ خالی رہنے کا تکوینی انتظام اسی لئے ہوا ہو کہ اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مدفون ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۵) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَلْيَقْرَئْهُ مِنِّي السَّلَامَ — (رواہ الحاکم فی المستدرک)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی عیسیٰ

بن مریم علیہ السلام کو پائے، وہ ان کو میرا سلام پہنچائے۔ (مستدرک حاکم)

تشریح ...... اس مضمون کی ایک اور حدیث مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے، اور مسند احمد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ "اِقْرَؤُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ السَّلَامَ" (تم لوگ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو پاؤ تو انکو رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچائیو) اور مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد بیان کرنے کے بعد حاضرین مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی طرف سے فرمایا:

"اَيْ بَنِيْ اَخِيْ اِنْ رَاَيْتُمُوْهُ فَقُوْلُوْا اَبُوْهُرَيْرَةَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ" (اے میرے بھتیجو[1] اگر تم عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو تو میری طرف سے ان سے عرض کیجیو کہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے آپکو سلام کہا ہے۔)

حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول سے متعلق یہاں صرف سات حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور ان کی بقدر ضرورت ہی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے (جیسا کہ اس سلسلہ "معارف الحدیث" میں راقم السطور کا عام معمول رہا ہے۔)

ابتدائی تمہیدی سطروں میں استاذنا امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کا ذکر کیا جاچکا ہے، اس میں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق حدیث کی صرف مطبوعہ کتابوں سے مختلف صحابۂ کرامؓ کی روایت کی ہوئی پچھتر حدیثیں جمع فرمائی ہیں۔

یہ مختلف اوقات اور مختلف مجلسوں میں فرمائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں، جن میں آپ ﷺ نے آخر زمانے میں قیامت سے پہلے جبکہ دجال کا خروج ہو چکا ہو گا جو آپ ﷺ کی امت کے لئے عظیم ترین فتنہ ہو گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی اور ان کے ان اہم اقدامات اور کارناموں کی امت کو خبر دی ہے، جن کا خاص تعلق آپ ﷺ کی امت سے ہو گا، اس رسالہ میں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث نبویہ کے علاوہ اسی مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق حضرات صحابہ و تابعین کے ۲۶ ارشادات بھی حدیث کی کتابوں سے جمع فرمادیئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری زمانے میں حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے کی امت کو خبر دینا ایسے تواتر سے ثابت ہے کہ اس میں کسی تاویل اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں، نیز یہ کہ حضرات صحابۂ کرامؓ اور ان کے بعد حضرات تابعینؒ کا عقیدہ بھی یہی تھا، اور انہوں نے قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے یہی سمجھا تھا۔ بلاشبہ حضرت استاذؒ کا یہ رسالہ اس مسئلہ میں حجت قاطعہ ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ

---

[1] عرب کے لوگ جب اپنے سے بڑے سے بات کرتے ہیں تو ادب و احترام کے طور پر کہتے ہیں "یا عم" (اے چچا جان) اور جب چھوٹوں سے بات کرتے ہیں تو شفقت اور پیار کے طور پر کہتے ہیں "یا ابن اخی" (اے میرے بھتیجے)

کتاب المناقب والفضائل

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جو علم و معارف عطا ہوئے اور آپ کے ذریعے امت کو ملے، جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اور مختلف ابواب میں منقسم ہیں، ان میں سے ایک مناقب و فضائل کا باب بھی ہے، حدیث کی قریباً سبھی کتابوں میں "کتاب المناقب" یا "ابواب المناقب" جیسے عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات روایت کئے گئے ہیں جن میں آپ نے بعض خاص اشخاص و افراد، یا خاص طبقات کے وہ مناقب و فضائل بیان فرمائے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمائے...... یہ باب بعض پہلوؤں سے حدیث کے اہم ابواب میں سے ہے...... اس میں امت کے لئے ہدایت کا بہت بڑا سامان ہے...... آج بنام خدا اس باب کی احادیث کی تشریح کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے، اور اس کا آغاز چند ان حدیثوں کی تشریح سے کیا جارہا ہے، جن میں رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے رب کریم کے خصوصی انعامات کا اور ان مقامات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے، جن پر آپ کو فائز کیا گیا تھا، ساتھ ہی انشاءاللہ آپ ﷺ کے شمائل و خصائل اور خاص احوال سے متعلق احادیث بھی تشریح کے ساتھ نذر ناظرین کی جائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ کے فضائل اور مقاماتِ عالیہ

۹۶) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ ادم يوم القيامة واول من ينشق عنه القبرو اول شافع واول مشفع. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سید (سردار) ہوں گا، اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا، جس کی قبر شق ہوگی (یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، اور میں سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا) اور میں شفاعت کرنے والا پہلا شخص ہوں گا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلے شفاعت کی اجازت مجھے ملے گی اور سب سے پہلے میں ہی اس کی بارگاہ میں شفاعت کروں گا) اور میں ہی وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایک خاص انعام یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پوری نسل میں (جس میں تمام انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں) مجھے سب سے اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے، مجھے سب کا سید و آقا بنایا ہے...... اس کا پورا ظہور جس کو سب آنکھوں سے دیکھیں گے قیامت کے دن ہوگا اور اسی دن اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی انعام کا بھی ظہور ہوگا کہ جب مردوں کے قبر سے اٹھنے کا وقت آئے گا تو بحکم خداوند سب سے پہلے میری قبر اوپر سے شق ہوگی اور میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا، اور پھر جب شفاعت کا دروازہ کھلنے کا وقت آئے گا تو باذنِ خداوندی سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور میں ہی پہلا وہ شخص ہوں گا جس

کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف قبول حاصل ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ اس طرح کے عظیم خداوندی انعامات کا اظہار اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اس لئے بھی فرماتے تھے کہ امت آپ ﷺ کے مقام عالی سے واقف ہو اور اس کے قلب میں آپ ﷺ کی وہ عظمت اور محبت پیدا ہو جو ہونی چاہئے اور پھر دل میں آپ ﷺ کی اتباع کا جذبہ اور داعیہ ابھرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کے شکر کی توفیق ہو کہ اس نے ایسے عظیم المرتبت پیغمبر کا امتی بنایا...... الغرض آپ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات تحدیث نعمت اور شکر نعمت کے علاوہ امت کی ہدایت وتربیت کے اسباق بھی ہیں۔

یہاں ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے متعدد حدیثیں اس مضمون کی مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں پیغمبر پر مجھے فضیلت نہ دی جائے، آپ کے اس طرح کے ارشادات کا مطلب (جو شارحین نے لکھا ہے اور خود ان حدیثوں کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی پیغمبر کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کر کے ان کو کمتر ثابت کرنے کی بات نہ کی جائے، اس میں ان کی کسر شان اور سوء ادب کا اندیشہ ہے...... ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (یہ ہمارے رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت اور برتری دی ہے) اور قرآن مجید میں متعدد آیتیں ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، مثلاً "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝" اور "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ...... الاٰية" وغيرها

۹۷) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِىْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِىٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِىْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تمام بنی آدم کا سید (سردار) ہوں گا اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور تمام انبیاء علیہم السلام، آدمؑ اور ان کے سوا بھی سب انبیاء و مرسلین اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی قبر کی زمین اوپر سے شق ہوگی اور یہ بھی میں فخر کے طور پر نہیں کہتا (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے انعام واحسان کا بیان کر رہا ہوں) (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث کے اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کے جن دو انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے، ایک "اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" اور دوسرا "وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ" ان دونوں کا ذکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں بھی کیا گیا ہے، اور ان کی تشریح بھی کی جاچکی ہے...... حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مزید اس خاص الخاص انعام واکرام کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے

دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں دیا جائے گا اور تمام انبیاء و مرسلین میرے اس جھنڈے تلے ہوں گے۔ یہ بات معلوم و معروف ہے کہ جھنڈا لشکر کے سپہ سالار اعظم کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور باقی لشکری اس کے ماتحت ہوتے ہیں، پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھنڈا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیا جانا اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کا آپ ﷺ کے اس جھنڈے تلے ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوقات اور تمام انبیاء پر رسول اللہ ﷺ کی سیادت و فضیلت کا ایسا ظہور ہوگا جس کو ہر دیکھنے والا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا...... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہر انعام ذکر فرمانے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "ولا فخر" کہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا ذکر میں فخر کے طور پر نہیں کر رہا ہوں بلکہ اسکے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت اور اداء شکر کے طور پر اور تمہاری واقفیت کیلئے کر رہا ہوں۔

یہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) جو قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیا جائے گا اس واقعی حقیقت کی علامت اور اس کا اعلان ہوگا کہ جس برگزیدہ بندے کے ہاتھ میں حمد خداوندی کا یہ جھنڈا ہے، اس کا حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے عمل میں (جو کسی بندے کو اللہ کا محبوب و مقبول بنانے والا خاص الخاص عمل ہے) سب سے زیادہ ہے، اللہ کی حمد خود اس کی زندگی کا ہمہ وقتی وظیفہ تھا، دن رات کی نمازوں میں بار بار اللہ کی حمد، اٹھتے بیٹھتے اللہ کی حمد، کھانا کھانے کے بعد اللہ کی حمد، پانی پینے کے بعد اللہ کی حمد، سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد اللہ کی حمد، لذت اور مسرت کے ہر موقع پر اللہ کی حمد، اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کے احساس کے وقت اس کی حمد، یہاں تک کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد، استنجے سے فراغت پر اللہ کی حمد (ان تمام موقعوں پر رسول اللہ ﷺ سے جو دعائیں ثابت ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہی ہے) پھر آپ ﷺ نے اپنی امت کو بڑے اہتمام سے اسی طرز عمل کی ہدایت اور تلقین فرمائی جس کے نتیجہ میں بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی اتنی حمد ہوئی اور قیامت تک ہوگی جس کا حساب بس اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، اس لئے بلا شبہ آپ ﷺ ہی اس کے مستحق ہیں کہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) قیامت کے دن آپ ﷺ کے ہاتھ میں دیا جائے اور اس کے ذریعہ آپ کی اس خصوصیت کا اعلان و اظہار کیا جائے۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

۹۸) عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّينَ وَخَطِيبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمام نبیوں کا امام اور پیشوا ہوں گا اور ان کی طرف سے خطاب اور کلام کرنے والا ہوں گا اور ان کی سفارش کرنے والا ہی ہوں گا، اور یہ میں بطور فخر کے نہیں کہتا (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں)۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے کو قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا خطیب اور صاحب شفاعت بھی فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب جلال خداوندی کا غیر معمولی ظہور ہوگا تو انبیاء

علیہم السلام کو بارگاہ خداوندی میں کچھ عرض کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوگی تو میں ان کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں کلام اور عرض و معروض کروں گا اور ان کے لئے سفارش کروں گا...... یہاں بھی آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ سب کچھ از راہ فخر و تعلّی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر اور تم لوگوں کو واقف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بیان کر رہا ہوں۔

۹۹) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ، قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً وَقَالَ اٰخَرُ مُوْسٰى كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا وَقَالَ اٰخَرُ عِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُه' وَقَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ. وَعَجَبَكُمْ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذَالِكَ، وَعِيْسٰى رُوْحُه' وَكَلِمَتُه' وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَاٰدَمُ اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذَالِكَ، اَلاَ وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَه' اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَه' وَلَا فَخْرَ، وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْ خِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَآءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَافَخْرَ، وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ.** (رواه الترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے، اسی حال میں رسول اللہ ﷺ اندر سے تشریف لے آئے جب آپ ﷺ ان لوگوں کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے سنا کہ وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے ہیں، ان میں سے ایک نے (حضرت ابراہیمؑ کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے) کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ اور حضرت موسیٰؑ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، پھر ایک اور صاحب نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقام ہے کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، پھر ایک اور صاحب نے کہا کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا (کہ ان کو براہ راست اپنے دست قدرت سے بنایا اور ان کو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم دیا، وہ صحابہ یہ باتیں کر رہے تھے) کہ اچانک رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے، اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا اظہار تعجب سنا، بے شک ابراہیمؑ اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں (ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے) اور بے شک موسیٰ نجی اللہ (اللہ کے ہمراز و ہم سخن) ہیں، اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بے شک عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بے شک آدم صفی اللہ (اللہ کے برگزیدہ) ہیں، اور فی الحقیقت وہ ایسے ہی ہیں..... اور تم کو معلوم رہنا چاہئے کہ میں حبیب اللہ (اللہ کا محبوب) ہوں اور یہ میں بطور فخر نہیں کہتا، اور قیامت کے دن میں ہی لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) اٹھانے والا ہوں گا، آدم اور ان کے سوا بھی سب (انبیاء و مرسلین) میرے اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا، جو قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرے گا، اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول فرمائی

جائے گی، اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو (جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے) اس کے حلقہ کو ہلائے گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے اس کو کھلوادے گا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے، اور یہ بات بھی میں فخر سے نہیں کہتا، اور بارگاہ خداوندی میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ میرا اکرام و اعزاز ہوگا اور یہ بھی میں فخر سے نہیں کہتا۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی و مسند دارمی)

تشریح۔۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کا مزاج مبارک اور عام رویہ تو اضع اور انکساری کا تھا، لیکن ضرورت محسوس ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کی تعمیل میں اللہ کے ان خصوصی انعامات اور اعلیٰ کمالات و مقامات کا بھی ذکر فرماتے جن سے آپ سرفراز فرمائے گئے۔۔۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث اور جو حدیثیں اوپر درج کی گئیں یہ سب آپ ﷺ کے اسی سلسلہ کے بیانات ہیں۔۔۔۔۔ وہ صحابہ کرامؓ جن کی گفتگو کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور حضرت آدم (علیہم السلام) پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی انعامات سے تو واقف تھے جن کا وہ تذکرہ کر رہے تھے، ان کو یہ سب کچھ خود حضور ﷺ ہی کی تعلیم سے قرآن مجید سے معلوم ہو چکا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے مقام عظمت کے بارے میں غالباً ان کی معلومات ناقص تھیں، اس لئے یہ خود ان کی ضرورت اور حاجت تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس بارے میں ان کو بتلائیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو بتلایا اور اس طرح بتلایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور حضرت آدم پر ہونے والے جن انعامات الٰہیہ اور ان کے جن فضائل و مناقب کا وہ ذکر کر رہے تھے، پہلے آپ ﷺ نے ان سب کی تصدیق فرمائی اس کے بعد اپنے بارے میں بتلایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص انعام ہے کہ مجھ کو مقام محبوبیت عطا فرمایا گیا ہے اور میں اللہ کا حبیب ہوں۔۔۔۔۔ (ملحوظ رہے کہ جن اصحاب کرام سے آپ ﷺ نے یہ فرمایا وہ جانتے تھے کہ محبوبیت کا مقام سب سے اعلیٰ و بالا ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی)۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے بعض ان انعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا جس کا ظہور اس دنیا کے خاتمہ کے بعد قیامت میں ہوگا، ان میں سے "لواء الحمد" ہاتھ میں ہونے اور اولین شافع اور اولین مقبول الشفاعۃ ہونے کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں بھی آچکا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے دو خصوصی انعامات خداوندی کا اور ذکر فرمایا، ایک یہ کہ جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے سب سے پہلے میں ہی اس کے حلقوں کو حرکت دوں گا (جس طرح کسی مکان کا دروازہ کھلوانے کے لئے دستک دی جاتی ہے) تو اللہ تعالیٰ فوراً دروازہ کھلوادیں گے اور مجھ کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے وہ بھی میرے ساتھ ہی جنت میں داخل کر لئے جائیں گے، ۔۔۔۔۔ (یہ سب آنحضرت ﷺ کے مقام محبوبیت پر فائز ہونے کا ظہور ہوگا) آخری بات آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ "وانا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ" یعنی یہ بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص انعام ہے کہ اس کی بارگاہ میں تمام اولین و آخرین میں سب سے زیادہ اکرام و اعزاز میرا ہی ہے اور جو مقام عزت مجھے عطا فرمایا گیا ہے، وہ اولین و آخرین میں سے کسی اور کو عطا نہیں فرمایا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں جن خصوصی انعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا ان میں سے ہر ایک کے

ساتھ یہ بھی فرمایا" ولا فخر" جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی انعامات کا ذکر میں از راہ فخر اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے نہیں کر رہا ہوں بلکہ محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت اور اداء شکر کے لئے اور تم لوگوں کو واقف کرنے کے لئے کر رہا ہوں تاکہ تم بھی اس رب کریم کا شکر ادا کرو کیونکہ یہ انعامات تمہارے حق میں بھی وسیلہ خیر و سعادت ہیں۔

۱۰۰) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ. (رواہ الدارمی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (بروز قیامت) پیغمبروں کا قائد اور پیش رو ہوں گا، اور یہ بات میں بطور فخر نہیں کہتا اور میں خاتم النّبیین ہوں اور یہ بھی میں از راہ فخر نہیں کہتا، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول فرمائی جائے گی اور یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہتا۔ (مسند دارمی)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ جو خاتم النّبیین ہیں، اور اس دنیا میں اللہ کے سارے نبیوں رسولوں کے بعد آئے، قیامت کے دن آپ سب انبیاء مرسلین کے قائد و پیش رو ہوں گے ...... پھر آپ نے اسی قیامت کے دن شفاعت اور شفاعت کی قبولیت میں اپنی اولیت اور سابقیت کا ذکر بھی فرمایا جس کا ذکر مندرجہ بالا متعدد حدیثوں میں بھی آچکا ہے ...... اور آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کے ذکر کے ساتھ فرمایا" ولا فخـــر"۔

۱۰۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُه، تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لِبْنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بِنَائِهٖ اِلاَّ مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَکُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ...... وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور اگلے سب پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شاندار محل ہے جس کی تعمیر بڑی حسین اور خوبصورت کی گئی ہے لیکن اس کی تعمیر میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی، دیکھنے والے اس محل کو ہر طرف سے گھوم پھر کے دیکھتے ہیں، انہیں اس کی تعمیر کی خوبی اور خوبصورتی بہت اچھی لگتی ہے، ان کو اس سے تعجب ہوتا ہے، سوائے اینٹ کی خالی جگہ کے۔ (وہ اس حسین عمارت کا ایک نقص ہے ...... حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) پس میں نے آکر اس خالی جگہ کو بھر دیا، میرے ذریعہ اس محل کی تکمیل اور اس کی تعمیر کا اختتام ہو گیا، اور پیغمبروں کا سلسلہ بھی ختم اور مکمل ہو گیا۔

(صاحب "مشکوٰۃ المصابیح" محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی کہتے ہیں کہ) اس حدیث کی صحیحین ہی کی ایک روایت میں آخری خط کشیدہ الفاظ کی جگہ یہ الفاظ ہیں، فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ میں ہی وہ اینٹ ہوں

جس سے اس قصر نبوت کی تکمیل ہوئی، اور میں خاتم النبیین ہوں۔)　　(صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... قرآن مجید میں بھی رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے، اور بہت سی حدیثوں میں بھی، اور بلاشبہ یہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین انعام ہے کہ قیامت تک آپ ہی پوری انسانی دنیا کے لئے اللہ کے نبی و رسول ہیں ...... اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی خاتمیت کی حقیقت اور نوعیت کو ایک عام فہم مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے جو ایسی سہل الفہم ہے کہ اس کے سمجھانے کے لئے کسی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں، اس حدیث نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو ہزاروں پیغمبر آئے ان کی آمد سے گویا قصر نبوت کی تعمیر ہوتی رہی اور تکمیل کو پہنچ گئی تھی، بس ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ کی بعثت و آمد سے وہ بھی بھر گئی، اور قصر نبوت بالکل مکمل ہو گیا، کسی نئے نبی و رسول کے آنے کی نہ ضرورت رہی نہ گنجائش، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم اور دروازہ بند کر دیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے "خاتم النبیین" ہونے کا اعلان فرما دیا گیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

رسول اللہ ﷺ کی ولادت، بعثت، وحی کی ابتداء اور عمر شریف

۱۰۲) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِیْمَ، وَبِشَارَةُ عِیْسٰی، وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ، وَقَدْ خَرَجَ نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ.

(رواہ احمد)

ترجمہ.. حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنے اول امر (اپنی ابتداء) کے بارے میں بتلاتا ہوں، میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں (یعنی ان کی دعا کی قبولیت کا ظہور ہوں) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں (یعنی وہ نبی ہوں جس کی آمد کی بشارت انہوں نے دی تھی) اور اپنی والدہ کا خواب ہوں (یعنی ان کے اس خواب کی تعبیر ہوں) جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس سے میری والدہ کے لئے ملک شام کے محل بھی روشن ہو گئے۔　　(مسند احمد)

تشریح...... قرآن مجید سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۷ اور نمبر ۱۲۸ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبۃ اللہ کی تعمیر کر رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ اے ہمارے پروردگار ہماری نسل میں سے ایک ایسی امت پیدا فرمانا جو تیری فرمانبردار ہو ...، اور ان میں انہیں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمانا جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک صاف کرے ...... اور سورۂ صف کی آیت نمبر ۶ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کی قوم بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تو آپؑ نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے لئے بھیجا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں اس عظیم الشان پیغمبر کی آمد کی بشارت سناؤں جو ... ے بعد آئے گا، اور اس کا نام احمد ہو گا۔ رسول اللہ

ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں قرآن مجید کی انہی آیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ اور ظہور ہوں، اور میں عیسیٰ بن مریم کی بشارت کا مصداق ہوں۔ آگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس خواب کی تعبیر ہوں جو میری والدہ ماجدہ نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ایک ایسا غیر معمولی نور ظاہر ہوا جس کی روشنی نے میری والدہ صاحبہ کے لئے ملک شام کی عالی شان عمارتیں اور محل روشن کر دیئے اور میری والدہ نے اس نور کے اجالے میں ان کو دیکھ لیا۔

یہ خواب رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کی ولادت کے قریبی وقت میں غالبًا اسی رات میں دیکھا تھا، جس کی صبح آپ کی ولادت ہوئی...... ملک شام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء ہے اور اسی میں وہ بیت المقدس ہے جو تمام انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا ہے۔

راقم سطور نے حدیث کے لفظ "رؤیا" کا ترجمہ خواب کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر تشریح کی ہے، لیکن یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے اس نور کا ظہور اور اس کی روشنی میں ملک شام کے محلات عین ولادت کے وقت بیداری میں دیکھے بعض دوسری روایات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ولادت سے پہلے سونے کی حالت میں خواب دیکھا ہو اور پھر ولادت کے وقت بیداری میں بھی آنکھوں نے یہ دیکھا ہو، بہر حال یہ نور کا ظہور اور اس کے اجالے میں ملک شام کے محلات کا نظر آنا اس کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ اس مولود مسعود کے ذریعہ ہدایت کا نور ملک شام تک بھی پہنچائے گا جو ہزاروں برس تک خود ہدایت کا مرکز رہا ہے، اور بیت المقدس کو قبلہ ماننے والی قومیں بھی اس نور ہدایت سے فیضیاب ہوں گی جیسا کہ ظہور میں آیا اور قیامت تک آتا رہے گا۔

۱۰۳) عَنْ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ وُلِدْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ عَامَ الْفِيْلِ ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ: قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... "فیل" عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں "عام الفیل" سے مراد وہ سال ہے جس میں یمن کے عیسائی حاکم ابرہہ نے کعبۃ اللہ کو ڈھادینے اور برباد کر دینے کے ارادے سے ایسے لشکر کے ساتھ جس میں بڑے بڑے کوہ پیکر ہاتھی بھی تھے، مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی تھی، تو مکہ کے حدود میں ان کے داخل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی شکل میں اپنا غیبی لشکر بھیج دیا، ان چڑیوں نے لشکر پر کنکر کی پتھریاں برسا کر، (جو گولی کا کام کرتی تھیں) سارے لشکر کو تہس نہس کر دیا، قرآن مجید "سورۃ الفیل" میں یہی واقعہ بیان فرمایا گیا ہے...... جس سال یہ غیر معمولی واقعہ ہوا تھا اسی کو "عام الفیل" کہا جاتا ہے، رسول اکرم ﷺ کی پیدائش اسی سال ہوئی، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے پچاس دن بعد آپ ﷺ کی ولادت با سعادت ہوئی۔

علامہ ابن الجوزی کے بیان کے مطابق اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت اسی سال میں ہوئی، اس پر

بھی قریباً اتفاق ہے کہ مہینہ ربیع الاول اور دن دوشنبہ کا تھا...... تاریخ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ۲۔ ربیع الاول کی بھی روایت ہے، ۸۔ کی بھی، ۱۰۔ کی بھی اور ۱۲۔ کی بھی (اور یہی زیادہ مشہور ہے) اس کے علاوہ ۱۷۔ ۱۸۔ کی بھی روایتیں ہیں، علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ اکثر محدثین کے نزدیک ۸۔ ربیع الاول والی روایت زیادہ قوی ہے...... ماضی قریب کے مصر کے ایک ماہر فلکیات محمود پاشا نے ریاضی کے حساب سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل ۹۔ ربیع الاول کو ہوئی۔

ٹھیک اس وقت جب کہ آنحضرت ﷺ کی اس دنیا میں (مکہ مکرمہ ہی میں) آمد کا وقت قریب تھا، ابرہہ کے لشکر کا جس کو قرآن مجید میں "اصحاب الفیل" کہا گیا ہے اور جو کعبۃ اللہ کو ڈھانے اور نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی سنگ باری سے تہس نہس ہو جانا یقیناً قدرت خداوندی کا ایک معجزہ تھا، ہمارے علماء و مصنفین نے اس کو ان معجزانہ واقعات میں شمار کیا ہے، جو رسول اکرم ﷺ کی دنیا میں آمد سے پہلے اس کے مقدمات اور پیشگی برکات کے طور پر ظہور میں آئے، اور بلا شبہ ایسا ہی ہے۔

۱۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلاَثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوْحٰى اِلَيْهِ، ثُمَّ اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ، فَهَاجَرَ عَشْرَسِنِيْنَ وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلاَثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ.. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا گیا) چالیس سال کی عمر میں...... اس کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں رہے تو تیرہ سال، آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی رہی، پھر آپ ﷺ کو حکم ہوا (مکہ سے) ہجرت کا، تو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی، اور مہاجر بن کر دس ۱۰ سال رہے اور پھر (مدینہ منورہ میں) وفات پائی اس وقت جب کہ عمر شریف تریسٹھ ۶۳ سال تھی......

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۰۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ، وَاَبُوْبَكْرٍ وَهُوَابْنُ ثَلاَثٍ وَسِتِّيْنَ، وَعُمَرُو هُوَابْنُ ثَلاَثٍ وَسِتِّيْنَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ.. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی جب کہ عمر شریف تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی جب کہ آپ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور حضرت عمرؓ نے بھی وفات پائی تریسٹھ (۶۳) سال ہی کی عمر میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... شیخین (حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو خاص بلکہ خاص الخاص نسبت تھی، اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرح ان دونوں حضرات نے بھی تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہی وفات پائی اور اسی کا ایک ظہور یہ بھی ہے کہ وفات کے بعد یہ دونوں

حضرات بھی روضۂ اقدس میں حضور اکرم ﷺ کے برابر میں مدفون ہیں...... اور علامت قیامت کے زیر عنوان وہ حدیث گذر چکی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب آنحضرت ﷺ قبر شریف سے اٹھ کر میدان حشر یا دربار خداوندی کی طرف چلیں گے تو آپ کے یہ دونوں رفیق آپ کے دائیں بائیں ہوں گے...... اور آگے "شیخین کے مناقب" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت انشاء اللہ ذکر کی جائے گی جس میں انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شیخین کے اس خصوصی تعلق اور امتیازی نسبت کو خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا حوالہ دے کر بڑے جامع اور واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔

۱۰۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِى النَّوْمِ فَكَانَ لَايَرىٰ رُؤْيَا اِلَّاجَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ...... وَهُوَ التَّعَبُّدَ...... اللَّيَالِىَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِعَ اِلىٰ اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذَالِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ اِلىٰ خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَ هُ الْحَقُّ وَهُوَ فِىْ غَارِ حِرَاءَ فَجَاءَ هُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَأْ فَقَالَ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِىْ فَغَطَّنِىْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّىَ الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِىْ فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْتُ مَااَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِىْ فَغَطَّنِى الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّى الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِىْ فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْتُ مَااَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِىْ فَغَطَّنِىْ الثَّالِثَ، حَتّٰى بَلَغَ مِنِّى الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِىْ فَقَالَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ○ فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلىٰ خَدِيْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِىْ زَمِّلُوْنِىْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلىٰ نَفْسِىْ، فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ لَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُعِيْنُ عَلىٰ نَوَائِبِ الْحَقِّ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ اِلىٰ وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ ابْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ فَقَالَتْ لَهٗ يَاابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنْ اِبْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَاابْنَ اَخِىْ مَاذَا تَرىٰ؟ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَبَرَ مَارَاٰى فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسَ الَّذِىْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلىٰ مُوْسىٰ، يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ فِيْهَا جَذْعًا يٰلَيْتَنِىْ اَكُوْنُ حَيًّا، اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَمُخْرِجِىَّ هُمْ؟ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَاجِئْتَ بِهٖ، اِلَّاعُوْدِىَ وَاِنْ يُّدْرِكْنِىْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّىَ وَفَتَرَ الْوَحْىُ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ:.. ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ وہ پہلی چیز جس سے رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء ہوئی رؤیاء صادقہ (سچے خواب) تھے، جو آپ سونے کی حالت میں دیکھتے تھے، چنانچہ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آجاتا...... پھر آپ کے دل میں خلوت

گزینی کی محبت ڈال دی گئی تو آپ غار حرا میں جا کر خلوت گزینی کرنے لگے۔ وہاں آپ (اپنے اہل خانہ کی طرف اشتیاق سے پہلے) کئی کئی رات تک عبادت فرماتے اور اس کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان ساتھ لے جاتے پھر (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے، اور اتنی ہی راتوں کے لئے پھر سامان خورد و نوش ساتھ لے جاتے ...... یہاں تک کہ اسی حال میں کہ آپ غار حرا میں تھے، آپ کے پاس حق آگیا (یعنی وحی حق آگئی) چنانچہ (خدا کا فرستادہ) فرشتہ (جبرائیلؑ) آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اقرا (پڑھئے!) آپ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ نے بیان فرمایا کہ پھر اس فرشتے نے مجھے زور سے دبایا (بھینچا) یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ اقرا (پڑھئے!) پھر میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھے پکڑا اور پھر دوسری دفعہ زور سے دبایا، یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا اقرا (پڑھئے!) پھر میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد پھر اس فرشتہ نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ زور سے دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِO عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْO" (اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، انسان کو جس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، وہ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا) ...... پھر رسول اللہ ﷺ ان آیتوں کو لے کر اس حال میں لوٹے کہ آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا ...... تو آپ (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کپڑا اڑھا دو، مجھے کپڑا اڑھا دو، تو گھر والوں نے آپ کو کپڑا اڑھا دیا یہاں تک کہ گھبراہٹ اور دہشت کی وہ کیفیت ختم ہو گئی تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے بات کی اور پورا واقعہ بتلایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز ایسے خطرہ کی بات نہیں، قسم بخدا اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ہمیشہ حق اور سچی بات کہتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں اور ناداروں کے لئے کماتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں ان حادثوں پر جو حق ہوتے ہیں ...... پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لے گئیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس اور ان سے کہا کہ اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات (اور واردات) سنیئے! تو ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے بھتیجے بتلاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو وہ سب بتلایا جو مشاہدہ فرمایا تھا تو ورقہ نے کہا کہ یہ وہ خاص رازداں فرشتہ (جبرائیلؑ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بھیجا تھا (پھر ورقہ نے کہا کہ) کاش میں اس وقت جوان پٹھا ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تم کو نکالے گی ...... تو رسول اللہ ﷺ نے (تعجب سے) کہا کہ کیا میری قوم کے لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں! (تمہاری قوم تم کو دیس سے نکال دے گی) کوئی آدمی بھی اس طرح کی دعوت لے کر نہیں آیا جیسی تم لائے ہو مگر یہ کہ لوگوں نے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا

اور اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا، پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا، اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی ابتداء اور نزول وحی کے آغاز کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس کی راوی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، لیکن حدیث کے مستند ہونے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ یا تو انہوں نے یہ واقعہ اس تفصیل کے ساتھ خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو گا (اور غالب گمان یہی ہے) یا اپنے والد ماجد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یا کسی دوسرے بزرگوار صحابی سے جنہوں نے خود حضور ﷺ سے سنا ہو گا اور اہل سنت کا مسلمہ ہے (جو گویا ان کے عقائد میں شامل ہے) کہ اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ (یعنی تمام صحابۂ کرام عادل اور ثقہ ہیں) جس صدیقہ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ یہ بتلائیں کہ انہوں نے یہ کس سے سنا تھا، ہمارے یقین کے لئے ان کا بیان فرمانا کافی ہے، اگر اس بارے میں ان کو پورا اطمینان و یقین نہ ہوتا تو وہ ہرگز اس طرح بیان نہ فرماتیں۔ یقیناً حضور ﷺ کی تربیت کے نتیجہ میں وہ یہ جانتی تھیں کہ حضور ﷺ سے متعلق اس طرح کے اہم اور غیر معمولی واقعہ کا بیان کتنی بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔

حدیث میں سب سے پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ آپ کو "رویائے صادقہ" (سچے خواب) آنے شروع ہوئے، آگے خود حدیث میں اس کی یہ وضاحت ہے کہ آپ سونے کی حالت میں جو خواب دیکھتے وہ صبح کے اجالے کی طرح بیداری میں آنکھوں کے سامنے آجاتا، سمجھنا چاہئے کہ وحی نبوت کے لئے آپ کی روحانی تربیت کا سلسلہ اس طرح کے خوابوں سے شروع ہوا، یہ پہلا مرحلہ تھا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کے قلب میں سب سے یکسوئی اور خلوت گزینی کی محبت اور اس کا شوق و جذبہ پیدا فرمادیا گیا، آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے، اس سے معلوم ہو جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے قلب میں مجرد خلوت گزینی اور سب سے الگ تھلگ رہنے کا جذبہ اور داعیہ ہی پیدا نہیں فرمایا گیا تھا، بلکہ سب سے یکسو رہ کر خلوت میں عبادت کا (گویا ایک طرح کے اعتکاف کا) جذبہ اور شوق پیدا فرمایا گیا تھا، پھر اس کے لئے آپ ﷺ نے غار حرا کا انتخاب فرمایا۔ حراء ایک پہاڑ کا نام ہے، مکہ مکرمہ کے ہر طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں، کچھ کم بلند ہیں، کچھ زیادہ بلند ہیں (جہاں تک خیال ہے) ان میں سب سے بلند یہی حراء ہے، جس کو لوگ اب جبل النور کہتے ہیں، یہ مکرمہ کی آبادی سے قریباً دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے، اس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں باہم اس طرح مل گئی ہیں کہ ان کے درمیان ایک چھوٹا سا مثلث نما (تکونہ) حجرہ سا بن گیا ہے، اسی کو غار حراء کہا جاتا ہے، اور اس میں بس اتنی جگہ ہے کہ ایک آدمی کسی طرح داخل ہو کر گزارہ کر سکتا ہے، چونکہ یہ پہاڑ بہت بلند ہے اور غار اس کی بالکل چوٹی پر ہے اور اس تک چڑھائی میں بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اس لئے اچھے تندرست و توانا آدمی بھی بہ مشکل ہی وہاں پہنچ پاتے ہیں، اب تو اس مبارک واقعہ کی وجہ سے جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے کہ اگر وہ پہنچ

سکے تو اس کی زیارت کی سعادت ضرور حاصل کرے لیکن ظاہر ہے، کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خلوت میں یکسوئی سے عبادت کے لئے اس کا انتخاب فرمایا تھا تو کسی آدمی کے لئے اس غار میں ایسی کوئی کشش نہیں تھی کہ اس تک پہنچنے کے لئے وہ پہاڑ کی اتنی لمبی چڑھائی کی مشقت برداشت کرے (چنانچہ کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ جن ایام میں حضور ﷺ اس غار میں خلوت گزیں (گویا معتکف) رہے، آپ ﷺ کا کوئی عزیز قریب بھی آپ ﷺ کے پاس پہنچا ہو) اس لئے خلوت میں یکسوئی سے عبادت کے لئے اس سے بہتر جگہ کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا تھا اور آگے جو ظہور میں آنے والا تھا (جس کا اس حدیث میں بھی ذکر ہے) اس کے لئے ازل سے یہی مبارک غار مقدر ہو چکا تھا۔

آگے حدیث شریف میں جو فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ غار حرا کی اس خلوت گزینی اور عبادت کے سلسلہ میں آپ کا معمول یہ تھا کہ چند دن رات کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان لے کر آپ غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں پوری یکسوئی سے عبادت میں مشغول رہتے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے دل میں گھر والوں کی دیکھ بھال اور ملاقات کا داعیہ پیدا ہوتا تو گھر زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے اور پھر اتنے ہی دنوں کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان لے کر غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت میں مشغول رہتے۔

حضرت صدیقہؓ نے غار حرا میں آپ ﷺ کی مشغولیت کے لئے **فَيَتَحَنَّثُ** کا لفظ استعمال فرمایا ہے حدیث کے ایک راوی امام زہری نے تعبد کے لفظ سے اس کا حاصل مطلب بیان کیا ہے...... لیکن کسی روایت سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ غار حرا کے اس قیام میں حضور ﷺ کی عبادت کا طریقہ کیا تھا شارحین حدیث نے اس بارے میں حضرات علمائے کرام کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں، لیکن وہ سب قیاسات ہیں...... اس عاجز کا خیال ہے کہ نبوت و رسالت کے منصب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی مسلسل تربیت ہو رہی تھی جس کا پہلا مرحلہ رؤیائے صادقہ کا سلسلہ تھا، وہ بھی ایک طرح کا الہام تھا، اس کے بعد خلوت گزینی اور خلوت میں عبادت کا داعیہ آپ ﷺ کے قلب میں پیدا کیا گیا یہ بھی جاذبۂ الٰہیہ اور ایک طرح کے الہام ربانی کا نتیجہ تھا۔

پھر غار میں آپ ﷺ جو عبادت فرماتے تھے جس کو حضرت صدیقہؓ نے فیتحنث کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، سمجھنا چاہئے کہ وہ بھی الہام ربانی کی رہنمائی میں تھی، ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے لئے نور ہدایت کی دعا کرتے ہوں اور آپ ﷺ کی قوم شرک و بت پرستی اور شدید مظالم و معاصی کی جس نجاست و غلاظت میں غرق تھی، جس سے آپ ﷺ کی فطرت سلیمہ صالحہ کو سخت اذیت تھی، اس سے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بیزاری کا اظہار اور قوم کے لئے بھی اصلاح و ہدایت کی دعا فرماتے ہوں (دعا کو حضور ﷺ نے عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا ہے)......

بہر حال راقم الحروف کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کو عبادت کی اس مشغولیت میں الہام خداوندی کی رہنمائی حاصل تھی اور اس کے ذریعہ آپ ﷺ کی روحانیت کو آگے کی منزلوں کے لئے تیار کیا جا رہا تھا، واللہ اعلم۔

آگے حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ غار حرا میں آپ ﷺ کی خلوت گزینی اور عبادت کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک (ایک رات [1] میں) آپ ﷺ کے پاس فرشتہ وحی لے کر آگیا اور اس نے آپ ﷺ سے کہا اقرأ (پڑھئے) آپ ﷺ کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ مَااَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس لئے پڑھ نہیں سکتا)...... آپ ﷺ کا بیان ہے کہ اس جواب کے بعد اس نے مجھے پکڑ کے اتنے زور سے دبایا کہ اس کا دباؤ میری حد برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا یعنی اس حد تک کہ اس سے آگے میں برداشت نہیں کر سکتا تھا (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرشتہ نے آپ ﷺ کا گلوئے مبارک پکڑ کے [2] اس قدر زور سے دبایا تھا) حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے کہ تین (۳) دفعہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے مجھ سے کہا اقرأ (پڑھئے) میں نے کہا کہ مااَنا بقارئ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس لئے پڑھ نہیں سکتا) اور میرے اس جواب کے بعد ہر دفعہ اس نے مجھے پکڑ کے اسقدر زور سے دبایا کہ میری حد برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا، تیسری دفعہ کے بعد اس نے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں پڑھیں (اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ تک)

حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ فرشتہ سے یہ آیتیں سن کر آپ ﷺ نے خود بھی ان کی تلاوت فرمائی، لیکن آگے جو بیان فرمایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ آیتیں محفوظ ہوگئیں اور آپ ﷺ ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے غار سے گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ کی اس وقت جو حالت تھی وہ حدیث میں آگے ذکر کی گئی ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ یوں تو پورا قرآن مجید معجزہ ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کی بعض چھوٹی چھوٹی سورتوں اور اسی طرح بعض چھوٹی چھوٹی آیتوں میں اعجاز کی شان ایسی واضح اور نمایاں ہے کہ عربی زبان سے واقفیت اور اس کا ذوق رکھنے والا ہر شخص ان کو صرف سن کر یہ یقین کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں بلکہ خالق بشر کا کلام ہے...... راقم سطور بغیر ادنیٰ انکسار کے عرض کرتا ہے کہ میں عربی زبان کا ادیب نہیں ہوں بس اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کا مقدس کلام قرآن مجید اور اس کے رسول پاک ﷺ کی احادیث پڑھ لیتا اور کچھ سمجھ لیتا ہوں اپنے اس حال میں بھی سورۂ علق کی ان ابتدائی پانچ آیتوں کے بارے میں الحمد للہ دن میں سورج کی روشنی کی طرح یقین رکھتا ہوں کہ یہ بشر کا یا فرشتہ کا کلام نہیں ہو سکتا ہے یہ بلا شبہ رب ذوالجلال ہی کا کلام ہے...... چھوٹی چھوٹی ان پانچ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا جو دفتر اور علوم کا جو سمندر اس کی شان ربوبیت، قدرت و حکمت، کرم و احسان اور صفات و افعال کا جو بیان ہے، اس پر ایک پورا مقالہ بلکہ ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے...... رسول اللہ ﷺ نے صرف یہ کہ آپ ﷺ کی مادری زبان عربی تھی بلکہ آپ ﷺ افصح العرب) تھے، اس لئے اس میں شک شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ جیسے ہی آپ ﷺ نے فرشتہ (جبرائیل) سے یہ آیتیں سنی ہوں گی آپ ﷺ نے

---

[1] سورۃ القدر کی پہلی آیت " انا انزلناه في ليلة القدر " سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رات میں ہوا تھا۔

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ابوداؤد طیالسی کی روایت سے نقل کیا ہے " فاخذ بحلقي " اور اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ (فتح الباری مطبوعہ انصاری دہلی پارہ اول ص ۱۳)

یقین فرمالیا ہوگا کہ یہ میرے خالق ومالک رب کریم کا کلام ہے اس نے مجھے اپنے فضل خاص سے نوازا ہے۔

حدیث میں غار حرا کے مذکورۂ بالا واقعہ کے ذکر کے بعد بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورۃ العلق کی ان ابتدائی پانچ آیتوں کو لے کر غار حرا سے اس حال میں گھر تشریف لائے کہ آپ ﷺ دہشت زدہ سے تھے، آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا، جسم مبارک پر بھی اس کا اثر تھا آپ ﷺ نے آتے ہی اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو مجھے کپڑا اڑھا دو، (ایسی حالت میں کپڑا اوڑھنے کا طبعی تقاضا ہوتا ہے اور اس سے سکون ملتا ہے) چنانچہ گھر والوں نے آپ ﷺ کو کپڑا اڑھادیا، پھر وہ دہشت زدگی اور دل کے لرزنے کی کیفیت ختم ہو گئی اور حالت معمول پر آگئی تو آپ ﷺ نے زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کو وہ سب بتلایا جو پیش آیا تھا، اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا (لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِي) اے خدیجہؓ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا) مطلب یہ ہے کہ فرشتہ نے گلا پکڑ کے تین دفعہ ایسے زور زور سے دبایا تھا کہ مجھے خطرہ تھا کہ میری جان ہی نکل جائے گی۔

آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے غار حرا کی ساری واردات حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر آپ ﷺ کو تسلی اور بشارت دینے کے لئے بڑے اعتماد کے ساتھ اور قسم کھا کے اپنے اس یقین کا اظہار فرمایا کہ ہر گز کوئی خطرہ اور اندیشہ کی بات نہیں تھی اور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اعلیٰ درجہ کے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے نوازا ہے، آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں یعنی قرابت داروں کے حقوق ادا کرتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، ہمیشہ حق اور سچی بات کرتے ہیں، صداقت اور راست بازی آپ ﷺ کا شعار ہے، آپ ﷺ ایسے ضعیفوں، اپاہجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں جو بے چارے خود اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے یعنی ان کی کفالت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا حال یہ ہے کہ خود محنت کر کے کمائی کرتے ہیں (تاکہ غریبوں حاجت مندوں کی مدد کریں) اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو لوگ بغیر کسی جرم وقصور کے کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں آپ ان کی امداد واعانت کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اس گفتگو سے یہی تھا کہ آپ ﷺ کے یہ مکارم اخلاق اور مبارک احوال اس بات کی علامت اور دلیل ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں اور آپ ﷺ پر اس کا خاص فضل وکرم ہے، اس لئے مجھے یقین ہے کہ یہ جو کچھ ہوا یہ بھی اس کے کرم ہی کا ایک خاص ظہور ہے۔

آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پھر حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل[1] کے پاس پہنچیں...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ورقہ بن نوفل کے تعارف میں یہ بھی ہے کہ:۔

وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ.

ترجمہ:۔ یہ ورقہ بن نوفل ایسے آدمی تھے جو زمانۂ جاہلیت میں (یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے) نصرانیت

[1] ورقہ کے والد نوفل اور حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد دونوں اسد بن عبدالعزیٰ کے بیٹے تھے اس لئے ورقہ حضرت خدیجہؓ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

اختیار کر چکے تھے اور یہ عبرانی زبان لکھتے تھے، چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے اور یہ بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو گئے تھے

تشریح ...... اور صحیح مسلم کی روایت میں عبرانی کے بجائے عربی ہے، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ ورقہ بن نوفل انجیل کے مضامین عربی زبان میں لکھا کرتے تھے، اور بظاہر یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

ورقہ بن نوفل کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ شرک و بت پرستی سے بیزار تھے، دین حق کی تلاش میں ملکوں ملکوں پھرے بالآخر ملک شام میں بتوفیق الٰہی نصرانی مذہب کے ایک ایسے راہب یعنی عیسوی مذہب کے درویش عالم سے ملاقات ہو گئی جو صحیح عیسوی مذہب پر تھے (یعنی عیسائیت میں الوہیت مسیح، تثلیث اور کفارہ وغیرہ جیسے جو مشرکانہ اور گمراہانہ عقیدے بعد میں شامل کر لئے گئے وہ ان سے بیزار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی صحیح تعلیم و ہدایت پر قائم تھے) ورقہ نے ان کے ہاتھ پر نصرانی مذہب قبول کر لیا اور اس کی تعلیم بھی حاصل کر لی، عبرانی زبان بھی سیکھ لی جس میں توراۃ نازل ہوئی تھی (اور بعض محققین کی تحقیق کے مطابق انجیل بھی عبرانی زبان ہی میں تھی)۔ بہر حال ورقہ بن نوفل صحیح عیسوی مذہب پر تھے اور کتب قدیمہ کے عالم تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "الاصابہ" میں ان ورقہ بن نوفل کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے۔

وَكَانَ وَرَقَةُ قَدْ كَرِهَ عِبَادَةَ الْاَوْثَانِ وَطَلَبَ الدِّيْنَ فِى الْاٰفَاقِ وَقَرَأَ الْكُتُبَ وَكَانَتْ خَدِيْجَةُ تَسْئَلُهُ عَنْ اَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ فَيَقُوْلُ مَا اَرَاهُ اِلَّا نَبِيَّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الَّذِىْ بَشَّرَ بِهٖ مُوْسٰى وَعِيْسٰى.

(الاصابہ ج٦ ص٣١٨)

ترجمہ: ورقہ بتوں کی پوجا کو برا اور غلط سمجھتے تھے اور دین حق کی تلاش میں یہ مختلف علاقوں اور ملکوں میں پھرے اور انہوں نے کتابوں کا (یعنی ان کتابوں کا جو آسمانی کہی اور سمجھی جاتی تھی) مطالعہ کیا تھا، اور خدیجہؓ ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا کرتی تھیں تو وہ کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ یہ اس امت کے نبی ہوں گے جن کی بشارت حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔　　(الاصابہ ج٦ ص٣١٨)

اس سے معلوم ہوا کہ ورقہ بن نوفل کی اس خصوصیت کی وجہ سے کہ انہوں نے اپنی قوم کے شرک و بت پرستی والے مذہب سے بیزار ہو کر عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا (اور اس طرح نبوت و رسالت کے پورے سلسلہ پر وہ ایمان لے آئے تھے) اور تورات انجیل وغیرہ کتب سماویہ کے عالم تھے اور ظاہر ہے کہ ان کی زندگی بھی عام اہل مکہ کی زندگی سے الگ قسم کی عابدانہ، زاہدانہ درویشانہ زندگی رہی ہو گی۔

(الغرض ان کی ان صفات و خصوصیات کی وجہ سے) ان کی چچازاد بہن حضرت خدیجہؓ جو ایک نہایت سلیم الفطرت اور عاقلہ خاتون تھیں، ان کو ایک روحانی بزرگ سمجھتی تھیں اور ان سے ایک طرح کی عقیدت

رکھتی تھیں اور غار حراء کے اس واقعہ سے پہلے بھی حضور ﷺ کے غیر معمولی احوال [1] کا تذکرہ کر کے آپ ﷺ کے بارے میں ان کا خیال اور ان کی رائے دریافت کیا کرتی تھیں اور وہ جواب میں کہا کرتے تھے ما اراہ الا نبی ھذہ الا مۃ الذی بشربہ موسیٰ وعیسیٰ (یعنی میرا گمان ہے کہ یہ اس امت کے وہ نبی ہوں گے جن کی بشارت حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔

پھر جب غار حرا کا یہ واقعہ ظہور میں آیا جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو بتلایا تو ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ وہ یہ پورا واقعہ حضور کی زبان مبارک سے ورقہ بن نوفل کو سنوائیں۔

جو پہلے ہی سے آپ ﷺ کے نبی و رسول ہونے کا خیال ظاہر کرتے تھے...... یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ کسی روایت میں اس کا ذکر بلکہ اشارہ بھی نہیں ہے کہ حضور نے ورقہ کے پاس جانے کی خواہش کی ہو بلکہ جیسا کہ حدیث میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے حضرت خدیجہؓ ہی آپ ﷺ کو ان کے پاس لے کر گئیں۔

آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے پاس پہنچ کر حضرت خدیجہؓ ہی نے ان سے کہا کہ آپ اپنے ان بھتیجے [2] سے ان کی بات اور واردات سنئے! تو ورقہ نے حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے بھتیجے مجھے بتلاؤ کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ تو آپ نے وہ سب بیان فرمایا جو غار حرا میں آپ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا اور آپ ﷺ پر گزرا تھا، تو ورقہ ابن نوفل نے بغیر کسی تامل اور تردد کے کہا کہ یہ فرشتہ جو غار حرا میں تمہارے پاس آیا اور جس کا پورا واقعہ تم نے ذکر کیا یہ وہی "ناموس" (یعنی وہی وحی لانے والا خاص فرشتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام و پیام لے کر اپنے پیغمبر موسیٰؑ پر بھی بھیجا تھا۔

یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ورقہ بن نوفل تو نصرانی یعنی عیسوی مذہب کے پیرو تھے پھر اس موقع پر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کا نام چھوڑ کے حضرت موسیٰؑ کا نام کیوں لیا حالانکہ جبرائیل جس

---

[1] مثلاً بچپن میں شق صدر کا واقعہ اور نبوت سے بہت پہلے بعض پتھروں کا آپ کو سلام کرنا اور بعض درختوں کا آپ کی طرف جھک جانا، جیسے واقعات جن کا ذکر ایسی روایات میں کیا گیا ہے جو قابل قبول ہیں، اور بحیرا راہب کا مشہور تاریخی واقعہ جو حدیث کی کتابوں میں بھی روایت کیا گیا ہے...... ظاہر ہے کہ اس طرح کے غیر معمولی واقعات کا آپ ﷺ نے اپنی ہمراز اور ہمدم و ہم ساز رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ سے ضرور ذکر فرمایا ہوگا جو نہایت سلیم الفطرت اور عاقلہ خاتون تھیں۔ وہ انہی احوال واقعات کا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے ذکر کر کے حضور ﷺ کے بارے میں ان کا خیال اور ان کی رائے دریافت کرتی ہوں گی، اسی کے جواب میں ورقہ وہ بات فرماتے تھے جو روایت میں ذکر کی گئی ہے یعنی یہ کہ "میرا گمان ہے کہ یہ اس امت کے وہ نبی ہوں گے جن کی بشارت اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔

[2] یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت خدیجہؓ نے حضور کو جو ورقہ بن نوفل کا بھتیجا کہا اور اسی طرح ورقہ نے بھی آپ ﷺ کو "ابن اخی" (بھتیجا) کہہ کر مخاطب کیا تو یہ نسبی رشتہ کی بنیاد پر نہیں کہا گیا، بلکہ اہل عرب کے اس عام رواج کے مطابق کہا تھا کہ وہ اپنے سے بڑوں کو از راہ احترام چچا اور چھوٹوں کو پیار اور شفقت سے بھتیجا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

طرح موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے تھے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی بھیجے گئے تھے؟...... شارحین حدیث نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی طرف بھی بھیجے جاتے تھے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقل شریعت نہیں لائے تھے، ان کی شریعت وہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ آئی تھی عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعض احکام میں جزوی تبدیلیاں فرمائی تھیں اور رسول اللہ ﷺ مستقل اور کامل شریعت لانے والے نبی و رسول تھے، اس لئے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مشابہت تھی...... قرآن مجید سورۂ مزمل میں بھی فرمایا گیا ہے۔ "اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝" ...... بہر حال اس خاص وجہ سے ورقہ بن نوفل نے اس موقع پر جبرائیل امینؑ کے تعارف میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

آگے حدیث میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے پورے یقین کے ساتھ یہ بتلا کر کہ غار حرا میں آنے والے یہ فرشتے جبرائیل امینؑ تھے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر موسیٰ علیہ السلام (اور دوسرے نبیوں رسولوں) کے پاس بھی آیا کرتے تھے، حضور ﷺ کی نبوت کی واضح الفاظ میں تصدیق فرمائی اور ساتھ میں بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میں اس وقت طاقتور جوان پٹھا ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو اس شہر مکہ سے نکالے گی (تو میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتا اور جان کی بازی لگا کر آپ ﷺ کی مدد کرتا)...... حضور ﷺ نے ورقہ سے یہ سن کر از راہ تعجب پوچھا کہ کیا میری قوم مجھے اس شہر سے نکال دے گی؟ (آپ ﷺ کو تعجب اس لئے ہوا کہ اب تک اپنے کریمانہ اخلاق اور معصومانہ زندگی کی وجہ سے آپ ﷺ قوم میں انتہائی درجہ ہر دلعزیز تھے، آپ ﷺ کو الصادق الامین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اس لئے یہ بات فی الحقیقت قابل تعجب تھی کہ یہی قوم آپ کو کبھی شہر مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دے گی) ورقہ نے آپ ﷺ کے اس سوال کے جواب میں کہا کہ اللہ کی طرف سے جو پیغمبر بھی وہ دعوت و تعلیم لے کر آیا ہے، جو تم لائے ہو (اور لاؤ گے) تو اس کی قوم اس کی دشمن ہو گئی ہے، تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا، تمہاری قوم کے لوگ تمہارے جانی دشمن ہو جائیں گے اور تم کو شہر چھوڑ کے نکل جانا ہوگا...... غالب گمان یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے یہ جو کچھ کہا قدیم آسمانی کتابوں کی پیشن گوئیوں اور اللہ کی طرف سے آنے والے نبیوں رسولوں کی تاریخ کی روشنی میں کہا۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں، ان کی شہادت بھی یہی ہے۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے مکرر کہا کہ اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ پایا جب آپ ﷺ قوم کو دین حق کی دعوت دیں گے اور قوم آپ ﷺ کی مخالف اور دشمن ہو جائے گی تو میں اپنے اس بڑھاپے اور اس معذوری کے باوجود آپ ﷺ کی اپنے امکان بھر مدد کروں گا...... اس کے آگے روایت میں ہے کہ پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ ورقہ بن نوفل وفات پاگئے...... اور غار حرا کے اس واقعہ کے بعد کچھ مدت تک وحی کی آمد کا سلسلہ بند رہا۔ (حدیث کے اصل مضمون کی توضیح وتشریح ختم ہوئی)

حدیث سے متعلق چند امور کی وضاحت

۱)...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے اور ایمان لانے والے ورقہ بن نوفل اور حضرت خدیجہؓ ہیں، لیکن یہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ کو دین حق کی طرف دعوت دینے کا حکم نہیں ہوا تھا اور ورقہ بن نوفل اسی زمانے میں اس حال میں انتقال فرماگئے کہ وہ صحیح عیسوی دین پر قائم تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کر کے آپ ﷺ پر بھی ایمان لا چکے تھے، اس لحاظ سے ان کو اس امت کا اول مومن بھی کہا جا سکتا ہے...... پھر جب آپ ﷺ کو دعوت دینے کا حکم ہوا تو جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے، سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا جو آپ ﷺ کی نبوت پر پہلے بھی ایمان لا چکی تھیں۔

۲)...... حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے تین دفعہ انتہائی زور زور سے حضور ﷺ کا گلوئے مبارک دبایا (جیسے کوئی کسی کا گلا گھونٹنا چاہتا ہے) شارحین اور علمائے کرام نے اس کی مختلف توجیہیں بیان فرمائی ہیں۔

اس عاجز راقم سطور کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس طرح انتہائی زور سے گلا دبانے سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ کچھ دیر کے لئے آپ کی توجہ ہر طرف سے اپنی ذات کی طرف سے بھی ہٹ کر صرف اپنے رب کریم کی طرف ہو جائے جب کسی عارف باللہ اور خدا آشنا بندے کا اس طرح گلا گھونٹا جائے گا تو یقیناً اس کی تمام تر توجہ صرف اپنے پروردگار کی طرف ہو جائے گی اور اس کا احساس و شعور بڑی حد تک اس عالم سے کٹ کر ملاء اعلیٰ سے جڑ جائے گا، اس وقت حضور ﷺ پر جو وحی پہلی دفعہ القا کی جانے والی تھی، اس کے لئے اس کی ضرورت تھی، بالفاظ دیگر اس عمل کے ذریعہ حضور کی روح و قلب میں وہ قوت پیدا کرنی تھی، جو اس وحی الٰہی کا تحمل کر سکے جس کو قرآن پاک میں قولاً ثقیلاً فرمایا گیا ہے...... بعد میں بھی نزول وحی کے وقت حضور کا جو حال ہوتا تھا، وہ حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے، سخت سردی کے موسم میں جب آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کو پسینہ پھوٹ پڑتا۔

روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں اگر وحی نازل ہوئی تو اونٹنی بیٹھ گئی...... الغرض اس عاجز کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ اس سخت دباؤ کا مقصد یہی تھا کہ آپ ﷺ اس وحی کا تحمل فرما سکیں جو پہلی دفعہ القا کی جا رہی تھی، واللہ اعلم۔

۳)...... حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ غار حرا سے جب گھر واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا اور جسم مبارک پر بھی اس کا اثر تھا اور حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ" (مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا) آپ ﷺ کا یہ حال بھی حضرت جبرائیلؑ کے اس گلا دبانے کا اور کلام الٰہی کے بار گراں کا بھی نتیجہ تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و حکمت ہے کہ ہم پر قرآن پاک کی تلاوت کا کوئی بوجھ نہیں پڑتا اور نہ اس کی شان تو خود اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

(سورۃ الحشر آیت نمبر ۲۱)

ترجمہ: اگر یہ قرآن ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں خود آپ ﷺ کے اور ساری کائنات کے خالق و پروردگار نے اپنی کتاب مبین قرآن مجید میں فرمایا ہے "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ O"[1] یعنی اے ہمارے پیغمبر (ﷺ) آپ اخلاق کے بلند و برتر مقام پر ہیں، احادیث و سیرت کی روایات میں آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا جو بیان ہے، وہ اسی مختصر قرآنی بیان کی گویا تشریح و تفسیر ہے "معارف الحدیث جلد دوم" میں کتاب الاخلاق قریباً پونے دو سو صفحات پر ہے اس میں اخلاق سے متعلق آنحضرت ﷺ کی تعلیمات وارشادات اور باب اخلاق کے سلسلہ کے آپ ﷺ کے بعض اہم واقعات بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

شروع میں وہ حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں اور اللہ کے نزدیک اخلاق کا کیا درجہ اور مقام ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے آنحضرت ﷺ کے چند مختصر ارشادات یہاں بھی ناظرین کی یاد دہانی کے لئے ذکر کر دیئے جائیں...... ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا [2]

ترجمہ: تم لوگوں میں اچھے اور بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ [3]

ترجمہ: میں خاص اس کام کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ اپنی تعلیم اور عمل سے کریمانہ اخلاق کی تکمیل کر دوں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ [4]

ترجمہ: قیامت کے دن مؤمن کی میزان اعمال میں جو سب سے زیادہ وزنی چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔

آپ ﷺ نے عمر شریف کے آخری دور میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو داعی و معلم اور حاکم بنا کر یمن بھیجا تو آخری نصیحت یہ فرمائی:۔

---

[1] سورۃ القلم آیت نمبر ۴۔ [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

[3] موطا امام مالک، مسند احمد۔ [4] سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی۔

اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ.[1]

ترجمہ: دیکھو سب لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کرنا۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں صحابۂ کرام نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان فرمایا ہے...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے اس شعبہ میں بھی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع نصیب فرمائے۔

۱۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ اُفٍّ وَلَا لِمَا صَنَعْتَ، وَلَا اَلَّاصَنَعْتَ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف کا کلمہ بھی نہیں فرمایا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

تشریح ...... عربی زبان میں اف کا کلمہ کسی بات پر ناگواری و ناراضی اور غصہ کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے...... رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی عمر آٹھ (۸) سال (اور ایک دوسری روایت کے مطابق دس (۱۰) سال) تھی، ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جو بڑی مخلص مؤمنہ صالحہ تھیں اپنے ان بیٹے کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا اور گویا آپ ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا اور پھر یہ حضور ﷺ کی وفات تک پورے دس (۱۰) سال آپ ﷺ کی خدمت میں رہے، اس حدیث میں انہوں نے حضور کے حسن اخلاق اور نرم مزاجی کے بارے میں اپنا یہ ذاتی تجربہ بیان فرمایا ہے کہ دس (۱۰) سال کی خادمانہ مدت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے ناراضی اور غصہ کے اظہار کے لئے اف کا کلمہ بھی فرمایا ہو، اسی طرح کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کام کے کرنے پر آپ ﷺ نے ڈانٹا ہو کہ یہ کام تم نے کیوں کیا، یا کسی کام کے نہ کرنے پر ڈانٹا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا...... مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عادت شریف اور آپ ﷺ کا عام رویہ عفو و درگزر کا تھا...... حضرت انس رضی اللہ عنہ، ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے جس کو بیہقی نے "شعب الایمان" میں روایت کیا ہے کہ:۔

خَدَمْتُهٗ عَشْرَسِنِيْنَ فَمَا لَا مَنِيْ عَلٰى شَيْءٍ اُتِيَ فِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ فَاِنْ لَامَنِيْ لَائِمٌ مِنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَوْ قُضِيَ شَيْءٌ كَانَ. (مشکوۃ المصابیح)

ترجمہ: میں نے دس (۱۰) سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، اگر کبھی میرے ہاتھ سے کوئی چیز ضائع یا خراب ہو گئی تو آپ ﷺ نے اس پر بھی مجھے ملامت نہیں فرمائی، اور اگر میری اس غلطی پر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی ملامت کرتا تو آپ فرما دیتے تھے کہ جب بات مقدر ہو چکی تھی وہ ہونی ہی تھی۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آپ کا یہ رویّہ ذاتی معاملات میں تھا، لیکن جیسا کہ دوسری حدیثوں

[1] مؤطا امام مالک۔

سے معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام وحدود کے بارے میں آپ ﷺ کوئی رو رعایت نہیں فرماتے تھے۔

١٠٨) وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَمْشِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيْظُ الْحَاشِيَةِ فَاَدْرَكَهٗ اَعْرَابِيٌّ فَجَبَذَهٗ بِرِدَائِهٖ جَبْذَةً شَدِيْدَةً وَرَجَعَ نَبِيُّ اللّٰهُ ﷺ فِيْ نَحْرِ الْأَعْرَابِيْ حَتّٰى نَظَرْتُ اِلٰى صَفْحَةِ عَاتِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَدْاَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الْبُرْدِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهٖ، ثُمَّ قَالَ يَامُحَمَّد مُرْبِيْ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْ عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ ضَحِكَ، ثُمَّ اَمَرَلَهٗ بِعَطَاءٍ. (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جارہے تھے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے تھے (چلتے چلتے) حضرت ﷺ کو ایک گنوار بدو نے پکڑ لیا اور آپ ﷺ کی چادر پکڑ کے اس زور سے کھینچا کہ آپ ﷺ اس بدو کے سینے سے آلگے اور میں نے دیکھا کہ اس بدو کے زور سے چادر کھینچنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی گردن مبارک کے ایک طرف نشان پڑ گیا۔ پھر اس گنوار بدو نے کہا کہ اے محمد تمہارے پاس جو اللہ کا مال ہے تم (اپنے آدمیوں کو) حکم دو کہ وہ اس میں سے مجھ کو دیں (حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس گنوار بدو کی طرف دیکھا (اور بجائے غصہ فرمانے کے) آپ ﷺ اس کی اس حرکت پر ہنسے اور اس کو کچھ دینے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح نجران یمن کے علاقہ میں ایک شہر تھا جہاں خاص قسم کی چادریں بنتی تھیں، ان کو نجرانی چادر کہا جاتا تھا...... اس بدو نے جس "اللہ کے مال" (مال اللہ) کا سوال کیا تھا اس سے مراد بظاہر زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کا وہ سرمایہ تھا جو بیت المال میں رہتا تھا جو آپ ﷺ مستحقین کو عطا فرماتے تھے...... حدیث کا مضمون ومفہوم واضح ہے کسی توضیح وتشریح کا محتاج نہیں...... ظاہر ہے کہ یہ بدو انتہائی درجہ کا اجڈ گنوار تھا، اس وقت اس میں کسی اصلاحی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد بھی نہیں تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو سزا یا تنبیہ درکنار کوئی نصیحت کی بات بھی نہیں فرمائی، بلکہ اس کی اس انتہائی گستاخانہ حرکت کا جواب آپ ﷺ نے صرف ہنس کر دیا اور جس روپے پیسے کا وہ طالب تھا اس کو عنایت فرمادیا اور امت کو سبق دیا کہ اس درجہ کی بدتمیزی اور ایذارسانی کے مواقع پر بھی نفس پر قابو رکھیں اور عفو ودرگزر کا رویّہ اختیار کرکے لوگوں کے دل جیتیں اور اپنے سے قریب کریں، پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمادے گا اور ان کی اصلاح بھی ہوجائے گی...... بلاشبہ ارباب بصیرت کے نزدیک آپ ﷺ کی زندگی کے اس طرح کے واقعات بھی آپ ﷺ کے معجزات ہیں۔

١٠٩) عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَاسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شيئاً قَطُّ فَقَالَ لَا (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے اس کے جواب میں "لا" (یعنی نہیں) فرمایا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ سے جب کسی چیز کا سوال کیا جاتا کہ یہ عنایت فرمادی جائے، تو آپ کبھی "لا" کہہ کر انکار نہیں فرماتے تھے، جس سے سوال کرنے والے کی دل شکنی ہوتی اگر وہ چیز موجود ہوتی تو عطا فرمادیتے، ورنہ عذر فرمادیتے اور دعا فرمادیتے الغرض سوال کرنے والے کو آپ کبھی "لا" کہہ کر انکار اور نفی میں جواب نہیں دیتے تھے۔

بہ ظاہر یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ انتہائی غیر معمولی بات ہے کسی شخص کے کسی مطالبہ یا سوال کے جواب میں کبھی بھی "نہ" نہ کہنا آخری درجہ کی کریم النفسی، شرافت طبع اور عالی ظرفی کی دلیل ہے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ وہبی طور پر یہ صفات نصیب فرمادے، اسی طرح وہ اللہ کے بندے جو ان صفات سے آراستہ اللہ والوں کے ساتھ رہ کر اپنے اندر یہ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی بہت قابل رشک ہیں۔

۱۱۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِاٰنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ فَمَا يَاْتُوْنَ بِاِنَاءٍ اِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْهَا فَرُبَّمَا جَاءَ ه‘ بِالْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَغَمَس يَدَه‘ فِيْهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: ... حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تو مدینہ کے گھروں کے خدمت گار (غلام یا باندیاں) اپنے اپنے برتن لے کر آجاتے جن میں پانی ہوتا (تاکہ آپ برکت کے لئے یا بیماری سے شفا جیسے مقاصد کے لئے اس پانی میں اپنا دست مبارک ڈال دیں) تو آپ ہر برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے تو بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ (سخت سردی کے موسم میں) ٹھنڈی صبح کے وقت (برتن میں بہت ٹھنڈا پانی لے کر آپ کے) پاس آجاتے تو آپ ﷺ اس میں بھی اپنا دست مبارک ڈال دیتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مدینہ منورہ میں سردی کے خاص موسم میں سخت سردی ہوتی ہے اور برتنوں میں رکھا پانی برف جیسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ پانی لانے والے کی دلداری کے لئے اور اس عمل کو بندگان خدا کی خدمت تصور فرماتے ہوئے اس برف جیسے ٹھنڈے پانی میں بھی دست مبارک ڈال دینے کی تکلیف برداشت فرماتے تھے...... حضرت انس رضی اللہ عنہ، کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں تھا کہ کبھی اتفاقاً ہی کوئی شخص برتن میں پانی لے آتا ہو اور آپ ﷺ اس میں دست مبارک ڈال دیے ہوں بلکہ یہ گویا روز مرہ کا سا معمول تھا...... اگر اللہ کے کسی صالح بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے تو یہ حدیث اس کی اصل اور بنیاد ہے۔ بشرطیکہ عقیدہ میں فساد اور غلو نہ ہو۔

۱۱۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ اِنِّيْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً. (رواہ مسلم)

ترجمہ: ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ آپ مشرکین اور کفار کے حق میں بد دعا فرمائیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں لعنت اور بد دعا کرنے والا بنا کر

نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کفار و مشرکین آپ ﷺ کے اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کے انتہائی درجہ کے دشمن تھے، خود آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کی ایذائیں دیتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو اپنا عزیز اور مقدس وطن مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا، اس کے بعد بھی ان کی شر انگیزیوں کا سلسلہ جاری رہا، تو کسی وقت آپ ﷺ کے اصحاب کرام نے درخواست کی کہ حضور ان ظالموں بدبختوں کے حق میں بددعا فرمائیں کہ اللہ ان پر اپنا قہر و عذاب نازل فرمائے اور یہ ہلاک و برباد کر دیئے جائیں جس طرح اگلی بہت سی امتوں کے ایسے ظالم کفار پر عذاب نازل ہو، اور زمین ان کے وجود سے پاک کر دی گئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے اس درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں لعنت اور بددعا کروں، مجھے تو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں فرمایا ہے: "وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين"

۱۱۲) عَنْ عَائِشَةَ مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَاامْرَاَةً وَلَاخَادِمًا اِلَّا اَنْ يُجَاهِدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَمَانِيْلَ مِنْهُ شَيْئٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُنْتَهَكَ شَيْئٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، البتہ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں ضرور ایسا ہوا ہے ...... اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص کی طرف سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے والی کوئی حرکت کی گئی ہو تو آپ ﷺ نے اس سے انتقام لیا ہو، (بلکہ آپ ﷺ ذاتی معاملات میں معافی اور درگزر ہی کا معاملہ فرماتے تھے (البتہ اگر کسی شخص کی طرف سے کسی فعل حرام کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ کے لئے (یعنی فرمان خداوندی کی تعمیل میں) اس مجرم کو سزا دیتے (یا سزا دینے کا حکم فرماتے) تھے ...... (صحیح مسلم)

تشریح ...... ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی کی غلطی یا بے تمیزی پر غصہ ہو کر اس کو نہیں مارا حتیٰ کہ نہ کبھی کسی خادم پر آپ کا ہاتھ اٹھا نہ کسی عورت پر ...... یعنی کسی خادم غلام یا باندی سے یا کسی بیوی سے کیسی ہی غلطی ہوئی ہو، کبھی غصہ سے آپ کا ہاتھ اس پر نہیں اٹھا ...... ہاں جہاد فی سبیل اللہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے اس کے کسی دشمن پر آپ ﷺ کا ہاتھ اٹھا ہے، چنانچہ غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کا سردار ابی بن خلف آپ ﷺ ہی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔

دوسری بات حضرت صدیقہؓ نے یہ بیان فرمائی کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بدبخت نے آپ ﷺ کو ایذا پہنچائی ہو یا آپ ﷺ کے ساتھ بدتمیزی کی ہو تو آپ ﷺ نے اس سے انتقام لیا ہو، آپ ﷺ اپنی ذات کے معاملہ میں ہمیشہ عفو و درگزر ہی سے کام لیتے تھے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی حرام فعل اور جرم کا ارتکاب کرتا تو آپ

ﷺ اس کو سزا دیتے تھے، لیکن یہ سزا بھی نفس کے تقاضے اور طبیعت کے غصہ سے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور اس کے حکم کی تعمیل میں دی جاتی تھی۔

۱۱۳) عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَاكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصْنَعُ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِيْ (تَعْنِيْ) اَهْلِهٖ (مِهْنَةِ خِدْمَةِ أَهْلِهٖ) فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ. (رواه البخاری)

ترجمہ:۔ جناب اسود سے روایت ہے (جو ایک بزرگ تابعی ہیں) انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ (جن اوقات میں حضور ﷺ گھر کے اندر رہتے تھے) تو ان اوقات میں آپ کیا کرتے تھے؟ تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے کاموں میں شریک ہو کر ان کی مدد اور خدمت کرتے تھے، پھر جب نماز کا وقت آجاتا تو سب چھوڑ کر نماز کو تشریف لے جاتے...... (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہو کہ گھر کے کام کاج میں گھر والیوں کی مدد کرنا اور ان کا ہاتھ بٹانا حضور کا مستقل معمول تھا اور یہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کی سنتوں پر عمل کرنے کی بھی ہم لوگوں کو توفیق عطا فرمائے۔ اس میں خدمت اور مدد کرنے کا اجر و ثواب بھی ہے اور کبر جیسے روحانی امراض کا علاج بھی۔

۱۱۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْصِفُ نَعْلَه' وَيَخِيْطُ ثَوْبَه' وَيَعْمَلُ فِيْ بَيْتِهٖ كَمَا يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِيْ بَيْتِهٖ وَقَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَه' وَيَحْلِبُ شَاتَه' وَيَخْدِمُ نَفْسَه'. (رواه الترمذی)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عام رویہ اور معمول یہ تھا کہ (ضرورت پڑنے پر) خود ہی اپنی (ٹوٹی پاپوش) گانٹھ لیتے تھے اور خود ہی اپنا (پھٹا ہوا) کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے تھے، جس طرح تم میں سے کوئی بھی آدمی گھر کا کام کرتا ہے...... اور حضرت صدیقہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ (کوئی مافوق البشر غیر انسانی مخلوق نہیں تھے، بلکہ) بنی آدم ہی میں سے ایک آدمی تھے (معمولی سے معمولی کام بھی خود کر لیتے تھے) اپنے کپڑے میں خود جوئیں دیکھتے تھے، بکری کا دودھ خود دوہ لیتے تھے، اپنے ذاتی کام خود ہی کر لیتے تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں بڑا سبق ہے، ان حضرات کے لئے جو دین اور علم دین میں حضور ﷺ کے خواص نائبین و وارثین ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو اس کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۱۵) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ يَنْزِعْ يَدَه' مِنْ يَدِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَالَّذِيْ يَنْزِعُ يَدَه'، وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَه' عَنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَالَّذِيْ يَصْرِفُ وَجْهَه' عَنْ وَجْهِهٖ وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَه'. (رواه الترمذی)

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور معمول تھا کہ جب کسی شخص سے آپ ﷺ مصافحہ کرتے تو اپنا دست مبارک اس کے ہاتھ میں سے اس وقت تک نہ نکالتے جب تک

کہ وہ شخص اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے دست مبارک سے نہ نکالتا، اسی طرح اپنا رخ اور چہرۂ مبارک اس کی طرف سے نہ پھیرتے جب تک کہ خود وہ شخص اپنا چہرہ آپ ﷺ کی طرف سے نہ پھیرتا، اور کبھی آپ ﷺ کو اس حال میں نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے زانوئے مبارک برابر بیٹھے ہوئے دوسرے آدمی سے آگے کئے ہوئے ہوں...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے اور آپ ﷺ سے مصافحہ کرنے والے حضرات آپ ﷺ پر ایمان لانے والے آپ کے خادم و جاں نثار صحابۂ کرام ہی ہوتے تھے، ان کے ساتھ بھی آپ ﷺ کا اکرام اور لحاظ کا یہ رویّہ تھا جو آپ ﷺ کے ہمہ وقتی خادم حضرت انس نے اس حدیث میں بیان کیا...... افسوس ہم جیسے اُمتیوں نے ان اخلاق عالیہ اور اس اسوۂ حسنہ کے اتباع سے اپنے کو کس قدر محروم کر لیا ہے۔

۱۱۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَسْرِدُ الْحَدِيْثَ كَسَرْدِكُمْ كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لَوْعَدَّهُ الْعَادُّ لَاَحْصَاهُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح روانی اور تیزی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات فرماتے تھے کہ اگر (آپ ﷺ کے الفاظ اور کلمات کو) کوئی شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا...... (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ تعلیم اور تفہیم کے لئے یہی بہتر ہے کہ بات ٹھہر ٹھہر کے اس طرح کی جائے کہ سامعین پوری طرح سمجھ سکیں اور ذہن نشین کر لیں جامع ترمذی میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے اسی مضمون کی جو حدیث روایت کی گئی ہے، اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيْنَه، فَصْلٌ يَحْفَظُه، مَنْ جَلَسَ اِلَيْهِ

ترجمہ...... رسول اللہ ﷺ اس طرح کلام فرماتے تھے کہ اس کے کلمات جدا جدا ہوتے تھے جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوتے وہ اس کو حافظہ میں محفوظ کر لیتے تھے۔

۱۱۷) عَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَوِيْلَ الصَّمْتِ (رواه فی شرح السنه)

ترجمہ...... حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خاموشی طویل ہوتی تھی...... (شرح السنہ)

تشریح ...... مطلب یہ کہ آپ ﷺ تعلیم و تربیت جیسی کسی ضرورت ہی سے گفتگو فرماتے تھے، اگر کچھ فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی تو آپ ﷺ خاموش ہی رہتے، اسی سلسلہ معارف الحدیث۔ (کتاب الایمان جلد اول) میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ حدیث درج کی جاچکی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ.

ترجمہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اچھی بات کرے (جس پر اجر و ثواب کی امید ہو) یا خاموش رہے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور ہدایت تھی اور اسی پر آپ ﷺ کا عمل تھا، اللہ تعالیٰ ہم اُمتیوں کو بھی اس کا اتباع نصیب فرمائے۔

یہاں کتاب المناقب والفضائل میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے متعلق صرف یہ دس حدیثیں درج کی گئی ہیں بلا شبہ یہ صرف "مشتے نمونہ از خروارے" ہے۔

وفات اور مرض وفات

صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے رسول اللہ ﷺ کے فضائل اور ولادت باسعادت اور بعثت و آغاز وحی اور آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے ابواب کے سلسلہ کو باب وفات پر ختم کیا ہے جس میں حضور ﷺ کی وفات اور مرض وفات سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں، اسی کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی آپ ﷺ کی وفات اور مرض وفات سے متعلق چند حدیثوں کے ذکر پر اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

پہلے یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے وفات کے بارے میں اس پر تو محدثین اور اہل سیر و تاریخ کا اتفاق ہے کہ ۱۱ ہجری ربیع الاول کا مہینہ اور دو شنبہ کا دن تھا، لیکن تاریخ کے بارے میں، تاریخ ولادت ہی کی طرح روایات اور اقوال مختلف ہیں، جہاں تک اپنا مطالعہ ہے حدیث کی کسی کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس میں حضور کی تاریخ وفات کا ذکر کیا گیا ہو، تاریخ اور سیر کی کتابوں میں تین تاریخوں کی روایات ذکر کی گئی ہیں، ربیع الاول کی پہلی، دوسری اور بارہویں اور تاریخ ولادت کی طرح وفات کی تاریخ بھی بارہویں ہی زیادہ مشہور ہے لیکن بعض محققین نے لکھا ہے کہ تاریخ وفات ۱۲۔ ربیع الاول کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بات مسلم اور صحیح ترین روایات سے ثابت ہے کہ وفات سے قریباً پونے تین مہینے پہلے آپ ﷺ نے جو حج کیا (حجۃ الوداع) تو ۹۔ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا..... اور یہ بھی مسلم اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی وفات دو شنبہ کے دن ہوئی تو ۹۔ ذی الحجہ کو جمعہ ہونے کی صورت میں ۱۲۔ ربیع الاول کو دو شنبہ کا دن کسی طرح نہیں ہو سکتا ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینوں کو خواہ ۳۰۔۳۰ دن کا فرض کیا جائے یا ۲۹۔۲۹ دن کا یا بعض کو ۲۹ اور بعض کو ۳۰ دن کا کسی صورت میں بھی ۱۲۔ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں ہو سکتا..... ہاں اگر تینوں مہینوں کو ۲۹ دن کا مانا جائے (جو بہت مستبعد ہے اور جس کا امکان بہت کم ہے) تو ربیع الاول کو پہلے دو شنبہ کو ۲ تاریخ ہوگی اور اگر ایک مہینہ کو ۲۹ دن کا اور دو مہینوں کو ۳۰۔۳۰ دن کا مانا جائے (جو بکثرت ہوتا ہے) تو ربیع الاول کے پہلے دو شنبہ کو یکم تاریخ ہوگی۔ ان سب حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ قرین قیاس یکم ربیع الاول والی روایت ہے..... واللہ اعلم۔

اب پہلے آنحضرت ﷺ کے بعض وہ ارشادات ذکر کئے جائیں گے جن میں آپ ﷺ نے اشارۃً یا صراحۃً صحابۂ کرام کو اپنی وفات کے قریب ہونے کی اطلاع دی تھی نیز بعض وہ حدیثیں جن میں مرض وفات کے

بعض اہم واقعات بیان فرمائے گئے ہیں، آخر میں وہ حدیثیں جن میں سانحۂ وفات کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ ان احادیث مبارکہ کو اس عاجز راقم سطور کے لئے اور ناظرین کرام کے لئے ہدایت و سعادت کا وسیلہ بنائے اور ان کی برکت سے حسن خاتمہ نصیب فرمائے "اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ!

۱۱۸) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ، ثُمَّ طَلَعَ الْمُنِيْرَ فَقَالَ اِنِّىْ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَاَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ، وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَاِنِّىْ لَاَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاَنَا فِىْ مَقَامِىْ هٰذَا، وَاِنِّىْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ، وَاِنِّىْ لَسْتُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِىْ، وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا اَنْ تُنَافِسُوْا فِيْهَا (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد نماز پڑھی، اس شخص کی طرح جو الوداع کہنے والا ہو زندوں کو اور مردوں کو، پھر آپ (مسجد شریف آکر) منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے صحابۂ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے آگے فرط (میر منزل) کی طرح جانے والا ہوں اور میں تمہارے بارے میں شہادت دینے والا ہوں اور تم سے ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے، اور میں اپنی اسی جگہ سے اس حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمادی گئی ہیں، زمین کے خزانوں کی کنجیاں، اور مجھے تمہارے بارے میں اس کا خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ میرے بعد تمہاری رغبت اور چاہت کا رخ دنیا کی طرح ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ احد میں جو صحابۂ کرامؓ شہید ہوئے تھے (جن میں حضور ﷺ کے محبوب و محترم چچا حمزہ رضی اللہ عنہ، بھی تھے) ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی (بغیر نماز جنازہ ہی دفن کئے گئے تھے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ پر منکشف کیا گیا کہ آپ کا سفر آخرت قریب ہے تو آپ ایک دن مشہد احد تشریف لے گئے (جہاں شہدائے احد مدفون ہیں) اور آپ نے ان پر جنازہ کی نماز پڑھی ...... صحیح البخاری کتاب الجنائز کی اسی حدیث کی روایت میں ہے "صَلّٰى عَلٰى اَهْلِ اُحُدٍ صَلٰوتَهٗ عَلَى الْمَيِّتِ ......" اس میں صراحت ہے کہ آپ نے آٹھ سال پہلے شہید ہو کر دفن ہونے والوں پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے ...... آگے حدیث کے راوی عقبہ بن عامر کے الفاظ ہیں "كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ" مطلب یہ ہے کہ اس نماز میں حضور ﷺ کا حال وہ تھا جو زندوں اور مردوں سب کو الوداع کہنے والے اور رخصت کرنے والے کسی شخص کا ہوتا ہے ......

آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پھر وہاں سے آپ مسجد تشریف لائے (غالباً نماز کا وقت ہوگا اور مسجد میں لوگ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہوں گے) آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور خاص اہتمام کے ساتھ یہ چند باتیں ارشاد فرمائیں...... اول یہ کہ میں تم سے پہلے اور تم سے آگے عالم آخرت کی طرف

"فرط" کی طرح جانے والا ہوں...... عرب میں دستور تھا کہ جب قافلہ کسی طرف جانے والا ہوتا تو ایک سمجھدار اور تجربہ کار آدمی، آگے کی منزل کی طرف پہلے روانہ ہو جاتا، جو قافلہ سے پہلے منزل پہ پہنچ کر قافلہ کے لئے ضروری انتظامات کرلیتا اس کو فرط کہا جاتا تھا (صاحب مظاہر حق نے فرط کا ترجمہ میر منزل کیا ہے)......اس ارشاد میں حضور ﷺ نے اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کا اشارہ دینے کے ساتھ صحابۂ کرام کو تسلی دی کہ میرا تم سے پہلے چلا جانا تمہارے لئے باعث خیر ہوگا، میں آگے جا کر تمہارے لئے وہ کروں گا جو فرط کرتا ہے اور جس طرح قافلہ روانہ ہونے کے بعد منزل پر پہنچ کر پھر فرط سے مل جاتا ہے اسی طرح تم بھی مجھ سے آملو گے...... آگے آپ نے فرمایا اور میں تمہارے بارے میں شہادت دوں گا کہ تم ایمان لائے تھے اور تم نے میرا اتباع کیا اور راہ حق میں ساتھ دیا تھا...... آگے حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہاں ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض کوثر کو میں اس وقت اپنی اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ نے سارے پردے اٹھا کر آخرت کے حوض کوثر کو میرے سامنے کر دیا ہے) اس کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمین اور اس دنیا کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرمادی گئی ہیں یہ بشارت تھی کہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں میری امت کو عطا فرمائے جانے کا خداوندی فیصلہ ہو چکا (واقعہ یہ ہے کہ اس کا ظہور عہد صحابہ ہی میں ہو گیا۔)

اس خطاب کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم پھر مشرک ہو جاؤ گے اس طرف سے مجھے اطمینان ہے، ہاں یہ خطرہ ضرور ہے کہ تمہاری رغبت اور طلب کا رخ دنیا کی زینتوں لذتوں کی طرف ہو جائے، حالانکہ مؤمن کے لئے رغبت اور چاہت کی چیز صرف جنت و نعمہائے آخرت ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے "وَفِيْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَا فَسِ الْمُتَنَا فِسُوْنَ O"

۱۱۹) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ اَنْ يُّؤْتِيَه، مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَاشَاءَ وَبَيْنَ مَاعِنْدَه، فَاخْتَارَ مَاعِنْدَه، قَالَ فَبَكىٰ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ فَدَيْنَاكَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا" فَعَجَبْنَا لَه، فَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوا اِلىٰ هٰذَا الشَّيْخِ يُخْبِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ اَنْ يُّؤْتِيَه مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَاعِنْدَه، وَهُوَ يَقُوْلُ فَدَيْنَاكَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا، فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَالْمُخَيَّرُ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اَعْلَمُنَا.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ.. حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے (صحابۂ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی بہاروں اور نعمتوں میں سے جس قدر چاہے لے لے، یا (آخرت کی) جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں، ان کو لے لے...... تو اس بندے نے (آخرت کی وہ نعمتیں) پسند کر لیں جو اللہ کے پاس ہیں...... یہ سن کر ابو بکرؓ رونے لگے اور انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم اور ہمارے ماں باپ

آپ ﷺ پر سے قربان ہوں (حدیث کے راوی ابو سعید خدری کہتے ہیں) کہ ہم کو ابو بکرؓ کے اس حال اور اس بات پر تعجب ہوا اور لوگوں نے آپس میں کہا کہ ان بزرگوار کو دیکھو! حضور ﷺ تو اس بات کی خبر دے رہے ہیں، کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا تاکہ یا تو وہ دنیا کی بہاروں نعمتوں میں سے جس قدر چاہے پسند کرے یا آخرت کی وہ نعمتیں جو اللہ کے پاس ہیں پسند کرے اور یہ بزرگوار ابو بکر کہہ رہے ہیں کہ "ہم اور ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں" (آگے ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ جب جلدی ہی حضور ﷺ وفات پاگئے تو معلوم ہو گیا کہ) آپ ﷺ ہی وہ بندے تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ اختیار دیا تھا (اور معلوم ہو گیا کہ) ابو بکرؓ علم و دانش اور فراست میں ہم سب سے فائق تھے (انہوں نے وہ حقیقت سمجھ لی جو ہم میں سے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح .... اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر رونق افروز ہو کر یہ خطاب کب فرمایا تھا، صاحب مشکوٰۃ نے الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ سنن دارمی کے حوالہ سے اس خطبہ کے متعلق حضرت ابو سعید خدریؓ ہی کی روایت نقل کی ہے اس میں صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ خطاب مرض وفات ہی میں فرمایا تھا اور یہ حضرت کا آخری خطاب تھا، اسکے بعد حضور ﷺ نے مسجد شریف میں کوئی خطاب نہیں فرمایا یہاں تک کہ وصال فرما گئے۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت سے (جس کے راوی حضرت جندب ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ وفات سے پانچ دن پہلے (یعنی جمعرات کے دن) آپ نے یہ خطاب فرمایا تھا۔

صاحب مشکوٰۃؒ "باب وفات النبی ﷺ" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث صرف اتنی ہی نقل کی ہے جو یہاں درج کی گئی، لیکن صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کے فضائل کے باب میں بھی نقل کی گئی ہے اور دونوں میں یہ اضافہ ہے کہ حضور نے اسی خطاب میں یہ بھی فرمایا کہ :-

اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ مَالِهٖ وَصُحْبَتِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلاً غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلاً وَلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهٗ لَايُبْقَيَنَّ فِى الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّاسُدَّ اِلَّا بَابَ اَبِيْ بَكْرٍ

ترجمہ: یہ حقیقت ہے کہ لوگوں میں سے جس شخص نے میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کیا اپنے مال سے اور اپنی صحبت (یعنی خادمانہ رفاقت) سے وہ ابو بکر ہے اور اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو خلیل (یعنی جانی دوست) بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن اسلامی اخوت و مودت کا خاص تعلق ابو بکر سے ہے، (اسی کے ساتھ آپ نے ہدایت فرمائی کہ) مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابو بکر کے دروازے کے (بس اسی کو باقی رکھا جائے)[1]

---

[1] رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ کرامؓ کے بھی دروازے مسجد شریف میں کھلتے تھے جن سے وہ براہ راست مسجد شریف میں آجاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے اس خطاب میں ہدایت فرمائی کہ ابو بکر کے .... (جاری ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس خطاب میں (جو وفات سے صرف پانچ دن پہلے آپ ﷺ نے فرمایا تھا اور جو مسجد شریف میں آپ کی زندگی کا آخری خطاب تھا) اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کی طرف اشارہ فرمانے کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیا تھا کہ امت میں جو مقام و مرتبہ ابو بکر کا ہے، وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ فرما کر کہ مسجد میں سب دروازے بند کر دیئے جائیں صرف ایک دروازہ ابو بکر کا باقی رہے یہ اشارہ بھی فرمادیا تھا کہ میرے بعد ابو بکر ہی کا وہ تعلق مسجد سے رہے گا جو میرا تھا (ملحوظ رہے کہ عہد نبوت کی مسجد نبوی ہماری مسجدوں کی طرح صرف نماز کی مسجد نہیں تھی بلکہ وہ تمام کار ہائے نبوت کا مرکز تھا۔)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس خطاب میں اور بھی چند اہم ہدایات فرمائی تھیں۔

١٢٠) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ لَمْ يَقُمْ مِنْه‘ ”لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ“ قَالَتْ عَائِشَةُ لَوْلَا ذَاكَ لَاَبْرُزُ قَبْرَه‘ خَشِىَ اَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مرض میں جس سے آپ صحت یاب نہیں ہوئے (یعنی مرض وفات میں) ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضور ﷺ کا یہ ارشاد بیان کرنے کے بعد) حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا نہ ہوتا تو میں آپ ﷺ کی قبر مبارک کو کھول دیتی، آپ ﷺ کو خطرہ تھا کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کو بھی اسی طرح سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بھی اسی خطاب میں فرمائی تھی جو آپ ﷺ نے وفات سے پانچ دن پہلے مسجد میں منبر پر روشن افروز ہو کر فرمایا تھا (جس کا ذکر ابو سعید خدریؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں آچکا ہے) اور بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مرض کی شدت کی حالت میں جب کہ آپ اپنے بستر ہی پر تھے، یہ فرمایا تھا، قرین قیاس یہ ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے مرض کی شدت کی حالت میں بستر پر بھی فرمائی اور مسجد کے خطاب عام میں بھی کیوں کہ آپ کو اس کی غیر معمولی فکر تھی کہ میرے بعد میرے امتی میری قبر کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کے ساتھ کیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ خداوندی لعنت کے مستحق ہوگئے ہیں، آپ ﷺ کو یہ تو اطمینان تھا کہ میرے امتی بت پرستی جیسے شرک میں کبھی مبتلا نہ ہوں گے (اس اطمینان کا آپ ﷺ نے

(گذشتہ سے پیوستہ)

سوا سب کے دروازے بند کر دیئے جائیں، اس حدیث کی ایک روایت میں ”باب“ کے بجائے ”خوخہ“ کا لفظ ہے جس کے معنی کھڑکی کے بھی ہیں اور روشن دان کے بھی۔

اظہار بھی فرمایا) لیکن آپ ﷺ کو یہ خطرہ تھا کہ شیطان ان کو میری محبت اور تعظیم کے حیلہ سے اس شرک میں مبتلا کر دے کہ وہ میری قبر کو سجدہ کرنے لگیں، اس لئے اس بارے میں آپ ﷺ نے بار بار اور مختلف موقعوں پر اور مختلف عنوانوں سے تنبیہ فرمائی اور خاص کر مرض وفات میں آپ ﷺ نے اس کا زیادہ اہتمام فرمایا، خطاب عام میں بھی فرمایا اور گھر میں بستر علالت پر بھی۔

۱۲۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَرَضِهٖ اُدْعِیْ لِیْ اَبَابَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰی اَكْتُبَ كِتَابًا، فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَیَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا اَوْلٰی وَیَاْبَی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں (مجھ سے) فرمایا کہ اپنے والد ابو بکر کو اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن) کو میرے پاس بلا لو تاکہ میں ایک نوشتہ (وصیت نامہ کے طور پر) لکھا دوں، مجھے خطرہ ہے کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں زیادہ مستحق ہوں...... اور اللہ اور مؤمنین ابو بکر کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث کا حاصل اور مفاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آخری مرض میں آپ ﷺ کے قلب مبارک میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لئے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور جو کام مجھ سے لیتا رہا ہے، اپنے بعد اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے (جس کا عنوان خلافت نبوت ہے) ابو بکر کو نامزد کر دیا جائے اور اس بارے میں وصیت لکھا دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو میرے پاس بلا دو مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی دوسرا تمنا کرنے لگے اور کوئی تیسرا کہنے والا کہنے لگے کہ میں اس کا زیادہ مستحق ہوں اور اس خدمت اور ذمہ داری کو میں بہتر طریقہ سے انجام دے سکتا ہوں اور اس سے اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اس خطرہ سے امت کی حفاظت کے لئے میں چاہتا ہوں کہ ابو بکر کے بارے میں وصیت نامہ لکھا دوں، لیکن پھر آپ ﷺ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی، آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ایسا ہی ہو گا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خود مؤمنین یہی فیصلہ کریں گے، چنانچہ آپ ﷺ نے خود ہی حضرت صدیقہؓ سے فرمادیا کہ "یابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر" (اللہ تعالیٰ اور مؤمنین ابو بکرؓ کے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے)...... صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضور کے مرض وفات کے پہلے دن کا ہے، (خلافت نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں انشاء اللہ آگے درج ہونے والی ایک حدیث کی تشریح میں عرض کیا جائے گا۔

۱۲۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَعَا النَّبِیُّ ﷺ فَاطِمَةَ ابْنَتَهٗ فِیْ شَكْوَاهُ الَّذِیْ قُبِضَ فِیْهِ فَسَارَّهَا بِسِرٍّ فَبَكَتْ ثُمَّ دَعَاهَا فَسَارَّهَا فَضَحِكَتْ، قَالَتْ فَسَأَلْتُهَا عَنْ ذَالِكَ فَقَالَتْ سَارَّنِی النَّبِیُّ ﷺ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّهٗ یُقْبَضُ فِیْ وَجَعِهِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْهِ فَبَكَیْتُ ثُمَّ سَارَّنِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنِّیْ اَوَّلُ اَهْلِ بَیْتِهٖ اَتْبَعُهٗ فَضَحِكْتُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں (ایک دن) اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (اپنے پاس) بلایا اور راز داری کے طور پر ان سے کوئی بات کی تو وہ رونے لگیں، پھر آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور اسی طرح راز داری کے طور پر کوئی بات کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلی مرتبہ حضور ﷺ نے جب مجھ سے راز داری کے طور پر بات کی تھی تو مجھے یہ اطلاع دی تھی کہ آپ اسی مرض میں وفات پائیں گے (جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی) تو میں رنج اور صدمہ سے رونے لگی تھی آپ ﷺ نے جب دوبارہ اسی طرح راز داری سے بات کی تو آپ ﷺ نے مجھے بتلایا کہ آپ ﷺ کے گھر والوں میں سے سب سے پہلے میں ہی آپ ﷺ کے پیچھے روانہ ہوں گی (اور آپ ﷺ سے جاملوں گی) تو مجھے خوشی ہوئی اور میں ہنسنے لگی۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... حدیث کا مضمون واضح ہے البتہ یہ ذکر کردینا مناسب ہوگا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضور ﷺ کے مرض وفات میں جس دن یہ واقعہ ہوا اور حضرت صدیقہؓ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرنا چاہا کہ حضور ﷺ نے تم سے کیا بات فرمائی تھی، جس کی وجہ سے تم پہلے رونے لگی تھیں اور پھر جلدی ہی ہنسنے لگی تھیں؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس دن نہیں بتلایا بلکہ یہ کہا کہ جو بات حضور ﷺ نے راز داری کے ساتھ فرمائی ہے اس کو میں ظاہر نہیں کرسکتی...... پھر جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت صدیقہؓ نے پھر ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلی دفعہ حضور ﷺ نے مجھے یہ بتلایا تھا کہ میں اسی مرض میں دنیا سے اٹھا لیا جاؤں گا تو میں رنج وصدمہ سے رونے لگی تھی، پھر جب دوسری دفعہ آپ ﷺ نے مجھے بتلایا کہ آپ ﷺ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں ہی آپ ﷺ سے جاملوں گی، تو رنج وغم کی کیفیت ختم ہوگئی اور میں خوشی سے ہنسنے لگی تھی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دونوں باتیں اسی طرح واقع ہوئیں، ایک یہ کہ حضور ﷺ نے جیسا کہ فرمایا تھا اسی مرض میں وفات پائی اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اہل وعیال میں سے سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی وفات ہوئی، صرف چھ مہینے کے بعد...... یقیناً یہ ان پیشنگوئیوں میں سے ہے جو آپ ﷺ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔

۱۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ وَجْعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا حَسَنٍ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِاللّٰهِ بَارِئًا، فَاَخَذَهٗ بِيَدِهٖ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهٗ اَنْتَ وَاللّٰهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُالْعَصَا، وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ لَاَرَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَوْفَ يُتَوَفّٰى فِيْ وَجْعِهٖ هٰذَا اِنِّيْ لَاَعْرِفُ وُجُوْهَ بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ عِنْدَالْمَوْتِ، اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلْنَسْئَلْهُ فِيْ مَنْ

هٰذَا الْاَمْرُ؟ اِنْ كَانَ فِيْنَا عَلِمْنَا ذَالِكَ، وَاِنْ كَانَ فِيْ غَيْرِنَا عَلِمْنَاهُ فَاَوْصٰى بِنَا فَقَالَ عَلِيٌّ اِنَّا وَاللّٰهِ لَئِنْ سَاَلْنَاهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَمَنَعَنَا هَالَا يُعْطِيْنَاهَا النَّاسُ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ لَااَسْئَلُهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ . (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مرض وفات کے ایام میں (ایک دن) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے پاس سے باہر نکل کر آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آج رسول اللہ ﷺ کا حال کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ الحمد للہ آج حالت اچھی ہے (مرض میں افاقہ ہے) تو (ان کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نے ان کا ہاتھ پکڑ کے ان سے کہا کہ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم دوسروں کے تابع اور محکوم ہو جاؤ گے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ جلد ہی وفات پا جائیں گے ...... موت کے قریبی وقت میں عبدالمطلب کی اولاد کے چہروں کی جو کیفیت ہوتی ہے میں اس کو پہچانتا ہوں (اس پہچان اور تجربہ کی بنا پر میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ کا وقت قریب ہی ہے) تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو، ہم آپ ﷺ سے دریافت کریں کہ (آپ ﷺ کے بعد) یہ کام (یعنی کار خلافت و نیابت) کس کے پاس رہے گا؟..... اگر ہمارے (یعنی اہل خاندان) کے سپرد ہونے والا ہو گا تو ہم کو معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ کسی کے سپرد ہونے والا ہو گا تو ہم کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے ..... تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر ہم نے خلافت کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا اور آپ ﷺ نے ہم کو منع فرما دیا (یعنی خلافت ہم کو سپرد نہ کرنے کا فیصلہ فرما دیا) تو خدا کی قسم (آپ کے منع فرما دینے کے بعد) لوگ ہم کو خلافت نہ دیں گے تو میں تو خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ سے خلافت کا سوال نہیں کروں گا ..... (صحیح بخاری)

تشریح ..... یہ بات تو حدیث کے مضمون ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جو واقعہ اس میں بیان ہوا، وہ آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کے آخری ایام کا ہے ..... اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "فتح الباری" میں اس حدیث کی شرح میں ابن اسحاقؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام زہری جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ یہ خاص اسی دن صبح کا واقعہ ہے جس دن سہ پہر کو آپ ﷺ نے وفات فرمائی۔

یہ بات بھی حدیث ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جس دن کا واقعہ اس میں بیان ہوا ہے اس کی صبح کو حضور ﷺ کی حالت بہ ظاہر ایسی اچھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جو آپ کے خاص تیمار داروں میں تھے) اپنے احساس اور اندازہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کے ساتھ آپ ﷺ کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا اور دوسرے لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا تھا ..... لیکن ان کے (اور خود حضور ﷺ کے بھی چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ، (جو خاندان کے بوڑھے بزرگ اور زیادہ تجربہ کار تھے) اس کے برعکس حضور ﷺ کے چہرۂ انور میں وہ آثار محسوس کر لئے تھے، جن سے ان کو اندازہ اور گویا یقین ہو گیا تھا کہ آپ جلدی ہی اس دنیا دار فانی سے دار البقا آخرت کی طرف رحلت فرمانے والے ہیں، اسی بنا پر انہوں نے حضرت علیؓ سے (جو حضور ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے) وہ بات کہی جو حدیث میں

صراحت اور صفائی کے ساتھ ذکر کی گئی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہے ..... ہمارے زمانے کے ان لوگوں کو جو خلافت نبوت کو بھی بادشاہت اور حکومت ہی سمجھتے ہیں حضرت علیؓ کے اس جواب اور طرز عمل سے شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں بادشاہت اور حکومت کی طمع تھی (اور بعض ناآشنایان حقیقت نے اس کا اظہار بھی کیا ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافت نبوت دنیوی بادشاہت اور حکومت سے بالکل مختلف چیز ہے (ان دونوں میں ویسا ہی فرق ہے جیسا کہ دین اور دنیا میں فرق ہے) خلافت نبوت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دین حق کی دعوت واشاعت، امت کی تعلیم و تربیت، اعلاء کلمۃ الحق، جہاد و قربانی، اور نظام عدل کے قیام کا جو کام وحی الٰہی کی رہنمائی میں نبی ورسول ہونے کی حیثیت سے جس طریق و منہاج پر اور جن اخلاقی اصولوں کی پابندی کے ساتھ انجام دے رہے تھے، وہی کام آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشین اور قائم مقام کی حیثیت سے، اسی طریقہ و منہاج پر اور انہی اصولوں کی پابندی کے ساتھ کتاب و سنت اور اسوۂ نبوی کی رہنمائی میں انجام دیا جائے ..... اسی کو خلافت نبوت اور خلافت راشدہ کہا جاتا ہے ..... ظاہر ہے کہ یہ "دنیوی بادشاہت" کی طرح پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں بھرا بستر ہے ..... اس کی طمع اور طلب اس بندہ خدا کے لئے جو امید رکھتا ہو کہ اللہ کی مدد و توفیق سے وہ اس کا حق ادا کر سکے گا، ہرگز مذموم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے ..... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کو توقع تھی کہ اگر قرعہ فال میرے نام پر آیا اور یہ خدمت عظمیٰ میرے سپرد ہوئی تو انشاء اللہ بتوفیق خداوندی میں اس کو کماحقہ، انجام دے سکوں گا، اس لئے اس کی طمع اور طلب ایک اعلیٰ درجہ کی سعادت کی طلب تھی ..... چنانچہ ازل سے طے شدہ ترتیب کے مطابق جب پہلے تین خلفائے راشدین کے بعد آپ رسول اللہ ﷺ کے چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے کتاب و سنت کی رہنمائی میں اور رسول اللہ ﷺ کے قائم کئے ہوئے اصولوں کی پابندی کے ساتھ کار خلافت انجام دیا، لیکن چونکہ آپ کا پورا دور خلافت فتنوں کا زمانہ تھا، (جن میں امت حضرت عثمانؓ کی انتہائی مظلومانہ شہادت کی پاداش میں مبتلا کر دی گئی تھی) اس لئے آپ کا پورا وقت اور تمام تر قوت وصلاحیت فتنوں کی آگ بجھانے میں صرف ہوئی اور مثبت تعمیر کا آپ کو وقت ہی نہ ملا ..... وکان ذلک قدراً مقدوراً

۱۲۴) عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَفِى الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلُمُّوا اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَه، فَقَالَ عُمَرُ غَلَبَهُ الْوَجْعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ مَاقَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَكْثَرُوااللَّغَطَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُوْمُوْا عَنِّىْ...... قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَاحَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ اَنْ يَّكْتُبَ لَهُمْ ذَالِكَ الْكِتَابَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ —

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ (ایک دن) جب کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آگیا تھا اور (حضور ﷺ کے پاس) گھر میں چند اشخاص تھے، جن میں ایک حضرت عمر بن الخطابؓ بھی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا آؤ میں لکھ دوں (یعنی لکھادوں) تمہارے لئے ایک نوشتہ کہ ہرگز گمراہ نہ ہوں گے تم اس کے بعد...... تو کہا حضرت عمرؓ نے (لوگوں سے) کہ حضور ﷺ کو اس وقت سخت تکلیف ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور وہ اللہ کی کتاب تمہارے لئے (یعنی تمہاری ہدایت کے لئے اور گمراہی سے حفاظت کے لئے) کافی ہے پس جو لوگ اس وقت (حضور ﷺ کے پاس) گھر میں تھے، ان کی رائیں مختلف ہو گئیں اور وہ آپس میں بحث کرنے لگے، ان میں سے کچھ کہتے تھے کہ (لکھنے کا سامان) آپ ﷺ کے پاس لے آؤ تاکہ آپ ﷺ وہ لکھادیں (جو لکھنا چاہتے ہیں) اور بعض وہ کہتے تھے جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا تو جب (اس بحث و مباحثہ کی وجہ سے) اختلاف اور شور و شغب زیادہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ سے اس واقعہ کے روایت کرنے والے راوی) عبید اللہ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس اس واقعہ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ مصیبت ساری مصیبت وہ ہے جو حائل ہوئی رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور اس نوشتہ کی کتابت کے درمیان (جو آپ ﷺ لکھنا چاہتے تھے) ان لوگوں کے باہمی اختلاف رائے اور شور و شغب کی وجہ سے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جیسا کہ ذکر کیا گیا حضرت عبداللہ بن عباس سے اس واقعہ کی یہ روایت عبید اللہ بن عبد اللہ کی ہے حضرت ابن عباسؓ کے ایک دوسرے شاگرد سعید بن جبیر نے بھی ان سے اس واقعہ کی روایت کی ہے، اس میں چند باتوں کا اضافہ ہے، وہ روایت بھی صحیحین ہی میں ہے، اس کو بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ پورا واقعہ سامنے آجائے...... سعید بن جبیر راوی ہیں:

۱۲۵) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ ثُمَّ بَكىٰ حَتّٰى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصىٰ قُلْتُ يَاابْنَ عَبَّاسٍ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ؟ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَجْعُهٗ فَقَالَ ائْتُوْنِىْ بِكَتْفٍ اَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَاتَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا فَتَنَا زَعُوْا وَلَا يَنْبَغِىْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَاشَاْنُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ دَعُوْنِىْ ذَرُوْنِىْ فَالَّذِىْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِىْ اِلَيْهِ فَاَمَرَهُمْ بِثَلٰثٍ فَقَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحوِ مَاكُنْتُ اُجِيْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْقَالَهَا فَنَسِيْتُهَا......قَالَ سُفْيَانُ هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمَانَ

(رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: (سعید ابن جبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن) حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ (ہائے) جمعرات کا دن اور کیسا تھا جمعرات کا وہ دن (یہ کہہ کر) وہ ایسے روئے کہ ان کے آنسوؤں سے فرش زمین کے سنگریزے تر ہوگئے۔ میں نے عرض کیا کہ اے ابن عباسؓ کیا تھا وہ جمعرات کا دن؟ (جس کو آپ اس طرح یاد کر رہے

ہیں) تو انہوں نے بیان کیا کہ (جمعرات کا دن تھا) کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری بڑھ گئی تو (اسی حالت میں) آپ نے فرمایا کہ کتف (شانہ کی ہڈی) لے آؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھادوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، تو اس معاملہ میں (ان لوگوں میں جو اس وقت آپ ﷺ کے پاس حاضر تھے) اختلاف رائے ہو گیا...... اور نبی کے پاس تنازعہ اور اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ﷺ ہم کو چھوڑ رہے ہیں (داغ مفارقت دے رہے ہیں) آپ سے دریافت کرو (کیا فرماتے ہیں اور کیا عرض ہے؟) پھر لوگ آپ ﷺ سے بار بار اس بارے میں عرض کرنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، میں جس شغل اور جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو...... پھر آپ ﷺ نے تین باتوں کا حکم فرمایا ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے باہر کر دیا جائے اور (حکومتوں یا قبیلوں کی طرف سے آنے والے) وفود یا قاصدوں کے ساتھ اسی طرح کا حسن سلوک کیا جائے جس طرح میں کیا کرتا تھا...... سعید بن جبیرؓ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی سلیمان کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے تو تیسری بات بیان ہی نہیں کہ یا میں بھول گیا...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... ایک ہی واقعہ سے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے یہ دو بیان ہیں "ان میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے صرف بعض اجزا کی کمی زیادتی کا فرق ہے، بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ واقعہ عبید اللہ بن عبد اللہ کے سامنے بیان کیا تو صرف وہ اجزاء بیان کئے جو پہلی روایت میں ذکر کئے گئے ہیں اور اس وقت حضور ﷺ کے پاس حضرت عمرؓ کا ہونا اور انہوں نے جو فرمایا تھا اس کا بھی ذکر کیا اور جب سعید بن جبیرؓ کے سامنے بیان کیا تو اس میں حضرت عمرؓ کا تو کوئی ذکر نہیں کیا لیکن کئی باتیں وہ بیان کیں جو پہلے بیان میں ذکر نہیں کی تھیں...... اور ایسا بکثرت ہوتا ہے۔

دونوں روایتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو پورا واقعہ اس طرح سامنے آتا ہے...... کہ جمعرات کا دن تھا، (یعنی وفات سے پانچ دن پہلے، کیونکہ یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضور ﷺ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی) تو اس جمعرات کو آنحضرت ﷺ کے مرض میں شدت ہو گئی، بخار بہت تیز ہو گیا اور تکلیف بہت بڑھ گئی، اس وقت آپ ﷺ کے پاس چند حضرات تھے ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے، اسی حالت میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لے آؤ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے ایک تحریر لکھوادوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ (صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے۔"اِيْتُونِىْ بِالْكَتِفِ وَالدَّاوَاةِ" یعنی شانہ کی ہڈی اور دوات لے آؤ)[1] اس موقع پر حضرت عمرؓ نے وہاں موجود دوسرے لوگوں سے کہا کہ اس وقت حضور ﷺ کو بہت تکلیف ہے، آپ ﷺ ہی کے ذریعہ آیا ہوا قرآن مجید تمہارے پاس موجود ہے، ہماری تمہاری ہدایت کے لئے اور ہر طرح کی ضلالت اور گمراہی سے بچانے کے لئے اللہ کی وہ کتاب کافی ہے (جیسا کہ خود قرآن

[1] ملحوظ رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خاص کر حجاز میں کاغذ بہت کم دستیاب ہوتا تھا اس وجہ سے جب کچھ لکھنا ہوتا تو مختلف چیزوں پر لکھا جاتا تھا، ان میں سے ایک جانور کے شانہ کی ہڈی بھی تھی، اس پر اسی طرح لکھا جاتا تھا جس طرح لکڑی یا پتھر کی تختی پر لکھا جاتا ہے۔

میں بار بار فرمایا گیا ہے) حاضرین میں اس بارے میں اختلاف رائے ہو گیا، کچھ حضرات نے کہا کہ لکھنے کا سامان لانا چاہئے تاکہ حضور ﷺ جو لکھوانا چاہتے ہیں وہ لکھا جائے اور کچھ حضرات نے وہ کہا جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ اس سخت تکلیف کی حالت میں حضور ﷺ کو کچھ لکھوانے کی زحمت نہ دی جائے، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید کافی ہے ...... اسی موقع پر بعض حضرات نے کہا **"مَاشَانُهٗ اَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ"** (حضور ﷺ کا کیا حال ہے، کیا آپ ﷺ جدائی اختیار فرما رہے ہیں ہم کو چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپ سے دریافت کرو) پھر لوگ اس بارے میں بار بار آپ سے عرض کرتے رہے، اس سے آپ کی توجہ الی اللہ اور اس وقت کی خاص قلبی کیفیت میں خلل پڑا، آپ نے فرمایا اس وقت تم لوگ مجھے چھوڑ دو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہ کرو میں جس شغل اور جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ (یعنی میں اس وقت اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہوں اس کے حضور میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہا ہوں اور تم مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو مجھے چھوڑ دو ...... حضرت ابن عباس فرماتے ہیں (کہ اس کے بعد آپ نے اسی مجلس میں تین باتوں کا حکم فرمایا۔ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے باہر کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ حکومتوں یا قبیلوں کی طرف سے آنے والے وفود اور قاصدوں کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک کیا جائے (ان کو مناسب تحائف دیئے جائیں) جیسا کہ میرا طرز عمل رہا ہے ...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سے اس حدیث کے روایت کرنے والے سعید بن جبیر کے شاگرد سلیمان نے تین باتوں میں سے یہی دو باتیں بیان کیں، اور تیسری بات کے بارے میں کہا کہ یا تو سعید بن جبیر نے وہ بیان ہی نہیں کی تھی یا میں بھول گیا ہوں۔

یہ ہے پورا واقعہ جو **"حدیث قرطاس"** کے نام سے معروف ہے، اس میں چند باتیں خاص طور سے قابل لحاظ اور وضاحت طلب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے، اس کے پانچویں دن دو شنبہ تک آنحضرت ﷺ اس دنیا میں رہے، ان دنوں میں آپ نے وہ تحریر نہیں لکھوائی بلکہ اس کے لکھوانے کا کسی دن ذکر بھی نہیں فرمایا، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس تحریر کے لکھانے کا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں ہوا تھا، بلکہ آپ ﷺ کو بطور خود ہی اس کا خیال ہوا تھا اور بعد میں خود آپ کی رائے اس کے لکھانے کی نہیں رہی ...... اگر اس کے لکھوانے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہوتا یا آپ کی رائے میں تبدیلی نہ ہوئی ہوتی اور آپ کے نزدیک گمراہی سے امت کی حفاظت کے لئے اس کا لکھانا ضروری ہوتا تو ان پانچ دنوں میں آپ ﷺ اس کو ضرور لکھواتے اور اس کا نہ لکھوانا (معاذ اللہ) فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی (حاشا، ثم حاشا)

اور یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح آپ ﷺ نے اسی مرض وفات کے بالکل ابتدا میں [1] حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا اور اس کے لئے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے صاحب زادے

---

[1] اس حدیث کی جو روایت صحیح بخاری کتاب المرضیٰ **"باب قول المریض وارأساہ"** میں ہے اس میں جو الفاظ روایت کے ہیں، ان سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے ابتدائے مرض کا ہے (صحیح بخاری ص ۸۴۶ طبع رشیدیہ دہلی)

عبدالرحمٰن کو بلوانے کا بھی ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن بعد میں خود آپ نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر اس کے لکھانے کا خیال چھوڑ دیا...... اور فرمایا کہ "يَابَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ" تو سمجھنا چاہئے کہ جمعرات کے دن کے اس واقعہ میں بھی ایسا ہوا اور خود حضور ﷺ نے اس تحریر کا لکھانا غیر ضروری سمجھ کر اس کے لکھانے کا ارادہ ترک فرمادیا۔

اس حدیث قرطاس کے بارے میں ایک دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے تیز بخار اور شدید تکلیف کی حالت میں تحریر لکھوانے کے لئے لکھنے کا سامان لانے کے لئے فرمایا، تو حضرت عمرؓ نے جو اس وقت حاضر خدمت تھے، حضور ﷺ سے تو کچھ عرض نہیں کیا البتہ حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے ان کو رسول اللہ ﷺ کی اس وقت کی غیر معمولی حالت اور تکلیف کی شدت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ان سے کہا کہ اس وقت حضور ﷺ کو سخت تکلیف ہے اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اس حالت میں ہم لوگوں کو کچھ لکھوانے کی زحمت حضور ﷺ کو نہیں دینا چاہئے، خود قرآن مجید کے نصوص اور حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت سے یہ یقین ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا کہ انسانی دنیا کی ہدایت اور ہر قسم کی گمراہی اور ضلالت سے حفاظت کے لئے رسول اللہ ﷺ ہی کے ذریعہ آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی کتابِ ہدایت قرآن مجید کافی ہے، اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "مَافَرَّطْنَا فِى الْكِتَابِ مِنْ شَىْءٍ" اور "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ" اور "تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ" اور ابھی "حَجَّةُ الْوِدَاعِ" میں یہ آیت نازل ہو چکی ہے "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ" ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمادیا ہے کہ انسانی دنیا کی ہدایت کے لئے جو کچھ بتلانا ضروری تھا وہ قرآن میں بیان فرمادیا گیا، اس سلسلہ کی کوئی ضروری بات بیان کرنے سے نہیں چھوڑی گئی ہے۔ دین یعنی ضابطۂ حیات و ہدایت بالکل مکمل ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کو حضور ﷺ کو کچھ لکھانے کی زحمت اس تکلیف کی حالت میں نہ دینی چاہئے قرآن آپ لوگوں کے پاس موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہماری آپ کی ہدایت کے لئے اور ہر قسم کی ضلالت اور گمراہی سے حفاظت کے لئے کافی ہے (عِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ)

جیسا کہ عرض کیا گیا اس مجلسی گفتگو کے بعد حضور ﷺ پانچ دن تک اس دنیا میں رہے اور وہ تحریر نہیں لکھوائی، بلکہ اس کے بعد کبھی اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا...... آپ کے اس طرز عمل نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کی تصویب و تائید فرمادی۔ بلا شبہ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے عظیم فضائل و مناقب میں سے ہے۔ شارحین حدیث نے عام طور سے یہی سمجھا اور یہی لکھا ہے۔

اس حدیث قرطاس کے سلسلہ میں ایک تیسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں (جو صحیحین کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے) اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم کس کو دیا تھا۔ لیکن اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں مسند احمد کے حوالہ سے خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم انہی کو دیا تھا خود حضرت علی مرتضیٰ کا بیان ہے کہ:

اَمَرَنِی النَّبِیُّ ﷺ اَنْ اٰتِیَهٖ بِطَبَقٍ (اَیْ کَتِفٍ) یَکْتُبُ مَالَاتَضِلُّ اُمَّتُهٗ بَعْدَهٗ

(فتح الباری جزاول ص ۱۰٦ طبع انصاری دهلی ۱۳۰٤ھ)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم فرمایا تھا کہ میں طبق (یعنی کتف) لے آؤں تاکہ آپ ایسی تحریر لکھوادیں جس کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہو۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، لکھنا جانتے تھے، ان کو لکھنے کا سامان لانے کے لئے حکم فرمانے کا مطلب بظاہر یہی تھا کہ وہ لکھنے کا سامان لے آئیں اور حضور ﷺ جو لکھوانا چاہتے ہیں وہ اس کو لکھیں...... اور یہ بات بطور واقعہ معلوم اور مسلم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے بھی وہ تحریر نہیں لکھی...... یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرح انہوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ حضور ﷺ اس شدید تکلیف کی حالت میں کچھ لکھوانے کی زحمت نہ فرمائیں اور غالباً ان کی رائے بھی یہی ہوئی کہ امت کی ہدایت اور ہر قسم کی ضلالت سے حفاظت کے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔

اس حدیث میں ایک اور وضاحت طلب بات یہ ہے کہ سعید بن جبیر کی مندرجہ بالا روایت کے مطابق جب حضور ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم فرمایا تو بعض لوگوں نے کہا "مَاشَانُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ" اس کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے یہ صورت حال پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جب حضور ﷺ نے بیماری کی شدت اور سخت تکلیف کی حالت میں بطور وصیت ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ ظاہر فرمایا جس کے بعد آپ کی امت کبھی گمراہ نہ ہو تو بعض حضرات کو محسوس ہوا کہ شاید حضور ﷺ کا سفر آخرت کا وقت قریب آگیا ہے، اس وجہ سے بطور وصیت ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمارہے ہیں، یہ لوگ اس احساس سے سخت مضطرب اور بے چین ہوگئے اور انہوں نے اس اضطراب اور بے چینی کی حالت میں کہا "مَاشَانُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ" (حضور ﷺ کا کیا حال ہے، کیا آپ ﷺ جدائی اختیار فرمارہے ہیں، ہم کو چھوڑ کے جارہے ہیں؟ آپ ﷺ سے دریافت کیا جائے) اس میں لفظ **هجر** ہجر سے مشتق ہے جس کے معنی جدائی اختیار کرنے اور چھوڑ کے جانے کے ہیں...... یہ لفظ اسی معنی میں اردو میں بھی مستعمل ہے، "وَصَلَ" کے مقابلہ میں "هجر" بولا جاتا ہے اور ہجرت کے معنی ترک وطن کے ہیں...... بعض حضرات نے اس کو **هجر** سے مشتق سمجھا۔ جس کے معنی ہیں بیمار آدمی کا بے ہوشی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کرنا۔ جس کو ہذیان کہا جاتا ہے، اس صورت میں حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور ﷺ کچھ لکھوانے کے لئے جو فرمارہے ہیں کیا یہ ہذیان ہے؟ آپ سے دریافت کرو...... ظاہر ہے کہ یہ مطلب کسی طرح درست نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو مریض بے ہوشی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کرتا ہو وہ ایسے حال میں نہیں ہوتا کہ اس سے کچھ دریافت کیا جائے...... الغرض "اِسْتَفْهِمُوْهُ" کا لفظ اس کا قرینہ ہے کہ ہجر کا لفظ **هُجر** سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ "لکھنے کا سامان لے آؤ میں ایک تحریر لکھوادوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ ہرگز ایسی بات نہیں تھی جس کے بارے میں کسی کو ہذیان کا شبہ بھی ہو۔ اگرچہ اَهَجَرَ

کو استفہام انکاری قرار دے کر یہ معنی بھی بن سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہی ہے کہ یہاں اس لفظ کا ہذیان کے معنی میں ہونا بہت مستبعد ہے۔

حدیث کے اس جملہ "اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْه" کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس کے کہنے والے حضرت عمرؓ نہیں ہیں، یہ بات کچھ دوسرے حضرات نے کہی تھی جن کے نام بھی حدیث میں مذکور نہیں ہیں بلکہ فقالوا کا لفظ ہے (یعنی کچھ لوگوں نے کہا) شیعہ مصنفین حضرت عمرؓ کو لعن طعن کا نشانہ بنانے کے لئے یہ جملہ زبردستی ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضورﷺ کے اس ارشاد کو ہذیان کہا (معاذ اللہ) حالانکہ اہل سنت کی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ بات حضرت عمرؓ نے فرمائی تھی...... انہوں نے اس موقع پر وہی فرمایا تھا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مندرجہ پہلی روایت میں ذکر کیا گیا ہے (عِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ) ہاں "اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْه" بھی بعض صحابۂ کرامؓ ہی نے کہا تھا، لیکن اس کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور وہ بلاشبہ رسول اللہﷺ کے ساتھ ان کے عشق و محبت کی دلیل ہے۔

شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں اس پر بھی گفتگو کی ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ "لکھنے کا سامان لے آؤ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھوادوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے"...... تو آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس سلسلہ میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ سب قیاسات ہیں...... شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضورﷺ حضرت علیؓ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے؟ جو حضرت عمرؓ کی مداخلت کی وجہ سے نہیں لکھا جا سکا لیکن واقعہ یہ ہے کہ شیعوں کے لئے اس کے کہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے اور اسی پر ان کے بنیادی عقیدہ امامت کی بلکہ ان کے پورے مذہب کی بنیاد ہے کہ رسول اللہﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں وفات سے صرف ستّر (۷۰)، بہتر (۷۲) دن پہلے غدیر خم کے مقام پر سفر حج کے تمام رفقاء ہزاروں مہاجرین و انصار کو خاص اہتمام سے جمع کرا کے منبر پر کھڑے ہو کر (جو خاص اسی کام کے لئے تیار کرایا گیا تھا) اپنے بعد کے لئے حضرت علیؓ کی خلافت و امامت کا اعلان فرمایا تھا، اور صرف اعلان ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت علیؓ کے لئے سب سے بیعت بھی لی تھی (اگرچہ ہمارے نزدیک یہ صرف گھڑا ہوا افسانہ ہے، لیکن شیعہ حضرات کا تو اس پر ایمان ہے اور ان کی مستند ترین کتابوں "الجامع الکافی" اور "احتجاج طبرسی" وغیرہ میں اس کی پوری تفصیلات ہیں) تو جب ایک کام ہو چکا اور ہزاروں کے مجمع میں اس شان اور اس دھوم دھام سے ہو چکا تو اس کے لئے بطور وصیت کچھ لکھوانے کی کیا ضرورت رہی...... ہاں اس حدیث کی شرح میں جن حضرات نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ حضورﷺ نے اپنے بعد کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا، لیکن بعد میں جب آپﷺ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے تو آپﷺ نے تحریر لکھوانے کا ارادہ ترک فرما دیا تو یہ بات قابل فہم ہے ...... علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث قرطاس کی شرح میں لکھا ہے:

قَالَ الْبَیْهِقِیْ وَقَدْحَکٰی سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَه عَنْ اَهْلِ الْعِلْمِ قِیْلَ انَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَرَادَاَنْ یَکْتُبَ اِسْتِخْلَافَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ تَرَکَ ذَالِکَ اِعْتِمَادًا عَلٰی مَاعَلِمَ مِنْ تَقْدِیْرِاللّٰهِ تَعَالٰی ذٰلِکَ کَمَا همَّ فِیْ اَوَّلِ مَرَضِهٖ حِیْنَ قَالَ وَارَاْسَاهُ ثُمَّ تَرَکَ الْکِتَابَ وَقَالَ، یَابَی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ ثُمَّ قَدَّمَهٗ فِی الصَّلٰوةِ. (عمدۃ القاری ج۲ ص ۱۷۱ طبع مصر)

ترجمہ: امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے (جو اس حدیث قرطاس کے ایک راوی ہیں) اہل علم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرما دیں (اور اس کیلئے تحریر لکھوادیں) پھر آپ نے یہ معلوم ہونے پر کہ تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے اس کے لکھانے کا خیال ترک فرمادیا جیسا کہ اسی مرض کے ابتدا میں (جب آپ نے فرمایا تھا وارأساہ) حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا خیال فرمایا تھا پھر لکھوانے کا خیال ترک فرمادیا تھا اور فرمایا تھا "یابی اللّٰہ والمؤمنون الا ابا بکر" (اور بجائے کچھ لکھوانے کے) آپ نے ان کو نماز کی امامت کرنے کا حکم فرمادیا۔ (یہ گویا عملی استخلاف تھا)

ملحوظ رہے کہ سفیان بن عیینہ تابعین میں سے ہیں، انہوں نے جن "اہل علم" سے نقل کیا ہے ان میں غالباً حضرات تابعین بھی ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث قرطاس کے بارے میں یہ رائے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا حضرات تابعین کی بھی رہی ہے۔

اس حدیث قرطاس کی تشریح کے سلسلہ میں یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ اس کو تسلیم کر کے لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کے لئے جو فرمایا تھا وہ کچھ لکھوانے کی نیت ہی سے فرمایا تھا اور آپ کا ارادہ اس وقت کوئی تحریر لکھوانے کا تھا۔ (جو بعد میں نہیں رہا اور آپ نے کچھ نہیں لکھوایا) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی حدیث قرطاس کی تشریح کے سلسلہ میں ایک احتمال یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ در اصل حضور ﷺ کا ارادہ کچھ تحریر کرانے کا تھا ہی نہیں بلکہ آپ اپنے صحابہ کا امتحان لینا چاہتے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کے قلوب میں یہ بات پوری طرح راسخ ہو گئی یا نہیں کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید امت کی ہدایت کے لئے کافی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت عمرؓ، نے جو کہا "عند کم القران حسبکم کتاب اللّٰہ" اور حاضرین مجلس میں سے اور لوگوں نے بھی اس کی تائید کی تو حضور ﷺ کو اطمینان ہو گیا۔ (فتح الباری جز ۱۸ ص ۱۰۱ طبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ)

ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں جابجا "اطیعوا اللّٰہ" کے ساتھ اطیعوا الرسول فرما کر اور دوسرے عنوانات سے بھی رسول اللہ ﷺ کے احکام وارشادات کی تعمیل اور آپ کے طریقہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اس لئے وہ بھی قرآن کی ہدایت میں شامل ہے اور قرآن مجید اس کو بھی حاوی ہے، اس لئے یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ "حسبکم کتاب اللّٰہ" میں رسول اللہ ﷺ کی سنت اور ہدایت سے استغنا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا آخری جزیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی مجلس

میں تین باتوں کا حکم خاص طور سے دیا۔ (صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں "واوصاھم بثلاث" یعنی آپ نے اس موقع پر زبانی ہی تین باتوں کی وصیت فرمائی) ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دیا جائے (واضح رہے کہ یہاں مشرکین سے مراد عام کفار ہیں خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب، دوسری روایات میں "اخرجوا الیھود والنصاریٰ" بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ "جزیرۂ عرب" اسلام کا مرکز اور خاص قلعہ ہے اس میں صرف اہل اسلام کی آبادی ہونی چاہئے اہل کفر کو آبادی کی اجازت نہ دی جائے اور جو ابھی تک آباد ہیں ان کو اس علاقہ سے باہر بسادیا جائے (حضور ﷺ کے اس حکم اور وصیت کی تعمیل کی سعادت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی، انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کی تکمیل فرمادی) جزیرۂ عرب کے حدود اور رقبہ کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ اس حدیث میں جزیرۂ عرب سے مراد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ یمامہ اور ان سے متصل علاقے ہیں۔

دوسری وصیت آپ نے یہ فرمائی تھی کہ حکومتوں یا قبیلوں یا علاقوں کے جو وفود اور قاصد آئیں (اگرچہ وہ غیر مسلم ہوں) ان کے ساتھ حسن سلوک کا ویسا ہی معاملہ کیا جائے جو میرا معمول ہے۔ آپ ﷺ ان کو مناسب تحائف بھی عطا فرماتے تھے، حضور ﷺ کا یہ حسن سلوک قدرتی طور پر ان کو متاثر کرتا تھا...... یہ دو باتیں ہوئیں۔ تیسری وصیت کے بارے میں حدیث کے ایک راوی سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے ہمارے شیخ سلیمان نے یہی دو باتیں بیان کیں اور تیسری بات کے بارے میں کہا کہ یا تو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سعید بن جبیرؒ نے وہ بیان ہی نہیں کی تھی یا میں بھول گیا ہوں...... شارحین نے مختلف قرینوں کی بنیاد پر اس تیسری وصیت کو بھی متعین کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ آپ ﷺ کی وہ تیسری وصیت یہ تھی کہ اللہ کی کتاب قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ بعض دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ وہ تیسری وصیت یہ تھی کہ "لاتتخذوا قبری وثنایعبد" (یعنی ایسا نہ ہو کہ میری قبر کو بت بناکر اس کی پرستش کی جائے)۔ مؤطا امام مالک میں "اخرجوا الیھود" کے ساتھ حضور ﷺ کی یہ وصیت بھی روایت کی گئی ہے، بہرحال یہ سب قیاسات ہیں، تاہم یہ سب ہی حضورؐ کے ارشادات اور آپ کی ہدایت ہیں۔

۱۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاشْتَدَّ وَجْعُهٗ، اِسْتَاذَنَ اَزْوَاجَهٗ، اَنْ يُّمَرَّضَ فِىْ بَيْتِىْ فَاَذِنَّ لَهٗ، فَخَرَجَ وَهُوَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ تَخِطُّ رَجِلاً فِى الْاَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَبَيْنَ رَجُلٍ اٰخِرَ فَكَانَتْ عَائِشَةُ تُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا دَخَلَ بَيْتِىْ وَاشْتَدَّ بِهٖ وَجْعُهٗ، قَالَ هَرِيْقُوْا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحَلَّلْ اَوْ كِيَتُهُنَّ لَعَلِّىْ اَعْهَدُ اِلَى النَّاسِ فَاَجْلَسْنَاهُ فِى الْمِخْضَبِ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِىِّ ﷺ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ حَتّٰى طَفِقَ يُشِيْرُ اِلَيْنَا بِيَدِهٖ اَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى النَّاسِ فَصَلّٰى لَهُمْ وَخَطَبَهُمْ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا مرض بڑھ گیا اور تکلیف

میں شدت زیادہ ہو گئی تو آپ نے ازواج مطہرات سے اجازت چاہی کہ اب آپ کا علاج اور تیمار داری میرے ہی گھر میں ہو (یعنی مستقل قیام میرے ہی گھر میں رہے) تو سب ازواج مطہرات نے اس کی اجازت دے دی (اور سب اس پر راضی ہو گئیں) تو آپ کو دو آدمی اس طرح لے کر میرے گھر آئے کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک (کے گھسٹنے سے) زمین پر لکیر بن رہی تھی (آپ کو لانے والے یہ دو آدمی) ایک ان میں سے عباس بن عبدالمطلب تھے اور دوسرے ایک اور صاحب تھے...... آگے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف لے آئے تو (ایک دن) آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپ نے ہم سے (یعنی ازواج مطہرات سے) فرمایا کہ مجھ پر سات ایسی مشکوں سے پانی چھوڑو جن کے بند کھولے نہ گئے ہوں، تاکہ (میری حالت بہتر اور پرسکون ہو جائے تو) میں (مسجد جاکر) لوگوں سے بہ طور وصیت کچھ ضروری باتیں کر سکوں (حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں) کہ ہم نے آپ کو ایک ٹب میں بٹھایا جو آپ کی زوجۂ مطہرہ حفصہؓ کا تھا، پھر ہم نے (آپ کی ہدایت کے مطابق) آپ پر مشکوں سے پانی چھوڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ہمیں اشارہ فرمایا کہ تم نے کام پورا کر دیا۔ (حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آپ کو سکون ہو گیا)۔ چنانچہ آپ مسجد تشریف لے گئے پھر آپ نے نماز پڑھائی اور اسکے بعد خطاب بھی فرمایا (جس کا آپ کے دل میں خاص تقاضا تھا۔)...... (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث کا مضمون صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ کی نو ازواج مطہرات تھیں جن کے حجرات (چھوٹے چھوٹے گھر) الگ الگ تھے، اور آپ ﷺ کا دستور و معمول تھا کہ عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق باری باری ان سب کے ہاں ایک ایک رات قیام فرماتے، آپ اس کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ بعض علمائے کرام نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ ایسا کرنا آپ کے حق میں فرض و واجب تھا۔ بہر حال ماہ صفر ۱۱ھ کی کسی تاریخ کو (جس کے بارے میں روایات مختلف ہیں) آپ کے اس مرض کا سلسلہ شروع ہوا جس کا اختتام وفات ہی پر ہوا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام تھا پھر اگلے دن جن زوجۂ مطہرہ کے ہاں قیام کی باری تھی، آپ ان کے ہاں منتقل ہو گئے اور اس بیماری ہی کی حالت میں کئی دن تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ جن زوجۂ مطہرہ کے ہاں قیام کی باری ہوتی آپ ﷺ ان کے ہاں منتقل ہو جاتے۔ بیماری کی حالت میں روزانہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقلی آپ ﷺ کے لئے سخت تکلیف کا باعث تھی، آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ اب آپ ﷺ ایک ہی گھر میں قیام فرمائیں اور مختلف وجوہ سے اس کے لئے آپ ﷺ کے دل میں حضرت عائشہؓ کے گھر کو ترجیح تھی۔

صحیح بخاری کی جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے، اس کے الفاظ کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ نے خود ازواج مطہرات سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا اور ان سے اس کی اجازت چاہی لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے صحیح سند سے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ

امہات المؤمنین سے یہ اجازت حضور ﷺ کی طرف سے حضرت کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لی تھی، [1] بہر حال سب ازواج مطہرات اس پر راضی ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں پہنچادیئے گئے۔

خود حضرت صدیقہؓ کی روایت ہے کہ یہ دوشنبہ کا دن تھا، یعنی وفات سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے...... آپ مرض کے اثر سے اس وقت تک اتنے ضعیف و نحیف ہوگئے تھے کہ آپ خود نہیں چل سکتے تھے، بلکہ دو آدمی اس طرح آپ ﷺ کو لارہے تھے کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے......

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان دو(۲) آدمیوں میں سے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کا تو نام لیا اور دوسرے صاحب کا نام نہیں لیا، شارحین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عباسؓ تو ایک طرف سے مستقل آپ ﷺ کو اٹھائے ہوئے تھے اور دوسری جانب سے اٹھانے والے تبدیل ہوتے رہتے تھے، کبھی حضرت علیؓ اور کبھی حضرت عباسؓ کے صاحبزادے فضل بن عباسؓ اور کبھی حضرت اسامہؓ......

بہر حال اس طرح آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پہنچادیا گیا جس کو ہمیشہ کے لئے آپ کی آرام گاہ بننا مقدر ہو چکا تھا...... اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ دوشنبہ کا دن تھا۔

آگے حدیث میں حضرت عائشہؓ کا جو بیان ہے کہ میرے گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور ﷺ کی تکلیف میں شدت ہوگئی اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ ﷺ کو غسل کرایا گیا اور سات مشکوں سے آپ پر پانی چھوڑا گیا جس کے بعد آپ ﷺ کی حالت بہتر اور طبیعت ہلکی ہوگئی پھر آپ ﷺ مسجد تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی اور نماز کے بعد صحابہ کرامؓ سے خطاب فرمایا......

تو یہ واقعہ اس دن کا نہیں ہے جس دن آپ ﷺ حضرت صدیقہؓ کے گھر میں تشریف لائے بلکہ یہ تین دن کے بعد جمعرات کے دن کا واقعہ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔ اور یہ ظہر کی نماز تھی، اور یہ حضور ﷺ کی زندگی کی آخری نماز تھی جو حضور ﷺ نے مسجد شریف میں پڑھائی اور اس کے بعد جو خطاب فرمایا وہ مسجد شریف میں آپ ﷺ کی زندگی کا آخری خطاب تھا اور یہ حضور ﷺ کی وہی نماز اور وہی آخری خطاب تھا جس کا ذکر حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں گزر چکا ہے۔

صحیح بخاری جزو سوم "بَابُ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ الخ" میں اس واقعہ سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جو روایت ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ یہ ظہر کا وقت تھا اور حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اقتدا میں نماز شروع ہو چکی تھی، تو اس حالت میں حضور ﷺ نے سکون اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا اور آپ دو صاحبوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے، حضرت ابو بکرؓ جو نماز پڑھا رہے تھے، ان کی نظر حضور ﷺ پر پڑی تو وہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے۔

حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو اپنی جگہ پر رہو اور جو دو حضرات آپ ﷺ کو لے کر گئے تھے، ان سے فرمایا کہ مجھے ابو بکر کے برابر ہی میں بٹھادو، انہوں نے ایسا ہی کیا، اب اصل امام خود حضور ﷺ ہو گئے اور

---

[1] فتح الباری جز ۱۸ ص ۱۰۴ طبع انصاری دہلی۔

حضرت ابو بکر مقتدی...... اس نماز کے بعد آپ ﷺ نے وہ خطاب فرمایا جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے گزر چکا ہے اور وہیں صحیح مسلم کی روایت کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ جمعرات کا دن تھا۔ یہ وہی جمعرات تھی جس میں وہ واقعہ ہوا تھا جس کا ذکر حدیث قرطاس میں گزر چکا ہے۔

اس سلسلہ کی مختلف روایات سامنے رکھنے کے بعد واقعات کی ترتیب یہ معلوم ہوتی ہے کہ وفات سے پانچ (۵) دن پہلے جمعرات کے دن ظہر سے پہلے کسی وقت حضور ﷺ کے مرض اور تکلیف میں شدت ہو گئی، اس وقت آپ ﷺ نے بطور وصیت کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمایا اور لکھنے کا سامان لانے کے لئے ارشاد فرمایا۔

پھر آپ کی رائے لکھوانے کی نہیں رہی (جیسا کہ حدیث قرطاس کی تشریح میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے)...... لیکن آپ ﷺ کے دل میں تقاضا رہا کہ وصیت کے طور پر کچھ ضروری باتیں صحابۂ کرامؓ سے فرمادی جائیں۔

چنانچہ جب ظہر کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ مجھے غسل کراؤ اور سات ایسی مشکوں سے جن کے بند کھولے نہ گئے ہوں مجھ پر پانی چھوڑو،[1] ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کو ایک بڑے ٹب میں بٹھلا کر آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق غسل کرایا۔

اس سے آپ ﷺ کی حالت بہتر اور طبیعت ہلکی ہوئی تو آپ ﷺ دو (۲) آدمیوں کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے نماز بھی پڑھائی اور اس کے بعد منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب بھی فرمایا۔

اس خطاب میں جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت اور اس کی تشریح میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

اس خطاب میں حضور ﷺ نے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ امت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے امتیازی مقام کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ امت میں جو مرتبہ ابو بکرؓ کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے اور اپنی جگہ نماز کا امام تو آپ ﷺ نے ان کو پہلے ہی بنا دیا تھا...... ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو ایک حد تک یقین ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسی دن ظہر سے پہلے تکلیف کی شدت کی حالت میں بہ طور وصیت لکھوانے کا جو ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت و امامت ہی کا مسئلہ تھا۔

اگرچہ بعد میں خود آپ ﷺ کی رائے مبارک لکھوانے کی نہیں رہی، لیکن آپ ﷺ نے ان کو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اور مسجد شریف کے اس آخری خطاب میں ان کا امتیاز اور امت میں ان کا بلند ترین مقام بیان فرما کر ان کی خلافت و امامت کے مسئلہ کی طرف پوری رہنمائی فرمادی اور صحابۂ کرامؓ کے لئے وہ رہنمائی کافی ہوئی۔

۱۲۷) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ بَيْنَاهُمْ فِىْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ وَاَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّىْ لَهُمْ لَمْ يَفْجَاْهُمْ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ وَهُمْ فِىْ

[1] یہ ایک طریقۂ علاج تھا جس کا اس زمانے میں حجاز مقدس میں رواج تھا اور ایک خاص قسم کے بخار میں یہ علاج نافع ہوتا تھا۔

صُفُوْفِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَنَكَسَ اَبُوْبَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ وَظَنَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُرِيْدُ اَنْ يَّخْرُجَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ اَنَسٌ وَهَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ يَّفْتَتِنُوْا فِىْ صَلٰاتِهِمْ فَرَحًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَشَارَاِلَيْهِمْ بِيَدِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَتِمُّوْا صَلٰاتَكُمْ ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ وَاَرْخَى السِّتْرَ (رواه البخارى)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ دوشنبہ کے دن (یعنی جس روز حضور ﷺ کی وفات ہوئی اسی دوشنبہ کے دن) مسلمان فجر کی نماز ادا کر رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے (اپنی قیام گاہ) حضرت عائشہؓ کے حجرہ (کے دروازے) کا پردہ اٹھا کر ان پر نظر ڈالی جب کہ وہ صفوں میں کھڑے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے (یہ منظر دیکھ کر) آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور چہرہ مبارک پر ہنسی کے آثار ظاہر ہوئے، آپ پر جب حضرت ابو بکرؓ کی نظر پڑی تو انہوں نے خیال کیا کہ حضور ﷺ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں، وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ مقتدیوں کی صف میں شامل ہو جائیں (حدیث کے راوی حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر فرط مسرت سے مسلمانوں کا حال یہ ہوا کہ وہ نماز کی نیت توڑ دینے کا ارادہ کرنے لگے...... تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کرو، پھر آپ حجرہ کے اندر تشریف لے گئے اور آپ نے دروازہ کا پردہ گرا دیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کے ایک بیان کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جس روز آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی اس دن صبح کو آپ ﷺ کی حالت بہ ظاہر بہت اچھی اور قابل اطمینان ہو گئی تھی، حضرت انسؓ کی اس حدیث سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے کہ آپ از خود اٹھ کر حجرہ کے دروازہ پر تشریف لائے پردہ اٹھا کر دیکھا اور صحابۂ کرامؓ کو صف بستہ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر آپ ﷺ کو غیر معمولی خوشی ہوئی، چہرۂ مبارک کھل گیا اور جب ابو بکر صدیقؓ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے اور خطرہ پیدا ہوا کہ لوگ فرط مسرت سے نماز کی نیت نہ توڑ دیں تو آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جس طرح نماز پڑھ رہے ہیں اسی طرح ابو بکر کی اقتدا میں نماز پوری کریں...... اس صبح کو حضور ﷺ کی طبیعت بظاہر اتنی اچھی ہو گئی تھی کہ حضرت ابو بکرؓ مطمئن ہو کر اپنے مکان سخ تشریف لے گئے جو مسجد شریف سے خاصے فاصلے پر تھا۔

۱۲۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَااشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجْعَهُ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ طَفِقْتُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِىْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِالنَّبِىِّ ﷺ عَنْهُ. (رواه البخارى)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ مریض ہوتے تو "معوذات" پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور جسم مبارک پر اپنا ہاتھ پھیرتے۔ پھر جب آپ اس

مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی (اور غلبۂ مرض اور ضعف کی وجہ سے خود معوذات پڑھ کر دم کرنااور جسم مبارک پر خود ہاتھ پھیرنا آپ کے لئے مشکل ہو گیا) تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کرتی تھی اور خود حضور ﷺ کا دست مبارک آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھی ...... (صحیح بخاری)

تشریح ...... حدیث میں معوذات سے مراد بظاہر قرآن پاک کی آخری دو سورتیں (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) ہیں، حضور ﷺ اکثر یہی دو سورتیں پڑھ کر دم کیا کرتے تھے، ان کے ساتھ وہ دعائیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جن میں ہر طرح کے امراض و آفات اور ہر قسم کے شر ور وبلیات سے حفاظت اور پناہ مانگی جاتی ہے۔ [1]

اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان بھی ہے کہ میں معوذات پڑھ کر حضور ﷺ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر حضور ﷺ کے جسم مبارک پر اس لئے پھیرتی تھی کہ جو برکت حضور ﷺ کے دست مبارک میں تھی وہ میرے یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی تھی۔

۱۲۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ مَرِضَ النَّبِیُّ ﷺ فَاشْتَدَّ مَرَضَه، فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ اِنَّه، رَجُلٌ رَقِيْقٌ اِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ، قَالَ مُرِیْ اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَعَادَتْ فَقَالَ مُرِیْ اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ، فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فِیْ حَيَاةِ النَّبِیِّ ﷺ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ .. حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مریض ہوئے اور پھر آپ کا مرض بہت بڑھ گیا (اور آپ مسجد تشریف لاکر نماز پڑھانے سے بالکل معذور ہو گئے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میری طرف سے) ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو (جو جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہیں) نماز پڑھادیں تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ نماز پڑھانے کے لئے آپ ﷺ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو (ان پر رقت غالب آجائے گی اور) وہ نماز نہیں پڑھ سکیں گے (حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی یہ بات سن کر بھی یہی) فرمایا کہ ابو بکر کو حکم پہنچادو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں (حضرت عائشہؓ نے پھر اپنی بات دہرائی اور پھر حضور ﷺ نے وہی فرمایا کہ ابو بکر کو حکم پہنچادو کہ وہ نماز پڑھادیں (اسی کے ساتھ) آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا "فانکن صواحب یوسف" پھر حضور ﷺ کا قاصد (حضور ﷺ کا حکم لے کر) حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا (اور آپ ﷺ کا پیام اور حکم) ان کو پہنچایا تو پھر انہوں نے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں (یعنی وفات تک برابر) لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... مرض وفات میں مسجد تشریف لے جا کر نماز پڑھانے سے آنحضرت ﷺ کے بالکل معذور ہو جانے کے بعد حضور ﷺ کے حکم سے حضرت ابو بکرؓ کے نماز پڑھانے کا یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد

---

[1] یہ دعائیں "معارف الحدیث جلد پنجم" میں زیر عنوان "استعاذہ کی دعائیں" دیکھی جاسکتی ہیں۔

ابواب میں مختلف صحابۂ کرامؓ سے کہیں بہت اختصار کے ساتھ اور کہیں پوری تفصیل کی ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، کی جو حدیث یہاں درج کی گئی ہے وہ امام بخاری نے "بَابُ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ" میں روایت کی ہے، اسی باب میں اسی واقعہ سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، کی اور اس اگلے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں بھی امام بخاری نے درج فرمائی ہیں۔ ان سب میں یہ واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے تین باب آگے "بَابُ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ، لِيُؤْتَمَّ بِهِ" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس واقعہ سے متعلق جو حدیث امام بخاری نے روایت کی ہے اس سے واقعہ کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:۔

رسول اللہ ﷺ وفات سے آٹھ دن پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی مرض کی شدت اور ضعف و نقاہت بہت زیادہ بڑھ جانے کے باوجود کئی دن تک ہر نماز کے وقت مسجد تشریف لے جا کر حسب معمول خود ہی نماز پڑھاتے رہے پھر اسی حال میں ایک دن ایسا ہوا کہ عشاء کی اذان ہو گئی اور لوگ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہو گئے، لیکن اس وقت مرض کی شدت کی وجہ سے حضور ﷺ پر غشی اور غفلت کی سی کیفیت طاری ہو گئی جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے مسجد میں نماز ادا کرلی؟...... عرض کیا گیا کہ ابھی لوگوں نے نماز ادا نہیں کی ہے وہ حضور ﷺ کے انتظار میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے ٹب میں پانی رکھو۔ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ غسل کرنے سے انشاء اللہ مرض کی شدت میں تخفیف ہو جائے گی اور میں مسجد جا کر نماز پڑھا سکوں گا حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ہم نے ٹب میں پانی رکھ دیا آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور اٹھ کر کھڑے ہونے لگے، لیکن پھر وہ غشی اور غفلت کی کیفیت طاری ہو گئی پھر جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز ادا کرلی؟ عرض کیا گیا کہ ابھی نماز ادا نہیں کی گئی لوگ حضور ﷺ کے انتظار میں ہیں، آپ ﷺ نے پھر ٹب میں پانی بھرنے کا حکم فرمایا اور پھر غسل فرمایا اور پھر مسجد تشریف لے جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر وہی غشی اور غفلت کی کیفیت طاری ہو گئی، پھر جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز ادا کرلی؟ عرض کیا گیا کہ ابھی نماز ادا نہیں کی گئی لوگ آپ ﷺ کے انتظار میں ہیں تو آپ ﷺ نے پھر ٹب میں پانی بھرنے کے لئے فرمایا اور غسل فرمایا کہ مسجد جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر وہی غشی اور غفلت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ (غرض تین دفعہ ایسا ہی ہوا) اس کے بعد جب افاقہ ہوا اور دریافت کرنے پر پھر آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ ابھی مسجد میں جماعت نہیں ہوئی، لوگ حضور ﷺ کے انتظار میں مسجد میں جمے بیٹھے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب ابو بکرؓ کو میری طرف سے کہہ دیا جائے کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی جو روایت اوپر درج کی گئی ہے اس میں بھی ہے اور اس واقعہ کی اکثر روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس موقعہ پر عرض کیا کہ میرے والد ابو بکر رقیق القلب ہیں وہ جب نماز پڑھانے کے لئے حضور ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رقت غالب آجائے گی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکیں گے، اس لئے بجائے ان کے حضرت عمرؓ کو حکم دیدیا جائے وہ

مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ لیکن حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو قبول نہیں فرمایا اور جب انہوں نے دوبارہ وہی بات کہی تو حضور ﷺ نے ان کو ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ ابو بکر ہی کو میرا یہ پیغام پہنچایا جائے کہ وہ نماز پڑھا دیں) چنانچہ حضرت بلالؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو حضور ﷺ کا یہ حکم پہنچایا...... (ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عائشہؓ اس بارے میں حضور ﷺ سے کیا عرض کر چکی ہیں اور ان کو کیا جواب مل چکا ہے۔) انہوں نے بھی اپنی قلبی کیفیت کا خیال کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم نماز پڑھا دو، انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے تمہارے لئے حکم فرمایا ہے تم ہی نماز پڑھاؤ...... چنانچہ حضرت ابو بکر نے نماز پڑھائی...... اوپر یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ عشاء کی نماز تھی اور یہ پہلی نماز تھی جو رسول اللہ ﷺ کے مرض وفات میں حضور ﷺ کے تاکیدی حکم سے حضرت ابو بکرؓ نے پڑھائی اور اس کے بعد حضور ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہی مسجد شریف میں نماز پڑھاتے رہے۔

آگے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر ایک دن نماز ظہر کے وقت جب کہ مسجد شریف میں نماز باجماعت شروع ہو چکی تھی اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آپ ﷺ نے مرض اور تکلیف میں تخفیف اور افاقہ کی کیفیت محسوس کی تو دو آدمیوں کے سہارے آپ ﷺ مسجد تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ کو آپ ﷺ کی تشریف آوری کا احساس ہو گیا وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ مقتدیوں کی صف میں شامل ہو جائیں آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو اپنی جگہ رہو...... اور جو دو آدمی آپ ﷺ کو سہارا دے کر مسجد لے گئے تھے، ان سے فرمایا کہ مجھے ابو بکرؓ کے پہلو میں بٹھا دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اب یہاں سے اصل امام حضور ﷺ ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ مقتدی ہو گئے، لیکن ضعف و نقاہت کی وجہ سے حضور ﷺ کی تکبیرات وغیرہ کی آواز چونکہ سب نمازی نہیں سن سکتے تھے اس لئے تکبیرات وغیرہ حضرت ابو بکرؓ ہی کہتے رہے بعض راویوں نے اس کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے، اور باقی تمام نمازی ابو بکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے، مطلب یہی ہے کہ عام نمازیوں کو رسول اللہ ﷺ کی تکبیرات وغیرہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی ابو بکرؓ ہی کی آواز پہنچتی تھی اور وہ اسی کے مطابق رکوع و سجدہ وغیرہ کرتے تھے، یہ ظہر کی وہی نماز تھی جس کا ذکر پہلے بھی متعدد روایات میں آ چکا ہے اور یہ کہ اس نماز کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب بھی فرمایا جو مسجد میں آپ ﷺ کا آخری خطاب تھا۔ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنی جگہ امام مقرر فرما دینے کے بعد حضور ﷺ نے ظہر کی یہ نماز مسجد تشریف لا کر ادا فرمائی اس کے علاوہ بھی کوئی نماز ان دنوں میں مسجد تشریف لا کر ادا فرمائی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ سے متعلق متعدد روایات میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ذکر کیا گیا ہے کہ میں نے جو حضور ﷺ سے بار بار عرض کیا کہ ابو بکرؓ رقیق القلب ہیں وہ جب آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رقت طاری ہو جائے گی اور وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے تو اس کا اصل محرک میرا یہ خیال تھا کہ جو شخص حضور ﷺ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے گا لوگ اس کو اچھی محبت کی نگاہ

سے نہیں دیکھیں گے اس لئے میں چاہتی تھی کہ حضور ﷺ ان کو نماز پڑھانے کا حکم نہ دیں۔ حضور ﷺ نے غالباً ان کے دل اور زبان کے اس فرق کو محسوس فرمالیا اس لئے ڈانٹا اور فرمایا" ان کن صواحب یوسف"
...... حضرت عائشہؓ یہ نہ سمجھ سکیں کہ حضور ﷺ ان کو اپنی حیات میں امام نماز بنا کر اپنے بعد کے لئے امت کی امامت کبریٰ (خلافت نبوت) کا فیصلہ اپنے عمل سے فرمادینا چاہتے ہیں، حضور ﷺ کو ان کے امام بنانے پر اصرار اسی مقصد سے تھا۔

۱۳۰) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِيْهِ يَاعَائِشَةُ! مَاأَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ، وَهٰذَا أَوَانٌ وَجَدْتُ اِنْقِطَاعَ أَبْهَرِیْ مِنْ ذٰلِكَ السَّمِّ." (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض وفات میں مجھ سے فرماتے تھے کہ اے عائشہ! میں اس (زہر آلود) کھانے کی کچھ تکلیف برابر محسوس کرتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب اس وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ جان کٹی جارہی ہے...... (صحیح بخاری)

تشریح...... ۷ھ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا اور جنگ کے خاتمہ پر معاہدہ بھی ہو گیا تو یہود کی طرف سے حضور ﷺ کے لئے ایک بھنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر بھیجی گئی، مشکوٰۃ المصابیح ہی میں ابو داؤد اور دارمی کی ایک روایت ہے جس میں یہ وضاحت اور صراحت ہے کہ اس بھنی بکری میں ایک یہودی عورت نے ایسا زہر ملادیا تھا جس کو آدمی اگر کھالے تو فوراً ہی اس کی زندگی ختم ہو جائے...... اور اس یہودی عورت نے کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ حضور ﷺ دست کا گوشت زیادہ پسند فرماتے ہیں تو اس قتالہ نے اس بکری کی دست میں وہ زہر بہت زیادہ ملادیا تھا، بہر حال وہ بھنی بکری کھانے کے لئے حضور ﷺ کے سامنے رکھی گئی، آپ ﷺ کے ساتھ چند اصحاب اور بھی اس کھانے میں شریک تھے، جیسے ہی حضور ﷺ نے اس بکری کے دست میں سے ایک لقمہ لیا اور کھایا۔ "فوراً ہاتھ روک لیا اور ساتھیوں سے بھی فرمایا کہ ہاتھ روک لو، بالکل نہ کھاؤ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اسی وقت آپ...... نے اس یہودیہ کو بلوایا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تو نے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا کہ کس نے یہ بات بتلائی؟...... آپ نے فرمایا کہ یہ بکری کی دست جو میری ہاتھ میں ہے اسی نے بحکم خدا مجھے بتلایا ہے کہ میرے اندر زہر ملایا گیا ہے...... یہودی عورت نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے زہر ملایا تھا اور یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ اگر تم سچے نبی ہو گے تو تم پر زہر کا اثر نہیں ہو گا اور اگر تم جھوٹے مدعی نبوت ہو گے تو ختم ہو جاؤ گے اور تمہارے ختم ہو جانے سے ہمیں راحت اور چین حاصل ہو جائے گا اور اب مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ (ﷺ) سچے نبی ہیں...... اسی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو معاف فرمادیا۔

اس واقعہ سے متعلق مختلف روایات سے مزید تفصیلات بھی معلوم ہوتی ہیں، جن کا ذکر یہاں غیر

ضروری ہے۔

یہاں خیبر کے اس واقعہ کا ذکر صرف یہ بتلانے کے لئے کیا گیا ہے کہ خیبر میں زہر آلود لقمہ کے کھانے کا وہ واقعہ معلوم ہو جائے، جس کا ذکر زیر تشریح حدیث میں کیا گیا ہے...... جو زہر بکری کی دست میں ملایا تھا وہ ایسا ہی تھا کہ اس کا لقمہ کھا کر آدمی ختم ہی ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے معجزانہ طور پر حضور ﷺ کو بچالیا۔ لیکن اس کا کچھ اثر باقی رہا جس کی کچھ تکلیف کبھی کبھی آپ محسوس فرماتے تھے، اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ جب دعوت حق امت کی تعلیم و تربیت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا وہ کام آپ ﷺ کے ذریعہ پورا ہو جائے جس کے لئے آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تھی تو پھر اس زہر کا اثر پوری طرح ظاہر ہو کر آپ...... کی وفات کا وسیلہ بنے اور اس طرح آپ ﷺ کو "شہادت فی سبیل اللہ" کی سعادت و فضیلت بھی حاصل ہو۔

اس تفصیل کی روشنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب و مفہوم پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں حضور ﷺ کا جو ارشاد اور حال بیان کیا ہے وہ بظاہر اسی دن کا ہے جس روز حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور تکلیف میں وہ شدت شروع ہوئی جس کا ذکر آئندہ درج ہونے والی بعض حدیثوں میں آئے گا۔

(۱۳۱) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ "مَامِنْ نَبِيٍّ يَمْرَضُ اِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"، وَكَانَ فِيْ شَكْوَاهُ الَّذِيْ قُبِضَ اَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيْدَةٌ، فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ : مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ، فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ خُيِّرَ O (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا تھا رسول اللہ ﷺ سے آپ فرماتے تھے (تندرستی کی حالت میں) کہ ہر نبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہے کہ جب وہ مریض ہوتے ہیں (یعنی جب وہ مرض وفات میں مبتلا کئے جاتے ہیں) تو ان کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں ابھی کچھ مدت اور رہنا چاہیں تو رہیں اور اگر اب عالم آخرت کا قیام پسند کریں تو اس کو اختیار کر لیں۔ آگے حضرت صدیقہؓ بیان فرماتیں ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کو آپ کے مرض وفات میں سانس کی سخت تکلیف ہوئی تو میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ" تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ کو وہ اختیار دے دیا گیا (اور آپ ﷺ نے عالم آخرت کو اختیار فرمالیا)...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کے مضمون کی ضروری وضاحت اور تشریح ترجمہ کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔ اس حدیث میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے مرض وفات کی آخری مرحلہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب سانس کی شدید تکلیف شروع ہوئی۔ (جو گویا قرب وفات کی علامت ہوتی ہے) تو آپ ﷺ

نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ "مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ..... الخ" (اے اللہ اب اپنے ان مقبول بندوں کے پاس پہنچادے جن پر تیرا خصوصی انعام ہوا ہے، انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین) سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۹ میں ان چاروں طبقات پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔
آگے درج ہونے والی حدیث سے اس آخری وقت اور آخری گھڑی کی کچھ مزید تفصیلات معلوم ہوں گی۔

۱۳۲) **عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ اَنَّ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ عَلَیَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، تُوُفِّیَ فِیْ بَیْتِیْ وَفِیْ یَوْمِیْ وَبَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ، وَاَنَّ اللّٰهَ جَمَعَ بَیْنَ رِیْقِیْ وَرِیْقِهٖ عِنْدَ مَوْتِهٖ، دَخَلَ عَلَیَّ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ وَبِیَدِهٖ سِوَاكٌ وَاَنَا مُسْتَنِدَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَرَاَیْتُهٗ یَنْظُرُ اِلَیْهِ، وَعَرَفْتُ اَنَّهٗ یُحِبُّ السِّوَاكَ، فَقُلْتُ اٰخُذُهٗ لَكَ؟ فَاَشَارَ بِرَاْسِهٖ اَنْ نَعَمْ، فَتَنَاوَلْتُهٗ فَاشْتَدَّ عَلَیْهِ قُلْتُ : اُلَیِّنُهٗ لَكَ؟ فَاَشَارَ بِرَاْسِهٖ اَنْ نَعَمْ فَلَیَّنْتُهٗ، فَاَمَرَّهٗ، وَبَیْنَ یَدَیْهِ رَکْوَةٌ، فِیْهَا مَاءٌ فَجَعَلَ یُدْخِلُ یَدَیْهِ فِی الْمَاءِ فَیَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَیَقُوْلُ "لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ" ثُمَّ نَصَبَ یَدَهٗ فَجَعَلَ یَقُوْلُ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی، حَتّٰی قُبِضَ وَمَالَتْ یَدُهٗ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جن خاص نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی میرے گھر میں اور میری ہی نوبت کے دن میں، اور یہ بھی کہ آپ ﷺ نے وفات پائی میرے سینہ اور میری ہنسلی کے درمیان (یعنی آپ ﷺ نے اس حالت میں وفات پائی کہ آپ میرے سینہ اور ہنسلی سے لگے ہوئے تھے اور اللہ کی جو خاص الخاص نعمتیں مجھ پر ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے آخری وقت میں میرا آب دہن اور حضور ﷺ کا آب دہن ملادیا (یعنی آخری وقت میں آپ ...... کا آب دہن (تھوک) میرے حلق میں آیا اور میرا آب دہن آپ ﷺ کے دہن مبارک میں گیا، آگے حضرت صدیقہؓ اس کی تفصیل بیان فرماتی ہیں کہ) میرے بھائی عبدالرحمٰن گھر میں آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں حضور ﷺ کو سینہ سے لگائے بیٹھی تھی (یعنی آپ تکیہ کے طور پر میرے سینے سے لگے ہوئے تھے) تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ عبدالرحمٰن کی مسواک کی طرف نظر فرمارہے ہیں اور میں نے جانا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں عبدالرحمٰن سے یہ مسواک آپ ﷺ کے لئے لے لوں؟ تو آپ ﷺ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں لے لو، تو میں نے وہ مسواک عبدالرحمٰن سے لے کر دے دی آپ نے مسواک کرنی چاہی تو وہ سخت محسوس ہوئی، میں نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ ﷺ کے لئے نرم کردوں؟ تو آپ ﷺ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں (اس کو میرے لئے نرم کردو) تو میں نے اس کو (چباکر) نرم کردیا، تو آپ نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا (اس طرح اس آخری وقت میں حضور ﷺ کا آب دہن میرے حلق میں اور میرا آب دہن حضور ﷺ کو دہن مبارک میں چلا گیا)...... آگے حضرت صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ) اس وقت حضور ﷺ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ بار بار اس پانی میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے اور وہ ہاتھ

چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے، اور اسی حال میں زبان مبارک سے فرماتے "لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ" (صرف اللہ ہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہاں موت کے لئے بڑی سختیاں ہیں) پھر آپ ﷺ نے دست مبارک اوپر کی طرف اٹھایا اور فرمانے لگے "فِى الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى" (مجھ کو شامل کر لے رفیق اعلیٰ میں) اسی حال میں روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ ﷺ کا اوپر اٹھا ہوا ہاتھ نیچے کی طرف آ گیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... اس حدیث میں حضرت صدیقہؓ نے صرف ان خاص الخاص انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو حضور ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات حیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ہوئے ...... ایک یہ کہ حضور ﷺ نے میرے گھر میں وفات پائی اور حسن اتفاق سے وہ دن میری نوبت کا تھا ...... یعنی اگرچہ حضور ﷺ وفات سے آٹھ دن پہلے اپنی خواہش اور دیگر ازواج مطہرات کی اجازت سے میرے گھر میں مستقل طور پر تشریف لے آئے تھے لیکن جس دو شنبہ کو وفات پائی وہ دن باری کے حساب سے بھی حضور ﷺ کے میرے ہاں قیام کا دن تھا ...... اور دوسرا خصوصی انعام اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ فرمایا کہ جس وقت حضور ﷺ نے وفات پائی اس وقت آپ میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان تھے، یعنی حضور کی کمر مبارک میرے سینہ سے لگی ہوئی تھی اور سر مبارک میری ہنسلی سے لگا ہوا تھا ...... اور اللہ تعالیٰ کا تیسرا خاص انعام مجھ پر یہ ہوا کہ اس آخری وقت میں میرے بھائی عبدالرحمٰن گھر میں آ گئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، ان کی مسواک کی طرف حضور ﷺ نے اس طرح دیکھا کہ میں نے سمجھا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے حضور ﷺ کا اشارہ پا کر وہ مسواک اپنے بھائی سے لے کر حضور ﷺ کو دے دی آپ ﷺ نے اس کو استعمال کیا تو وہ سخت محسوس ہوئی، میں نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ ﷺ کے لئے نرم کر دوں تو آپ ﷺ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں اس کو نرم کر دو، تو میں نے اس کو چبا کر اور نرم کر کے آپ ﷺ کو دیا تو آپ ﷺ نے اس کو حسب معمول دانتوں پر پھیرا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آخری وقت میں آپ ﷺ کا آب دہن (تھوک) میرے حلق میں اور میرا آب دہن آپ ﷺ کے دہن مبارک میں جمع فرمادیا ...... واقعہ یہ ہے کہ ان خاص خاص انعامات الٰہیہ پر حضرت صدیقہؓ کو جتنی بھی خوشی اور جتنا بھی فخر ہو، برحق ہے ...... آگے حضرت صدیقہؓ نے آخری وقت کا جو حال بیان فرمایا ہے، اس میں اس آخری وقت کی شدت تکلیف کا ذکر ہے ...... فرماتی ہیں کہ اس وقت حضور ﷺ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ بار بار اس میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے اور اسی حال میں زبان مبارک سے فرماتے "لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ" مقربین کو اس طرح کی تکلیف انکے رفع درجات کے لئے ہوتی ہے ...... آگے حضرت صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ اسی حال میں آپ ﷺ نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا "فی الرفيق الاعلى" ...... یوں سمجھنا چاہئے کہ اس وقت وہ "اعلىٰ عليين" آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا جو حضرات انبیاء علیہم السلام، حضرات صدیقین شہداء اور صالحین کا مقام و مستقر ہے آپ ﷺ نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ مجھے اسی رفیق اعلیٰ میں پہنچا دیا جائے ...... چنانچہ روح مبارک قبض کر لی گئی اوپر اٹھا ہوا دست مبارک نیچے آ گیا ...... قرآن پاک میں ...... حضرت انبیاء

علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے "وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا" (سورۂ نساء آیت نمبر ۶۹)

بہ ظاہر حدیث کے لفظ "فی الرفیق الاعلی" سے یہی مراد ہے، اس سے پہلے صحیحین کے حوالہ سے حضرت صدیقہؓ ہی کی جو روایت ذکر کی گئی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے، مستدرک حاکم وغیرہ کی ان روایات کا ذکر کیا ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس وقت وفات پائی اس وقت آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھے، اس کے بعد حافظ ابن حجر نے ان روایات کے بارے میں لکھا ہے "وکل طریق منها لا یخلو من شیعی فلا یلتفت الیها" (یعنی ان تمام روایتوں کی سند میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ہے اس لئے قابل التفات بھی نہیں ہیں) آگے حافظ ابن حجر نے ان تمام روایات کی سندوں پر تفصیلی کلام کیا ہے۔　　(فتح الباری ص ۱۰۳ ص ۱۰۴) جز ۱۸ طبع انصاری دہلی)

۱۳۳) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ اَقْبَلَ عَلٰى فَرَسٍ مِنْ مَسْكَنِهٖ بِالسُّنْحِ حَتّٰى نَزَلَ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَتَيَمَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ مُغْشًى بِثَوْبِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ اَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهٗ وَبَكٰى ثُمَّ قَالَ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ وَاللّٰهِ لَايَجْمَعِ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ اَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِىْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا . قَالَ الزُّهْرِىُّ وَحَدَّثَنِىْ اَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَابَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اَجْلِسْ يَاعُمَرُ فَاَبٰى عُمَرُ اَنْ يَّجْلِسَ فَاَقْبَلَ النَّاسُ اِلَيْهِ وَتَرَكُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ .**

اَمَّابَعْدُ! مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ : وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّارَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلَى الشَّاكِرِيْنَ وَقَالَ وَاللّٰهُ لَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ، فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا يَتْلُوْهَا (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قیام گاہ سنح سے آئے، گھوڑے سے اتر کر مسجد میں آئے، جو لوگ وہاں جمع تھے، ان سے کوئی بات نہیں کی پہلے حضرت عائشہ کے گھر میں آئے اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، آپ کو ایک دھاری دار یمنی چادر اڑھادی گئی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے چادر ہٹا کر چہرۂ مبارک کھولا، پھر آپ ﷺ کے اوپر جھک پڑے اور بوسہ دیا، پھر کہا آپ ﷺ کے اوپر میرے ماں باپ قربان! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا جو موت آپ ﷺ کے لئے مقدر ہو چکی تھی وہ آپ ﷺ پر وارد ہو گئی (یہاں تک حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے جس کو امام زہری نے ابو سلمہ کے حوالہ سے حضرت صدیقہؓ سے روایت کیا ہے) آگے امام زہری ابو سلمہ ہی کے حوالہ سے اس موقع سے متعلق) حضرت عبداللہ بن عباس رضی

اللہ عنہ، کا یہ بیان روایت کرتے ہیں کہ ...... ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ کے گھر سے باہر آئے، اس وقت حضرت عمرؓ (اپنے خاص حال میں) لوگوں سے بات کر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ عمر بیٹھ جاؤ (اور جو بات کر رہے ہو وہ نہ کرو) لیکن حضرت عمرؓ نے (اپنے خاص حال میں) یہ بات نہیں مانی تو (حضرت ابو بکرؓ منبر کی طرف آئے) تو سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کی بات سننے کے لئے ان کی طرف آگئے، انہوں نے (منبر سے) خطاب کرتے ہوئے۔ (حمد وصلوٰۃ اور توحید و رسالت کی شہادت کے بعد) فرمایا:

اَمَّا بَعْدَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.

وَمَامُحَمَّدٌ اِلَّارَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ○

ترجمہ: اما بعد تم میں سے جو کوئی حضرت محمد ﷺ کی عبادت اور بند گی کرتا تھا تو وہ تو وفات پاگئے، اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی عبادت اور بند گی کرتا تھا تو وہ "حَيٌّ لَايَمُوْتُ" ہے، اس کو کبھی فنا نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

"اور محمد ﷺ تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پلٹ جائے تو وہ خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو ضرور صلہ عطا فرمائے گا۔

(حدیث کے راوی) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کے اس موقع پر یہ آیت تلاوت فرمانے سے پہلے گویا لوگوں نے جانا ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے (یعنی اس وقت لوگ اس آیت کے مضمون سے غافل ہو گئے تھے) پھر تو سب ہی لوگوں نے اس کو لے لیا، پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی اور میں ہر شخص کو یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے سنتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح مندرجہ بالا بعض حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ جس روز حضور ﷺ نے وفات پائی اس کی صبح آپ ﷺ کی حالت بہت بہتر اور قابل اطمینان ہو گئی تھی، اسی لئے حضرت ابو بکرؓ حضور ﷺ کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر اپنی قیام گاہ سخ چلے گئے تھے، وہ ابھی وہیں تھے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا، جن لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی وہ جمع ہونا شروع ہو گئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے جو کسی طرح اس کے ماننے بلکہ سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے کہ حضور وفات پاگئے۔ حافظ ابن حجر نے اسی حدیث کی شرح میں مسند احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضور ﷺ وفات پاگئے اور میں نے حضور ﷺ کو چادر اڑھا دی حضرت عمرؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ آئے اور حضور ﷺ کو

دیکھنے کے لئے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے پردہ کر لیا اور ان دونوں کو اجازت دے دی تو وہ دونوں اندر آئے حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا اور کہا "واغشیتاہ" (ہائے کیسی غشی ہے) اس کے بعد یہ دونوں باہر جانے لگے تو حضرت مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ (غشی یا سکتہ نہیں ہے) حضور ﷺ وفات پا گئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو زور سے ڈانٹا اور کہا کہ حضور ﷺ اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے جائیں گے جب تک فلاں فلاں کام انجام نہ پا جائیں جو ابھی انجام نہیں پائے ہیں، بہر حال حضرت عمرؓ کا یہی حال تھا اور وہ پورے زور شور سے لوگوں سے یہی کہہ رہے تھے اسی حال میں حضرت ابو بکر گھوڑے پر سوار ہو کر آ پہنچے، پہلے مسجد آئے جہاں لوگ جمع تھے لیکن کسی سے کوئی بات نہیں کہ بلکہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں پہنچے حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور روتے ہوئے بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، جو موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے لئے مقدر تھی وہ آچکی (صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے اس موقع پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" بھی کہا۔)...... اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ باہر تشریف لائے یہاں حضرت عمرؓ اپنے خیال کے مطابق لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ یعنی لوگوں سے جو بات کر رہے ہو نہ کرو، لیکن حضرت عمرؓ اس وقت ایسے مغلوب الحال تھے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بات نہیں مانی بلکہ اس وقت ماننے سے صاف انکار کر دیا، حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو اسی حال میں چھوڑ کر مسجد میں منبر پر تشریف لائے، پھر سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر انہی کے پاس آگئے حضرت ابو بکرؓ سے وہ خطاب فرمایا جو اوپر حدیث کے ترجمہ میں لفظ بہ لفظ نقل کر دیا گیا ہے اور قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ تلاوت فرمائی۔

حضرت ابو بکرؓ کے اس خطبہ اور اس آیت نے ہر صاحب ایمان کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ حضور ﷺ ایک دن یقیناً وفات فرمانے والے تھے، وفات فرما گئے اور ہم کو آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہوئے جینا اور مرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس خاص موقع پر حضرت ابو بکرؓ سے یہ آیت سن کر سب کی زبان پر یہی آیت جاری تھی ہر ایک اسی آیت کی تلاوت کر کے اپنے نفس کو اور دوسروں کو اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر ثابت قدمی کا سبق دے رہا تھا۔

اسی واقعہ کے سلسلہ میں آگے امام زہری ہی نے سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب ابو بکر نے آیت "وما محمد الا رسول"...... الآیۃ تلاوت کی تو اپنی غلطی کے احساس سے میرا یہ حال ہو گیا کہ گویا میں بے جان ہو گیا میری ٹانگوں میں دم نہیں رہا کہ میں کھڑا ہو سکوں میرے دل نے جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ یقیناً وفات پا گئے۔

۱۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِخْتَلَفُوْا فِىْ دَفْنِهٖ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ : سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَالَ، "مَاقَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِى الْمَوْضِعِ الَّذِىْ يُحِبُّ اَنْ يُدْفَنَ فِيْهِ"

اِدْفِنُوْهُ فِىْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے تو آپ کی تدفین کے بارے میں لوگوں میں رائے کا اختلاف ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں ایک بات سنی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اسی جگہ وفات دیتا ہے جہاں وہ اس کا دفن کیا جانا پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے بستر کی جگہ ہی دفن کیا جائے ......

(جامع ترمذی)

تشریح ...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس بارے میں صحابہؓ کی رائیں مختلف ہوئیں کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ شارحین نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کی رائے تھی کہ آپ کو بلد اللہ الحرام مکہ مکرمہ لے جاکر دفن کیا جائے بعض کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں بقیع میں دفن کیا جائے۔

اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ اس بارے میں میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ایک بات سنی ہے، آپ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ رہا ہے کہ ان کی وفات خاص اسی جگہ ہوتی ہے، جہاں ان کا دفن ہونا ان پیغمبر کو یا خود اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے۔

لہٰذا حضور ﷺ کو آپ ﷺ کی اسی بستر کی جگہ دفن کیا جائے جس پر آپ ﷺ نے وفات پائی، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اسی جگہ دفن کئے گئے جہاں بستر پر آپ آرام فرماتے تھے اور جہاں آپ ﷺ نے وفات پائی ...... کیسا خوش نصیب ہے زمین کا وہ قطعہ جس نے سید المرسلین خاتم النّبیین محبوب رب العالمین کو قیامت تک کے لئے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت بلکہ افضلیت اور امت میں ان کے امتیازی مقام کا ذکر خاص اہتمام سے فرمایا ہے، آپ ﷺ کے مرض وفات کے سلسلہ میں متعدد ایسی حدیثیں گزر چکی ہیں جن سے بغیر کسی شک و شبہ کے یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک آپ ﷺ کی امت کے افضل ترین فرد حضرت ابو بکرؓ تھے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی قائم مقامی یعنی خلافت نبوت کے لئے وہی آپ ﷺ کی نظر میں متعین تھے۔ ان زبانی ارشادات کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں (جس کے بارے میں آپ ﷺ کو منجانب اللہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسی مرض میں میری وفات مقدر ہو چکی ہے) اصرار اور تاکید کے ساتھ حضرت ابو بکر کو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اس طرف امت کو واضح رہنمائی بھی فرمادی تھی۔

حضور ﷺ کے مرض وفات کے سلسلہ کی ان حدیثوں کے علاوہ چند اور حدیثیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت اور افضلیت کے بارے میں ذیل میں درج کی جارہی ہیں ان میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی ہیں اور بعض اکابر صحابہ کی شہادتیں بھی۔

۱۳۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَالِاَحِدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلاَّ وَقَدْ کَافَیْنَاهُ، مَاخَلَا اَبَابَکْرٍ، فَاِنَّ لَه' عِنْدَنَا یَدًا یَکَا فِیْهُ اللّٰهُ بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَانَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ، وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلاً اَلاَ وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک موقع پر) ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہو کچھ ہم کو دیا ہو اور ہم نے اس کی مکافات نہ کر دی ہو، سوائے ابو بکرؓ کے، انہوں نے ہمارے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کی مکافات اللہ تعالیٰ ہی کرے گا قیامت کے دن اور کسی شخص کا بھی مال کبھی اتنا میرے کام نہیں آیا جتنا ابو بکر کا مال کام آیا اور اگر میں (اپنے دوستوں میں سے) کسی کو خلیل (جانی دوست) بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا اور معلوم ہونا چاہئے کہ میں بس اللہ کا خلیل ہوں (اور میرا حقیقی دوست و محبوب بس اللہ ہے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ کو ہدیہ پیش کرتا تو آپ اس کو قبول فرمالیتے اور اسی وقت یا بعد میں کسی وقت اسے اتنا ہی یا زیادہ کسی شکل میں عطا فرما کر مکافات فرمادیتے، زیر تشریح حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ ابو بکرؓ کے سوا جس کسی نے بھی ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہم نے دنیا ہی میں اس کی مکافات کر دی، لیکن ابو بکرؓ نے جو حسن سلوک کیا اس کی مکافات آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی

فرمائے گا، حضرت ابو بکرؓ کے نواسے حضرت عروہؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، وہ سب رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق دین کی خدمت میں خرچ ہو گئے، سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کے کافر و مشرک مالک و آقا اسلام قبول کرنے ہی کے "جرم" میں ان کو ستاتے اور مظالم کے پہاڑ توڑتے تھے حضرت بلالؓ بھی انہی میں سے تھے...... حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ سے عرض کر دیا تھا کہ میں اور میرا سارا مال گویا آپ کی ملک ہے جس طرح چاہیں استعمال فرمالیں، چنانچہ حضور ﷺ ایسا ہی کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے مرض وفات میں اپنے آخری خطاب میں بھی حضرت ابو بکرؓ کی اس خصوصیت اور امتیاز کا ذکر فرمایا تھا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے وہ خطاب صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے اور اس میں حضور ﷺ کے بعد ان کے خلیفہ ہونے کی طرف بھی واضح رہنمائی ہے۔

۱۳۶) عَنْ جُبَيْرِبْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ اِمْرَأَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِيْ شَيْئٍ فَاَمَرَهَا اَنْ تُرْجِعَ اِلَيْهِ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ؟ كَاَنَّهَا تُرِيْدُالْمَوْتَ . قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْنِيْ فَاْتِيْ اَبَابَكْرٍ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی چیز اور کسی معاملہ کے بارے میں اس نے حضور ﷺ سے گفتگو کی، آپ ﷺ نے اس کو فرمایا کہ پھر (بعد میں کبھی) آنا، اس عورت نے عرض کیا کہ یہ بتلائیے کہ اگر میں آئندہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟...... حدیث کے راوی جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ غالباً اس عورت کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں آئندہ آؤں اور حضور ﷺ دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں، تو میں کیا کروں؟...... تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکرؓ کے پاس آ جانا...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت مدینہ منورہ سے دور کے کسی مقام کی رہنے والی تھی، اس نے حضور ﷺ سے شاید کچھ طلب کیا تھا جو آپ اس وقت عنایت نہ فرما سکے یہ فرمادیا کہ آئندہ کبھی پھر آنا...... اس نے عرض کیا کہ اگر آئندہ میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں آپ دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں تو میں کیا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس صورت میں تم ابو بکرؓ کے پاس آنا...... اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد متصلاً بلا فصل حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ ہونے کی طرف کھلا اشارہ ہے۔

۱۳۷) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لَايَنْبَغِيْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يَّؤُمَّهُمْ غَيْرُهٗ". (رواه الترمذى)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی قوم (کسی ایسی جماعت اور گروہ) کے لئے جس میں ابو بکر موجود ہوں درست اور مناسب نہیں ہے کہ ابو بکرؓ کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کا امام ہو...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں، اس کا صریح مقتضی اور مفاد یہ ہے کہ امت میں جب تک ابوبکرؓ رہیں اہل ایمان انہیں کو اپنا امام بنائیں، ان کے سوا کسی کو امام بنانا صحیح نہ ہو گا، بلاشبہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات میں سے ہے جن کے ذریعہ حضور ﷺ نے اپنے بعد کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۱۳۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِاَبِیْ بَكْرٍ: "اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَى الْحَوْضِ". (رواه الترمذی)

ترجمہ .. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم غار میں میرے ساتھی تھے اور آخرت میں حوض کوثر پر بھی میرے ساتھی ہو گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ معظّمہ سے ہجرت فرمائی تو تین (۳) دن تک مکہ مکرمہ کے قریب ثور پہاڑ کے ایک غار میں روپوش رہے تھے، اس غار میں حضرت ابو بکرؓ ہی آپ کے ساتھ تھے، ہجرت کے اس سفر میں اور خاص کر اس غار میں حضور ﷺ کے ساتھ رہنا (جس میں آخری حد تک کے خطرات تھے) وفاداری اور فدائیت کا بے مثال عمل تھا، اسی لئے حضور ﷺ نے خاص طور سے اس کو یاد رکھا (قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے "ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا" (سورۂ توبہ آیت نمبر ۴۰) اردو زبان میں یار غار کا لفظ قرآن پاک کی اسی آیت اور رسول اللہ ﷺ کے اس سلسلہ کے ارشادات ہی سے آیا ہے۔ غار کی اس تین روزہ رفاقت میں حضرت ابو بکرؓ نے جس فدائیت کا ثبوت دیا اس کا کچھ حال آگے درج ہونے والے حضرت عمرؓ کے ایک بیان سے معلوم ہو گا۔

۱۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَانِیْ جِبْرِيْلُ فَاَخَذَ بِيَدِیْ، فَاَرَانِیْ بَابَ الْجَنَّةِ الَّذِیْ يَدْخُلُ مِنْهُ اُمَّتِیْ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَدِدْتُّ اَنِّیْ كُنْتُ مَعَكَ حَتّٰى اَنْظُرَ اِلَيْهِ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اَمَا اِنَّكَ يَا اَبَابَكْرٍ! اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ." (رواه ابوداؤد)

ترجمہ .. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے، میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت کا جنت میں داخلہ ہو گا۔ ابو بکرؓ نے (حضور ﷺ سے یہ سن کر عرض کیا کہ) حضور ﷺ! میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں بھی اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی اس دروازہ کو دیکھتا ...... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے ......

(سنن ابی داؤد)

تشریح ...... اس حدیث میں حضور ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جبرائیل امین آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے اور جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہو گی ...... ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ شب معراج کا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے موقع پر جبرائیل بحکم خداوندی حضور ﷺ کو

جنت کا وہ دروازہ دکھانے کے لئے لے گئے ہوں، یہ معراج کی طرح کا ملااعلیٰ کا سفر بھی ہو سکتا ہے اور مکاشفہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال جب حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ سے یہ سن کر عرض کیا کہ حضرت میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی جنت کا وہ دروازہ دیکھتا تو حضور ﷺ نے ان کو بشارت سنائی کہ تم جنت کا دروازہ دیکھنے کی آرزو کرتے ہو میں تم کو اس سے بڑی خداوندی نعمت کی خوشخبری سناتا ہوں، یقین کرو کہ میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں تم داخل ہو گے، بلاشبہ یہ اس کی روشن دلیل ہے کہ امت میں سب سے افضل اور عالی مرتبت حضرت ابو بکر صدیق ہی ہیں...... رضی اللہ عنہٗ وارضاہ۔

۱۴۰) عَنْ عُمَرَ قَالَ : اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ابو بکرؓ ہمارے سید (سردار) ہیں، ہم میں سب سے بہتر و افضل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو ہم میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں (یعنی ان کو حضور ﷺ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے وہ ہم میں سے کسی کو حاصل نہیں۔)

تشریح...... حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت اور بلند مقامی کے بارے میں یہ حضرت عمرؓ کا بیان ہے، جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور ان کے ساتھ آپ ﷺ کے طرز عمل کے مشاہدہ پر ہے۔

۱۴۱) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِيَةِ، قَالَ : قُلْتُ لِاَبِىْ : اَىُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَالنَّبِىِّ ﷺ؟ قَالَ : اَبُوْبَكْرٍ : قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ : عُمَرُ : وَخَشِيْتُ اَنْ يَّقُوْلَ : عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ؟ قَالَ مَااَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت محمد بن حنفیہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت علی مرتضے رضی اللہ عنہ،) سے دریافت کیا کہ امت میں رسول اللہ...... کے بعد سب سے بہتر و افضل کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ابو بکر۔ میں نے کہا ان کے بعد کون؟ تو انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ...... (محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں) پھر مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ (اگر میں اسی طرح دریافت کروں کہ عمر کے بعد کون؟) تو یہ نہ کہہ دیں کہ عمرؓ کی بعد عثمان (اس لئے میں نے سوال اس طرح کیا) پھر عمر کے بعد آپ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... محمد بن الحنفیہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے حرم میں داخل ایک دوسری خاتون حنفیہ سے جن کا اصل نام خولہ تھا اپنے قبیلہ کی نسبت سے حنفیہ کے نام سے معروف ہیں حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے جو جہاد ہوا تو فتح کے بعد جنگی قانون کے مطابق جو مرد اور عورتیں گرفتار ہو کر آئے ان میں یہ خولہ بھی تھیں، یہ حضرت علیؓ کے حوالہ کر دی گئیں اور ان کے حرم میں داخل ہو گئیں۔ محمد بن الحنفیہ انہی کے بطن سے حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں۔ علم اور صلاح و تقویٰ اور دوسری

صفات کمال کے لحاظ سے بلند مقام تابعین میں سے ہیں۔ انہی کا یہ بیان ہے کہ میں نے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں کون افضل ہے؟ تو انہوں نے پہلے نمبر پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اور دوسرے نمبر پر حضرت عمرؓ کا نام لیا اور اپنے بارے میں فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ بطور تواضع و انکسار، فرمایا، ورنہ امت میں اس وقت سب سے افضل خود حضرت علی مرتضیٰؓ ہی تھے، حضرت عثمانؓ اس سے پہلے شہید کئے جاچکے تھے...... یہ روایت تو محمد بن الحنفیہ کی ہے۔ محدثین کے نزدیک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل اور بلند مرتبہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں اور یہ کہ جو کوئی مجھے ان دونوں سے افضل قرار دے گا میں اس پر حد (شرعی سزا) جاری کروں گا۔

۱۴۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : كُنَّا فِىْ زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَانَعْدِلُ بِاَبِىْ بَكْرٍ اَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ لَانُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ابو بکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمان۔ پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے، ان کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب بہ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضور ﷺ کا طرز عمل دیکھ کر ہم یہ سمجھتے تھے کہ سب سے افضل حضرت ابو بکرؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ، یہ تینوں حضرات سن رسیدہ تھے، اہم امور میں حضور ﷺ اکثر ان ہی سے مشورہ فرماتے تھے، اگرچہ ان تین حضرات کے بعد وہ بلا شبہ امت میں سب سے افضل ہیں اور بعض خصوصیات میں بہت اعلیٰ و بالا ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ بیان شخصیات کے بارے میں ہے، طبقات اور صفات کے لحاظ سے صحابۂ کرامؓ میں جو درجات و مراتب کا فرق ہے اس سے حضرت ابن عمرؓ نے تعرض نہیں کیا ہے...... مثلاً عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان، سابقین اولین من المہاجرین والانصار (رضی اللہ عنہم اجمعین) حضرت ابن عمرؓ کے اس بیان میں ان کے فضائل کی نفی نہیں ہے، انہوں نے جو فرمایا اس کا تعلق، اس خاص فضیلت سے ہے جو ان تین بزرگوں کو حضور ﷺ کے زمانہ میں حاصل تھی۔ واللہ اعلم۔

۱۴۳) عَنْ عُمَرَ، قَالَ : اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَّتَصَدَّقَ، وَوَافَقَ ذَالِكَ عِنْدِىْ مَالاً، فَقُلْتُ : اَلْيَوْمَ اَسْبِقُ اَبَابَكْرٍ اِنْ سَبَقْتُه' يَوْمًا، قَالَ فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِىْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَااَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ؟ فَقُلْتُ : مِثْلَه' وَاَتٰى اَبُوْبَكْرٍ بِكُلِّ مَاعِنْدَه' : فَقَالَ يَااَبَابَكْر مَااَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ؟" فَقَالَ اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه' قُلْتُ لَااَسْبِقُه' اِلٰى شَىْءٍ اَبَدًا. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو صدقہ کرنے (یعنی راہ خدا میں مال پیش کرنے) کا حکم فرمایا اور یہ حکم ایسے وقت فرمایا جب کہ (حسن اتفاق سے) میرے پاس مال بڑی مقدار میں تھا تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر میں کبھی ابو بکر سے آگے نکل سکتا ہوں تو آج آگے نکل جاؤں گا (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ) میں گھر آیا اور گھر میں جو کچھ مال تھا میں نے اس میں سے پورا آدھا لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے۔ میں نے عرض کیا (جتنا یہ لے کر آیا ہوں اتنا ہی گھر والوں کے لئے باقی چھوڑا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اور ابو بکرؓ وہ سب کچھ لے آئے جو ان کے پاس تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر اپنے اہل و عیال کے لئے کیا باقی چھوڑا۔ انہوں نے عرض کیا کہ گھر والوں کے لئے میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو باقی چھوڑا ہے (حضرت عمرؓ کہتے ہیں) کہ میں نے (اپنے دل سے) کہا کہ میں کبھی بھی کسی چیز میں ابو بکرؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا...... (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

تشریح ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ جو اپنی کل دولت کا نصف لائے تھے، وہ مقدار میں حضرت ابو بکر کے لائے ہوئے سے زیادہ ہو مگر حضرت ابو بکرؓ کا یہ عمل اور حال کہ انہوں نے گھر والوں کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا بس اللہ و رسول پر ایمان اور ان کی رضا جوئی کو سب کچھ سمجھ کر اس پر قناعت کر لی بلا شبہ یہ مقام بہت بلند ہے۔

١٤٤) عَنْ عُمَرَ، ذُكِرَعِنْدَهٗ اَبُوْبَكْرٍ فَبَكٰى وَقَالَ : وَدِدْتُّ اِنَّ عَمَلِىْ كُلَّهٗ مِثْلَ عَمَلِهٖ يَوْمًا وَاحِدًا مِنْ اَيَّامِهٖ، وَلَيْلَةً وَاحِدَةً مِنْ لَيَالِيْهِ، اَمَّا لَيْلَتُهٗ فَلَيْلَةٌ سَارَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الْغَارِ، فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَيْهِ قَالَ : وَاللّٰهِ لَاتَدْخُلْهُ حَتّٰى أَدْخُلَ قَبْلَكَ، فَاِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْءٌ اَصَابَنِىْ دُوْنَكَ، فَدَخَلَ فَكَسَحَهٗ وَوَجَدَ فِىْ جَانِبِهٖ ثُقْبًا، فَشَقَّ اِزَارَهٗ وَسَدَّهَا بِهٖ، وَبَقِىَ مِنْهَا اِثْنَانِ فَاَلْقَمَهُمَا رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ : اُدْخُلْ، فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَوَضَعَ رَاسَهٗ فِىْ حِجْرِهٖ وَنَامَ فَلُدِغَ اَبُوْبَكْرٍ فِىْ رِجْلِهٖ مِنَ الْجُحْرِ، وَلَمْ يَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ اَنْ يَّنْتَبِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُهٗ عَلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : مَالَكَ يَااَبَابَكْرٍ؟ قَالَ لُدِغْتُ، فَدَاكَ اَبِىْ وَاُمِّىْ، فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَذَهَبَ مَايَجِدُهٗ، ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَيْهِ، وَكَانَ سَبَبَ مَوْتِهٖ، وَاَمَّا يَوْمُهٗ، فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِرْتَدَّتِ الْعَرَبُ وَقَالُوْا: لَا نُؤَدِّىْ زَكَاةً فَقَالَ : لَوْمَنَعُوْنِىْ عِقَالًا لَجَاهَدْتُهُمْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ : يَاخَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاَلِّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ فَقَالَ لِىْ : اَجَبَّارٌ فِى الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِى الْاِسْلَامِ؟ اِنَّهٗ قَدْ اِنْقَطَعَ الْوَحْىُ وَتَمَّ الدِّيْنُ اَيَنْقَصُ وَاَنَا حَىٌّ. (رواه رزين)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ ان کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کا ذکر کیا گیا تو رونے لگے اور کہا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرے تمام عمر کے عمل ان کے ایام زندگی کے ایک دن کے عمل کے

برابراوران کی زندگی کی راتوں میں سے ایک رات کے عمل کے برابر ہو جائیں (یعنی مجھ کو میری زندگی بھر کے اعمال کا اللہ تعالیٰ وہ اجر عطا فرمادیں جو ابو بکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کا عطا ہوگا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ابو بکرؓ کی رات سے میری مراد وہ خاص رات ہے جب وہ حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کے سفر میں (اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق روپوشی کے ارادہ سے) غار (یعنی غار ثور) کی طرف چلے تو جب غار کے پاس پہنچے (اور حضرت ﷺ نے غار کے اندر جانا چاہا) تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ خدا کی قسم آپ ابھی غار میں داخل نہ ہوں، پہلے میں غار کے اندر جاؤں گا، تو اگر وہاں کوئی موذی چیز ہو گی (مثلاً درندہ یا سانپ بچھو جیسا زہریلا جانور) تو جو گزرے گی مجھ پر گزرے گی آپ محفوظ رہیں گے، پھر ابو بکرؓ غار کے اندر چلے گئے اس کی صفائی کی۔ اس غار میں ایک طرف چند سوراخ نظر آئے تو اپنے تہبند میں سے پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں اور چیتھڑوں سے ان سوراخوں کو بند کیا۔ لیکن دو(۲) سوراخ باقی رہ گئے (تہبند میں سے جو کچھ پھاڑا تھا اس میں سے اتنا باقی نہیں رہا کہ ان دو سوراخوں کو بھی بند کیا جا سکتا) تو ابو بکرؓ نے ان دو سوراخوں میں اپنے دونوں پاؤں اڑا دیئے، اس کے بعد حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لے آئیں! تو حضور ﷺ غار کے اندر تشریف لے گئے (رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا حضور ﷺ پر نیند کا غلبہ تھا) آپ ﷺ ابو بکرؓ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے (اسی حالت میں) ابو بکرؓ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا (اگر چہ اس کے اثر سے حضرت ابو بکرؓ کو سخت تکلیف ہونے لگی) لیکن اس اندیشہ سے کہ حضور ﷺ کی آنکھ نہ کھل جائے آپ بیدار نہ ہو جائیں اسی طرح بیٹھے رہے حرکت بھی نہیں کی، یہاں تک کہ تکلیف کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر گرے (تو حضور ﷺ کی آنکھ کھل گئی آپ ﷺ نے ابو بکرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے تو) دریافت فرمایا کہ ابو بکرؓ تم کو کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان مجھے سانپ نے کاٹ لیا، آپ ﷺ نے (اس جگہ پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا) اپنا آب دہن ڈال دیا تو ابو بکرؓ کو جو تکلیف ہو رہی تھی وہ اسی وقت چلی گئی (آگے حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں) پھر (ابو بکرؓ کی وفات سے کچھ پہلے) اس زہر کا اثر لوٹ آیا اور وہی ان کی وفات کا سبب بنا (اس طرح ان کو شہادت فی سبیل اللہ کی سعادت و فضیلت بھی نصیب ہو گئی) اور یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ خیبر میں کھائے ہوئے زہر کا اثر قریباً چار سال کے بعد حضور ﷺ کی وفات کے قریب لوٹ آیا تھا اور وہی آپ ﷺ کی وفات کا سبب بنا تھا...... تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے سفر ہجرت کی اس رات کے اس عمل کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس دن کا اور اس دن کے حضرت ابو بکرؓ کے اس عمل کا ذکر فرمایا جس کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرے ساری عمر کے اعمال ان کے ایک دن کے عمل کے برابر ہو جائیں، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دن سے مراد ابو بکرؓ کی زندگی کا وہ دن ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات فرما گئے اور عرب (کے بعض علاقوں کے لوگ) مرتد ہو گئے اور انہوں نے فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو ابو بکرؓ نے کہا کہ اگر وہ لوگ اونٹ کا پاؤں باندھنے کی

رسی [1] دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ (اس وقت ان لوگوں کے ساتھ تالیف اور نرمی کا معاملہ کیجئے! تو انہوں نے (غصہ کے ساتھ) مجھے فرمایا کہ تم زمانۂ جاہلیت میں تو بڑے زور آور اور غصہ ور تھے کیا اسلام کے دور میں بزدل اور ڈرپوک ہوگئے ہو (یہ کیسا انقلاب ہے) وحی کا سلسلہ (حضور ﷺ کی وفات کے بعد) ختم ہوگیا، دین مکمل ہوچکا۔ کیا دین کو ناقص کیا جائے اس میں کمی کی جائے گی اس حال میں کہ میں زندہ ہوں۔ (یہ نہیں ہوسکتا) (رزین)

تشریح ...... حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جس قدر تشریح و توضیح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ کے ضمن میں کردی گئی ہے، البتہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس بیان میں مرتدین کے خلاف جہاد سے متعلق حضرت ابوبکرؓ کے جس پُر عزیمت فیصلہ اور اقدام کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں انکار جو خاتمہ کلام نقل فرمایا ہے (اینقص الدین وانا حی) اس کی تشریح اور وضاحت کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے عام اسباب کے لحاظ سے بڑی خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی تھی حضور ﷺ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے جو شکستہ دلی عام صحابہ میں پیدا ہوگئی تھی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے ...... علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات ہی میں حضرت اسامہ کی ...... قیادت میں ایک بڑی مہم پر ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ آنحضرت کے حکم کے مطابق یہ لشکر بلا تاخیر روانہ ہوجائے، چنانچہ وہ روانہ ہوگیا اس طرح اس وقت کی فوجی طاقت کا ایک بڑا حصہ اس محاذ پر چلا گیا اس کے علاوہ حجاز مقدس کے قریب علاقے یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے حضور ﷺ کے آخری دور حیات ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ قبیلے اس کے ساتھ ہوگئے تھے، اس طرح ایک حکومت سی قائم ہوگئی تھی۔

صدیق اکبرؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد فوراً فیصلہ فرمایا کہ اس فتنہ کو بھی جلد سے جلد ختم کیا جائے، چنانچہ خالد بن الولید کی قیادت میں اس کے لئے بھی ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا۔ انہی حالات میں حجاز ہی کے بعض علاقوں کے لوگوں نے (جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے) زکوٰۃ کی ادائیگی سے اجتماعی طور پر انکار کردیا، صدیق اکبرؓ نے اس کو ارتداد قرار دیا اور اس کے خلاف بھی جہاد اور لشکر کشی کا فیصلہ فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس وقت کی ساری فوجی طاقت ان محاذوں پر چلی جاتی اور مرکز اسلام مدینہ منورہ کا حال یہ ہوجاتا کہ

---

[1] حدیث میں عقال کا لفظ ہے اس کے عام مشہور معنی اس رسی کے ہیں جس سے اونٹ کے پاؤں اس طرح باندھ دیئے جاتے ہیں کہ اس کے بھاگ جانے کا خطرہ بالکل نہیں رہتا۔ اس لفظ عقال کے دوسرے معنی اونٹ یا بکری کے بچہ کے بھی ہیں، اگر یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والے یہ لوگ اگر اونٹ یا بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کریں گے جس کا ادا کرنا ان پر واجب تھا تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ زکوٰۃ دین کا رکن ہے اس کا انکار موجب کفر ہے۔ اگر کسی قوم یا علاقہ کے لوگ اجتماعی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کریں تو وہ مرتد اور واجب القتال ہیں۔

اگر کوئی دشمن حملہ کر دے یا آس پاس کے منافقین کوئی فتنہ برپا کر دیں تو اس کی مدافعت اور اس پر قابو پانے کے لئے فوجی طاقت موجود نہ ہو۔

اس لئے حضرت عمرؓ اور روایات میں ہے کہ ان کے ساتھ حضرت علیؓ کی بھی رائے تھی کہ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر اس وقت زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد اور لشکر کشی نہ کی جائے، مصلحت اندیشی اور حکمت عملی کے طور پر ان کے معاملہ میں تالیف اور نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کے دل میں یقین پیدا فرما دیا تھا کہ اس فتنۂ ارتداد کا استیصال فوراً ضروری ہے، کسی مصلحت اندیشی کے تحت اس کو نظر انداز کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، زکوٰۃ دین کا اہم رکن ہے نماز ہی کی طرح گویا جزو ایمان ہے، اس کی ادائیگی سے انکار کو برداشت کرنے کا مطلب دین کی قطع و برید برداشت کرنا ہوگا آپ نے فرمایا دین مکمل ہو چکا ہے، وحی کا سلسلہ ختم اور منقطع ہو چکا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دین کو جس شکل و صورت میں چھوڑا ہے، اپنی جان دے کر بھی اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔

اس سلسلۂ کلام کے آخر میں آپ نے فرمایا "أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَاَنَا حَيٌّ" صدیق اکبرؓ کے ان دو لفظوں سے دین کے ساتھ ان کے جس خاص الخاص عاشقانہ تعلق اور اس کی راہ میں قربانی اور فدائیت کے جس جذبہ کا اظہار ہوتا ہے، راقم سطور اپنی اردو زبان میں اس کے ادا کرنے سے عاجز ہے۔

اس واقعہ میں یہ نکتہ خاص طور سے قابل غور اور ہمارے لئے سبق آموز ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابو بکرؓ کے اس فیصلہ اور اقدام کے خلاف تھی بعد میں وہی فیصلہ ان کی نظر میں اتنا عظیم ہو گیا کہ اپنے زندگی بھر کے اعمال کو وہ حضرت ابو بکرؓ کے اسی ایک عمل سے کمتر سمجھنے لگے، اور اس کا برملا اعتراف فرمایا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاهما

فضائل فاروق اعظمؓ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے فضائل و مناقب سے متعلق حدیثیں ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے، ان میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی تھے اور بعض جلیل القدر صحابۂ کرام کے بیانات بھی اب آپ کے خلیفہ دوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سے متعلق چند احادیث درج کی جارہی ہیں، ان میں بھی حضور ﷺ کے ارشادات کے علاوہ جلیل القدر صحابۂ کرام کے بیانات بھی ہوں گے۔

۱۴۵) عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ، فَإِنْ يَّكُ فِیْ أُمَّتِیْ اَحَدٌ فَإِنَّهٗ عُمَرُ. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں محدث یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی نعمت سے خاص طور پر نوازے جاتے تھے، تو اگر میری امت میں سے کسی کو اس نعمت سے خاص طور پر نوازا گیا تو وہ عمر ہیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... "محدّث" اللہ تعالیٰ کے اس خوش نصیب بندے کو کہا جاتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بکثرت الہامات ہوتے ہوں اور اس بارے میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہو اور وہ نبی نہ ہو کسی نبی کا امتی ہو۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے اور میری امت میں اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے خصوصیت کے ساتھ نوازا ہے) تو وہ عمرؓ ہیں ...... حدیث کے الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ حضور ﷺ کو اس بارے میں کوئی شک شبہ تھا، آپ کی امت جب خیر الامم اور اگلی تمام امتوں سے افضل ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں بھی ایسے خوش نصیب بندے ہوں گے جو کثرت الہامات کی نعمت سے نوازے جائیں گے، حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس بارے میں حضرت عمرؓ، کی خصوصیت اور امتیاز سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے بارے میں حضرت عمرؓ کو تخصص و امتیاز حاصل تھا، جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا۔

۱۴۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِهٖ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور اس کے قلب میں حق رکھ دیا ہے ...... (جامع ترمذی)

۱۴۷) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يقول "اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلىٰ لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ". (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے، وہ حق ہی کہتا ہے۔ (سنن ابو داؤد)

تشریح پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے اور دوسری حضرت ابو ذر غفاریؓ کی روایت سے، دونوں کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے دل میں جو کچھ آتا ہے اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے، وہ حق ہی سوچتے اور حق ہی بولتے ہیں ..... اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے اجتہادی غلطی بھی نہیں ہوتی ..... اجتہادی غلطی تو حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مطلع کر کے اصلاح کرادی جاتی ہے، حضرت عمرؓ سے بھی کبھی کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی تھی، لیکن حق واضح ہو جانے پر رجوع فرمالیتے تھے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بارے میں اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کے خلاف ان کی جو رائے تھی وہ ان کی اجتہادی غلطی ہی تھی، بعد میں حق واضح ہو جانے پر انہوں نے رجوع اور حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے سے اتفاق فرمالیا، بہر حال اجتہادی غلطی کے اس طرح کے چند استثنائی واقعات کے علاوہ (جن میں حق واضح ہو جانے پر انہوں نے رجوع فرمالیا) انہوں نے جو سوچا سمجھا اور جو احکام جاری کئے وہ سب حق ہی تھے۔

بلاشبہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام تھا..... آئندہ درج ہونے والی بعض حدیثوں سے انشاء اللہ حضرت فاروق اعظمؓ کی اس خصوصیت اور فضیلت پر مزید روشنی پڑے گی۔

۱۴۸) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لَوْكَانَ بَعْدِىْ نَبِىٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ". (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک صحبت میں) ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمایا اور قیامت تک کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا (جس کا اعلان قرآن پاک میں بھی فرمادیا گیا ہے) اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ نہ فرمادیا گیا ہوتا اور میرے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو عمر بن الخطاب اپنی روحانی خصوصیات کی وجہ سے بالخصوص اس لائق تھے کہ ان کو نبی بنایا جاتا۔ اس حدیث میں بھی ان کے اس خصوصی کمال و امتیاز کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے قلب پر حق کا القا اور الہامات کی کثرت۔

۱۴۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : مَاكُنَّا نَبْعُدُ اَنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلىٰ لِسَانِ عُمَرَ . (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ.. حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ عمرؓ کی زبان پر سکینہ بولتا ہے ...... (دلائل النبوۃ للبیہقی)

تشریح ...... حضرت علی مرتضیٰؓ کی اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب خطاب فرماتے یا بات کرتے تو دلوں میں ایک خاص قسم کا سکون واطمینان پیدا ہوتا تھا، ہم اس بات کو بعید نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی زبان و بیان میں یہ خاص تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے۔ یہ مطلب لیا جائے تو حضرت علیؓ کے اس کلام میں "السكينة" سے مراد یہی خداداد تاثیر ہے...... شارحین نے لکھا ہے کہ "السکینہ" سے مراد خاص فرشتہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم یہ بات بعید نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ خطاب اور بات فرماتے ہیں تو ان کی زبان سے اللہ کا ایک خاص فرشتہ کلام کرتا ہے جس کا نام یا لقب "السکینہ" ہے۔

۱۵۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ، قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلٰثٍ : فِيْ مُقَامِ اِبْرَاهِيْمَ، وَفِي الْحِجَابِ وَفِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ.. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے خداوند تعالیٰ سے موافقت کی (یعنی میری رائے وہ ہوئی جو خداوند تعالیٰ کا حکم آنے والا تھا) مقام ابراہیم کے بارے میں اور پردے کے مسئلہ میں اور غزوۂ بدر کے قیدیوں کے مسئلہ میں ......
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... واقعہ یہ ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں کم از کم پندرہ ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے، کہ کسی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی ایک رائے ہوئی یا ان کے قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ کاش اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا تو وہی حکم وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگیا اس حدیث میں ان میں سے صرف تین کا ذکر کیا گیا ہے ...... ایک مقام ابراہیم سے متعلق حکم کا، دوسرے پردے کے بارے میں، تیسرے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حکم کا...... جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ "مقام ابراہیم" سفید رنگ کا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی (اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات معجزانہ طور پر پڑ گئے تھے جو اب تک باقی ہیں) وہ اسی زمانہ سے محفوظ چلا آرہا ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک خانۂ کعبہ کی قریب ہی میں ایک جگہ کھلا رکھا رہتا تھا (بعد میں اس کو عمارت میں محفوظ کر دیا گیا۔[1])

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے رسول اللہ ﷺ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش ایسا ہوتا کہ مقام ابراہیم کو خصوصیت سے نماز کی جگہ قرار دے دیا جا، تو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۵ نازل ہوئی اور اس میں حکم آگیا

[1] اب وہ جس شکل میں محفوظ ہے وہ مرحوم مغفور شاہ فیصل بن عبدالعزیز بن سعود کے دور حکومت کی یادگار ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى" (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیا کرو) آیت کا سہل الفہم مطلب یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں، فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے، اگر سہولت سے مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جاسکیں تو وہیں پڑھی جائیں، ورنہ مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔

دوسرا مسئلہ حجاب یعنی پردے سے متعلق ہے، جب تک مستورات کے لئے حجاب یعنی پردے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بھی بضرورت صحابہ کرامؓ کی آمد و رفت ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے داعیہ پیدا فرمایا کہ خاص کر ازواج مطہرات کیلئے حجاب کا خصوصی حکم آجائے چنانچہ اس بارے میں آیت نازل ہو گئی "وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" (سورۂ احزاب آیت ۵۳)

تیسری بات یہ کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے بعد ان کے جو آدمی گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے، ان کے متعلق میری رائے یہ تھی کہ یہ سب اسلام، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے جانی دشمن اور اکابر مجرمین ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، ان کو زندہ چھوڑ دینا ایسا ہی ہے، جیسے زہریلے سانپوں کو زندہ چھوڑنا لیکن ابو بکر صدیقؓ اور رسول اللہ ﷺ پر رحم دلی کا غلبہ تھا ان کی رائے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی ہوئی اور اسی پر عمل کیا گیا...... بعد میں سورۂ انفال کی وہ آیات نازل ہوئیں جو میری رائے کے مطابق تھیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ ان تینوں مسئلوں میں وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے از راہِ ادب اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ میں نے حکم خداوندی کی موافقت کی تین مسئلوں میں۔ بلاشبہ یہ حسن ادب رسول اللہ ﷺ ہی کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت ہی کا نتیجہ تھا۔

۱۵۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰى فِى الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا.

(رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی (رات میں) کہ اے میرے اللہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما ابو جہل ابن ہشام کے ذریعہ یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ پس صبح کو اٹھے عمرؓ اور آئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اور اسلام لے آئے اور مسجد حرام میں علانیہ نماز پڑھی۔ (مسند احمد و جامع ترمذی)

تشریح ...... اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، یہاں ہر بڑے کام اور ہر عظیم مقصد کے لئے اس کے مطابق تدبیر اور عملی جدو جہد اور خاص صلاحیت رکھنے والے جانباز کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے،

ابو جہل بن ہشام اور عمر بن الخطاب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کے درجہ اول کے دشمن تھے، اسی کے ساتھ ان دونوں میں وہ صلاحیتیں تھیں جو کسی بڑے کام کے لئے درکار ہوتی ہیں، (راقم سطور کا خیال ہے کہ غالباً حضور ﷺ پر منکشف کر دیا گیا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو ہدایت دی جاسکتی ہے) تو آپ ﷺ نے ایک رات کو یہ دعا فرمائی جس کا حدیث میں ذکر ہے۔

تقدیر الٰہی میں یہ سعادت حضرت عمرؓ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ان کے حق میں دعا قبول ہو گئی اور ان کو توفیق مل گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے جو کام لیا خاص کر خلافت کے دس سالوں میں وہ بلا شبہ امت میں ان کا اور صرف ان کا حصہ ہے۔

مسند احمد اور جامع ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح کے بعض شارحین نے ابو عبد اللہ حاکم کی "دلائل النبوۃ" کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت سے یہ واقعہ مفصل روایت کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابو جہل جو مشرکین مکہ کا سر دار اور بڑا سرمایہ دار بھی تھا اس نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمد ﷺ کو قتل کر دے میں اس کو سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی بطور انعام دینے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ عمرؓ نے ابو جہل سے کہا کہ تمہاری یہ بات پکی ہے؟ ابو جہل نے کہا بالکل پکی، فوراً ادا کروں گا۔ اس کے بعد عمر تلوار لے کر اس ناپاک ارادہ سے نکلے، راستہ میں ایک شخص نے ان کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ عمر کہاں اور کس ارادہ سے جا رہے ہو...... عمرؓ نے کہا محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں...... اس شخص نے کہا کیا تم ان کے کنبہ بنی ہاشم سے بے خوف ہو (وہ ان کی حمایت میں میدان میں آجائیں گے اور پھر خونریز جنگ ہو گی)...... عمرؓ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو نے بھی باپ دادا کا دین چھوڑ کے محمد کا دین قبول کر لیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں تم کو بتلاتا ہوں کہ تمہاری بہن (فاطمہ) اور بہنوئی (سعید بن زید) نے بھی محمد ﷺ کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر عمرؓ سیدھے بہن کے گھر کی طرف گئے۔ وہ اس وقت سورۂ طٰہٰ تلاوت کر رہی تھیں، عمرؓ نے دروازہ پر کھڑے ہو کر سنا، پھر دروازہ کھلوایا اور کہا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟ ان کی بہن نے بتایا کہ ہم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس میں قرآن کی آیتیں پڑھ رہی تھی؟ عمرؓ نے کہا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ! چنانچہ ان کی بہن نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی...... جب یہ آیت تلاوت کی "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" O تو عمر کے دل کی دنیا میں انقلاب آگیا اور بول اٹھے کہ بیشک وہی اور صرف وہی الٰہ اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اور کلمہ شہادت پڑھا، پھر بہن ہی کے گھر میں رات گزاری اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی تڑپ دل میں پیدا ہو گئی۔ بار بار کہتے تھے "وَاشَوْقَاهُ اِلٰى مُحَمَّدٍ" اسی حال میں خباب بن الارت ان کے پاس آئے اور ان کو بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ آج رات یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما! اور میری امید ہے کہ حضور ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔ اس کے بعد صبح کو عمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کیا۔ اور اسی وقت کہا کہ ہم لات اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے وادیوں کے نشیب میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خدا کی عبادت کریں ہم چھپ

چھپا کر؟ ...... یہ نہیں ہوگا ...... خدا کی قسم ہم اللہ کی عبادت اعلانیہ خانہ کعبہ کے صحن میں کریں گے ...... (اس وقت تک مسلمان علانیہ مسجد حرام میں نماز ادا نہیں کرتے تھے۔)

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابو جعفر بن ابی شیبہؒ کی تاریخ کے حوالہ سے ابن عباسؓ ہی کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد طے کیا کہ ہم ابھی چل کر اعلانیہ مسجد حرام میں نماز پڑھیں گے اور ایسا ہی کیا گیا ...... فتح الباری ہی میں ابن ابی شیبہ اور طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان نقل کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهِ مَااسْتَطَعْنَا اَنْ نُصَلِّيَ حَوْلَ الْبَيْتِ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰي اَسْلَمَ عُمَرُ

ترجمہ: خدا کی قسم عمر کے اسلام لانے سے پہلے ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ کے قریب میں علانیہ نماز پڑھ سکتے (عمر کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہی ہمارے لئے یہ ممکن ہوا۔)

حافظ ابن حجرؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی قبول اسلام کی بہت سی روایات مختلف صحابۂ کرامؓ کی روایت سے حدیث کی مختلف کتابوں کے حوالوں سے نقل کی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰؓ بھی ہیں۔ (فتح الباری باب مناقب عمر پارہ نمبر ۱۴ ص ۳۷۳)

۱۵۲) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ بَيْنَ اَنَانَائِمٌ، اُتِيْتُ بِقَدْحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰي اِنِّيْ لَاَرَى الرَّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمُ .** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے بیان فرمایا کہ میں سو رہا تھا، اسی حال میں میرے پاس لایا گیا دودھ کا بھرا ہوا پیالہ تو میں نے خوب سیر ہو کر پیا یہاں تک کہ میں نے سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں تک میں محسوس کیا، پھر میں نے وہ دودھ جو میرے پینے کے بعد بچ گیا تھا وہ عمر بن الخطاب کو دے دیا کہ وہ اس کو پی لیں، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ آپ نے فرمایا کہ علم۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح — علمائے عارفین نے کہا ہے کہ علم حق کی صورت مثالیہ دوسرے عالم میں دودھ کی ہے، جو شخص خواب میں دیکھے کہ اس کو دودھ پلایا جارہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو علم حق نافع عطا ہوگا۔ دودھ اور علم حق میں یہ مناسبت ظاہر ہے کہ دودھ جسم انسانی کے لئے بہترین نافع غذا ہے، اسی طرح علم حق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو روح کے لئے بہترین اور نافع ترین غذا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائے ہوئے علم حق میں حضرت عمرؓ کا خاص حصہ تھا اور صدیق اکبرؓ، کے بعد جس طرح دس سال انہوں نے خلافت اور نبوت کی نیابت کا کام انجام دیا اور جس طرح امت کی رہنمائی فرمائی وہ اس کی دلیل اور شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان

کو علم حق سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کے علمی کمالات پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ اہل علم کے لئے قابل دید ہے، اس کے مطالعہ سے اس بارے میں فاروق اعظم کے امتیاز اور انفرادیت کو پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۵۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ "بَيْنَا اَنَانَائِمٌ، رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ، وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ، مِنْهَا مَايَبْلُغُ الثُّدٰى، وَمِنْهَا مَادُوْنَ ذٰلِكَ، وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يُجُرُّهٗ" قَالُوْا : فَمَا اَوَّلْتَ ذَالِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ "اَلدِّيْنُ"

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ:.. حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اس حالت میں کہ میں سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا لوگوں کو وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ سب کرتے پہنے ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ کے کرتے ایسے ہیں جو صرف سینے تک ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جن کے کرتے سینے کے کچھ نیچے تک ہیں، اور عمر بن خطابؓ بھی میرے سامنے لائے گئے ان کا کرتہ اتنا لمبا تھا کہ زمین تک پہنچتا تھا اور وہ اس کو زمین پر گھسیٹ کر چلتے تھے، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دین"...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... لباس اور دین میں یہ مناسبت اور مشابہت ظاہر ہے کہ لباس سردی اور دھوپ کی تپش وغیرہ اس عالم کی آفات و تکالیف سے جسم انسانی کی حفاظت کرتا ہے اور سامان زینت ہے۔ اور دین عالم آخرت میں سامان زینت ہوگا اور عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ووسیلہ...... خواب میں جو لوگ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے تھے وہ بہ ظاہر امت کے مختلف طبقات اور درجات کے لوگ تھے...... کچھ وہ تھے جن کے دین میں مختلف درجات کا نقص تھا اور ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے جن کا دین بہت کامل تھا۔ وہ سراپا دین تھے ان کا دین ان کی اپنی ہستی سے بھی زیادہ تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۱۵۴) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ : لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ يَأْ لَمُ فَقَالَ لَهٗ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَكَاَنَّهٗ يُجَزِّعُهٗ يَااَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ! وَلَا كُلَّ ذٰلِكَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهٗ، ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتَ اَبَابَكْرٍ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهٗ، ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُوْنَ، قَالَ: اَمَّا مَاذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرِضَاهُ فَاِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهٖ عَلَيَّ وَاَمَّا مَاذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ اَبِیْ بَكْرٍ وَرِضَاهُ فَاِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهٖ عَلَيَّ، وَاَمَّا مَاتَرٰى مِنْ جَزْعِیْ، فَهُوَ مِنْ اَجلِكَ وَمِنْ اَجَلِ اَصْحَابِكَ وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِیْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ جب زخمی کئے گئے حضرت عمرؓ (ان کو خنجر سے زخمی کیا ابو لؤلؤ مجوسی نے) تو تکلیف اور دکھ کا اظہار فرمانے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان سے اس طرح کہا کہ گویا وہ سمجھتے تھے کہ تکلیف کا یہ اظہار صبر و برداشت کی کمی کی وجہ سے ہے (اور تسلی دینے کے لئے کہا) کہ اے امیر المؤمنین درد و تکلیف کا یہ اظہار آپ کی طرف سے بالکل نہ ہونا چاہئے (آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کیجئے کہ اس نے آپ کو کیسی عظیم نعمتوں سے نوازا) آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور رفیق بن کر آپ کے ساتھ رہے اور آپ نے اس صحبت و رفاقت کا اچھا حق ادا کیا پھر حضور ﷺ اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے راضی اور خوش تھے۔

پھر آپ ﷺ کے خلیفہ ابو بکرؓ کے خصوصی ساتھی اور رفیق بنے تو ان کی صحبت و رفاقت کا بھی آپ نے اچھا حق ادا کیا، پھر وہ بھی اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے پوری طرح راضی اور خوش تھے (یہاں تک کہ آپ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنایا) پھر (اپنے دور خلافت میں) سب مسلمانوں کے ساتھ آپ کا اچھا معاملہ رہا (آپ نے سب کے حقوق ادا کئے) اور اگر آپ ان کو چھوڑ کر جائیں گے تو اس حال میں ان سے جدا ہوں گے کہ وہ سب آپ سے راضی خوش ہوں گے (حضرت ابن عباس کا یہ مطلب تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا اور پھر حضرت ابو بکرؓ کا اور پھر سب مسلمانوں کا آپ سے راضی خوش رہنا اس بات کی دلیل اور علامت ہے کہ اللہ بھی آپ سے راضی ہے اس لئے آپ کی طرف سے تکلیف اور بے قراری کا جو اظہار ہو رہا ہے نہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو یاد کر کے مطمئن رہنا چاہئے۔)

حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ کی اس بات کے جواب میں فرمایا کہ (اے ابن عباس) تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میری صحبت و رفاقت کا اور حضور ﷺ کی رضا کا جو ذکر کیا تو یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا جو اس نے مجھ پر فرمایا اور اسی طرح ابو بکرؓ کے ساتھ صحبت و رفاقت اور ان کی رضا کا جو ذکر کیا وہ بھی خداوندی انعام و احسان تھا (یعنی یہ میرا ذاتی کمال نہیں تھا) اور میری طرف سے تکلیف اور پریشانی کا اظہار جو تم دیکھتے ہو وہ (زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں بلکہ) تم لوگوں کی وجہ سے ہے (یعنی مجھے فکر اور ڈر ہے کہ تم لوگ میرے بعد فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

اور جہاں تک اخروی انجام کی فکر کا تعلق ہے تو (میرا حال یہ ہے کہ اگر میرے پاس اتنا سونا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تو میں وہ سب عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے بطور فدیہ دے دوں قبل اس کے کہ اللہ کا عذاب دیکھوں...... (صحیح بخاری)

تشریح ...... حضرت فاروق اعظمؓ نے عبداللہ ابن عباسؓ کو جواب دیتے ہوئے آخر میں جو یہ فرمایا کہ تم جو مجھے بے چینی اور بے قراری کی حالت میں دیکھ رہے ہو یہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ اس فکر اور اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ میرے بعد تم لوگ فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ...... اس کی بنیاد یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عمر فتنوں کے لئے بند دروازہ ہیں۔ جب تک وہ ہیں امت فتنوں سے محفوظ

رہے گی، جب وہ نہ رہیں گے، تو فتنوں کے لئے دروازہ کھل جائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کی شہادت کے بعد سے شیاطین الجن والانس کی طرف سے فتنوں کی تخم ریزی شروع ہوئی اور حضرت عثمانؓ کے آخری دور خلافت میں فتنہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے کو مسلمان کہنے والوں ہی کے ہاتھوں وہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اس کے بعد خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں ہزارہا صحابہ و تابعین شہید ہوئے۔ یہی وہ فتنے تھے جن کی فکر اور اندیشہ سے اپنے زخم کی تکلیف کو بھلا کر فاروق اعظم بے چین اور مضطرب تھے اور آخر میں جو فرمایا "واللّٰہ لو ان لی طلاع الارض ذھباً الخ" (خدا کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو تو میں اللہ کا عذاب دیکھنے سے پہلے ہی اس سے بچنے کے لئے وہ سارا سونا فدیہ میں دے دوں) اس کا مقصد حضرت ابن عباسؓ کو یہ بتلانا ہے کہ میں جو اضطراب اور بے چینی محسوس کر رہا ہوں اس کا ایک دوسرا سبب جو زیادہ اہم ہے وہ عذاب الٰہی کا خوف بھی ہے...... راقم سطور عرض کرتا ہے، فاروق اعظم کا یہ خوف ان کے کمال ایمان اور کمال معرفت کی دلیل ہے، جس کا ایمان اور عرفان جس قدر کامل ہوگا اس پر اسی قدر خوف خدا کا غلبہ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے انا اعلمکم باللّٰہ واخشاکم مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم اور معرفت تم سب سے زیادہ، اور اس کا خوف ڈر بھی مجھے تم سب سے زیادہ ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی خاص رحمت اور جنت کے مستحق وہ بندے ہیں جو اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں سورۂ "بیّنۃ" میں مؤمنین صالحین کا یہ انجام بیان فرما کر کہ وہ "خیر البریۃ" (اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر) ہیں، وہ آخرت میں ان غیر فانی جنتی باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان کو رضائے خداوندی کی نعمت حاصل ہوگی؟ اور وہ اپنے اس خداوند سے راضی ہوں گے، آخر میں فرمایا گیا ہے "ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّه" (یہ سب ان مؤمنین صالحین کے لئے ہے جو خداوند تعالیٰ سے (یعنی اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے) ڈرتے رہے ہیں)...... الغرض حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ ارشاد ان کے کمال ایمان اور کمال معرفت کی دلیل ہے۔ قربیاں را بیش بود حیرانی۔

شہادت

اس حدیث میں حضرت فاروق اعظمؓ کے جس زخمی کئے جانے کا ذکر ہے وہ وہی ہے، جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت ہوئی...... مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اختصار کے ساتھ انتہائی المناک واقعہ کا ذکر کر دیا جائے۔ فاروق اعظم کے دور خلافت میں ہی ایران فتح ہوا، ایران کے جو مجوسی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے گرفتار کر کے لائے گئے وہ شرعی قانون کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے کہ ان سے غلام اور خادم کی حیثیت سے کام لیں اور ان کے کھانے پینے وغیرہ ضروریات زندگی کی کفالت کریں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں...... ایران سے آئے ہوئے ان اسیران جنگ میں ایک بد بخت ابولؤلؤ نامی مجوسی بھی تھا جو مشہور صحابی مغیرہ بن شعبہ کے حوالے کیا گیا تھا اس نے فاروق اعظم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ایک خنجر تیار کیا اور

اس کو بار بار زہر میں بجھایا اور اس کے بعد رات میں مسجد شریف کے محراب میں چھپ کر بیٹھ گیا، فاروق اعظمؓ فجر کی نماز بہت سویرے اندھیرے میں شروع کرتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ذی الحجہ کی ستائیسویں تاریخ تھی وہ حسب معمول فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے اور محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانی شروع کر دی ابھی تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ اس خبیث ایرانی مجوسی نے اپنے خنجر سے تین کاری زخم آپ کے شکم مبارک پر لگائے، آپ بے ہوش ہو کر گر گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے جلدی سے آپ کی جگہ آ کر مختصر نماز پڑھائی، ابولؤلؤ نے بھاگ کر مسجد سے نکل جانا چاہا نمازیوں کی صفیں دیواروں کی طرح حائل تھیں، پھر اس نے اور نمازیوں کو زخمی کر کے نکل جانا چاہا اس سلسلہ میں اس نے تیرہ صحابۂ کرام کو زخمی کیا جن میں سے سات شہید ہو گئے اتنے میں نماز ختم ہو گئی اور ابولؤلؤ کو پکڑ لیا گیا، تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی نماز ختم ہو جانے کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا، تھوڑی دیر میں آپ کو ہوش آیا تو اسی حالت میں آپ نے نماز ادا کی...... سب سے پہلے آپ نے پوچھا کہ میرا قاتل کون ہے بتلایا گیا کہ ابولؤلؤ مجوسی آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک کافر کے ہاتھ سے شہادت عطا فرمائی۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبولیت اس طرح مقدر فرمائی۔ آپ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے شہادت نصیب فرما اور میری موت تیرے رسول پاک ﷺ کے شہر مدینہ میں ہو۔ ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر عرض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ فی سبیل اللہ شہید ہوں اور آپ کی وفات مدینہ ہی میں ہو (ان کا خیال تھا کہ فی سبیل اللہ شہادت کی صورت تو یہی ہے کہ اللہ کا بندہ میدان جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو) آپ نے فرمایا کہ اللہ قادر ہے اگر چاہے گا تو یہ دونوں نعمتیں مجھے نصیب فرمادے گا بہر حال آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا، آپ نے حضرت صہیبؓ کو اپنی جگہ امام نماز مقرر کیا اور اکابر صحابہ میں سے چھ حضرات کو (جو سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے) نامزد کیا کہ وہ میرے بعد تین دن کے اندر مشورہ سے اپنے ہی میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے سلام کے بعد عرض کرو کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنے دونوں بزرگ ساتھیوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ) کے ساتھ دفن کیا جاؤں، اگر آپ اس کے لئے دل سے راضی نہ ہوں تو پھر جنۃ البقیع میرے لئے بہتر ہے...... انہوں نے ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پیام پہنچایا انہوں نے فرمایا کہ وہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی، لیکن اب میں اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کو یہ خبر پہنچائی تو فرمایا کہ میری سب سے بڑی تمنا یہی تھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے یہ بھی پوری فرمادی۔

۲۷ ذی الحجہ بروز چہار شنبہ آپ زخمی کئے گئے تھے یکم محرم بروز یکشنبہ وفات پائی جب آپ کا جنازہ نماز کے لئے رکھا گیا تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے آپ کے بارے میں وہ فرمایا جو ناظرین کرام آگے فضائل شیخین میں درج ہونے والی حدیث میں پڑھیں گے۔ نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی اور روضۂ اقدس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں آپ دفن کئے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

فضائل شیخین

گزشتہ صفحات میں پہلے حضرت صدیق اکبرؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق حدیثیں نذر ناظرین کی گئی تھیں، اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق...... اب آنحضرت ﷺ کے چند وہ ارشادات پیش کئے جارہے ہیں، جن میں آپ ﷺ نے اپنے ان دونوں خاص رفیقوں کا ایک ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے، جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی نظر مبارک میں ان دونوں کا خاص الخاص مقام تھا اور بہت سے موقعوں پر آپ نے ان دونوں کا اپنے ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ گویا یہ دونوں آپ ﷺ کے شریک حال اور خاص رفیق کار ہیں...... اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے حضرت علی مرتضیٰؓ کا ایک بیان نذر ناظرین کیا جارہا ہے:-

۱۵۵) عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ وُضِعَ عُمَرُ عَلٰی سَرِیْرِهٖ فَتَکَنَّفَهُ النَّاسُ یَدْعُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ قَبْلَ اَنْ یُرْفَعَ وَاَنَا فِیْهِمْ فَلَمْ یَرُعْنِیْ اِلَّا رَجُلٌ اٰخِذٌ مَنْکِبِیْ فَاِذَا عَلِیٌّ فَتَرَحَّمَ عَلٰی عُمَرَ وَقَالَ مَاخَلَّفْتَ اَحَدًا اَحَبَّ اِلَیَّ اَنْ اَلْقَی اللّٰهَ بِمِثْلِ عَمَلِهٖ مِنْكَ وَاَیْمُ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ اَنْ یَجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَیْكَ وَحَسِبْتُ اَنِّیْ كُنْتُ كَثِیْرًا اَسْمَعُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ ذَهَبْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ.

(رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ.. ابن ابی ملیکہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ ابن عباسؓ سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کو (وفات کے بعد) جب (غسل دینے کے لئے) تخت پر رکھا گیا تو لوگ ان کے ارد گرد کھڑے تھے اور ان کے لئے دعائیں اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی استدعا کر رہے تھے، قبل اس کے کہ ان کو تخت سے اٹھایا جائے اور میں بھی ان لوگوں میں کھڑا تھا، تو اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی آدمی میرا کندھا پکڑے کھڑا ہے (میں نے دیکھا) کہ وہ حضرت علی ابن ابی طالبؓ ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے لئے رحمت کی دعائیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ مجھے اس کی خواہش ہو کہ میں اس شخص کے سے عمل لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں، اور خدا کی قسم! میں یہی گمان کرتا تھا کہ تم کو اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں (پیش رو) ساتھیوں (رسول اللہ ﷺ وابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ کردے گا، میں (یہ اس لئے) سمجھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے بہت موقعوں پر سنتا تھا آپ ﷺ فرماتے تھے (فلاں کام کے لئے) میں گیا اور ابو بکر و عمر بھی گئے اور (مسجد میں یا فلاں مکان میں) میں داخل ہوا اور میرے ساتھ ابو بکر و عمر بھی داخل ہوئے اور میں نکلا اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی نکلے...... (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا یہ بیان کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے، اس میں

انہوں نے یہ جو فرمایا کہ "اللہ کی قسم! میں یہی گمان کرتا تھا کہ وہ تم کو تمہارے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ کر دے گا"...... اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے یہی امید تھی کہ تم انہیں کے ساتھ دفن کئے جاؤ گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت میں جنت میں تم ان کے ساتھ کر دیئے جاؤ گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں ہی مراد ہوں ...... اور اس عاجز کے نزدیک یہی راجح ہے ...... حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے اس بیان میں اس واقعی حقیقت کا واضح طور پر اظہار فرمادیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنے ان دونوں صاحبوں رفیقوں کے ساتھ خاص الخاص تعلق تھا جو صرف انہی کا حصہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے اپنے اس کلام کے شروع میں یہ جو فرمایا ماخلفت احدا الخ (یعنی تم نے اپنے بعد اللہ کا کوئی ایسا بندہ نہیں چھوڑا جس کے اعمال کے مثل اعمال لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کی مجھے تمنا اور خواہش ہو) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمنا اور خواہش تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حضرت عمرؓ کے جیسے اعمال لے کر حاضر ہوں اور حضرت عمرؓ کے بعد کوئی آدمی ایسا نہیں رہا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

وقد اخرج ابن ابی شیبة ومسدد من طریق جعفر بن محمد عن ابیه عن علی نحو هذا الکلام وسنده' صحیح وهو شاهد جید لحدیث ابن عباس لکون مخرجه من ال علی رضی اللہ عنهم. (فتح البخاری جز۔ ۱٤ صفحه ۳۷٤ طبع انصاری دهلی)

ترجمہ: اور ابن ابی شیبہ اور مسدد نے جعفر صادق کے طریقے سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے والد محمد (باقر) سے خود حضرت علیؓ سے اس قسم کا کلام روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے اور یہ روایت ابن عباس کی اس حدیث کے لئے بہت اچھا شاہد ہے کیونکہ یہ خود حضرت علیؓ کی اولاد کی روایت ہے۔

۱۵٦) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْاَعْیٰی فَرَکِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا، اِنَّمَا خُلِقْنَا لِحَرَاثَةِ الْاَرْضِ، فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَتَکَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ ...... وَقَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمٍ لَه' اِذْعَدَاالذِّئْبُ عَلٰی شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا، فَاَدْرَکَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا، فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا یَوْمَ السَّبُعِ یَوْمَ لَارَاعِیَ لَهَا غَیْرِیْ؟ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَمَاهُمَا ثَمَّ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مجلس میں) رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی ایک بیل کو ہانکے لئے جارہا تھا وہ (چلتے چلتے) تھک گیا، تو وہ بیل پر سوار ہو گیا، بیل نے کہا کہ ہم اس لئے پیدا نہیں کئے گئے تھے ہم تو زمین کی کاشت کے کام (جتائی وغیرہ) کے لئے پیدا کئے گئے تھے تو (حاضرین مجلس میں سے بعض) آدمیوں نے کہا، سبحان اللہ بیل بھی بات کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ میرا ایمان ہے، اس پر کہ (ایسا ہی ہوا) اور ابو بکر و عمر کا بھی ایمان ہے (راوی کا بیان ہے کہ) اس مجلس میں (اس وقت) وہ دونوں موجود نہیں تھے۔ اور حضور ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ایک آدمی اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھا ایک بھیڑیئے نے ریوڑ کی ایک بکری پر حملہ کر کے اس کو اٹھالیا، بکریوں والے نے اس کو جا پکڑا اور بھیڑیئے سے بکری کو چھڑالیا تو بھیڑیئے نے اس سے کہا کہ ان بکریوں کے لئے کون (محافظ اور رکھوالا) ہوگا "یوم السبع" میں، وہ دن وہ ہوگا جس دن میرے سوا ان بکریوں کے اور کوئی چرواہا اور محافظ نہ ہوگا تو (حاضرین میں سے بعض) لوگوں نے کہا سبحان اللہ! بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ بات حق ہے اور ابو بکر و عمر کا بھی ایمان ہے، اور وہ دونوں (اس وقت) وہاں موجود نہ تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر جو کچھ بیان فرمائیں اس پر یقین کیا جائے اور اس کو بغیر شک و شبہ کے حق مانا جائے اگرچہ دنیا کے عام حالات کے لحاظ سے وہ بات ناقابل فہم ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے بیل اور بھیڑیئے کے کلام کرنے کی جو بات بیان فرمائی وہ اسی طرح کی بات تھی، اسی وجہ سے بعض حاضرین نے تعجب کا اظہار کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے اور اپنے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ کا بھی نام لے کر فرمایا کہ ان دونوں کا بھی ایمان ہے کہ یہ حق ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے ایسے وقت فرمائی جب کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا اس لئے یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور ان کو خوش کرنے کے لئے یہ بات فرمائی ہو...... یہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے کمال ایمان اور ایمانی کیفیت میں حضور ﷺ کے قریب تر ہونے اور اس بارے میں ان کے اختصاص و امتیاز کی دلیل اور شہادت ہے اور ان دونوں حضرات کے بارے میں حضور ﷺ کے اس رویہ کی یہ ایک اہم مثال ہے جس کا ذکر حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت سے موقعوں پر اپنے ساتھ ان دونوں کا ذکر بھی نام لے کر فرمایا کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہما وارضاہما۔

حدیث کے آخری حصہ میں "یوم السبع" کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے شارحین نے اس کی تشریح میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک راجح یہ قول ہے کہ اس سے مراد قیامت کے قریب کے وہ دن ہیں جب قیامت کے آثار ظاہر ہو جائیں گے اس وقت لوگ بھیڑ بکری وغیرہ اپنے مویشیوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کو بالکل بھول جائیں گے وہ لاوارث ہو کر جنگلوں میں پھریں گے اور گویا بھیڑیئے وغیرہ درندے ہی ان کے وارث و مالک ہوں گے۔ اسی لحاظ سے اس کو "یوم السبع" (درندوں کا دن) کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ اَحَدُهُمَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهٖ وَهُوَ اٰخِذٌ بِاَيْدِيْهِمَا فَقَالَ، "هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ". (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے، اور مسجد میں داخل ہوئے (اور آپ کے ساتھ) ابو بکرؓ و عمرؓ بھی تھے، ایک ان دونوں میں سے آپ ﷺ کے داہنی جانب اور دوسرے بائیں جانب اور آنحضرت ﷺ ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے (اسی حال میں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تینوں قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب ظاہر ہے حضور ﷺ نے لوگوں کو بتلایا کہ تم جس طرح اسوقت دیکھ رہے ہو یہ دونوں (ابو بکرؓ و عمرؓ) میرے ساتھ ہیں اور میں ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں، قیامت کے دن ہم تینوں اسی طرح ساتھ اٹھیں گے اور ساتھ ہوں گے...... بلا شبہ یہ ان دونوں حضرات کی خاص فضیلت ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں اور حضور ﷺ نے اپنے دوسرے اصحاب کو ان کی اس خصوصیت و فضیلت سے مطلع فرمانا بھی ضروری سمجھا۔

۱۵۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنِّي لَا اَدْرِيْ مَا بَقَائِيْ فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کب تک تم لوگوں میں باقی رہونگا (تو جب میں تمہارے اندر نہ رہوں) تو تم اقتدا کیجیو اور میرے بعد ان دونوں ابو بکرؓ و عمرؓ کی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ پر منکشف کر دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے یہ دونوں خاص رفیق ابو بکرؓ و عمرؓ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی جگہ امت کی امامت و قیادت کریں گے۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ میرے بعد ان کی اقتدا و پیروی کی جائے۔

۱۵۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ ادھیڑ عمر والے اولین و آخرین میں سے تمام جنتیوں کے سردار ہیں سوائے انبیاء و مرسلین کے...... (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ بنی آدم میں سے جو لوگ ادھیڑ عمر کو پہنچے اور اس کے بعد وفات پائی اور وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت میں جانے والے ہیں، خواہ وہ دنیا کے ابتدائی زمانے والے ہوں یا آخری زمانے والے، ابو بکرؓ و عمرؓ جنت میں ان سب کے سردار ہوں گے اور ان کا درجہ ان سب سے بالاتر ہوگا سوائے انبیاء و مرسلین کے یعنی جنت میں سب سے فائق و بالاتر انبیاء و مرسلین ہوں گے...... اور رسول اللہ ﷺ کا یہی ارشاد ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

۱۶۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ِالْخُدْرِی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَه' وَزِیْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِیْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے دووزیر ہوتے ہیں آسمان والوں میں سے (یعنی ملائکہ میں سے) اور دو وزیر ہوتے ہیں زمین میں بسنے والے انسانوں میں سے، تو آسمان والوں میں سے میرے وزیر جبرائیل ومیکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے میرے وزیر ابو بکر وعمر ہیں...... (جامع ترمذی)

تشریح...... واقعہ یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معاملہ اور برتاؤ ان دونوں حضرات کے ساتھ وہی تھا جو ارباب حکومت کا اپنے خاص معتمد وزیروں کے ساتھ ہوتا ہے، آپ ہر اہم قابل غور وفکر معاملہ میں ان دونوں حضرات سے مشورہ ضرور فرماتے تھے......رضی اللّٰہ عنہما وارضا ھما۔

فضائل حضرت عثمان ذو النورین

(۱۶۱) عَنْ عَائِشَةَ اِسْتَاذَنَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِىْ عَلَيْهِ مِرْطٌ لِىْ، فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ عَلٰى حَالِهٖ فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهٗ ثُمَّ انْصَرَفَ، ثُمَّ اسْتَاْذَنَ عُمَرُ فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهٗ ثُمَّ انْصَرَفَ، ثُمَّ اسْتَاذَنَ عُثْمَانُ فَجَلَسَ ﷺ وَاَصْلَحَ عَلَيْهِ ثِيَابَهٗ وَقَالَ اِجْمَعِىْ عَلَيْكِ ثِيَابَكِ، فَاَذِنَ لَهٗ فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهٗ ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ : لَمْ اَرَكَ فَزِعْتَ لِاَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ كَمَا فَزِعْتَ لِعُثْمَانَ؟ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ اِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيٌّ، وَاِنِّىْ خَشِيْتُ اِنْ اَذِنْتُ لَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ اَنْ لَايَبْلُغَ اِلَىَّ حَاجَتَهٗ...... وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ لَهَا اَلَا اَسْتَحْيِىْ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِىْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ.. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میرے والد حضرت) ابو بکرؓ نے (کسی ضرورت سے) حضور ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی ایسے حال میں کہ آپ ﷺ میرے بستر پر میری چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان کو اندر آنے کی اجازت دلوادی اور آپ ﷺ جس طرح لیٹے ہوئے تھے اسی طرح لیٹے رہے (ابو بکرؓ آئے) اور جو ضروری بات ان کو کرنا تھی کر کے چلے گئے۔ پھر (حضرت) عمرؓ (کسی ضرورت سے) آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، ان کو بھی آپ ﷺ نے اجازت دلوادی (وہ آئے) اور آپ اسی حالت میں رہے (یعنی جس طرح میرے بستر پر میری چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اسی طرح لیٹے رہے) پھر وہ بھی اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے پھر (حضرت) عثمانؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ سنبھل کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو اچھی طرح درست فرمالیا اور مجھ سے فرمایا کہ تم بھی اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) پوری طرح اوڑھ لو، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو آنے کی اجازت دلوادی (وہ آپ کے پاس آگئے) اور جو ضروری بات کرنے کے لئے آئے تھے کر کے چلے گئے (حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے جانے کے بعد) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے جیسا اہتمام (حضرت) عثمانؓ کے لئے کیا ویسا اہتمام ابو بکرؓ و عمرؓ کے لئے کیا ہو؟...... آپ ﷺ نے فرمایا عثمان ایسے آدمی ہیں کہ ان پر (فطری طور پر) صفت حیا کا غلبہ ہے مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے ان کو ایسی حالت میں بلالیا جس میں میں تھا (کہ تمہاری چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا) تو وہ (فرط حیا کی وجہ سے جلدی واپس چلے جائیں) اور وہ ضروری بات نہ کر سکیں جس کے لئے وہ آئے تھے (اس لئے میں نے ان کے لئے وہ اہتمام کیا جو تم نے دیکھا)...... (صحیح مسلم)

تشریح...... متن حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن ہی میں کر دی گئی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا

کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر صفت حیاء کا کس قدر غلبہ تھا اور رسول اللہ ﷺ اس کا کس قدر لحاظ فرماتے تھے۔

صحیح مسلم کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے سوال کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا "اَلاَ اَسْتَحْيِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ" (کیا میں ایسے بندۂ خدا کا لحاظ نہ کروں جس کا فرشتے بھی لحاظ کرتے ہیں۔)

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ بظاہر یہ واقعہ اس زمانے کا ہے کہ حجاب (یعنی پردہ) کا حکم نازل نہیں ہوا تھا کیونکہ حضرت عمرؓ، بھی حضرت صدیقہؓ کیلئے غیر محرم تھے، انکے آنے پر حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچھی طرح کپڑے اوڑھ لینے کا وہ حکم نہیں فرمایا جو حضرت عثمانؓ کے آنے پر فرمایا۔

۱۶۲) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ خَبَّابٍ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَحُثُّ عَلٰى تَجْهِيْزِ جَيْشِ الْعُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ، فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ، فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ ثَلٰثُمِائَةِ بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَاَنَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْزِلُ مِنَ الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ، مَاعَلٰى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا جبکہ آپ ﷺ (منبر پر تشریف فرما تھے اور) جیش عسرہ (غزوۂ تبوک) کے لئے مدد کرنے کی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے تو عثمانؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ میرے ذمے ہیں سو اونٹ، مع نمدوں اور کجاوؤں کے (یعنی میں سو اونٹ پیش کروں گا مع پورے سازو سامان کے) فی سبیل اللہ (حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن خباب بیان کرتے ہیں کہ) اس کے بعد پھر رسول ﷺ نے لشکر کی مدد کے لئے لوگوں کو ترغیب دی تو پھر عثمان کھڑے ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ میرے ذمے ہیں (مزید) دو سو اونٹ معہ نمدوں اور کجاوؤں کے فی سبیل اللہ، اس کے بعد پھر رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی امداد کے لئے اپیل فرمائی اور ترغیب دی تو پھر (تیسری مرتبہ) عثمانؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ میرے ذمہ ہیں (مزید) تین سو اونٹ مع نمدوں اور کجاوؤں کے فی سبیل اللہ (عبدالرحمٰن بن خباب کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر رہے تھے اور فرماتے تھے "مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ" (یعنی عثمان اپنے اس عمل اور اس مالی قربانی کے بعد جو بھی کریں اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا) یہ بات آپ ﷺ نے مکرر ارشاد فرمائی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... فتح مکہ کے اگلے سال ۹ھ میں بعض اطلاعات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ملک شام کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ فرمایا، یہ سفر مقام تبوک تک ہوا جو اس وقت کے ملک شام کی سرحد کے اندر تھا، وہاں لشکر کا پڑاؤ قریباً بیس دن تک رہا جس مقصد سے دور دراز کا یہ سفر کیا گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے

فضل و کرم اور اس کی مدد سے جنگ و قتال کے بغیر ہی صرف تبوک تک پہنچنے اور وہاں بیس روزہ قیام ہی سے حاصل ہو گیا تو وہیں سے واپسی کا فیصلہ فرمالیا گیا اس وجہ سے یہ غزوہ غزوۂ تبوک کے نام سے معروف ہو گیا...... حدیث میں اس لشکر کو "جیش العسرة" فرمایا گیا ہے عسرۃ کے معنی ہیں تنگ حالی اور سخت حالی...... یہ سفر ایسے حال میں کیا گیا تھا کہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس میں قحط اور پیداوار کی بہت کمی کی وجہ سے بہت تنگ حالی تھی، اور موسم سخت گرمی کا تھا، لشکریوں کی تعداد اس زمانے کے لحاظ سے بہت غیر معمولی تھی (روایات میں تیس ہزار ذکر کی گئی ہے) سواریاں یعنی اونٹ اور گھوڑے بہت کم تھے، زادراہ یعنی کھانے پینے کا سامان بھی لشکریوں کے تعداد کے لحاظ سے بہت ہی کم تھا، انہیں وجوہ سے اس غزوہ کو "جیش العسرة" کہا گیا ہے۔

اسی غیر معمولی صورت حال کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ کے لئے لوگوں کو مالی و جانی قربانی کی اس طرح ترغیب دی جو غزوات کے سلسلہ میں آپ کا عام معمول نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے اس لشکر کی امداد و اعانت میں سب سے زیادہ حصہ لیا، حضرت عبدالرحمٰن بن خبابؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی ترغیب پر انہوں نے چھ سو اونٹ مع ساز و سامان کے پیش فرمائے...... شارحین حدیث نے بعض دوسری روایات کی بنیاد پر لکھا ہے کہ ان چھ سو کے علاوہ انہوں نے ساڑھے تین سو اونٹ اور پیش کئے اس طرح ان کے پیش کئے ہوئے اونٹوں کی تعداد ساڑھے نو سو ہوئی ...... ان کے علاوہ پچاس گھوڑے بھی پیش کئے...... آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہو گا کہ اونٹوں گھوڑوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں بھی لا کر حضور ﷺ کی گود میں ڈال دیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ان عطیات کو قبول فرما کر مجمع عام میں یہ بشارت سنائی اور بار بار فرمایا "مَاعَلٰی عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ" (مطلب یہ ہے کہ جنت اور رضاء الٰہی حاصل کرنے کے لئے عثمانؓ کا یہی عمل اور یہی مالی قربانی کافی ہے)...... جب ان حالات کا تصور کیا جائے جن کی وجہ سے اس لشکر کو جیش العسرہ کہا گیا ہے تو حضرت عثمانؓ کی اس مالی قربانی کی قدر و قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے...... رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(غزوۂ تبوک کے بارے میں تفصیلات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جائیں۔)

۱۶۳) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ عُثْمَانُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ فِىْ كُمِّهٖ حِيْنَ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَنَشَرَهَا فِىْ حِجْرِهٖ، فَرَاَيْتُهٗ ﷺ يُقَلِّبُهَا فِىْ حِجْرِهٖ وَيَقُوْلُ مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت جیش عسرہ (غزوۂ تبوک) کے لئے ضر ـ ـ ـات کا انتظام اور سامان کر رہے تھے تو عثمانؓ اپنی آستین میں ایک ہزار دینار (اشرفیاں) لے کر آئے اور ر حضور ﷺ کی گود میں ڈال دیئے (عبدالرحمٰن بن سمرہ کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ان اشرفیوں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ رہے ہیں اور آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا "مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ" (یعنی آج کے دن کے بعد عثمانؓ جو کچھ بھی کریں،

اس سے ان کو کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچے گا)۔ (مسند احمد)

تشریح حضرت عثمانؓ کی پیش کی ہوئی اشرفیوں کو حضرت عثمانؓ کے اور دوسرے لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کا اپنی گود میں الٹنا پلٹنا بظاہر اپنی قلبی مسرت کے اظہار کے لئے تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ کی اپیل پر جب حضرت عثمانؓ نے مجاہدین کے لئے اونٹوں کی پیش کش کی تھی، اس وقت بھی حضور ﷺ نے ان کو ایسی ہی بشارت دی تھی، اور بار بار فرمایا تھا "مَاعَلٰى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ"...... مؤمنین صادقین کو اس طرح کی بشارتیں دینا آخرت کی فکر اور اسکے لئے سعی و عمل سے ان کو غافل نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا جوئی میں اضافہ کا اور مزید دینی ترقیات کا باعث ہوتا ہے۔

۱۶۴) **عَنْ اَنَسٍ، قَالَ : قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ رَسُوْلُ (رسولِ) اللّٰهِ ﷺ اِلٰى مَكَّةَ، فَبَايَعَ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اِنَّ عُثْمَانَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ" فَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ اَيْدِيْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ.** (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (حدیبیہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے لئے ارشاد فرمایا تو اس وقت عثمانؓ رسول اللہ ﷺ کے قاصد اور سفیر کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ تو ان سب لوگوں نے (جو اس وقت موجود اور حاضر تھے) بیعت کر لی، تو رسول اللہ ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ عثمان (اس وقت یہاں نہیں ہیں) اللہ کے اور اس کے رسول (ﷺ) کے کام سے مکہ گئے ہوئے ہیں (اگر وہ یہاں ہوتے تو تم سب کے ساتھ وہ بھی بیعت کرتے، اب میں خود ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں) پھر آپ نے (حضرت عثمانؓ کے قائم مقام کی حیثیت سے) اپنا ایک دست مبارک اپنے ہی دوسرے دست مبارک پر رکھا (جس طرح بیعت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے۔ آگے حدیث کے راوی حضرت انسؓ جو خود بیعت کرنے والوں میں تھے کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک جس سے آپ نے عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی وہ عثمانؓ کے حق میں ان دوسرے تمام لوگوں کے ہاتھوں سے بہتر تھا جنہوں نے خود اپنی طرف سے بیعت کی تھی۔ (جامع ترمذی)

تشریح بیعت رضوان کا واقعہ معلوم و معروف ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہاں مختصراً صرف اتنا ذکر کیا جاتا ہے جتنا حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب کی بنا پر بہت سے صحابہؓ کے شدید اصرار سے عمرہ کے لئے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ فرمایا جن لوگوں کو اس کا علم ہوا تو اس مبارک سفر میں حضور ﷺ کی رفاقت اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہو گئے، ان ساتھیوں کی تعداد چودہ سو ۱۴۰۰ کے قریب ہو گئی، چونکہ سفر عمرہ کی نیت سے کیا گیا تھا اور ذیقعدہ کے مہینہ میں کیا گیا تھا جو اشہر حرم میں سے ہے جن کا

مشرکین مکہ بھی احترام کرتے اور جنگ وجدال سے پرہیز کرتے تھے۔ اس لئے اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ پہلے سے کسی کو بھیج کر مکہ والوں کی رضامندی حاصل کی جائے۔ مشرکین مکہ اس وقت حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کے سخت ترین دشمن تھے...... جب ان کے علم میں یہ بات آئی کہ آپ ﷺ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آرہے ہیں تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے طے کر لیا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہم اپنے شہر مکہ میں نہیں داخل ہونے دیں گے، جب آپ ﷺ اور پورا قافلہ مکہ کی قریب مقام حدیبیہ پر پہنچ گیا (جہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت ۲۰ میل سے کچھ زیادہ ہے) تو مکہ والوں کے فیصلہ اور ارادے کا آپ ﷺ کو علم ہوا...... آپ ﷺ نے پورے قافلہ کے ساتھ حدیبیہ میں قیام فرمالیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو سرداران قریش سے گفتگو کرنے کے لئے اپنا خاص قاصد اور سفیر بنا کر مکہ بھیج دیا، ان کا انتخاب آپ ﷺ نے اس لئے فرمایا کہ مخالفین کے لیڈروں میں ان کے بعض قریبی رشتہ دار تھے آپ ﷺ نے ان کو اس مقصد سے بھیجا کہ وہ بالخصوص قریش کے سرداروں کو اطمینان دلائیں کہ ہم لوگ صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں، اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہے، ہم عمرہ کر کے مدینہ واپس ہو جائیں گے۔

حضرت عثمانؓ مکہ معظمہ چلے گئے لیکن حساب سے ان کو جس وقت تک واپس آجانا چاہئے تھا واپس نہیں آئے اور حضور ﷺ کے قافلہ میں کسی طرح یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمانؓ کو دشمنوں نے شہید کر دیا تو آپ کو بہت رنج اور دکھ ہوا اور آپ ﷺ نے طے فرمالیا کہ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر جنگ ہو گی، تمام ساتھیوں میں بھی اس خبر سے سخت اشتعال تھا اس مرحلہ پر آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے جہاد فی سبیل اللہ اور اس میں شہادت تک ثابت قدمی پر خصوصی بیعت لی، یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی، قرآن مجید میں اس موقع پر بیعت کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رضا کا اعلان فرمایا گیا ہے، اسی لئے اس کا نام بیعت رضوان، معروف ہو گیا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ بیعت جس وقت لی گئی حضرت عثمانؓ اس وقت موجود نہیں تھے، حضور ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے، تو جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا حدیبیہ میں موجود تمام صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ عثمانؓ موجود نہیں تھے، ان کی طرف سے حضور ﷺ نے خود بیعت کی اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کے قائم مقام قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی...... بلاشبہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' کے خاص الخاص فضائل میں سے ہے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر صحیح نہیں تھی وہ گفتگو کر کے واپس آگئے اس وقت اہل مکہ اور سرداران قریش کسی طرح اس پر آمادہ نہیں ہوئے کہ حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو عمرہ کے لئے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں۔ اس کے بعد قریش کی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے ان کے نمائندے آئے، بالآخر وہ صلح ہوئی جو صلح حدیبیہ نام سے تاریخ اسلام کا مشہور ترین واقعہ ہے اور قرآن مجید میں اس کو "فتح مبین" فرمایا گیا ہے (تفصیلات سیرت اور تاریخ کی

کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔)

۱۶۵) عَنْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ : سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَذَكَرَالْفِتَنَ فَقَرَّ بَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ فَقَالَ "هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدىٰ" فَقُمْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ، قَالَ : فَاَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ فَقُلْتُ : هٰذَا؟ قَالَ "نعم" — (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے (انہوں نے بیان کیا کہ) رسول اللہ ﷺ سے میں نے (ایک خطاب میں) سنا، آپ ﷺ نے اپنے بعد امت میں برپا ہونے والے کچھ فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کو قریب ہی میں واقع ہونے والے فتنے بتلایا۔ اسی وقت ایک شخص سر سے کپڑا اوڑھے ہوئے سامنے گذرا تو حضور ﷺ نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، یہ شخص آنے والے ان فتنوں کے دنوں میں طریقہ ہدایت اور راہ راست پر ہوگا (حدیث کے راوی مرہ بن کعب کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بات سن کر) اس شخص کی طرف چلا (تا کہ دیکھ لوں کہ وہ کون ہے) دیکھا تو عثمان بن عفان تھے میں نے ان کا چہرہ حضور ﷺ کی طرف کر کے حضور ﷺ سے عرض کیا، کیا وہ یہی ہیں؟ (جن کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ وہ فتنہ کے زمانے میں ہدایت اور راہ راست پر ہوں گے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ہاں" (یہی وہ ہیں)۔

تشریح...... حدیث کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں ہے مطلب بالکل واضح ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی اطلاع کی بنا پر بطور پیشین گوئی کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے اس خطاب عام میں اعلان فرمایا کہ میرے بعد قریبی زمانہ میں جو فتنے امت میں برپا ہوں گے ان میں عثمان بن عفان طریقۂ ہدایت اور راہ راست پر ہوں گے...... معلوم ہے کہ حضور ﷺ کے بعد امت میں سب سے بڑا اور پہلا فتنہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والا فتنہ تھا جس میں وہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کئے گئے، جیسا کہ آئندہ ذکر کی جانے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات کی روشنی ہی میں اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ فتنے کے دور میں حضرت عثمانؓ حق و ہدایت پر تھے، اور ان کے مخالفین جنہوں نے فتنہ برپا کیا اہل ضلال تھے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ تَعَالىٰ مِنَ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔

۱۶۶) عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيْ، قَالَ : كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ حَائِطٍ مِنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا اَبُوْبَكْرٍ، فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهٗ، فَاِذَا عُمَرُ، فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَمِدَاللّٰهَ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ، فَقَالَ لِيْ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، عَلىٰ بَلْوىٰ تُصِيْبُهٗ"، فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَحَمِدَاللّٰهَ، ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ —(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا تو ایک شخص آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو، تو میں نے اس شخص کے لئے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ وہ ابو بکرؓ ہیں، میں نے ان کو جنت کی بشارت دی، تو اس پر انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر ایک اور شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ کھول دو اور جنت کی خوشخبری دو، تو میں نے ان کے لئے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عمرؓ ہیں تو میں نے ان کو وہ بتلادیا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو، ایک بڑی مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی (تو میں نے دروازہ کھول دیا) تو دیکھا کہ وہ عثمانؓ ہیں، تو میں نے ان کو وہ بتلادیا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر کہا اللّٰہ المستعان (یعنی آنے والی مصیبت کے لئے میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں)...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث میں باغ کے لئے حائط کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، حائط اس باغ کو کہا جاتا ہے جو چہار دیواری سے گھیر دیا گیا ہو، اس میں داخلہ کے لئے دروازہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے کسی ایسے ہی باغ میں تشریف فرما تھے، اور اس وقت صرف ابو موسیٰ اشعریؓ آپ کے پاس تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ دروازہ کی حفاظت کریں اور کسی کو بغیر اجازت کے اندر نہ آنے دیں)...... تو اس وقت کسی شخص نے دروازہ کھلوا کر اندر آنا چاہا، تو آپ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو...... ابو موسیٰ اشعری کو معلوم نہیں تھا کہ یہ دروازہ کھلوانے والے کون صاحب ہیں، جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ ابو بکرؓ ہیں، تو ابو موسیٰ نے ان کو وہ بتلایا جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا اور جنت کی بشارت دی، تو جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، انہوں نے جنت کی بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا، پھر حضرت عمرؓ نے دروازہ کھلوا کر اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے ابو موسیٰ سے وہی فرمایا جو اس سے پہلے ابو بکرؓ کے لئے فرمایا تھا، ان کو معلوم نہ تھا کہ اب یہ دروازہ کھلوانے والے کون صاحب ہیں، دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ یہ عمرؓ ہیں تو انہوں نے ان کو جنت کی بشارت دی، انہوں نے بھی بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا، اس کے بعد تیسرے شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوا کر اندر آنا چاہا تو آپ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو ایک بڑی مصیبت پر جو ان پر آنے والی ہے ابو ابو موسیٰ اشعری کو معلوم نہیں تھا کہ یہ آنے والے کون ہیں جب حضور ﷺ کے حکم کے مطابق دروازہ کھولا تو دیکھا کہ عثمان بن عفانؓ ہیں تو انہوں نے ان کو وہ بتلایا جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا اور ان کو جنت کی بشارت دی اور ساتھ ہی یہ کہ وہ ایک عظیم آزمائش اور مصیبت میں مبتلا ہوں گے، تو انہوں نے جنت کی بشارت پر اللہ کی حمد کی، شکر ادا کیا اور مصیبت کی بات سن کر کہا اللّٰہ المستعان (کہ اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں) حضرت عثمانؓ پر

آنے والی اس مصیبت کی کچھ تفصیل آگے ذکر کی جانے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی۔

۱۶۷) وَعَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْمٍ الْقُشَيْرِيِّ، قَالَ شَهِدْتُ الدَّارَحِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ فَقَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرَ بِئْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ : "مَنْ يَشْتَرِىْ بِئْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلْ دَلْوَه' مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَه' مِنْهَا فِى الْجَنَّةِ" فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِىْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِىْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ؟ فَقَالُوْا : اَللّٰهُمَّ نَعَمْ: فَقَالَ : اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ يَّشْتَرِىْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدُهَا فِى الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَه' مِنْهَا فِى الْجَنَّةِ؟ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِىْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِىْ اَنْ اُصَلِّىَ فِيْهَا رَكْعَتَيْنِ؟ فَقَالُوْا : اَللّٰهُمَّ نَعَمْ : قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِىْ؟ قَالُوْا : اَللّٰهُمَّ نَعَمْ، قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عَلٰى ثُبَيْرِ مَكَّةَ وَمَعَه' اَبُوْبَكْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَتُه' بِالْحَضِيْضِ، فَرَكَضَه' بِرِجْلِهٖ قَالَ : اُسْكُنْ ثُبَيْرُ! فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِىٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ! شَهِدُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّىْ شَهِيْدٌ ثَلَاثًا. (رواہ الترمذی، والنسائی والدار قطنی)

ترجمہ۔ ثمامہ بن حزم قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر پر اس وقت حاضر تھا جب انہوں نے بالا خانے کے اوپر سے (اپنے گھر کا محاصرہ کرنے والے باغیوں بلوائیوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: کہ میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو وہاں بئر رومہ کے علاوہ شیرین پانی کا کوئی کنواں نہ تھا (اور وہ ایک یہودی کی ملکیت تھا وہ اس کا پانی جس قیمت پر چاہتا بیچتا تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) ارشاد فرمایا کہ "کون اللہ کا بندہ ہے جو بئر رومہ کو خرید کر سب مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کی اجازت دیدے (یعنی عام مسلمانوں کے لئے وقف کردے) تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا" تو میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا (اور وقف کر دیا) اور آج تم لوگ مجھے اس کا پانی پینے سے روکتے ہو؟ جس کی وجہ سے میں سمندر کا (کھاری) پانی پینے پر مجبور ہوں، تو اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا اللھم نعم (یعنی اے اللہ ہم جانتے ہیں کہ عثمان کی یہ بات صحیح ہے۔) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ حضور ﷺ کی بنوائی ہوئی مسجد نمازیوں کے لئے تنگ ہوگئی تھی تو حضور ﷺ نے (ایک دن) ارشاد فرمایا "کون اللہ کا بندہ ہے جو فلاں گھرانے کے قطعہ زمین کو (جو مسجد کے برابر میں تھا) خرید کر ہماری مسجد میں شامل کردے تو اللہ اس کو جنت میں اس سے بہتر قطعہ عطا فرمائے

گا" تو میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا (اور مسجد میں شامل کر دیا) اور آج تم لوگ مجھے اس بات سے روکتے ہو کہ میں اس میں دو رکعت نماز پڑھ سکوں؟...... تو ان لوگوں نے کہا اللھم نعم (اے اللہ بےشک ہم یہ بات جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فرمانے پر عثمانؓ نے وہ قطعہ زمین خرید کر مسجد میں شامل کیا تھا)...... اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے غزوۂ تبوک کے لشکر کے لئے اپنے مال سے ساز و سامان کیا تھا؟ ان لوگوں نے کہا اللھم نعم (اے اللہ ہم یہ بات بھی جانتے ہیں) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ میں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے علم میں یہ بات ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ مکہ کے جبل ثبیر پر تھے، اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ تھے اور میں بھی تھا تو پہاڑ حرکت کرنے لگا یہاں تک کہ اس کے پتھر اوپر سے نیچے کی جانب نشیب میں گرنے لگے، تو آپ ﷺ نے ثبیر پہاڑ پر اپنا قدم مبارک زور سے مارا اور فرمایا "اسکن ثبیر" (اے ثبیر ساکن ہو جا) کیونکہ اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں"...... تو ان لوگوں نے کہا اللھم نعم (خداوندا یہ واقعہ بھی ہمارے علم میں ہے) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا اللہ اکبر! ان لوگوں نے بھی گواہی دی، اسی کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے فرمایا) قسم ہے رب کعبہ کی کہ میں شہید (ہونے والا) ہوں، یہ آپؓ نے تین دفعہ فرمایا۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، دار قطنی)

تشریح...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے لئے ان کی بنائی ہوئی مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب فرمایا تھا تمام صحابہ مہاجرین و انصارؓ نے ان کو اسی طرح خلیفہ تسلیم کر لیا جس طرح حضرت عمرؓ کو اور اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا...... قریباً بارہ بس تک آپؓ خلیفہ رہے آپؓ کی خلافت کے آخری سالوں میں آپؓ کے خلاف وہ فتنہ برپا ہوا جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی۔ یہ محاصرہ جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اس فتنہ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھا، محاصرہ کرنے والے مصر اور عراق کے بعض شہروں کے باغی اور بلوائی تھے جن کو فتنہ پردازی کے ماہر ایک منافق یہودی عبد اللہ بن سبا نے خفیہ سازشی تحریک کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا (اس فتنے اور عبد اللہ بن سبا کی خفیہ تحریک کی تفصیلات سیر و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔)

جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا باغی بلوائیوں کا یہ محاصرہ اتنا شدید ہو گیا تھا کہ حضرت عثمانؓ مسجد شریف آکر نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے اور آپؓ کو اور آپ کے گھر والوں کو پینے کا پانی نہیں پہنچ سکتا تھا، ان بلوائیوں کا مطالبہ تھا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں یعنی خود اپنے آپ کو معزول کر دیں۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ ﷺ کی ایک تاکیدی ہدایت کی بنیاد پر (جس کا ذکر آگے ایک حدیث میں آئے گا) ان لوگوں کے مطالبہ پر خلافت سے از خود دستبردار ہونے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اس کے مقابلہ میں ان باغیوں، بلوائیوں کے ہاتھوں مظلومیت کے ساتھ جان دے دینا اور شہید ہو جانا بہتر سمجھتے تھے۔

معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور حکومت کے فرمانروا تھے، اگر ان

باغیوں کے خلاف طاقت کے استعمال کرنے کا فیصلہ فرماتے یا اس کی اجازت چاہنے والوں کو اجازت ہی دے دیتے تو یہ بغاوت پوری طرح کچل دی جاتی لیکن آپ کی فطرت اور طبیعت پر حیا کی طرح حلم کا بھی غلبہ تھا، نیز آپؓ اس کے لئے کسی طرح تیار نہیں تھے کہ آپؓ کی جان کی حفاظت کے لئے کسی کلمہ گو کے خون کا قطرہ زمین پر گرے اس لئے آپؓ نے آخری حد تک افہام و تفہیم کی کوشش کی اور آخر میں اتمام حجت کے طور پر وہ خطاب فرمایا جسے اس حدیث کے راوی ثمامہ ابن حزم قشیریؒ نے بیان فرمایا ہے جنہوں نے یہ خطاب خود اپنے کانوں سے سنا تھا اور محاصرہ کا وہ منظر آنکھوں سے دیکھا تھا...... آخر میں حدیث کے الفاظ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّي شَهِيْدٌ ثَلَاثًا (رب کعبہ کی قسم! میں شہید ہونے والا ہوں یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو خداداد ایمانی فراست اور کچھ غیبی اشارات سے (جن کا ذکر بعض روایات میں کیا گیا ہے) یقین ہو گیا تھا کہ یہ فتنہ میری شہادت کا تکوینی انتظام ہے جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی، اس لئے آپ نے مظلومانہ شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جانے کا فیصلہ فرمایا اور مظلومانہ شہادت اور قربانی کی ایک لاثانی مثال قائم کر دی۔ اسی سلسلہ میں وہ حدیث ناظرین کرام عنقریب پڑھیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہید ہونے کے لئے کس طرح تیاری کی تھی۔

حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جو خطاب ذکر فرمایا گیا ہے، اس کے آخر میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ مکہ کے قریب کے پہاڑ ثبیر پر ایک دن تشریف لے گئے تو پہاڑ میں ایک خاص قسم کی حرکت پیدا ہوئی تو حضور ﷺ نے زور سے قدم مبارک مارا اور فرمایا "اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ" (اے ثبیر ساکن ہو جا اس وقت تیرے اوپر اللہ کا ایک نبی ہے، اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں)...... اسی طرح کا واقعہ مدینہ منورہ میں احد پہاڑ پر بھی پیش آیا، جو حضرت انسؓ کی روایت سے صحیح بخاری میں ذکر کیا گیا ہے حدیث کا متن یہ ہے۔

۱۶۸) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَعِدَ اُحُدًا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، فَرَجَفَ بِهِمْ، فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ، فَقَالَ اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ. (رواه البخارى)

ترجمہ:.. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن) احد پہاڑ پر چڑھے اور ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ (بھی آپؐ کے ساتھ تھے) احد پہاڑ ان کی وجہ سے کانپنے لگا (اور اس میں حرکت پیدا ہو گئی) تو حضور ﷺ نے اپنا قدم مبارک مارا اور فرمایا، اے احد! ٹھہر جا ساکن ہو جا اس وقت تیرے اوپر اللہ کا ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں...... (صحیح بخاری)

تشریح...... بلا شبہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہو جانا حضور ﷺ کا معجزہ تھا اور حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کو شہید فرمانا یہ آپؐ کا دوسرا معجزہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی وفات کے قریباً بارہ ۱۲ سال بعد شہید ہوئے اور حضرت عثمانؓ قریباً چوبیس ۲۴ سال بعد۔ بلا شبہ ان دونوں حضرات کے شہید ہونے کی اطلاع آپؐ

کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہی ملی تھی۔

۱۶۹) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَاعُثْمَانُ! اَنَّهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيْصًا فَاِنْ اَرَادُوْكَ عَلٰى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) عثمانؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا اے عثمان! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک خاص قمیص پہنائے گا تو اگر لوگ اس قمیص کو تم سے اتروانا چاہیں تو ان کے کہنے سے تم اس کو نہ اتارنا...... (جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... شارحین حدیث کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہی تھا کہ اے عثمان اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کا خلعت عطا فرمائے گا اور پہنائے گا تو اگر لوگ تم سے اس خلعت کو اتروانا چاہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے منصب خلافت سے دستبردار ہو جانے کا مطالبہ کریں تو اس کو نہ ماننا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت و وصیت جامع ترمذی ہی میں خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے روایت کا متن یہ ہے:۔

۱۷۰) عَنْ اَبِىْ سَهْلَةَ قَالَ لِىْ عُثْمَانُ يَوْمَ الدَّارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ عَهِدَ اِلَىَّ عَهْدًا فَاَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: ابوسہلہ سے روایت ہے کہ جس دن حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور وہ شہید کئے گئے اسی دن حضرت عثمانؓ نے مجھ کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک خاص وصیت فرمائی تھی، میں نے صبر کے ساتھ اس وصیت پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... یہ ابوسہلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے وہ محاصرہ کے وقت حضرت عثمانؓ کے پاس تھے اور دوسرے ہمدردوں اور وفادار رفیقوں کے ساتھ وہ بھی چاہتے تھے کہ باغیوں کے خلاف طاقت استعمال کی جائے، غالباً یہی بات انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عرض کی تھی، جس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے حضور ﷺ کی اس ہدایت اور وصیت کا حوالہ دیا، جو حضرت عائشہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کی جا چکی ہے۔

یہی رسول اللہ ﷺ کی وہ خاص ہدایت اور وصیت تھی جس کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باغیوں بلوائیوں کے مطالبہ پر خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس کے مقابلہ میں مظلومیت کے ساتھ شہید ہو جانے کا فیصلہ فرمایا جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر بار بار فرمائی تھی۔

۱۷۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ فِتْنَةً وَقَالَ يُقْتَلُ هٰذَا فِيْهَا مَظْلُوْمًا يَعْنِىْ عُثْمَانَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن اپنے خطاب میں) ایک عظیم فتنہ کا ذکر فرمایا، اور عثمانؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بندہ اس فتنہ میں مظلومیت

کے ساتھ شہید ہو گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح …… حدیث کا مطلب واضح ہے یہ ارشاد بھی بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے چوبیس سال بعد حضرت عثمانؓ کے خلاف جو فتنہ برپا ہونے والا تھا اس فتنہ کی اور اس فتنہ میں ان کی مظلومانہ شہادت کی خبر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو دے دی تھی، ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہی ہوئی تھی۔

۱۷۲) عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَعِيْدٍ مَوْلٰى عُثْمَانَ اِنَّ عُثْمَانَ اَعْتَقَ عِشْرِيْنَ عَبْدًا وَ دَعَا بِسَرَاوِيْلَ فَشَدَّهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَلْبَسْهَا فِىْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَقَالَ اِنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ الْبَارِحَةَ فِى الْمَنَامِ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَقَالُوْا لِىْ: اِصْبِرْ فَاِنَّكَ تُفْطِرُ عِنْدَنَا الْقَابِلَةَ فَدَعَا بِمُصْحَفٍ فَنَشَرَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقُتِلَ وَهُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ (رواه ابن احمد والموصلی)

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام مسلم ابن سعید سے روایت ہے کہ (جس دن حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے اس دن) انہوں نے بیس غلام آزاد کئے اور سراویل (پاجامہ) منگوایا (اور پہنا) اور اس کو بہت مضبوط باندھا اور اس سے پہلے کبھی نہ زمانۂ جاہلیت میں (یعنی اسلام لانے سے پہلے) پہنا تھا اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی پہنا تھا اور فرمایا کہ میں نے گذشتہ رات خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھی، ان حضرات نے مجھ سے فرمایا کہ عثمان! صبر پر قائم رہو تم کل ہمارے پاس روزہ افطار کرو گے۔ اسکے بعد آپؓ نے مصحف (قرآن مجید) منگوایا اور اس کو سامنے رکھ کر کھولا (اور تلاوت شروع کردی) پھر آپؓ اسی حال میں شہید کئے گئے کہ مصحف آپ کے سامنے تھا۔ (مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ موصلی)

تشریح …… جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نور قلب یعنی ایمانی فراست سے اور بعض غیبی اشارات سے یقین ہو گیا تھا کہ باغیوں بلوائیوں کا یہ فتنہ میری شہادت کا تکوینی انتظام ہے، جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی اور اس حدیث میں گذری ہوئی رات کے جس خواب کا ذکر ہے، جس میں ان کو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صاحبین حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ عثمان! صبر اور تسلیم و رضا کے راستے پر قائم رہو، کل تم ہمارے پاس آکر روزہ افطار کرو گے، یہ آخری غیبی تلقین تھی جس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شہادت کی تیاری شروع فرمائی۔ جس رات کو یہ خواب دیکھا پنجشنبہ اور جمعہ کی درمیانی رات تھی، اگلے دن جمعہ کو آپؓ نے روزہ رکھا مختلف انواع کے اعمال صالحہ کا خاص طور سے اہتمام فرمایا، بیس غلام اس دن آزاد کئے، اور جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے آپؓ نے پاجامہ منگوایا جو اس سے پہلے کبھی آپؓ نے نہیں پہنا تھا، عرب میں عام طور سے تہبند پہننے کا رواج تھا، آپؓ بھی ہمیشہ تہبند ہی پہنتے تھے، لیکن چونکہ آپؓ پر شرم و حیا کا غلبہ تھا، اس لئے آپؓ نے اس دن بجائے تہبند کے پاجامہ منگوا کر پہنا اور اس کو بہت مضبوط باندھا تاکہ شہادت اور موت کے بعد بھی جسم کا وہ حصہ نہ کھلے جس کا کھلنا شرم و حیا کے خلاف ہے پھر آپؓ نے قرآن شریف

منگوایا اور اس کی تلاوت شروع فرمادی اسی حال میں بد بخت ظالم باغیوں نے آپ کو شہید کیا، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے وقت سورۂ بقرہ کا وہ حصہ تلاوت فرمار ہے تھے جہاں پاروں کی تقسیم کے لحاظ سے پہلا پارہ الم ختم ہوتا ہے آپؓ کے خون کے قطرے اس آیت پر گرے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ [1]

یہ منجانب اللہ اس کا اعلان ہے کہ ان بد بخت ظالموں سے اللہ تعالیٰ پورا انتقام لے گا۔

(یہاں اپنے معمول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق فضائل و مناقب کی چند حدیثوں کا عام فہم ترجمہ اور صرف بقدر ضرورت تشریح و توضیح کی گئی ہے جیسا کہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے، واقعات کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ کی "ازالة الخفا" اور سیر و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے سلسلہ میں جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئیں ان میں ان کی ان دو اہم فضیلتوں کا ذکر نہیں آیا جن میں وہ تمام صحابہ کرام اور خلفائے راشدین میں بھی ممتاز و منفرد ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے یکے بعد دیگرے اپنے دو صاحبزادیوں کا ان کے ساتھ نکاح کیا اسی وجہ سے ان کو ذوالنورین کہا جاتا ہے اور دوسری یہ کہ انہوں نے حضور ﷺ کی صاحبزادی اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ کے ساتھ دو دفعہ ہجرت فرمائی، پہلی ہجرت مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف۔ اب چند وہ حدیثیں نذر ناظرین کی جارہی ہیں جن میں ان دونوں فضیلتوں کا ذکر ہے۔

۱۷۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَوَّلَ مَنْ هَاجَرَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَى الْحَبْشَةِ بِاَهْلِهٖ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَخَرَجَ وَخَرَجَ مَعَهٗ بِابْنَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَاحْتَبَسَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ خَبَرُهُمَا فَجَعَلَ يَخْرُجُ يَتَوَكَّفُ الْاَخْبَارَ فَقَدِمَتْ اِمْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ فَسَأَلَهَا فَقَالَتْ: يَااَبَا الْقَاسِمِ! رَاَيْتُهُمَا قَالَ: عَلٰى اَيِّ حَالٍ رَاَيْتِهِمَا؟ قَالَتْ: رَاَيْتُهٗ وَقَدْ حَمَلَهَا عَلٰى حِمَارٍ مِنْ هٰذِهِ لِدَّبَّابَةِ وَهُوَ يَسُوْقُ بِهَا يَمْشِيْ خَلْفَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَحِبَهُمَا اللّٰهُ اِنَّ كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ لَاَوَّلَ مَنْ هَاجَرَ اِلَى اللّٰهِ بِاَهْلِهٖ بَعْدَ لُوْطٍ. (رواه الطبرانی فی الکبیر والبیهقی وابن عساکر)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ عثمان بن عفان تھے وہ اپنی اہلیہ محترمہ (رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) کو ساتھ لے کر حبشہ کے لئے روانہ ہوگئے (پھر طویل مدت تک) رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تو آپؐ باہر تشریف لے جاتے اور خبر معلوم ہونے کا انتظار فرماتے اور کہیں سے خبر حاصل ہونے کی کوشش فرماتے تو قبیلہ قریش کی ایک خاتون ملک حبشہ سے (مکہ) آئی تو آپ ﷺ نے اس سے (ان کے بارے میں) دریافت فرمایا تو اس نے کہا اے ابوالقاسم!

---

[1] آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے اللہ ان ظالموں سے انتقام لینے کے لئے کافی ہے وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تم نے ان کو کس حال میں دیکھا تو خاتون نے کہا کہ میں نے عثمانؓ کو دیکھا انہوں نے (آپ ﷺ کی صاحبزادی) رقیہ کو آہستہ چلنے والے ایک حمار پر سوار کر دیا تھا اور وہ خود پیدل پیچھے چل رہے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ رہے (اور ان کی حفاظت فرمائے) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ کے پیغمبر) لوط (علیہ السلام) کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر اللہ کی طرف ہجرت کی ہے......

(معجم کبیر طبرانی، بیہقی، ابن عساکر)

تشریح...... حدیث اور سیر و تاریخ کی روایات کی روشنی میں یہ معلوم و مسلم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے (باختلاف روایات دو یا تین صاحبزادوں کے علاوہ جو صغر سنی ہی میں وفات پا گئے) آپ کی چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ۔ (رضی اللہ عنہن) حضرت زینب جو سب سے بڑی تھیں ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ نے ابو العاص بن الربیع سے کر دیا تھا اور وہ انہی کے ساتھ رہیں (یہاں ان کے بارے میں اس سے زیادہ لکھنا غیر ضروری ہے) اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا رشتہ آپ ﷺ کے چچا ابو لہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہو گیا تھا، لیکن رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ابو لہب اور اس کی بیوی (ام جمیل) کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کی شدید ترین مخالفت اور آپ ﷺ کی ایذا رسانی پر سورۂ لہب نازل ہوئی جس میں ان دونوں میاں بیوی کی بد انجامی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا گیا اس سے طیش میں آکر ابو لہب اور اس کی بیوی نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ پر دباؤ ڈالا کہ رقیہ اور ام کلثوم سے تمہارا جو رشتہ ہو چکا ہے اس کو ختم کر دو، انہوں نے ایسا ہی کیا فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا کہ یہ پاک صاحبزادیاں اس ناپاک گھرانے میں نہ جا سکیں۔ (اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَاءُ) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں سے بڑی بہن رقیہ کا نکاح بحکم خداوندی (جیسا کہ دوسری روایات میں بصراحت موجود ہے) حضرت عثمان بن عفانؓ سے کر دیا جو دعوت اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ایمان لا کر آنحضرت ﷺ کے خواص اصحاب و رفقاء میں شامل ہو چکے تھے...... معلوم ہے کہ دعوت توحید کے ابتدائی دور میں مکہ کے شریر و ظالم اور سنگدل مشرکین کی طرف سے اسلام قبول کرنے والوں پر کیسے کیسے ظلم و ستم ڈھائے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ ملک حبشہ کا بادشاہ جو دین عیسوی کا پیرو ہے ایک نیک دل اور عادل حکمران ہے اور امید ہے کہ وہاں جو بھی جائے گا امن و امان سے رہ سکے گا تو آپ ﷺ نے ایمان لانے والے اپنے اصحاب کو مشورہ دیا کہ جو لوگ جا سکتے ہوں وہ فی الحال حبشہ چلے جائیں، چنانچہ چند حضرات نے اس کا ارادہ کر لیا، ان میں سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے حضرت عثمانؓ تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے مشورہ کے مطابق آپ ﷺ کی صاحبزادی اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو بھی ساتھ لے کر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی...... پھر جیسا کہ حضرت انسؓ کی اس روایت میں بیان کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ کو مدت تک ان دونوں کے بارے میں کوئی خیر خبر نہیں ملی جس سے آپ ﷺ بہت فکر مند رہے اور کوشش فرماتے رہے کہ کسی طرح

ان کا حال معلوم ہو...... تو طویل عرصہ کے بعد قبیلہ قریش کی ایک عورت حبشہ سے مکہ مکرمہ آئی، آپ ﷺ نے اس سے حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے بتلایا کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کسی حال میں دیکھا ہے اس نے کہا کہ میں نے ان کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ عثمانؓ نے اپنی اہلیہ رقیہؓ کو آہستہ آہستہ چلنے والے ایک حمار پر [1] سوار کر دیا تھا اور خود پیدل اس کے پیچھے چل رہے تھے (راقم سطور کا گمان ہے کہ حمار کو آہستہ اس لئے چلایا جا رہا ہوگا کہ حضرت رقیہؓ کو تکلیف نہ ہو)...... اس قریشی خاتون سے یہ حال معلوم کر کے آنحضرت ﷺ کو اطمینان ہوا اور آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ "صَحِبَهُمَا اللّٰهُ" (ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت اور حفاظت نصیب رہے) اس کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی رفیقۂ حیات کو ساتھ لے کر اللہ کی طرف یعنی اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی، اپنا وطن اپنا گھر بار اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا اور محض لوجہ اللہ جلاوطنی اختیار کی...... اس زمانہ میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا کتنا بڑا مجاہدہ تھا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ اسلام میں یہ پہلی ہجرت تھی جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس قافلہ میں چند ہی حضرات تھے، اس کے بعد ایک بڑے قافلہ نے بھی مکہ سے حبشہ کو ہجرت کی۔ ان سب حضرات کا طویل مدت تک حبشہ میں قیام رہا، حضرت عثمانؓ چند برس وہاں قیام کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئے، لیکن ایسے وقت پہنچے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے تھے تو حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی زوجہ مطہرہ حضرت رقیہؓ اور ایک صاحبزادے (عبداللہ کو ساتھ لے کر جو حبشہ میں پیدا ہوئے تھے) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اس طرح وہ صاحب الهجرتین ہیں اور حضرات خلفاء راشدین میں بھی یہ فضیلت انہی کو حاصل ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

مدینہ منورہ ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر پیش آیا انہی دنوں حضرت رقیہؓ بیمار ہو گئیں، جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت عثمانؓ نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ جانا چاہا، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے یہیں رہو ہمارے ساتھ نہ چلو، اللہ تعالیٰ تم کو وہی اجر عطا فرمائے گا جو اس غزوہ کے مجاہدین کو عطا فرمایا جائے گا اور غنیمت میں تمہارا وہی حصہ ہوگا جو غزوہ میں شریک ہونے والے مجاہدین کا ہوگا...... حضرت عثمانؓ حضور ﷺ کے اس حکم کی وجہ سے غزوۂ بدر کے لئے نہیں جاسکے، حضرت رقیہؓ کی تیمارداری میں مصروف رہے...... لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قضاء و قدر کا فیصلہ کہ وہ صحت یاب نہ ہو سکیں حضور ﷺ کی مدینہ واپسی سے پہلے ہی وفات پا گئیں واپسی پر حضور ﷺ کو علم

---

[1] حدیث میں حمار کا لفظ ہے، راقم سطور نے ترجمہ میں اور یہاں تشریح میں بھی یہی لفظ لکھنا بہتر سمجھا، اردو میں حمار کا ترجمہ گدھا کیا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب کا حمار ہمارے ملک کے گدھے سے بالکل مختلف ہے، وہ گھوڑے سے چھوٹا گھوڑے ہی کی طرح سواری کا جانور ہے، ہمارے ایک استاد فرماتے تھے کہ حجاز کا حمار گدھا نہیں ہے وہ حمار ہی ہے رسول اللہ ﷺ سے بھی حمار پر سوار ہونا ثابت ہے۔

ہوا تو رقیہؓ جیسی لخت جگر کی وفات کا جو صدمہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا اور حضرت عثمانؓ کا جو حال ہوا وہ آئندہ درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

۱۷۴) عَنْ سَعِيْدِبْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَهُوَ مَغْمُوْمٌ لَهْفَانٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاشَأْنُكَ يَاعُثْمَانُ؟ قَالَ بِاَبِيْ اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاُمِّيْ وَهَلْ دَخَلَ عَلٰى اَحَدٍ مِنَ النَّاسِ مَادَخَلَ عَلَيَّ تُوُفِّيَتْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِنْدِيْ رَحِمَهَا اللّٰهُ وَانْقَطَعَ الظَّهْرُوَذَهَبَ الصِّهْرُ فِيْمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اِلٰى اٰخِرِالْاَبَدِ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَقُوْلُ ذٰلِكَ يَاعُثْمَانُ قَالَ اِيْ وَاللّٰهِ! اَقُوْلُهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَبَيْنَمَا هُوَ يُحَاوِرُهٗ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعُثْمَانَ، هٰذَا جِبْرِيْلُ يَاعُثْمَانُ! يَامُرُنِيْ عَنْ اَمْرِاللّٰهِ اَنْ اُزَوِّجَكَ اُخْتَهَا اُمَّ كُلْثُوْمٍ عَلٰى مِثْلِ صِدَاقِهَا وَعَلٰى مِثْلِ عِشْرَتِهَا فَزَوَّجَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِيَّاهَا. (رواه ابن عساكر)

ترجمہ:۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عثمانؓ بن عفان سے ملے اور وہ اس وقت بہت ہی غمزدہ اور سخت رنجیدہ تھے تو رسول اللہ ﷺ نے (ان کا یہ حال دیکھ کر) فرمایا عثمان تمہارا یہ کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے رسولِ خدا! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں کیا کسی شخص پر بھی ایسی مصیبت آئی ہے جو مجھ پر آئی ہے، آپ ﷺ کی صاحبزادی جو میرے ساتھ تھیں (یعنی رقیہ رضی اللہ عنہا) وہ وفات پا گئیں اللہ ان پر رحمت فرمائے (اس صدمہ سے) میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور آپ ﷺ سے دامادی کے رشتہ کا جو شرف مجھے نصیب تھا اب وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا (اور میں اس عظیم نعمت اور سعادت سے محروم ہو گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عثمان! کیا تم ایسا ہی کہتے ہو (اور تمہیں اسی کا صدمہ اور رنج ہے؟) حضرت عثمانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں قسم کے ساتھ وہی عرض کرتا ہوں جو میں نے عرض کیا ہے (میرا یہی حال اور یہی احساس ہے) اسی درمیان کے آپ ﷺ عثمانؓ سے یہ گفتگو فرمارہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عثمان! یہ جبرئیل امین ہیں یہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچارہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی مرحومہ رقیہ کی بہن ام کلثوم کا نکاح تم سے کردوں اسی مہر پر جو رقیہ کا تھا اور اسی کے مثل معاشرت پر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عثمانؓ کے ساتھ اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح کردیا...... (ابن عساکر)

تشریح...... حدیث کا مضمون واضح ہے کسی وضاحت کا محتاج نہیں اور متعدد دوسری روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے...... اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے راوی سعید بن المسیب تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ حدیث ان کو کسی صحابی سے پہنچی ہوگی جن کا انہوں نے حوالہ نہیں دیا، ایسی حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہا جاتا ہے۔ لیکن سعید بن المسیب ان جلیل القدر تابعین میں سے ہیں جن کی اس طرح کی مرسل روایات مستند اور قابل قبول ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا دوسری متعدد روایات سے اس حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

۱۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ اُزَوِّجَ كَرِيْمَتَيَّ مِنْ عُثْمَانَ.
(رواه ابن عدى والدارقطنى وابن عساكر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بذریعہ وحی حکم دیا کہ میں اپنی دونوں عزیز بیٹیوں کا نکاح عثمان سے کروں۔ (ابن عدی، دار قطنی، ابن عساکر)

تشریح...... اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ پہلے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کیا تھا اور ہجرت کے دوسرے سال ان کی وفات کے بعد دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ وحی کے ذریعہ ملنے والے خداوندی حکم سے ہی کیا۔

۱۷۶) عَنْ عِصْمَةِ بْنِ مَالِكِ الْخِطِمِيِّ قَالَ : لَمَّا مَاتَتْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَحْتَ عُثْمَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : زَوِّجُوْا عُثْمَانَ، لَوْ كَانَ لِيْ ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْتُهُ، وَمَا زَوَّجْتُهُ إِلَّا بِالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ . (رواه ابن عساكر)

ترجمہ: حضرت عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ان صاحبزادی کا انتقال ہو گیا جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں (یعنی ام کلثومؓ) تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ...... آپ لوگ عثمانؓ کا نکاح کر دیں، اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان ہی سے کر دیتا اور میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح عثمان سے وحی کے ذریعہ ملے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کیا تھا...... (ابن عساکر)

تشریح...... آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ جن کا نکاح آپ ﷺ نے ان سے بڑی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی ۲ھ میں انتقال فرما جانے کے بعد حضرت عثمانؓ سے کر دیا تھا، وہ بھی ۹ھ میں وفات پا گئیں، تو آپ ﷺ نے اپنے اصحابِ کرام سے فرمایا کہ آپ لوگوں میں سے کوئی اپنی بیٹی یا اپنے زیر ولایت بہن یا کسی عزیزہ کا عثمانؓ سے نکاح کر دیں، اگر میری کوئی تیسری غیر شادی شدہ بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان ہی سے کر دیتا اس کے لئے آپ لوگوں سے نہ کہتا...... ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح جو عثمان کے ساتھ کیا تھا تو وہ محض اپنی صوابدید اور اپنی رائے سے نہیں بلکہ وحی کے ذریعہ ملے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے نزدیک حضرت عثمانؓ کا جو مقام و مرتبہ معلوم ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۱۷۷) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ : قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ مَوْتِ ابْنَتِهِ الْاٰخِيْرَةِ يَاعُثْمَانُ! لَوْ اَنَّ عِنْدِيْ عَشْرًا لَزَوَّجْتُكَهُنَّ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ فَإِنِّيْ عَنْكَ رَاضٍ .
(رواه الطبراني في الاوسط والدار قطني في الا فرادو ابن عساكر)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی (ام کلثوم) کا

انتقال ہو گیا...... تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عثمان! اگر میری دس بیٹیاں ہو تیں تو میں ان میں سے ایک کے بعد ایک کا (سب کا) تم سے نکاح کر دیتا، کیونکہ میں تم سے بہت راضی اور خوش ہوں۔

(معجم اوسط طبرانی، افراد دار قطنی، ابن عساکر)

تشریح ...... حدیث کا مضمون واضح ہے، اس سے پہلی عصمہ بن مالک الخطمی کی روایت کی ہوئی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے صاحبزادی ام کلثومؓ کے انتقال کے بعد حاضرین مجلس یعنی صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ "اگر میری تیسری کوئی بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ ہی سے کر دیتا"...... اور اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ "اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کا نکاح تمہارے ساتھ ہی کر دیتا"...... ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے۔ پہلی بات آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی تھی اور اس حدیث میں جو فرمایا گیا ہے اس کے مخاطب خود حضرت عثمانؓ تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کے ساتھ اپنی رضا اور قلبی تعلق کا اظہار فرمائیں۔ حضرت ام کلثوم کی وفات پر حضرت عثمانؓ کو جو غیر معمولی صدمہ تھا، اس کی تعزیت اور تسلی و تسکین کا یہ بہترین طریقہ تھا جو آنحضرت ﷺ کی شان کریمی اور خلق عظیم کے عین مطابق تھا۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔ بعض روایات میں اس سے زیادہ عدد بھی آیا ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف اور تضاد نہیں، مقصد وہی ہے جو عرض کیا گیا۔ [1]

---

[1] ہمارے زمانہ کے شیعہ علماء و مصنفین نے جو بہت سی ایسی باتیں کہنی اور لکھنی شروع کی ہیں جو ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات اور متقدمین و متاخرین شیعہ کا اکابر علماء و مجتہدین کے صریح بیانات کے بھی خلاف ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی صرف حضرت فاطمہؓ ہی تھیں۔ ان کے علاوہ وہ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثوم آپ ﷺ کی صاحبزادی نہیں تھیں بلکہ حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کی اولاد تھیں۔ یہ ایسی دروغ گوئی اور افترا پردازی ہے جس کی جسارت صرف شیعہ علماء مصنفین ہی کر سکتے ہیں۔ یہاں اس موضوع پر تفصیل سے لکھنے کا موقعہ نہیں۔ اپنے ناظرین کے لئے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ قرآن مجید سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۷ میں پردہ کے حکم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے " يا ايها النبى قل لا زواجك وبناتك " (...... اے پیغمبر آپ ﷺ اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں سے کہیے ......) اس میں ازواج اور بنات جمع کے صیغے ہیں جو بتلا رہے ہیں کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کی طرح بنات طاہرات یعنی صاحبزادیاں بھی متعدد تھیں۔ ہمارے ہی زمانہ کے ایک وسیع النظر محقق فاضل و مصنف مولانا محمد نافع صاحب نے اس موضوع پر ایک نہایت محققانہ کتاب "بنات اربعہ" [1] (یعنی چار صاحبزادیاں) تصنیف فرما کر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، یہ قریباً ساڑھے چار سو صفحہ کی کتاب ہے اس میں اہل سنت کی حدیث، تاریخ اور انساب کی کتابوں کے علاوہ، شیعوں کی کتب حدیث ان کے ائمہ معصومین کی روایات، ان کی تاریخ اور انساب کی کتابوں اور ان کے ان متقدمین و متاخرین علماء و مجتہدین کی تصریحات سے جو شیعہ مذہب میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں ناقابل تردید طور پر ثابت کیا ہے کہ حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ چاروں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں تھیں، پھر ان صاحبزادیوں اور ان کی والدہ ماجدہ مطہرہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے سوانح حیات پر بھی یہ کتاب حاوی ہے، اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف مولانا محمد نافع صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی کتاب کو علمی دنیا میں بھی قبول عام عطا فرمائے۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے فضائل کے اس سلسلہ کو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد پر ختم کیا جاتا ہے۔

۱۷۸) عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَلِيٍّ: يَااَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ اِنِّىْ اَرْجِعُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَاَنَّهُمْ سَائِلِىْ عَنْ عُثْمَانَ فَمَاذَا اَقُوْلُ لَهُمْ؟ قَالَ اَخْبِرْهُمْ اَنَّ عُثْمَانَ كَانَ مِنَ "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.

(رواه ابن مردويه وابن عساكر)

ترجمہ: ثابت بن عبید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں مدینہ جانے والا ہوں، وہاں لوگ مجھ سے عثمانؓ کے بارے میں سوالات کریں گے تو (مجھے بتلا دیجئے) کہ میں ان کو کیا جواب دوں، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو جواب دیجیو اور بتلائیو کہ عثمانؓ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے (جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وہ بندے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے، پھر انہوں نے تقویٰ اور کامل ایمان والی زندگی گذاری پھر تقویٰ اور احسان کا مقام ان کو حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں سے محبت و پیار فرماتا ہے جو مقام احسان پر فائز ہوں۔　　(ابن مردویہ ابن عساکر)

تشریح...... معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے کوفہ کو دار الحکومت بنالیا تھا جو صاحب مدینہ جانے والے تھے اور انہوں نے حضرت سے وہ سوال کیا تھا جو روایت میں ذکر کیا گیا ہے، بظاہر وہ حضرت علیؓ کے خواص اہل تعلق میں سے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب میں مدینہ پہنچوں گا تو لوگ مجھ سے آپ کے تعلق سے عثمانؓ کے بارے میں سوالات کریں گے تو میں ان کو کیا جواب دوں؟ (ملحوظ رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عثمانؓ کی شخصیت متنازعہ ہو گئی تھی اور وہ شہید کر دیئے گئے تھے اور ان کو شہید کرنے والے باغی حضرت علیؓ کی محبت کا دم بھرتے تھے) تو حضرت علیؓ نے ان کو وہ جواب دیا جو روایت میں ذکر کیا گیا ہے...... یہ دراصل سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۹۳ کا اقتباس ہے، آیت کا مطلب ہے کہ جو بندے ایمان، اعمالِ صالحہ، تقویٰ اور احسان والی زندگی گذاریں، ان سے کسی قصور کے بارے میں آخرت میں پوچھ گچھ نہ ہوگی اور وہ اللہ کے محبوب اور پیارے ہیں، عثمانؓ اللہ کے انہی محبوب و مقبول بندوں میں سے تھے۔

ملحوظ رہے کہ یہاں جو احسان کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ ایک خاص دینی اصطلاح ہے خود رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اس کے احکام کی فرمانبرداری اس طرح کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کی نگاہ کے سامنے ہے...... ظاہر ہے کہ یہ ایمان وایقان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سطروں کے لکھنے والے اور پڑھنے والے اپنے بندوں کو بھی اس احسانی کیفیت کا کوئی ذرہ نصیب فرمادے۔

فضائل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۱۷۹) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ: "لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ "اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ؟" فَقَالُوْا: هُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ)! يَشْتَكِىْ عَيْنَيْهِ قَالَ: فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ" فَاُتِىَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ حَتّٰى كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا؟ قَالَ: "اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ، وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ لَاَنْ يَّهْدِىَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرًا لَّكَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ پرچم ایسے ایک شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرادے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول کا محب اور محبوب ہوگا..... پس جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ سب امید اور تمنا رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پرچم ان کو عطا فرمادیں گے ..... تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟" تو لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے (اس لئے وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں)..... آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجو...... چنانچہ ان کو بلا کر لایا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا آب دہن (تھوک) ڈال دیا تو وہ ایسے اچھے ہوگئے کہ گویا ان کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں..... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پرچم ان کو عنایت فرمایا (یہ اس کا نشان تھا کہ آج لشکر کے سپہ سالار اور قائد یہ ہوں گے) تو حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں خیبر والوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کرلیں) تو آپ نے فرمایا کہ تم آہستہ روی کے ساتھ جاؤ، یہاں تک کہ ان کی زمین اور ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی دعوت دو، اور ان کو بتلادو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق واجب ہوگا..... خدا کی قسم! یہ بات کہ تمہارے ذریعہ ان میں سے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہو جائے تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے کہ مال غنیمت میں سرخ اونٹ تم کو ملیں۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح...... خیبر مدینہ سے ایک سو چوراسی کلو.... (قریباً سوا سو میل) شمال میں واقع ہے، یہ یہودیوں کی بستی تھی، یہ وہ یہودی تھے جو کسی زمانے میں شام سے نکالے گئے اور یہاں آکر بس گئے تھے، یہ سب دولت مند

اور سرمایہ دار تھے، یہاں انہوں نے بہت مضبوط قلعے بنالئے تھے اور اس وقت کے معیار کے مطابق جنگی سازوسامان کا اچھا ذخیرہ بھی رکھتے تھے، یہ علاقہ سرسبز وشاداب اور بہت زرخیز تھا۔

مدینہ منورہ کے قرب وجوار کے جن یہودیوں کو ان کی غداریوں اور شرارتوں کی وجہ سے نکالا اور جلاوطن کیا گیا تھا وہ بھی یہیں آکر بس گئے تھے، یہ مسلمانوں کے خلاف سخت کینہ رکھتے اور سازشیں کرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ جو رسول خدا ﷺ کا دارالہجرۃ اور مسلمانوں کا دارالحکومت تھا، اس کے لئے خیبر کے یہ یہودی ایک مستقل خطرہ تھے۔

۶ھ کے اواخر میں رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس آکر اور قریش مکہ سے مصالحت اور دس سال کیلئے ناجنگ معاہدہ کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، ذی الحجہ کا قریباً پورا مہینہ مدینہ ہی میں گذارا، محرم ۷ھ میں آپ نے خیبر کی خطرناک دشمن طاقت سے تحفظ اور مامون رہنے کے لئے صرف قریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر ساتھ لے کر خیبر کی طرف کوچ فرمایا، خیبر کے قریب پہنچ کر جس جگہ کو لشکر کے قیام کے لئے مناسب سمجھا وہاں قیام فرمایا، حسب معمول آپؐ نے خیبر کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور ساتھ ہی یہ کہ اگر وہ فی الحال اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ تو سیاسی ماتحتی قبول کر کے جزیہ ادا کیا کریں اور اگر ان میں سے کوئی بات قبول نہ کی گئی تو ہم اللہ کے حکم کے مطابق جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دینا منظور کریں۔

خیبر کے یہودی سرداروں نے کسی بات کے بھی قبول کرنے سے متکبرانہ انداز میں انکار کر دیا اور جنگ کے لئے تیار ہوگئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے انہوں نے متعدد قلعے بنالئے تھے، جن میں سامان جنگ کے علاوہ کھانے پینے کی چیزوں کا بھی وافر ذخیرہ تھا، وہ مطمئن تھے کہ مسلمانوں کا لشکر کسی طرح بھی ان پر فتح نہ حاصل کر سکے گا۔ بہرحال جنگ شروع ہوئی اور کئی دن تک جاری رہی مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے ان کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا، لیکن ایک قلعہ جو بہت مضبوط اور مستحکم تھا اور اس کی حفاظت اور دفاع کا بھی غیر معمولی انتظام کیا گیا تھا بار بار کے حملوں کے باوجود وہ فتح نہ ہو سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ پرچم اور جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کا محبّ اور محبوب ہو گا اور اللہ اس کے ہاتھ پر یعنی اس کے ذریعہ فتح مکمل کرادے گا اور یہ آخری قلعہ بھی فتح ہو جائے گا اور اس طرح جنگ کا خاتمہ بالخیر ہو جائے گا پھر یہاں کے یہودی یا تو اسلام قبول کرلیں گے یا سیاسی ماتحتی قبول کر کے جزیہ دینا منظور کرلیں گے...... حضور نے اس شخص کو نامزد نہیں فرمایا جس کو آئندہ کل پرچم دینے کا آپ کا ارادہ تھا بس یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا محبّ اور محبوب ہو گا اور اللہ اس کے ذریعہ یہ آخری قلعہ بھی فتح کرادے گا، بلاشبہ یہ بڑی فضیلت اور سعادت تھی اور بہت سے حضرات اس کے متمنی اور امیدوار تھے کہ کل پرچم ان کو عطا فرمایا جائے...... حضرت علی مرتضیٰؓ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے...... جب اگلی صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا علی بن ابی طالب کدھر ہیں؟ لوگوں نے بتلایا ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے اس لئے وہ

اس وقت یہاں حاضر نہیں ہو سکے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلواؤ، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف تھی، حضورؐ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈال دیا فوراً تکلیف جاتی رہی اور وہ ایسے ہو گئے جیسے آنکھ میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، اس کے بعد آپ نے پرچم (جھنڈا) ان کو عطا فرمایا، یہ اس بات کی علامت تھی کہ آج لشکر کی قیادت یہ کریں گے ......
حضرت علی مرتضیٰ نے جھنڈا ہاتھ میں لے کر حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں ان یہودیوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ اسلام قبول کر کے ہمارے طرح ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرمادے اور اس کو ایمان کی دولت حاصل ہو جائے تو یہ تمہارے واسطے اس سے بہتر ہو گا کہ تم کو غنیمت میں بہت سے سرخ اونٹ مل جائیں (اس زمانے میں سرخ اونٹ عربوں کے لئے عزیز ترین دولت تھی) حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ ہماری جنگ کا مقصد دشمن پر فتح حاصل کر کے مال غنیمت سمیٹنا نہیں ہے، اصل مقصد اور نصب العین بندگان خدا کی ہدایت ہے، جہاد اور قتال فی سبیل اللہ میں بس یہی نصب العین پیش نظر رکھنا چاہئے اور اسی کے تقاضے کے مطابق رویہ متعین کرنا چاہئے۔

واضح رہے کہ صحیحین کی مندرجہ بالا حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں حاضرین مجلس اور اپنے مخاطبین کی خصوصیت یا کسی دوسرے وقتی تقاضے سے جنگ خیبر کے آخری مرحلہ کا صرف اتنا ہی واقعہ بیان کیا ہے جس سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ خاص فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے محبّ اور محبوب ہیں ...... یہ بھی بیان نہیں فرمایا کہ جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ ہی کے ہاتھ پر یہودیوں کا آخری قلعہ بھی فتح ہوا اور خیبر کی فتح مکمل ہوئی۔

یہاں راقم سطور نے جنگ خیبر کے سلسلہ میں صرف اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا جس سے اس کا پس منظر اور کچھ اجمالی حال بھی معلوم ہو جائے، اس غزوہ خیبر سے متعلق تفصیلات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس حدیث میں ضمنی طور پر حضور ﷺ کے دو معجزے بھی معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی دونوں آنکھوں میں سخت تکلیف تھی حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فوراً تکلیف دور ہو گئی اور وہ ایسے ہو گئے جیسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں ...... دوسرا معجزہ یہ معلوم ہوا کہ آئندہ کل فتح مکمل ہو جانے کے بارے میں حضورؐ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوئی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہوئی اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کے محبّ و محبوب ہیں اور الحمد للہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ اور امت کے سواد اعظم کا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے سوا کسی دوسرے کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا محبّ و محبوب ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو اور اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والا ہر مومن صادق اپنے

ایمانی درجہ کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کا محبّ و محبوب ہے، سورہ آل عمران کی آیت "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO" بھی اس کی دلیل اور شاہد عدل ہے۔

۱۸۰) عَنْ زِرِّبْنِ حُبَيْشٍ قَالَ، قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسْمَةَ اَنَّهُ لَعَهِدَ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ ﷺ اِلَيَّ اَنْ لَّايُحِبَّنِيْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضَنِيْ اِلَّا مُنَافِقٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: زر بن حبیش سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم ہے اس پاک ذات کی جو دانے کو پھاڑ کر پودا نکالتا ہے اور جس نے جانداروں کو پیدا فرمایا، نبی اُمّی ﷺ نے خصوصیت سے مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ سے وہی بندہ محبت کرے گا جو مؤمن صادق ہوگا اور وہی شخص مجھ سے بغض و عداوت رکھے گا جو منافق ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ وارضاہ کو جن عظیم انعامات اور دینی فضائل سے نوازا، مثلاً یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں ہیں، اور یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور حضورؐ ان سے محبت فرماتے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ نے صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ان کے نکاح میں دے کر دامادی کا شرف عطا فرمایا اور اکثر غزوات میں وہ حضور ﷺ کے ساتھ رہے اور بار بار میدان جہاد و قتال میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر کارہائے نمایاں انجام دیئے اور جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد و عمل سے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے محبّ اور محبوب ہیں...... الغرض ان اور ان جیسے ان کے دوسرے فضائل اور خداوندی انعامات کا یہ حق ہے کہ ہر مؤمن صادق ان سے محبت کرے اور ان سے بغض و کینہ رکھنے والوں کے متعلق سمجھا جائے کہ وہ ایمان کی حقیقت سے محروم اور نفاق کے مریض ہیں۔

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ محبت سے مراد وہی محبت ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک معتبر اور شریعت کے حدود میں ہو، ورنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں میں سب سے پہلا نمبر ان بد بختوں کا ہے، جنہوں نے ان کو خدا مانا، یا پھر ان بد نصیبوں کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ نبوت کے اصل مستحق حضرت علی مرتضیٰؓ تھے، اللہ نے جبرئیل کو انہیں کے پاس بھیجا تھا وہ غلطی سے محمد بن عبد اللہ کے پاس پہنچ گئے، اسی طرح شیعوں کے اسماعیلیہ و نصیریہ وغیرہ فرقے جو اپنے اماموں کے بارے میں یہ مشرکانہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا کا روپ ہیں اور خداوندی صفات و اختیارات ان کو حاصل ہیں۔ اسی طرح وہ شیعہ اثنا عشریہ جو حضرت علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد میں گیارہ شخصیتوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں رسولوں کی طرح نامزد امام معصوم مفترض الطاعۃ، تمام انبیاء سابقین سے افضل کمالات میں ان سے فائق، صاحب وحی و کتاب و صاحب معجزات اور متصرف فی الکائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں...... ظاہر ہے کہ یہ محبت ایسی ہی ہے جیسی محبت کا دعویٰ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں، جس نے ان کو مشرک

اور جہنمی بنادیا...... الغرض حضرت علی مرتضیٰؓ سے اس طرح کی محبت کرنے والے فرقے مشرک فی الالوہیت یا شرک فی النبوۃ ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سے بری اور بیزار ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے نزدیک مقبول محبت وہی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد بزرگان دین سے اہل السنہ والجماعت کو نصیب ہے۔

اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں کو منافق فرمایا گیا ہے، اس کا خاص مصداق خوارج و نواصب ہیں، جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قرآنی ہدایت سے انحراف کا بہتان لگایا اور ان کو دینی حیثیت سے گمراہ قرار دیا اور انہیں میں کے ایک بد بخت عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت کو شہید بھی کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خود صحابہ کرامؓ میں اختلافات پیدا ہوئے اور جمل و صفین کی جنگوں کی بھی نوبت آئی، یہ اختلافات کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دینی حیثیت سے گمراہ سمجھ کر ان سے بغض نہیں رکھتا تھا یہ اجتہادی اختلاف تھا اور ہر فریق نے دوسرے فریق کو مؤمن و مسلم ہونے کا اظہار و اعلان فرمایا، اور بعد میں اس جنگ و قتال پر فریقین کو رنج و افسوس اور اس سب کے بعد سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت نے ثابت کر دیا کہ جو کچھ ہوا بغض و عداوت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اجتہادی اختلاف کی وجہ سے ہوا...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا "اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (میرا یہ بیٹا عظیم المقام سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے تھے، کوئی گروہ بھی منافق نہیں تھا۔

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح مسلم شریف میں زر بن حبیش کی یہ حدیث ذکر کی گئی ہے اس سے پہلے متصلاً حضرت انس، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے مختلف سندوں سے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ انصار سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے، اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔

حضرت براء بن عازب کی حدیث کے الفاظ صحیح مسلم میں یہ ہیں، حضورؐ نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا

لَایُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَایُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ مَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ:۔ انصار سے صرف وہی شخص محبت کرے گا جو مؤمن صادق ہوگا اور وہی شخص بغض رکھے گا جو منافق ہوگا، جو انصار سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ اللہ کا مبغوض ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف اصحاب کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے اور بلاشبہ اس بارے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اپنی، اپنے رسول پاک اور اپنے تمام محبین و محبوبین کی محبت ہم کو نصیب فرمائے۔

۱۸۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ اِلٰی تَبُوْكَ فَاسْتَخْلَفَ عَلِيًّا قَالَ اَتُخَلِّفُنِیْ عَلَی الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءَ قَالَ اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو آپؐ نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنا خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا، تو انہوں نے عرض کیا، کیا آپؐ مجھ کو بچوں اور عورتوں پر خلیفہ (اور نگراں) بنا کر چھوڑ رہے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ اور درجہ میری نسبت سے وہ ہو جو ہارون کا مرتبہ و درجہ موسیٰ کی نسبت سے تھا، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... غزوۂ تبوک اور اس کی غیر معمولی اہمیت کا ذکر حضرت عثمانؓ کے فضائل کے سلسلہ میں کیا جا چکا ہے، یہ حضور ﷺ کا آخری غزوہ تھا اور بعض پہلوؤں سے سب سے اہم غزوہ تھا جس میں روایات کے مطابق تیس ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر آپؐ کے ساتھ تھا، مدینہ منورہ کے سب ہی، اہل ایمان جو آپؐ کے ساتھ جا سکتے تھے، لشکر میں شامل تھے، پس وہ منافقین جن کو ایمان کی حقیقت نصیب نہیں تھی جھوٹے بہانے کر کے لشکر میں شامل نہیں ہوئے تھے (مؤمنین صادقین میں سے بھی دو چار ایسے تھے...... جو ساتھ چلنے کی نیت رکھنے کے باوجود...... کسی وجہ سے ساتھ نہیں جا سکے تھے)...... رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، اور صاحبزادی سیدہ فاطمہ طاہرہؓ اور ان کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں اور لشکر میں جانے والے سب ہی صحابہ کرامؓ کے اہل و عیال مدینہ ہی میں چھوڑ دیئے گئے تھے...... چونکہ سفر دور دراز کا تھا، اندازہ تھا کہ واپسی طویل مدت میں ہو سکے گی، اس لئے آپ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ اس مدت کے لئے کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا جائے تاکہ خدانہ کردہ اگر کوئی خارجی یا داخلی فتنہ برپا ہو تو اس کی قیادت میں اس سے مدینہ میں رہ جانے والوں کی اور دین کی حفاظت کی کارروائی کی جا سکے...... اس کے لئے آپؐ نے حضرت علیؓ کو زیادہ مناسب سمجھا اور ان کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ نہ چلیں بلکہ مدینہ میں رہیں۔

روایات میں ہے کہ بعض بدباطن منافقین نے کہنا شروع کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے علیؓ کو اس لئے ساتھ نہیں لیا کہ ان کو اس کا اہل نہیں سمجھا، بس بچوں اور عورتوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا...... حضرت علی مرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "اَتُخَلِّفُنِیْ عَلَی الصِّبْيَانِ

وَالنِّسَاءِ"؟(کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں پر خلیفہ اور نگراں بنا کر چھوڑے جا رہے ہیں؟) حضورﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا "کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ مجھ سے وہ ہو جو ہارون کا موسیٰ سے تھا) بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۲ میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات عطا فرمانے کے لئے طور سینا پر طلب فرمایا (تاکہ وہاں چالیس دن تک گویا اعتکاف کریں اور عبادت و دعا و مناجات میں مشغول رہیں۔ جس طرح رسول اللہﷺ نزول قرآن سے پہلے غار حرا میں رہے تھے) تو موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اپنی قوم بنی اسرائیل کی اصلاح و تربیت اور فتنوں سے حفاظت کا ذمہ دار بنا کر قوم کے ساتھ چھوڑ دیا تھا...... تو رسول اللہﷺ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کو جواب دیا کہ میں تم کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اسی طرح مدینہ میں چھوڑ رہا ہوں جس طرح اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام طور سینا جاتے وقت اپنی عدم موجودگی کے زمانے تک کے لئے ہارون کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر قوم میں چھوڑ گئے تھے...... بلاشبہ حضرت علیؓ کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہﷺ نے اپنے زمانۂ سفر کے لئے انہیں کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ میں چھوڑا...... اور یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہﷺ کی قرابت قریبہ اور بعض دوسرے وجوہ سے بھی جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں اس کام کے لئے حضرت علیؓ ہی زیادہ موزوں تھے (یہ بھی ملحوظ رہے کہ شیخین اور دوسرے تمام ہی اکابر صحابہؓ لشکر میں حضورﷺ کے ساتھ جانے والوں میں تھے اور حضورﷺ اہم معاملات میں مشورہ کے لئے بھی ان کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہﷺ کے اس عمل اور اس ارشاد کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ کی خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت علیؓ ہی تھے اور آپﷺ نے ان کو اپنی زندگی میں خلیفہ بنا کر اپنے بعد کے لئے خلافت کا مسئلہ بھی طے فرمادیا تھا...... ظاہر ہے کہ اس دلیل کی رکاکت اور غیر معقولیت سمجھنے کے لئے کسی خاص درجہ کی عقل و فہم کی ضرورت نہیں...... سفر وغیرہ کی محدود مدت کے لئے عارضی طور پر کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنانے میں اور رسول اللہﷺ کے بعد کسی کے مستقل خلیفہ اور امت کی امامت عامہ میں جو فرق ہے اس کو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

پھر اگر ایسا ہوا ہوتا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے خلیفہ اور ان کی جگہ امت کے امام عام حضرت ہارونؑ ہوئے ہوتے تب تو یہ واقعہ کسی درجہ میں دلیل ہو سکتا تھا...... لیکن معلوم و مسلم ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کی زندگی ہی میں روایات کے مطابق حضرت موسیٰ کی وفات سے چالیس سال پہلے وفات پاگئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ یوشع ہوئے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آنحضرتﷺ نے غزوۂ تبوک کو جاتے وقت حضرت علی مرتضیٰؓ کو تو اپنی جگہ گویا مدینہ کا امیر و حاکم اور خلیفہ بنایا تھا لیکن مسجد نبوی میں اپنی جگہ نماز

کی امامت کے لئے عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مقرر فرمایا تھا...... حالانکہ حضرت علیؓ ہر حیثیت سے ان سے افضل تھے...... راقم سطور کے نزدیک حضور ﷺ نے یہ اسی لئے کیا تھا کہ غزوۂ تبوک کے زمانہ کی حضرت علیؓ کی اس خلافت و نیابت کو حضورؐ کی مستقل خلافت اور امامت عامہ کی دلیل نہ بنایا جا سکے...... واللہ اعلم۔

۱۸۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ.
(رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں اور وہ ہر ایمان والے کے ولی ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... صاحبِ مشکوٰۃ المصابیح نے جامع ترمذی کی اس روایت کا یہی آخری جز نقل کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، امام ترمذی نے وہ پورا واقعہ بھی نقل کیا ہے جس سلسلہ میں حضور ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔

واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو امیر بنا کر ان کی سرکردگی میں ایک لشکر کسی مہم پر روانہ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مدد سے مہم کامیاب ہوئی اور فتح حاصل ہوئی، لیکن لشکر میں شامل بعض لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے اس سلسلہ کے ایک عمل کو صحیح نہیں سمجھا اور واپس آکر ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق حضور ﷺ سے حضرت علیؓ کی شکایت کی آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی، کیونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں ان کی شکایت صحیح نہیں تھی غلط فہمی پر مبنی تھی، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے شکایت کرنے والوں پر ناگواری ظاہر فرمائی، اور حضرت علی مرتضیٰؓ پر اپنے اعتماد اور خصوصی قرابت و محبت کے خاص تعلق کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا" ان عليًا منى وانا منه ......" ہماری اردو زبان کے محاورہ میں اس کا حاصل یہ ہے کہ "علی میرے ہیں اور میں علی کا ہوں"

اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ اپنی محبت اور خصوصی قرب و تعلق کا اظہار انہیں الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمایا ہے، جیسا کہ آئندہ درج ہونے والی حدیث سے بھی معلوم ہوگا۔

ملحوظ رہے کہ حضور ﷺ نے بعض مواقع پر دوسرے بعض صحابہؓ کے ساتھ بھی اپنے خصوصی تعلق اور قرب و محبت کا انہیں الفاظ میں اظہار فرمایا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک غزوہ میں شہید ہو جانے والے ایک صحابی حضرت جلیبیبؓ کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "هٰذَا مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ" [1] (یعنی یہ جلیبیب مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں)...... اسی طرح آپ نے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے قبیلہ اشعریین کے ایک طرز عمل کا ذکر فرما کر کہ جب وہ جہاد کے سفروں میں جاتے ہیں یا مدینہ کے قیام ہی کے زمانہ میں کھانے پینے کا سامان ان میں سے کچھ لوگوں کے پاس کم ہو جاتا ہے تو جو کچھ جس کے پاس ہوتا ہے وہ سب ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور آپس میں برابر تقسیم کر

---

[1] صحیح مسلم جلد دوم ص ۲۹۵۔

لیتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا "هُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُمْ" (یعنی یہ اشعریین مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں)

ظاہر ہے جیسا کہ عرض کیا گیا آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ ان اشعریین کے ساتھ خصوصی محبت اور قرب و تعلق کا اظہار ہے، اس حدیث کو بھی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ [1]

حدیث کا آخری جملہ ہے "وهو ولی كل مؤمن" ...... ولی کے معنی دوست، مددگار اور سرپرست کے ہیں، قرآن مجید میں بھی یہ لفظ مختلف مقامات پر ان میں سے کسی ایک معنی میں استعمال ہوا ہے۔

زیر تشریح اس حدیث میں بظاہر یہ لفظ دوست اور محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب و مدعا یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان کو علیؓ کے ساتھ دوستی اور محبت ہی کا تعلق رکھنا چاہئے، میرے ساتھ ان کے خصوصی تعلق کا یہ بھی حق ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ پاک کی اور اپنے سب محبین اور محبوبین کی (جن میں بلاشبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی خاص مقام و مرتبہ ہے) محبت اس عاجز کو اور سب اہل ایمان کو نصیب فرمائے۔

۱۸۳) عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ، وَلَايُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی مجھ میں سے ہیں اور میں علی میں سے ہوں، اور میری طرف سے (یہ اہم پیغام) خود میں پہنچا سکتا ہوں یا علی" ...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے وہ صورت حال پیش نظر رکھنی ضروری ہے جس میں حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا ...... ۸ھ میں فتح مکہ اور وہاں اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد اگلے سال سورۂ براءۃ نازل ہوئی، جس میں مشرکین و کفار کے بارے میں خاص اور اہم احکام ہیں، مثلاً یہ کہ جو معاہدہ ان کے ساتھ کیا گیا تھا ان کی شرارتوں کی وجہ سے وہ فسخ کر دیا گیا اور یہ کہ اس سال کے بعد کسی مشرک و کافر کو مسجد حرام میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور یہ ذمہ داری بھی ان کے سپرد ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حج کے موقع پر مختلف علاقوں سے آنے والے تمام کفار و مشرکین کو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام پہنچا دیں جو سورۂ براءۃ میں ان کے بارے میں نازل کئے گئے ہیں اور سورۂ براءۃ کی وہ سب آیتیں بھی ان کو سنا دیں ...... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حج کے لئے ساتھ جانے والوں کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

بعد میں حضور ﷺ کو خیال آیا کہ عربوں کا یہ قانون اور ان کی یہ روایت رہی ہے کہ اگر کوئی معاہدہ کیا جائے یا کسی معاہدہ کو فسخ کیا جائے یا اس طرح کا کوئی بھی اہم معاملہ ہو تو وہ قبیلہ کا سردار یا سربراہ بذات خود

---

[1] صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۰۲۔

کرے یا اس کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے نسبی رشتے سے اس کا کوئی قریب ترین عزیز۔ اس کے بغیر وہ قابل قبول نہ ہوگا...... تو آپؐ نے ضروری سمجھا کہ آپ کی طرف سے ان اہم اعلانات کے لئے علی مرتضیٰؓ کو بھیجا جائے جو آپؐ کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد بھی تھے چنانچہ آپؐ نے ان کو اس کام کے لئے بعد میں مکہ معظمہ کے لئے روانہ فرمایا...... اس موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَايُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْعَلِيٌّ...... "الغرض اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کو اس کام کے لئے بھیجنے کی غرض وغایت بیان فرمائی۔

پھر جب حضرت علی مرتضیٰ جاکر صدیق اکبرؓ سے مل گئے تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ آپؓ امیر کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں یا مامور کی حیثیت سے، تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا، میں امیر کی حیثیت سے نہیں مامور کی حیثیت سے آیا ہوں، امیر آپ ہی ہیں اور میں خاص طور سے اس غرض سے بھیجا گیا ہوں۔

یہ جو کچھ ہوا من جانب اللہ ہوا، اگر آنحضرت ﷺ شروع ہی میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو امیر حج کی حیثیت سے روانہ فرماتے تو اس سے غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کی خلافت کے اولین حق دار حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں، امت کو اس غلط فہمی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں ڈالا گیا کہ امیر حج بنا کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو روانہ کریں، بعد میں حضور کے قلب میں وہ بات ڈالی گئی جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو بھیجنا ضروری سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح امت میں رہنمائی فرمائی کہ حضور ﷺ کے بعد مسلمانوں کے امیر اور آپ کے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوں گے یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کے مرض وفات میں جب آپؐ خود مسجد جاکر امامت کرنے سے معذور ہو گئے تو آپؐ کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا گیا کہ اپنی جگہ ابو بکر صدیقؓ کو نماز کا امام مقرر فرمادیں۔ ان ربنا لطیف لما یشآء.

۱۸۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اٰخٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ، فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ، فَقَالَ : اٰخَيْتَ بَيْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُوَاخِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَحَدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْتَ اَخِيْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ آکر) اپنے اصحاب میں مواخاۃ قائم فرمائی (یعنی صحابہؓ میں سے ہر ایک کو کسی دوسرے کا بھائی بنادیا) تو حضرت علیؓ آئے (اس حال میں کہ رنج وغم سے) ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرمادیا اور میرے اور کسی دوسرے کے درمیان آپ نے مواخاۃ قائم نہیں فرمائی (یعنی مجھے کسی کا اور میرا کسی کو بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام جب ہجرت فرما کر مدینہ آئے یہ آنے والے مہاجرین

مختلف قبیلوں اور مختلف مقامات کے تھے، تو آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کا نظام قائم فرمایا یعنی دو دو صحابیوں کا ایک جوڑا بنا کر ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دے دیا تاکہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں اور ضرورت میں حقیقی بھائی کی طرح کام آویں اور کسی کو تنہائی اور بے کسی کا احساس نہ ہو۔

مثلاً آپ نے حضرت ابوالدرداء انصاریؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا، جن کے درمیان پہلے سے نہ کوئی نسبی رشتہ تھا اور نہ ہم وطنی کا تعلق...... اس طرح آپؐ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرما دیا، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کسی کے ساتھ یہ رشتہ قائم نہیں فرمایا، وہ اکیلے ہی رہ گئے، اس سے رنجیدہ اور غمگین ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرمایا اور مجھے کسی کا اور کسی کو میرا بھائی نہیں بنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "انت اخی فی الدنیا والاخرۃ" (یعنی تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)...... ظاہر ہے کہ حضرت مرتضیٰؓ کو یہ سن کر کیسی مسرت اور خوشی ہوئی ہوگی...... بلا شبہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضور ﷺ کے ساتھ جو قرابت نصیب تھی وہ صرف انہیں کا حصہ تھا جیسا کہ معلوم ہے کہ وہ حضور ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور آپ کی دعوت پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ہیں اور دامادی کے شرف سے بھی مشرف فرمائے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

۱۸۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ : كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ طَيْرٌ فَقَالَ اللّٰهُمَّ ائْتِنِىْ بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَيْكَ يَاْكُلُ مَعِىْ هٰذَا الطَّيْرَ فَجَاءَهُ عَلِىٌّ فَاَكَلَ مَعَهُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (کھانے کے لئے بھنا ہوا یا پکا ہوا) ایک پرندہ تھا تو آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ! تو میرے پاس بھیج دے ایسے بندے کو جو تیری مخلوق میں تجھ کو سب سے زیادہ محبوب اور پیارا ہو، جو اس پرندہ کے کھانے میں میرے ساتھ شریک ہو جائے، تو آگئے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ چنانچہ آپؐ کے ساتھ اس پرندہ کے کھانے میں شریک ہو گئے......

(جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے شیعہ صاحبان استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ اللہ کی ساری مخلوق سے جس میں شیخین بھی شامل ہیں افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور پیارے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اللہ کی مخلوق میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں اگر حدیث سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا تو لازم آجائے گا کہ ان کو شیخین ہی سے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ سے بھی افضل اور اللہ کا زیادہ محبوب اور پیارا مانا جائے۔

اسی بنا پر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! تو کسی ایسے بندے کو بھیج دے جو تیرے محبوب ترین بندوں میں سے ہو اور یقیناً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندوں میں سے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوع قرار دیا

ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا لیکن یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔[1]

۱۸۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ صغر سنی ہی میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر اسلام لائے اور اس کے بعد برابر آپؐ کی تربیت اور صحبت میں رہے اس لئے آپؐ کی تعلیم سے استفادہ میں ان کو ایک درجہ خصوصیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر حضور ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا "اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔)

لیکن اس سے یہ سمجھنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ بس حضرت علیؓ ہی حضور ﷺ کے ذریعہ آئے ہوئے علم و حکمت کے حامل و وارث تھے اور ان ہی کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان کے سوا کسی دوسرے سے حضور ﷺ کے لائے ہوئے علم و حکمت کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ انتہائی درجہ کی نافہمی ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اُمیین میں اپنا رسول بنا کر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور کتاب اللہ اور حکمت کی ان کو تعلیم دیتے ہیں قرآن مجید کی یہ آیتیں بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کتاب و حکمت کی تعلیم اپنے اپنے ظرف اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق تمام صحابہ کرامؓ نے پائی، لہذا یہ سبھی حضور ﷺ کے ذریعہ آئے ہوئے علم و حکمت کا ذریعہ اور دروازہ ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو جیسا کہ لکھا جاچکا ہے کہ وہ صغیر السن تھے ان کی عمر مشہور روایات کے مطابق صرف آٹھ یا دس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی اور آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے استفادہ کی وہی استعداد اور صلاحیت اس وقت ان کو حاصل تھی جو فطری طور پر اس عمر میں ہونا چاہئے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی دن جب حضور ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کیا تو ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی اور فطری طور پر ان کو استفادہ کی وہ کامل استعداد اور صلاحیت حاصل تھی جو اس عمر میں ہونی چاہئے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے آئے ہوئے علم و حکمت میں ان کا حصہ دوسرے تمام صحابہ کرامؓ سے مجموعی طور پر زیادہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں ان کو اپنی جگہ نماز کا امام مقرر فرمایا یہ بھی حضور ﷺ کی طرف سے حضرت صدیق اکبرؓ کے اعلم بالکتاب والحکمۃ ہونے کی سند تھی پھر صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق ان کو آنحضرت ﷺ کا خلیفہ اور امت کا امام تسلیم کر کے عملی طور پر اس کا اعتراف کیا اور گویا اس حقیقت کی شہادت دی۔

نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مختلف صحابہ کرام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے علم دین کے مختلف

---

[1] دیکھا جائے اجوبۃ الحافظ ابن حجر العسقلانی عن احادیث المصابیح ص ۱۷۸۷ الملحقۃ مشکوٰۃ المصابیح جلد ثالث طبع بیروت۔

شعبوں میں ان کے تخصص اور امتیاز کا ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ انشاء اللہ مناقب ہی کے سلسلہ میں آئندہ درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا۔

پھر اس واقعی حقیقت میں کس کو شک وشبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ حضرات تابعینؒ نے مختلف صحابہ کرام سے حضور ﷺ کا لایا ہوا علم حاصل کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے محدثین کے ذریعہ حدیث کی کتابوں میں محفوظ کرا دیا اور اسی سے قیامت تک امت کو رہنمائی ملتی رہے گی۔ **ذالك تقدير العزيز العليم.**

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن الجوزیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ ناقد محدثین نے زیر تشریح اس حدیث "**انا دار الحكمة الخ**" کو موضوع قرار دیا ہے، خود امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ "**هذا حديث غريب منكر**"

بہر حال سند کے لحاظ سے یہ حدیث محدثین کے نزدیک غیر مقبول اور نا قابل استناد ہے۔

۱۸۷) **عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ : بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَيْشًا، فِيْهِمْ عَلِيٌّ قَالَتْ، فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَاتُمِتْنِيْ حَتّٰى تُرِيَنِيْ عَلِيًّا.** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر (کسی مہم پر روانہ فرمایا) جس میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے، کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ آپؐ (دعا کے لئے) ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا، تا آنکہ تو مجھے علی کو دکھادے۔..... (جامع ترمذی)

تشریح..... حدیث کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں، بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کو ان وجوہ سے جن کا ذکر کیا جاچکا ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ غایت درجہ کی محبت تھی..... اسی کا مظہر حضور ﷺ کی یہ دعا بھی ہے۔

۱۸۸) **عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ : اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَخَذَ بِيَدِ حَسَنٍ وَّحُسَيْنٍ. فَقَالَ : مَنْ اَحَبَّنِيْ وَاَحَبَّ هٰذَيْنِ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا كَانَ مَعِيْ فِيْ دَرَجَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے دونوں نواسوں) حسنؓ اور حسینؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے اور ان کے والد اور والدہ (علی مرتضیٰ اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما) سے محبت کی تو وہ قیامت کے دن جنت میں میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا..... (جامع ترمذی)

تشریح..... اسی سلسلہ معارف[1] الحدیث میں ناظرین صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پڑھ چکے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ متى الساعة؟ (قیامت کب آئے گی) آپ نے فرمایا۔ تم قیامت کے بارے میں پوچھتے ہو، تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا میں نے قیامت کے لئے اس کے

---

[1] معارف الحدیث جلد دوم ص ۲۰۶۔

سواکوئی خاص تیاری نہیں کی ہے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "انت مع من احببت" مطلب یہ کہ تم اطمینان رکھو، آخرت میں تم ان کے ساتھ کر دیئے جاؤ گے جن سے تمہیں محبت ہے یعنی جب تم کو مجھ سے محبت ہے تو تم میرے ساتھ کر دیئے جاؤ گے...... اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ، نے بیان فرمایا کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر تمام صحابہؓ ایسے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد انہیں کبھی ایسی خوشی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِيَّ ﷺ وَاَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ وَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّيْ اِيَّاهُمْ .

ترجمہ: پس میرا حال یہ ہے کہ میں محبت رکھتا ہوں رسول اللہ ﷺ سے اور ابو بکرؓ و عمرؓ سے اور امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے آخرت میں مجھے ان حضرات کا ساتھ نصیب ہو گا۔

الغرض یہ اللہ تعالیٰ کا قانون رحمت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اور آپؐ کے محبوبین سے محبت کرنے والے آخرت میں آپؐ کے ساتھ کر دیئے جائیں گے (اور بلا شبہ حضرات حسنینؓ اور ان کی والدہ ماجدہ حضور ﷺ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ زہراؓ اور ان کے محترم شوہر اور آپ ﷺ کے عزیز بھائی حضرت علیؓ کا آپؐ کے محبوبین میں خاص مقام ہے) پس جن خوش نصیب اہل ایمان کو محبوب رب العالمین سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ اور آپؐ کے ان محبوبین کے ساتھ محبت ہو گی۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے اس قانون رحمت کے مطابق آخرت اور جنت میں حضرت ﷺ کی معیت نصیب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز (راقم سطور) کو اور قارئین کو اپنی اور اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے محبوبین کی محبت نصیب فرمائے۔

۱۸۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : كُنْتُ شَاكِيًا فَمَرَّبِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا اَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَجَلِيْ قَدْ حَضَرَ فَاَرِحْنِيْ وَاِنْ كَانَ مُتَاَخِّرًا فَارْفِعْنِيْ وَاِنْ كَانَ بَلَاءً فَصَبِّرْنِيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ قُلْتَ ؟ فَاَعَادَ عَلَيْهِ مَاقَالَ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ : اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ (شَكَّ الرَّاوِيْ) أَوْاَشْفِهٖ، قَالَ فَمَا اشْتَكَيْتُ رَجْعِيْ بَعْدُ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا تھا (اور مجھے سخت تکلیف تھی) تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گذرے اور میں اللہ سے یہ دعا کر رہا تھا اے اللہ، اگر میری موت کا وقت قریب آگیا تو مجھ کو راحت عطا فرمادے (یعنی موت دے کر اس تکلیف سے نجات دے دے) اور اگر میری موت دیر سے آنے والی ہے تو مجھے فراخی کی زندگی عطا فرما اور اگر یہ (بیماری اور تکلیف تیری طرف سے) امتحان اور آزمائش ہے تو مجھ کو صبر کی توفیق عطا فرما۔ (کہ بے صبری اور تکلیف کا اظہار نہ کروں) تو رسول اللہ ﷺ نے (یہ سنکر مجھ سے) فرمایا، تم نے یہ کیا کہا؟ تو (جو میں نے بطور دعا کے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا وہ) میں نے آپکے سامنے دہرادیا، تو آپ نے اپنا قدم مبارک مارا اور دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ اے اللہ اس کو عافیت عطا فرمادے! (راوی کو شک ہے کہ آپ نے فرمایا) اَللّٰهُمَّ اشْفِهٖ (اے اللہ

اسکو شفا عطا فرمادے) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد مجھے کبھی وہ تکلیف نہیں ہوئی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ بلا شبہ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا۔

۱۹۰) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قِيْلَ لَهُ، نَرَاكَ فِي الْحَرِّ الشَّدِيْدِ وَعَلَيْكَ ثِيَابُ الشِّتَآءِ، وَنَرَاكَ فِي الشِّتَآءِ وَعَلَيْكَ ثِيَابُ الصَّيْفِ وَتَمْسَحُ الْعَرَقَ، فَقَالَ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَزَقَ فِيْ عَيْنِيْ وَاَنَا اَرْمَدُ فَمَااشْتَكَيْتُهُمَا حَتَّى السَّاعَةِ وَدَعَا لِيْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّوَالْبَرْدَ فَمَا وَجَدْتُ حَرًّا وَلَا بَرْدًا حَتّٰى يَوْمِيْ هٰذِهٖ. (رواه الطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو شدید گرمی کے زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ آپ سردی کے موسم کے کپڑے پہنے ہوتے ہیں، اور اسی طرح ہم کبھی جاڑوں کے زمانہ میں آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ گرمی کے موسم کے کپڑے پہنے ہوتے ہیں اور پسینہ پونچھتے ہیں! تو حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ ایک دفعہ میری آنکھ میں تکلیف تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا آب دہن ڈالا (تھوک دیا) اس کے بعد سے اب تک کبھی مجھے آنکھ کی وہ تکلیف نہیں ہوئی۔ اور آنحضرت ﷺ نے میرے لئے دعا فرمائی تھی۔ اللّٰهم اذهب عنه الحر والبرد (اے اللہ گرمی اور جاڑے کو اس سے دور رکھ) تو اس کے بعد سے نہ تو میں نے آج تک گرمی محسوس کی اور نہ سردی۔

(معجم اوسط الطبرانی)

تشریح...... حدیث کسی تشریح و وضاحت کی محتاج نہیں، ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا کا یہ اثر آپ کے معجزات میں سے ہے۔

۱۹۱) عَنْ عَلِيٍّ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاِنِّيْ لَاَرْبِطُ الْحَجَرَ عَلٰى بَطْنِيْ مِنَ الْجُوْعِ وَاِنَّ لَصَدَقَةَ مَالِيْ لَتَبْلُغُ اَرْبَعِيْنَ اَلْفَ دِيْنَارٍ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حالت میں دیکھا ہے کہ بھوک کی وجہ سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا (اور اب بفضلہٖ تعالیٰ میری یہ حالت ہے کہ) میرے مال کی زکوۃ چالیس ہزار اشرفیاں ہوتی ہیں...... (مسند احمد)

تشریح...... اسی سلسلہ معارف الحدیث[1] میں کتاب الرقاق میں وہ حدیثیں درج کی جاچکی ہیں جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر و فاقہ کی زندگی پسند فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کی تھی کئی کئی دن آپ پر اور آپ کے اہل و عیال پر ایسے گذر جاتے تھے کہ کچھ بھی کھانے کی نوبت نہ آتی تھی، ایسے دنوں میں کبھی کبھی آپ ﷺ شدت ضعف سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے جس سے ضعف میں کمی آجاتی تھی...... آپ کے خاص متعلقین میں حضرت علیؓ بھی تھے، ان کو بھی کبھی ایسا کرنا پڑتا تھا۔ اس حدیث میں انہوں نے اسی وقت کا حوالہ دے کر فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ فاقہ کی وجہ سے

---

[1] معارف الحدیث جلد دوم از ص ۱۰۳ تا ص ۱۱۴

آنحضرت ﷺ کے ساتھ مجھے بھی پیٹ پر پتھر باندھنا پڑ جاتا تھا اور اب بفضل خداوندی میرے پاس اتنی دولت ہے کہ چالیس ہزار اشرفیاں اس کی زکوٰۃ ہوتی ہیں۔

حضور ﷺ کے طریقہ پر فقر و فاقہ کی زندگی پسند کرنا بلاشبہ سعادت اور بہت بڑی فضیلت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جائز اور حلال طریقہ سے دولت عطا فرمائے اور وہ اللہ کے شکر کے ساتھ دولت کا حق ادا کرے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے انعام کی ایک خاص صورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس مضمون کے ارشادات بھی معارف[1] الحدیث کے اسی سلسلے میں ذکر کئے جاچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ کے طریقہ پر فقر و فاقہ کی زندگی کی سعادت بھی عطا فرمائی اور بعد میں دولت اور اس کا حق ادا کرنے کی نعمت سے بھی نوازا۔ مااحسن الدین والدنیا لو اجتمعا۔

۱۹۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيْرِ خُمٍّ اَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ : اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ، اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ اَوْلٰى لِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ؟" قَالُوْا بَلٰى قَالَ : اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ . اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ. وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ' فَلَقِيَهٗ' عُمَرُ بَعْدَ ذَالِكَ فَقَالَ لَهٗ' : هَنِيْئًا يَابْنَ اَبِىْ طَالِبٍ! اَصْبَحْتَ وَاَمْسَيْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ. (روہ احمد)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم پر نزول اور قیام فرمایا تو آپ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر (عام حاضرین و رفقاء سفر سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں مسلمانوں کا ان کے نفسوں اور ان کی جانوں سے بھی زیادہ دوست اور محبوب ہوں) سب نے عرض کیا کیوں نہیں ہاں! بے شک ایسا ہی ہے (اس کے بعد) آپؐ نے فرمایا ألستم تعلمون انی اولٰی بکل مومن من نفسه؟ (کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مسلمان کا اس کے نفس اور اس کی جان سے زیادہ دوست اور محبوب ہوں) سب نے عرض کیا کیوں نہیں ہاں! بے شک ایسا ہی ہے (اس کے بعد) آپؐ نے فرمایا "اللهم ! من کنت مولاه فعلی مولاه. اللهم وال من والاه، وعاد من عاداه" (اے اللہ! میں جس کا دوست ہوں تو یہ علی بھی اس کے دوست ہیں، اے اللہ جو علیؓ سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی فرمایا اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ فرما) اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور (ان کو مبارک باد دیتے ہوئے) فرمایا کہ تمہیں مبارک اور خوشگوار ہو اے ابن ابی طالب! کہ تم ہر صبح اور ہر شام (یعنی ہر وقت) ہر مؤمن اور مؤمنہ کے دوست اور محبوب ہوگئے۔ (مسند احمد)

تشریح...... یہ واقعہ جس کا ذکر اس روایت میں کیا گیا، حجۃ الوداع کے سفر سے واپسی کا ہے "غدیر" کے معنی

[1] (معارف الحدیث جلد دوم از ص ۱۱۴ تا ص ۱۲۰)

تالاب کے ہیں اور خم ایک مقام کا نام ہے جس کے قریب یہ تالاب تھا، یہ مقام مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے مشہور بستی "الجحفہ" سے تین چار میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع سے واپس ہوتے ہوئے اپنے رفقاءِ سفر کے پورے قافلہ کے ساتھ جس میں مدینہ منورہ اور قرب وجوار کے تمام ہی وہ صحابہ کرامؓ تھے جو اس مبارک سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے، ۱۸/ذی الحجہ کو اس مقام پر پہنچے تھے، اور قیام فرمایا تھا، یہاں آپؐ نے ان رفقاءِ سفر کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ سے متعلق حدیث کی کتابوں میں جو روایات ہیں۔ ان سب کو جمع کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس خطاب میں کچھ اہم باتیں ارشاد فرمائی تھیں جن میں سے ایک بات حضرت علیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ بھی تھی جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے۔ یہ بات آپؐ نے ایک تمہید کے ساتھ خاص اہمیت سے بیان فرمائی۔

سورہ احزاب کے آیت نمبر ۶ میں ارشاد فرمایا گیا ہے: "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو فطری طور پر سب سے زیادہ محبت و خیر خواہی اپنے نفس اور اپنی عزیز جان کے ساتھ ہوتی ہے، ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا حق ہے کہ اہل ایمان اپنے نفس اور اپنی جان عزیز سے بھی زیادہ آپؐ کے ساتھ محبت رکھیں۔ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ میں سب ایمان والوں کی دوستی اور محبت کا ان کے نفسوں اور ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق دار ہوں۔ سب حاضرین نے بیک زبان عرض کیا کہ ہاں! بے شک ایسا ہی ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ ہر مؤمن کو اپنے نفس اور اپنی عزیز جان سے جو محبت اور تعلق ہے اس سے زیادہ محبت اور تعلق اس کو میرے ساتھ ہونا چاہئے۔ سب حاضرین نے عرض کیا کہ ہاں بے شک ایسا ہی ہے، آپؐ کا حق ہم میں سے ہر ایک پر یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی جان عزیز سے بھی زیادہ محبت آپؐ کے ساتھ ہو...... اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ. اے اللہ (تو گواہ رہ کہ) میں جس کا دوست اور محبوب ہوں تو یہ علی بھی اس کے دوست اور محبوب ہیں، تو اے اللہ! میری تجھ سے دعا ہے کہ جو علیؓ سے محبت رکھے تو اس سے محبت کا معاملہ فرما اور جو اس سے عداوت رکھے تو اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرما...... حضور ﷺ کے اس خطاب کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ سے ملے اور مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا اے ابن ابی طالب! تم کو مبارک اور خوشگوار ہو کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق ہر ایمان والے اور ہر ایمان والی کے تم محبوب ہو گئے، ہر ایک تم سے ہمیشہ محبت کا تعلق رکھے گا۔

یہاں تک صرف حدیث کے مضمون کی تشریح کی گئی، اس موقع پر راقم سطور ناظرین کو یہ بتلانا بھی مناسب سمجھتا ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین اس حدیث کو اپنے اس عقیدہ اور دعوے کی مضبوط ترین اور سب سے زیادہ وزنی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ غدیر خم کے اس خطاب میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کے لئے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ و جانشین اور امت کا امام و حاکم نامزد کیا تھا اور اس خطاب کا خاص مقصد یہی تھا، وہ

کہتے ہیں کہ مولیٰ کے معنی آقا، مالک اور حاکم کے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں جن لوگوں کا آقا اور حاکم ہوں۔ علیؓ ان سب کے آقا اور حاکم ہیں، پس یہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت اور امت پر ان کی حاکمیت کا اعلان تھا...... انشاءاللہ آئندہ سطور سے ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ شیعہ علماء کا یہ دعویٰ اور ان کی یہ دلیل کس قدر لچر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں بہت سے الفاظ ایسے جو بیسؔ بیسؔ یا اس سے بھی زیادہ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ لفظ مولیٰ بھی انہیں الفاظ میں سے ہے۔ عربی لغت کی مشہور و مستند ترین کتاب "القاموس المحیط" میں اس لفظ مولیٰ کے مندرجہ ذیل ۲۱ معنی لکھے ہیں۔

المولی = **(۱) المالك (۲) والعبد (۳) والعتق (٤) والمعتق (٥) والصاحب (٦) والقريب كابن العم ونحوه (۷) والجار (۸) والحليف (۹) والابن (۱۰) والعم (۱۱) والنزيل (۱۲) والشريك (۱۳) وابن الا خت (۱٤) والولی (۱٥) والرب (۱٦) والناصر (۱۷) والمنعم (۱۸) والمنعم عليه (۱۹) والمحب (۲۰) والتابع (۲۱) والصهر**[1]

(ان تمام الفاظ کا ترجمہ مصباح اللغات کی عبارت میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے جو آگے نقل کی جارہی ہے) اور عربی لغت کی دوسری مستند و معروف کتاب "اقرب الموارد" میں بھی لفظ مولیٰ کے یہی سب معنی لکھے گئے ہیں۔[2]

لغت حدیث کی مشہور و مستند ترین کتاب "النهاية لابن الاثير الجزری فی غريب الحديث والاثر" میں بھی قریباً یہ سب معنی لکھے گئے ہیں، علامہ طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار میں نہایہ ہی کے حوالہ سے اس کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔[3]

مصباح اللغات جس میں عربی الفاظ کے معنی اردو زبان میں لکھے گئے ہیں، اس میں قریب قریب ان سب الفاظ کا ترجمہ آگیا ہے جو "القاموس المحیط" اور "اقرب الموارد" وغیرہ مندرجہ بالا کتابوں میں لکھے گئے ہیں، ہم اس کی عبارت بعینہٖ ذیل میں درج کرتے ہیں۔"

المولی = مالک و سردار، غلام آزاد کرنے والا، آزاد شدہ، انعام دینے والا جس کو انعام دیا جائے، محبت کرنے والا، ساتھی۔ حلیف پڑوسی، مہمان، شریک، بیٹا، چچا کا بیٹا، بھانجا، چچا، داماد، رشتہ دار، ولی، تابع۔[4]

معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن پاک کی کسی آیت یا حضورﷺ کے کسی ارشاد میں یا کسی بھی فصیح و بلیغ کلام میں جب کوئی کثیر المعنی لفظ استعمال ہو تو خود اس میں یا اس کے سیاق و سباق میں ایسا قرینہ موجود ہوتا ہے جو

---

[1] القاموس المحیط ج ۴ ص ۴۰۴۔
[2] اقرب الموارد جلد ثانی ص ۱۴۸۸۔
[3] مجمع بحار الانوار ص ۱۱۲ جلد ۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد الہند۔
[4] مصباح اللغات ص ۹۶۸۔

اس لفظ کے معنی اور اس کی مراد متعین کر دیتا ہے...... اس زیر تشریح حدیث میں خود قرینہ موجود ہے، جس سے اس حدیث کے لفظ مولیٰ کے معنی متعین ہو جاتے ہیں، حدیث کا آخری دعائیہ جملہ ہے "اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" (اے اللہ جو علی سے دوستی اور محبت رکھے تو اس سے دوستی اور محبت فرما، اور جو اس سے دشمنی رکھے، تو اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ فرما۔) اس سے متعین طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث میں لفظ مولیٰ دوست اور محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اور "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کا مطلب وہی ہے جو اوپر تشریح میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو کچھ ہوا، وہ اس بات کی روشن اور قطعی دلیل ہے کہ غدیر خم کے ہزاروں صحابہ کرام کے اس مجمع میں کسی فرد نے، خود حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان کے قریب ترین حضرات نے بھی حضور کے اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں سمجھا تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے بعد کے لئے ان کی خلافت و حاکمیت اور امت کی امامت عامہ کا اعلان فرما رہے ہیں، اگر خود حضرت علی مرتضیٰؓ نے اور ان کے علاوہ جس نے بھی ایسا سمجھا ہوتا، تو ان کا فرض تھا کہ جس وقت خلافت کا مسئلہ طے ہو رہا تھا تو یہ لوگ کہتے کہ ابھی صرف ستر (۷۰) بہتر (۷۲) دن پہلے غدیر خم کے موقعہ پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنادیا تھا اور اہتمام سے اس کا اعلان فرمایا تھا الغرض یہ مسئلہ خود حضور ﷺ طے فرما گئے ہیں اور حضرت علیؓ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد فرما گئے ہیں، اب وہی حضور ﷺ کے خلیفہ اور آپؐ کی جگہ امت کے حکمران اور سربراہ ہیں...... لیکن معلوم ہے کہ نہ حضرت علیؓ نے یہ بات کہی اور نہ کسی اور نے، سبھی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آنحضرت ﷺ کا خلیفہ اور جانشین تسلیم کر کے بیعت کر لی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر شیعہ علماء کی یہ بات مان لی جائے کہ حضور ﷺ نے غدیر خم کے اس خطبہ میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرما کر حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت و جانشینی کا صاف صاف اعلان فرمایا تھا تو معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے مجرم ٹھہریں گے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی وصال کے بعد اس کی بنیاد پر خلافت کا دعویٰ کیوں نہیں فرمایا؟ ان کا فرض تھا کہ حضور ﷺ کی اس تجویز کی تنفید اور اس فرمان و اعلان کو عمل میں لانے کے لئے میدان میں آتے اگر کوئی خطرہ تھا تو اس کا مقابلہ فرماتے۔

یہی بات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے حسن مثلث نے اس شخص کے جواب میں فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں رافضیوں والا غالیانہ عقیدہ رکھتا تھا اور حضور ﷺ کے ارشاد من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے بارے میں کہتا تھا کہ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ نامزد فرما دیا تھا، تو حضرت حسن مثلث نے اس شخص سے فرمایا تھا۔

ولو كان الا مر كما تقولون ان الله جل وعلى ورسوله ﷺ اختارا علياً لهذا لا مر والقيام على الناس بعده، فان علياً اعظم الناس خطيئة وجرما اذ ترك امر رسول الله ﷺ. [1]

---

[1] ازالۃ الخفاء ص ۲۲۳ جلد اول مطبوعہ عمدۃ المطابع لکھنو ۱۳۲۹ھ۔

ترجمہ: اگر بات وہ ہو جو تم لوگ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علیؓ کو رسول کے بعد خلافت کے لئے منتخب اور نامزد فرمادیا تھا تو علیؓ سب سے زیادہ خطاکار اور مجرم ٹھہریں گے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔

اور جب اس شخص نے حضرت حسن مثلث سے یہ بات سن کر اپنے عقیدہ کی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا حوالہ دیا تو حضرت حسن مثلث نے فرمایا۔

اما واللّٰه لو يعنى رسول اللّٰه ﷺ بذالك الا مر والسلطان والقيام على الناس لا فصح به كما أفصح باالصلوٰة والزكوٰة والصيام والحج ولقال : ايها الناس ان هذا الولى بعدى فاسمعوا واطيعوا. [1]

تشریح...... سن لو! میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا مقصد علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ اور حاکم بنانا ہوتا تو بات آپؐ اسی طرح صراحت اور وضاحت سے فرماتے جس طرح آپؐ نے نماز، زکوٰۃ، روزوں اور حج کے بارے میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے اور صاف صاف یوں فرماتے کہ اے لوگو! یہ علی میرے بعد ولی الامر اور حاکم ہوں گے لہٰذا تم ان کی بات سننا اور اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔

اس کے بعد یہ بات وضاحت طلب رہ جاتی ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس ارشاد سے کیا تھا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں اس خطاب میں آپؐ نے یہ بات کس خاص وجہ اور کس غرض سے فرمائی۔

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع سے کچھ عرصہ پہلے حضرت علی مرتضیٰؓ کو قریباً تین سو افراد کی جمعیت کے ساتھ یمن بھیج دیا تھا، وہ حجۃ الوداع میں یمن سے مکہ مکرمہ آکر ہی رسول اللہ ﷺ سے ملے تھے، یمن کے زمانۂ قیام میں ان کے چند ساتھیوں کو ان کے بعض اقدامات سے اختلاف ہوا تھا، وہ لوگ بھی حجۃ الوداع میں شرکت کے لئے ان کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ آئے تھے، یہاں آکر ان میں سے بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی اپنے احساس و خیال کے مطابق حضرت علیؓ کی شکایت کی [2] اور دوسرے لوگوں سے بھی ذکر کر دیا...... بلاشبہ یہ ان کی بہت بڑی غلطی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے جن لوگوں نے شکایت کی، حضور ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کا عند اللہ اور دین میں جو مقام و مرتبہ ہے ان کو بتلا کر اور ان کے اقدامات کی تصویب اور توثیق فرما کر ان کے خیالات کی اصلاح فرمادی، لیکن بات دوسرے لوگوں تک بھی پہنچ چکی تھی، شیطان ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر دلوں میں کدورت اور افتراق پیدا کر دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو آپؐ نے ضرورت محسوس فرمائی کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو اللہ تعالیٰ کی

---

[1] ازالۃ الخفاء ص ۲۲۳ جلد اول مطبوعہ عمدۃ المطابع لکھنؤ ۱۳۲۹ھ۔
[2] اس کی تفصیل کے لئے دیکھی جائے صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث علی ابن ابی طالب وخالد بن الولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع ص ۶۲۳ طبع ہند اور البدایہ والنہایہ ص ۱۰۶ ج ۵ طبع بیروت۔

طرف سے محبوبیت اور مقبولیت کا جو مقام حاصل ہے اس سے عام لوگوں کو آگاہ فرمادیں اور اس کے اظہار واعلان کا اہتمام فرمائیں...... اسی مقصد سے آپؐ نے غدیر خم کے اس خطبہ میں جس کے لئے آپؐ نے اپنے تمام رفقاء سفر صحابہ کرامؓ کو جمع فرمادیا تھا، خاص اہتمام سے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر ارشاد فرمایا تھا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ"

جیسا کہ تفصیل سے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ میں جس کا محبوب ہوں یہ علیؓ بھی اس کے محبوب ہیں لہٰذا جو مجھ سے محبت کرے اس کو چاہئے وہ ان علی سے بھی محبت کرے، آگے آپؐ نے دعا فرمائی، اے اللہ جو بندہ علی سے محبت و موالاۃ کا تعلق رکھے اس سے تو محبت و موالاۃ کا معاملہ فرما اور جو کوئی علی سے عداوت رکھے اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرما، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا یہ دعائیہ جملہ اس کا واضح قرینہ ہے کہ اس حدیث میں مولیٰ کا لفظ محبوب ہے اور دوست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد من کنت مولاہٗ فعلی مولاہ ... الخ کا مسئلۂ امامت وخلافت سے کوئی تعلق نہیں۔

امید ہے کہ یہاں تک جو کچھ اس مسئلہ کے بارے میں عرض کیا گیا وہ ہر صاحب ایمان سلیم القلب کے لئے انشاء اللہ کافی وشافی ہوگا۔ (اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْاَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ)

۱۹۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَی الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! تُرْسِلُنِیْ وَاَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ وَلَاعِلْمَ لِیْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ : اِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِیْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ اِذَا تَقَاضٰی اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰی تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَاِنَّهٗ اَحْرٰی اَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ: فَمَا شَكَكْتُ فِیْ قَضَاءٍ بَعْدَ. (رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے قاضی بنا کر یمن بھیجا (یعنی بھیجنے کا فیصلہ فرمایا) تو میں نے عرض کیا کہ اے رسول خدا! آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں اور میں نو عمر ہوں اور مجھے قضاء کا (یعنی نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کا کما حقہ،) علم نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا (یعنی دل میں وہی ڈالے گا اور زبان سے وہی کہلوائے گا جو صحیح اور حق ہوگا) جب تمہارے پاس دو آدمی کسی نزاعی معاملہ کا فیصلہ کروانے کے لئے آئیں تو تم (معاملہ کو) پہلے پیش کرنے والے کے حق میں فیصلہ نہ کر دینا یہاں تک کہ دوسرے فریق کی بات سن لو، یہ طریقہ تم کو فیصلہ کرنے میں زیادہ کار آمد ہوگا"...... حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ (حضور ﷺ کی اس تعلیم اور دعا کے) بعد مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے کے بارے میں شک وشبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... متن حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ میں کر دی گئی ہے البتہ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ کی روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف راویوں سے کی گئی ہے جن میں سے بعض میں کچھ

اضافے ہیں، اب سب روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد پورا واقعہ سامنے آجاتا ہے۔

کنز العمال میں ابن جریر کے حوالے سے واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:

"یمن کے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپؐ ہمارے یہاں کسی ایسے صاحب کو بھیج دیئے جو ہمیں دین سکھائیں اور شریعت کی تعلیم دیں، اور ہمارے نزاعات اور قضیوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کریں۔ تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم اس کے لئے یمن چلے جاؤ حضرت علیؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا ہو سکتا ہے کہ وہاں کے لوگ میرے پاس ایسے مقدمات اور ایسے قضیے لے کر آئیں جن کے بارے میں مجھ کو علم نہ ہو تو حضور ﷺ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا "اذهب فان الله سيهدي قلبك ويثبت لسانك" (جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا،) آگے حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ اس کے بعد سے اب تک مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے میں کوئی شک وشبہ پیش نہیں آیا۔" [1]

کنز العمال ہی میں مستدرک حاکم، ابن سعد، مسند احمد، ابن جریر وغیرہ کے حوالہ سے اسی واقعہ کی ایک اور روایت حضرت علیؓ ہی سے کی گئی ہے، اس میں ہے کہ:

"جب میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نو عمر ہوں اور مجھے نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کوئی خاص بصیرت حاصل نہیں ہے تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا اور دعا فرمائی۔ "اللهم ثبت لسانه واهد قلبه" (اے اللہ تو اس کی زبان کو ثابت رکھ اور اس کے قلب کو ہدایت عطا فرما)۔

آخر میں حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ "فما اشكل علىّ قضاء بعد" (تو حضور ﷺ کی اس دعا کے بعد میرے لئے کسی قضیہ کا فیصلہ مشکل نہیں ہوا۔) [2]

اس عاجز (راقم سطور) کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے سینہ پر دست مبارک رکھا اور وہ دعا فرمائی جو روایت میں ذکر کی گئی ہے اور ساتھ ہی آپؐ کو یقین ہو گیا کہ یہ دعا قبول فرمالی گئی تو آپؐ نے فرمایا۔ "ان الله سيهدي قلبك ويثبت لسانك" "سيهدي" میں "س" یقین کے اظہار کے لئے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے، انہوں نے اپنی قوم سے کہا: "كلا ان معي ربي سيهدين"۔

یہ حقیقت امت کے مسلمات میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی مرتضیٰ کو نزاعات اور خصوصیات کے فیصلہ کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور اس بارے میں آپ کو تخصص اور امتیاز کا مقام حاصل تھا...... اور بلا شبہ یہ ان کی ایک بڑی فضیلت ہے اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ بھی ہے۔

---

[1] کنز العمال ص ۱۱۳ جلد نمبر ۱۳ مطبوعہ حلب۔ [2] ایضاً

۱۹۴) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فِيْكَ مَثَلٌ مِنْ عِيْسٰى ابْنِ مَرْيَمَ اَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا اُمَّهٗ، وَاَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى اَنْزَلُوْهُ مَنْزِلَتَهُ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهٗ " ثُمَّ قَالَ : يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُفْرِطُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهٗ شَنَاٰنِيْ عَلٰى اَنْ يَبْهَتَنِيْ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی! تم کو عیسیٰ ابن مریم سے خاص مشابہت ہے، یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض و عداوت کا رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ ان کی ماں مریم پر (بدکاری کا) بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا جو مرتبہ ان کا نہیں تھا، (رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (بیشک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بارے میں ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں غلو کرنے والے جو میری وہ بڑائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں، جو دوسرے بغض و عداوت میں حد سے بڑھنے والے۔ جن کی عداوت ان کو اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھ پر بہتان لگائیں۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا ظہور ان کے دور خلافت ہی میں ہو گیا...... خوارج کا فرقہ آپؓ کی مخالفت و عداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ آپؓ کو مخرب دین۔ کافر اور واجب القتل قرار دیا، اور انہیں میں کے ایک شقی عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپؓ کو شہید کیا اور اپنے اس بدبختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور داخلہ جنت کا وسیلہ سمجھا۔ اور آپ کی محبت میں ایسے غلو کرنے والے بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے آپ کو مقام الوہیت تک پہنچا دیا اور ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ نبوت و رسالت کے لائق دراصل آپؓ ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی و رسول بنانا تھا اور جبرائیل امین کو وحی لے کر آپ ہی کے پاس بھیجا تھا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور وحی لے کر محمد ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور ان کے علاوہ ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے وصی اور آپ کے بعد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام و خلیفہ اور سربراہ امت تھے اور رسول اللہ ﷺ ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ تھے اور مقام و مرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے اور کائنات میں تصرف اور علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپؓ حامل تھے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں غلو کرنے والے یہ لوگ مختلف فرقوں میں منقسم ہیں، مذاہب اور فرقوں کی تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فرقوں کی تعداد پچاس کے قریب تک پہنچتی ہے۔

ان فرقوں میں اکثر وہ ہیں جن کا ذکر صرف کتابوں میں ملتا ہے، ہماری اس دنیا میں جہاں تک ہمارا علم ہے اب ان کا کہیں وجود نہیں ہے...... جو فرقے اب موجود ہیں ان میں بڑی تعداد فرقہ اثنا عشریہ کی ہے جس کا دوسرا نام امامیہ بھی ہے، اب اکثر ملکوں اور علاقوں میں اسی فرقہ کو "شیعہ" کہا جاتا ہے، یہ فرقہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی اولاد میں گیارہ حضرات کو انہیں کی طرح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی

طرف سے نامزد امت کا امام و حاکم اور آپ ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ اور تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اس فرقہ کے عقائد کی تفصیل اور حقیقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی بے نظیر فارسی تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" کے مطالعہ سے معلوم کی جاسکتی ہے اردوخواں حضرات اس موضوع پر امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف نیز اس عاجز (راقم سطور) کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" کے مطالعہ سے بھی اس فرقہ کا تعارف حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۹۵) عَنْ صُهَيْبٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِعَلِيٍّ : مَنْ اَشْقَى الْاَوَّلِيْنَ؟ قَالَ، اَلَّذِىْ عَقَرَالنَّاقَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ صَدَقْتَ فَمَنْ اَشْقَى الْاٰخِرِيْنَ؟ قَالَ، لَاعِلْمَ لِىْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ : اَلَّذِىْ يَضْرِبُكَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى يَافُوْخِهٖ فَكَانَ عَلِيٌّ يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْعِرَاقِ : وَدِدْتُ اَنَّهٗ قَدْ انْبَعَثَ اَشْقَاكُمْ فَيَخْضِبُ هٰذِهٖ يَعْنِىْ لِحْيَتَهٗ مِنْ هٰذِهٖ، وَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى مُقَدَّمِ رَاْسِهٖ .

(رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر)

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے (ایک دن) فرمایا، (بتلاؤ) اگلی امتوں میں سب سے زیادہ شقی اور بد بخت کون تھا؟ تو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ اے رسول خدا (قوم ثمود کا) وہ بد بخت آدمی تھا جس نے اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اس کو مار ڈالا تھا (جس کو حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پتھر کی چٹان سے پیدا فرمایا تھا، یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا کہ تم نے سچ اور ٹھیک بتایا، (اب بتلاؤ) بعد کے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی اور بد بخت کون ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا، مجھ کو اس کا علم نہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے سر کے اگلے حصہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ (انتہائی بد بخت اور سب سے زیادہ شقی) وہ ہوگا جو (تلوار سے) تمہاری اس جگہ پر ضرب لگائے گا..... تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے اس ارشاد کی بنا پر اپنی داڑھی پکڑ کر) فرمایا کرتے تھے، اے عراق والو! میں آرزومند ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شقی اور بد بخت ترین آدمی اٹھے اور میری اس داڑھی کو رنگ دے میری اس پیشانی کے خون سے...... (ترجمہ)

تشریح...... قرآن مجید کے آخری پارہ کے سورۂ والشمس کے آخر میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی بد ترین کافرانہ سرکشی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ "كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا اِذِانْبَعَثَ اَشْقٰهَا"...... الآیہ ...... ان آیتوں میں اس شخص کو "اَشْقٰی" یعنی انتہائی درجہ کا شقی اور بد بخت فرمایا گیا ہے جس نے اس اونٹنی کو مار ڈالا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر پیدا فرمایا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر انہیں آیات کی روشنی میں عرض کیا تھا کہ اگلی امتوں میں کا انتہائی درجہ کا شقی اور بد بخت وہ تھا جس نے اس ناقہ کو مار ڈالا۔

اس عاجز راقم سطور کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ سوال دراصل تمہید تھی

اس پیش گوئی کی جو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے خود انہیں کے بارے میں فرمائی، آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت علیؓ کی شہادت کی پیشین گوئی اس تفصیل کے ساتھ فرمائی کہ بد بخت قاتل تمہارے سر کے اگلے حصہ پر تلوار سے ضرب لگائے گا جس کے نتیجہ میں تمہاری یہ داڑھی خون سے رنگ جائے گی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ وہ قاتل بعد میں آنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی اور انتہائی درجہ کا بد بخت ہوگا۔ آگے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اپنی شہادت کے بارے میں حضور ﷺ کی اس پیش گوئی کو اپنے حق میں بڑی بشارت سمجھتے تھے اور اپنے دارالحکومت عراق کے شہر کوفہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل عراق میں اس کا آرزومند ہوں اور شوق سے اس دن کا انتظار کر رہا ہوں، جب تم میں کا بد بخت ترین انسان میرے سر کے خون سے میری داڑھی کو رنگ دے گا۔ اور جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا آپ ﷺ کی وفات کے قریباً تیس سال بعد بالکل اسی طرح حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ بلاشبہ پیشنگوئی اور اس کا ٹھیک اسی طرح پورا ہو جانا آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حضرت علی مرتضٰیؓ کی شہادت

صاحب مجمع الفوائد نے حضرت صہیبؓ کی مندرجہ بالا روایت کے بعد متصلاً معجم کبیر طبرانی ہی کے حوالہ سے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کس قدر تفصیل سے اسمٰعیل ابن راشد کی روایت سے نقل کیا ہے، ذیل میں اس کا حاصل اور خلاصہ نذر ناظرین کیا جانا مناسب معلوم ہوا، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ فرقہ خوارج کا کچھ تعارف کرادیا جائے۔ یہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے لشکر ہی کا ایک خاص گروہ تھا جو اپنی حماقت اور ذہنی کجروی کی وجہ سے ان کے ایک فیصلہ کو غلط اور معاذ اللہ قرآن مجید کے صریح خلاف سمجھ کر ان کا مخالف اور آمادۂ بغاوت ہو گیا تھا، ان کی تعداد کئی ہزار تھی، پھر حضرت علی مرتضٰی کی افہام و تفہیم کے نتیجہ میں ان میں سے ایک خاص تعداد راہ راست پر آگئی، لیکن ان کی بڑی تعداد اپنی گمراہی پر قائم رہی اور قتل و قتال پر آمادہ ہوگئی بالآخر حضرت علی مرتضٰیؓ کو ان کے خلاف طاقت استعمال کرنی پڑی (تاریخ میں یہ واقعہ جنگ نہروان کے نام سے معروف ہے) جس کے نتیجے میں ان میں سے اکثر کا خاتمہ ہو گیا، کچھ باقی رہ گئے، ان باقی رہ جانے والوں میں سے تین شخص برک ابن عبد اللہ عمرو ابن بکر تمیمی اور عبدالرحمٰن ابن ملجم مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے، انہوں نے صورت حال پر تبادلۂ خیال کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ سارا فتنہ ان لوگوں کی وجہ سے جن کے ہاتھوں میں حکومت ہے، ان کو کسی طرح ختم کر دیا جائے، اس سلسلہ میں تین حضرات کو متعین طور پر نامزد کیا...... حضرات معاویہ حضرت عمرو بن العاص، حضرت علی مرتضٰی...... برک نے کہا کہ معاویہ کو قتل کر دینے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، عمرو تیمی نے کہا کہ عمرو بن العاص کو ختم کر دینے کی میں ذمہ داری لیتا ہوں، عبدالرحمٰن ابن ملجم نے کہا کہ علی کو قتل کر دینے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، پھر انہوں نے آپس میں اس پر عہد و پیمان کیا اور اس کے لئے یہ اسکیم بنائی کہ ہم میں سے

ہر ایک ۱۷ رمضان المبارک کو جب کہ یہ لوگ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے نکل رہے ہوں، حملہ کر کے اپنا کام کریں، اس دور میں نماز کی امامت خلیفۂ وقت یا ان کے مقرر کئے ہوئے امیر ہی کرتے تھے۔

اپنے بنائے ہوئے اس پروگرام کے مطابق برک ابن عبداللہ حضرت معاویہؓ کے دارالحکومت دمشق روانہ ہو گیا اور عمرو تمیمی مصر کی طرف جہاں کے امیر و حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ تھے، اور عبدالرحمٰن ابن ملجم حضرت علی مرتضیٰؓ کے دارالحکومت کوفہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

۱۷ رمضان کی صبح فجر کی نماز پڑھانے کے لئے حضرت معاویہ تشریف لے جا رہے تھے، برک نے تلوار سے حملہ کیا، حضرت معاویہؓ کو کچھ محسوس ہو گیا اور انہوں نے دوڑ کر اپنے کو بچانا چاہا پھر بھی برک کی تلوار سے ان کی ایک سرین پر گہرا زخم آ گیا، برک کو گرفتار کر لیا گیا (اور بعد میں قتل کر دیا گیا) زخم کے علاج کے لئے طبیب بلایا گیا، اس نے زخم کو دیکھ کر کہا کہ جس تلوار کا زخم ہے، اس کو زہر میں بجھایا گیا ہے، اس کے علاج کی ایک صورت یہ ہے کہ گرم لوہے سے زخم کو داغ دیا جائے اس طرح امید ہے کہ زہر سارے جسم میں سرایت نہیں کر سکے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میں آپ کو ایک ایسی دوا تیار کر کے پلاؤں جس کا اثر یہ ہوگا کہ اس کے بعد آپ کی کوئی اولاد نہ ہو سکے گی، حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ گرم لوہے کے داغ کو تو میں برداشت نہ کر سکوں گا اس لئے مجھے وہ دوا تیار کر کے پلا دی جائے، میرے لئے دو بیٹے یزید اور عبداللہ کافی ہیں...... ایسا ہی کیا گیا اور حضرت معاویہ صحتیاب ہو گئے۔

عمرو تمیمی اپنے پروگرام کے مطابق حضرت عمرو بن العاصؓ کو ختم کرنے کے لئے مصر پہنچ گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ ۱۷ رمضان کی رات میں حضرت عمرو بن العاص کو ایسی شدید تکلیف ہو گئی کہ وہ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے مسجد نہیں آ سکے تھے انہوں نے ایک دوسرے صاحب خارجہ بن حبیب کو حکم دیا کہ وہ ان کی جگہ مسجد جا کر نماز پڑھائیں چنانچہ وہ آئے اور نماز پڑھانے کے لئے امام کے مصلے پر کھڑے ہوئے، تو عمرو نے ان کو عمرو ابن العاص سمجھ کر تلوار سے وار کیا۔ وہ وہیں شہید ہو گئے، عمرو گرفتار کر لیا گیا، لوگ اس کو پکڑ مصر کے امیر و حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس لے گئے، اس نے دیکھا کہ لوگ ان کو امیر کے لفظ سے مخاطب کر رہے ہیں، اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بتلایا گیا کہ یہ مصر کے امیر و حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ ہیں، اس نے کہا میں نے جس شخص کو قتل کیا وہ کون تھا؟ بتلایا گیا وہ خارجہ ابن حبیب تھے، اس بدبخت نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کر کے کہا اے فاسق! میں نے تجھ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا تو نے یہ ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ وہ تھا جو ہو گیا، اس کے بعد خارجہ ابن حبیب کے قصاص میں عمرو تمیمی کو قتل کر دیا گیا۔

ان میں سے تیسرا خبیث ترین اور شقی ترین بدبخت عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے پروگرام کے مطابق کوفہ پہنچ گیا تھا وہ ۱۷ رمضان کو فجر سے پہلے مسجد کے راستے میں چھپ کر بیٹھ گیا، حضرت علی مرتضیٰؓ کا معمول تھا کہ وہ گھر سے نکل کر الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارتے ہوئے اور لوگوں کو نماز کیلئے بلاتے ہوئے مسجد تشریف لاتے۔

اس دن میں حسب معمول اسی طرح تشریف لا رہے تھے کہ اس بدبخت ابن ملجم نے سامنے سے آکر

اچانک آپ کی پیشانی پر تلوار سے وار کیا اور بھاگا لیکن تعاقب کر کے لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے سامنے پیش کیا گیا، آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو اس قاتل ابن ملجم کے بارے میں جیسا چاہوں گا فیصلہ کروں گا چاہوں گا تو معاف کر دوں گا، اور چاہوں گا تو قصاص میں قتل کرادوں گا اور اگر میں اس میں فوت ہو جاؤں تو پھر اس کو شرعی قانون قصاص کے مطابق قتل کر دیا جائے لیکن مثلہ نہ کیا جائے (یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء الگ الگ نہ کاٹے جائیں) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کٹ کھنے کتے کو بھی مارا جائے تو اس کو مثلہ نہ کیا جائے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خبیث ابن ملجم کی اس ضرب کے نتیجہ میں واصل بحق ہو گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس بدبخت کو قتل کیا گیا، اور غیظ و غضب سے بھرے ہوئے لوگوں نے اس کی لاش کو جلا بھی دیا۔

فضائل خلفاء اربعہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات میں جس طرح ایک ساتھ شیخین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان فرمائے اور جس طرح بعض ارشادات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرما کر ایک ساتھ تینوں حضرات کے فضائل بیان فرمائے (جو اپنے موقعہ پر پہلے ذکر کئے جا چکے ہیں) اسی طرح آپ نے اپنے بعض ارشادات میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرما کر چاروں خلفاء کے فضائل ایک ساتھ بیان فرمائے ہیں ذیل میں آپؐ کے ایسے ہی چند ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۹۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ فَاِنَّهٗ زَوَّجَنِیْ اِبْنَتَهٗ وَحَمَلَنِیْ اِلٰی دَارِالْهِجْرَةِ وَاَعْتَقَ بِلَالًا مِّنْ مَّالِهٖ، رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَا لَهٗ صَدِيْقٌ، رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةُ، رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ اَدِرِالْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابو بکر پر، انہوں نے اپنی بیٹی (عائشہ) کا میرے ساتھ نکاح کر دیا، اور دار الہجرۃ مدینہ منورہ تک پہنچنے کے لئے میرے واسطے (سواری وغیرہ) سفر کے انتظامات کئے، اور بلال کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا، ...... اللہ کی رحمت ہو عمر پر، وہ حق بات کہتا ہے اگرچہ کڑوی ہو، اس کی اس (بے لاگ) حق گوئی نے اس حال میں کر چھوڑا ہے کہ کوئی اس کا سچا اور پورا دوست نہیں ...... اللہ کی رحمت ہو عثمان پر جس کا حال یہ ہے کہ فرشتے بھی اس سے شرماتے ہیں ...... اور اللہ کی رحمت ہو علی پر، اے اللہ! تو حق اور سچائی کو اس کے ساتھ دائر اور سائر کر دے، وہ حق کے ساتھ رہے اور حق اس کے ساتھ"۔
(جامع ترمذی)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں چاروں خلفاء راشدین کے لئے رحمت کی دعا فرمائی، سب سے پہلے خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں دعاء رحمت فرمائی اور خصوصیت کے

ساتھ ان کے تین اعمال خیر کا ذکر فرمایا، سب سے پہلے ان کے اس عمل کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، کا آپؐ سے نکاح کر دیا...... اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اگرچہ کم از کم آٹھ ازواج مطہرات آپ ﷺ کی اور بھی ہوئیں، لیکن حضرت عائشہؓ کے نکاح کی خاص اہمیت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کا وجود آن کے کمال ایمان، ان کی فراست ودانشمندی اور بالخصوص ان کی وجہ سے خانگی ضروریات کی فکروں سے بے فکر اور آزادی حاصل ہو جانے کی وجہ سے حضور ﷺ کے لئے باعث سکون خاطر تھا...... ان کی وفات سے فطری طور پر آپ ﷺ کو غیر معمولی رنج اور صدمہ تھا، اس وقت عالم غیب کی طرف سے آپ ﷺ کو اشارہ ملا کہ ابو بکر کی بیٹی عائشہ تمہاری رفیقۂ حیات ہوں گی۔ اگرچہ وہ اس وقت بہت کمسن تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے غیبی اشارہ کی بنا پر یقین فرمالیا کہ یہ منجانب اللہ مقدر ہو چکا ہے اور ان کی رفاقت حضرت خدیجہؓ ہی کی طرح میرے لئے خیر اور باعث سکون خاطر ہو گی، چنانچہ ایک نیک خاتون خولہ بنت حکیم نے حضرت ابو بکرؓ کو حضور ﷺ کی طرف سے رشتہ کا پیغام پہنچایا...... جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حضرت عائشہؓ اس وقت بہت کمسن تھیں نیز ان کی نسبت جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے ہو چکی تھی جو ابو بکر ہی کی طرح مکہ کے خوشحال اور دولت مند لوگوں میں تھے...... اور مالی حیثیت سے حضور ﷺ کا جو حال تھا وہ ابو بکرؓ کے سامنے تھا اس کے باوجود انہوں نے حضور ﷺ کی اس حالت کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اس امید پر کہ یہ نکاح رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کے سکون کا ذریعہ بنے گا اپنی اور بیٹی کی سعادت سمجھ کر اسے قبول کر لیا اور حضرت عائشہؓ کا آپؐ سے نکاح کر دیا...... بہر حال آنحضرت ﷺ نے اپنے مندرج بالا ارشاد میں حضرت ابو بکرؓ کے حق میں رحمت کی دعا کرنے کے ساتھ پہلے ان کے اس احسان کا ذکر فرمایا اس کے بعد ان کے اس دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لئے میرے واسطے انتظامات کئے اور پورے سفر میں میرے ساتھ رہے، آخر میں حضور ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کے اس تیسرے عمل خیر کا ذکر فرمایا کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو جو مکہ کی ایک انتہائی سنگدل کافر ومشرک کے غلام تھے وہ صرف حضورؐ پر ایمان لانے اور شرک چھوڑ کر توحید کو قبول کر لینے کی وجہ سے ان کو سخت لرزہ خیز تکلیفیں دیتا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کے مالک کو منہ مانگے دام دے کر خرید لیا اور آزاد کر دیا...... اگرچہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کے علاوہ بھی ایسے متعدد غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جن کو ان کے کافر ومشرک مالک صرف ایمان لانے کے جرم میں تکلیفیں دیتے تھے لیکن حضرت بلالؓ حبشی کی خصوصیات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں صرف انہیں کو خرید کر آزاد کرنے کا ذکر فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد آپؐ نے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس خاص وصف کا ذکر فرمایا کہ وہ مخلوق کی رضامندی وناراضی سے بے پرواہ ہو کر ہر معاملے میں حق بات کہتے ہیں اگرچہ وہ لوگوں کو کڑوی معلوم ہو اور اس کی وجہ سے ان سے دور اور ناراض ہو جائیں...... معلوم ہوا کہ کسی بندہ کا یہ حال بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور ایسا بندہ اللہ کی رحمت کا خاص طور سے مستحق ہے...... حضرت عمرؓ کے بعد آپ ﷺ نے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے

حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس وصف کا ذکر فرمایا کہ اللہ کے فرشتے بھی ان سے شرماتے ہیں (اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ان کے اس وصف کا ذکر گذر چکا ہے)...... حضرت عثمانؓ کے بعد آپؐ نے چوتھے خلیفہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! تو علی کے ساتھ حق کو دائرو سائر کردے یعنی ہمیشہ وہ حق پر رہیں اور حق ان کے ساتھ رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں جس ترتیب کے ساتھ ان چاروں کا ذکر کیا اور ان کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی امت میں یہ چاروں حضرات سب سے افضل اور بلند مرتبہ ہیں اور ان کے درمیان اسی ترتیب کے مطابق درجات کا فرق ہے، نیز اس ترتیب سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپؐ کے بعد یہ چاروں حضرات اسی ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے آپؐ کے خلیفہ اور جانشین ہوں گے ...... اس کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے ارشادات میں اسی ترتیب سے ان چاروں حضرات کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان سب احادیث سے یہی اشارہ ملتا ہے...... ان میں سے چند حدیثیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔

۱۹۷) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَكْرٍ وَاَشَدُّهُمْ فِیْ اَمْرِاللّٰهِ عُمَرُ وَاَكْرَمُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنِ عَفَّانَ وَاَقْضَاهُمْ عَلِیُّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ .** (رواہ ابن عساکر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ رحم دل **میری** امت میں ابو بکر ہیں...... اور اللہ کے معاملہ میں سب سے سخت عمر بن خطاب ہیں...... اور حیاء کے لحاظ سے میری امت میں سب سے افضل عثمان بن عفان ہیں اور نزاعات و خصومات کا فیصلہ کرنے میں علی ابن ابی طالب میری امت میں سب سے فائق ہیں۔" (ابن عساکر)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک کے اس وصف کا ذکر فرمایا ہے، جس میں اس کو امت کے تمام دوسرے افراد پر امتیاز حاصل ہے...... حضرت ابو بکرؓ صفت رحمت اور رحم دلی کے لحاظ سے تمام امت میں فائق ہیں...... اسی طرح شدت فی امر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور حقوق کے بارے میں سخت گیری کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ممتاز ہیں علیٰ ہذا صفت حیاء جس کو حدیث شریف میں ایمان کا خاص شعبہ بتایا گیا ہے اس ایمانی صفت کے لحاظ سے امت میں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو امتیاز حاصل ہے، اور نزاعات و خصومات کا صحیح اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی صلاحیت جو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور الٰہی اور نبوی خلافت کا خاص وظیفہ ہے اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام امت پر فوقیت حاصل ہے۔

۱۹۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ فَضَّلَ عَلٰی اَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ**

فَقَدْ رَدَّ مَاقُلْتُہٗ، وَكَذَّبَ مَاهُمْ اَهْلُہٗ. (رواه الرافعی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے ابو بکر و عمر اور عثمان و علی پر (کسی اور کو) فضیلت دی تو اس نے میری بتلائی ہوئی بات کی تردید کی، اور یہ چاروں (عند اللہ) جس مرتبے پر ہیں، اس کی تکذیب کی ...... (الرافعی)

تشریح ...... حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں، اہل حق کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ چاروں حضرات تمام امت میں افضل ہیں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اس بارے میں واضح ہیں جو کوئی بد عقیدہ شخص کسی دوسرے کو ان چاروں سے افضل جانے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ارشادات کی تردید اور مخالفت کا مرتکب ہوا۔

۱۹۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَايَجْتَمِعُ حُبُّ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ فِیْ قَلْبِ مُنَافِقٍ. (رواه الطبرانی فی الا وسط وابن عساکر)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان چاروں (میرے ساتھیوں اور رفیقوں ابو بکر و عمر اور عثمان و علی) کی محبت کسی منافق کے دل میں جمع نہ ہو گی۔ ...... (معجم اوسط طبرانی، ابن عساکر)

تشریح ...... یہ حدیث بھی کسی تشریح کی محتاج نہیں بفضلہٖ تعالیٰ اہل السنۃ والجماعۃ کا حال یہی ہے کہ وہ ان چاروں حضرات سے محبت کو گویا جزوِ ایمان یقین کرتے ہیں اور جو بد نصیب ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض رکھے اس کو فاسد العقیدہ اور حقیقی ایمان سے محروم جانتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا تھا کتب حدیث میں اور بھی ایسی روایات ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے ان خلفاء اربعہ کی فضیلت اور ان کے امتیاز کا ذکر اسی ترتیب سے فرمایا ہے، ان سب روایات سے ان حضرات کی فضیلت کے ساتھ ان کے درمیان فرق مراتب اور خلافت کے بارے میں ترتیب کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

خلفاء اربعہ کے فضائل کے بارے میں ایک قابل لحاظ حقیقت

حدیث کی اکثر کتابوں میں شیخین (حضرت ابو بکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما) کے فضائل کے بارے میں حدیثوں کی تعداد کم ہے ...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ...... اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ دور صحابہ میں شیخین کی شخصیتیں متفق علیہ تھیں اور کسی کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کے فضائل کی روایتیں تلاش کرے اور امت کے عوام کو پہنچائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سالوں میں خاص طور سے ایک گروہ کی سازش اور شرارت سے جس کا سرغنہ ایک منافق عبداللہ ابن سبا تھا ان کی شخصیت متفق علیہ نہیں رہی، اس لئے اس کی ضرورت پیدا ہو گئی کہ ان کے فضائل سے متعلق روایتیں تلاش کر کے بیان کی جائیں۔ اسی وجہ سے ان کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد حدیث کی کتابوں میں شیخین کی بہ نسبت زیادہ ہے ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی

شخصیت بھی متنازعہ ہو گئی اور خوارج کا ایک مستقل ایسا گروہ بھی پیدا ہو گیا جو ان کو دین اور امت میں فتنہ جانتا اور واجب القتل سمجھتا تھا (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔)

اس لئے ان کے فضائل کی حدیثیں تلاش کرنے کی بھی ضرورت پیدا ہو گئی اور اللہ کے مخلص بندوں نے محنت و تلاش سے ان کے فضائل کی حدیثیں جمع کیں۔

علاوہ ازیں ان کے بارے میں غلو کرنے والوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جو ان کے فضائل میں حدیثیں وضع کرنا کار ثواب سمجھتے تھے، ان میں سے بہت سے بظاہر صالحین کی سی زندگی گذارتے تھے۔

ہمارے محدثین بشر ہی تھے "ان کا زمانہ بھی ان راویوں کے بہت بعد کا تھا، وہ ان کے اندرونی حال سے واقف نہ ہو سکے اور ان کی روایتیں بھی ہماری کتب حدیث میں شامل ہو گئیں، اس لئے بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل کی روایات ہماری کتب حدیث میں خلفاء ثلثہ کی بہ نسبت بہت زیادہ تعداد میں نظر آتی ہیں۔

اس بات کی ضرورت واقعۃً موجود ہے کہ ان احادیث کا محدثانہ اور محققانہ اصول و قواعد کی روشنی میں جائزہ لیا جائے ...... یہ عاجز اب عمر کے اس مرحلہ اور ضعف و معذوری کے اس حال میں ہے کہ خود اس طرح کے کسی کام کی ہمت نہیں کر سکتا، دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کا داعیہ اس کے اہل لوگوں کے قلب میں ڈال دے اور یہ کام بھی انجام پا جائے۔

عشرۂ مبشرہ کے بقیہ حضرات رضی اللہ عنہم کے فضائل

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں (جو ناظرین کرام ان تمہیدی سطروں کے بعد جامع ترمذی کے حوالہ سے پڑھیں گے) اپنے اصحاب کرام میں سے خصوصیت کے ساتھ دس حضرات کو نامزد کر کے اعلان فرمایا کہ یہ جنتی ہیں...... ان حضرات کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

ان دس میں خلفاء اربعہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور حضور نے سب سے پہلے انہیں کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا ہے، ان حضرات کے فضائل و مناقب سے متعلق حدیثیں ناظرین کرام کی نظر سے گذر چکی ہیں، ان کے علاوہ باقی حضرات کے فضائل سے متعلق حدیثیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

۲۰۰) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : اَبُوْبَكْرٍ فِى الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِى الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِى الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِى الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِى الْجَنَّةِ، وَالزُّبَيْرُ فِى الْجَنَّةِ، وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِى الْجَنَّةِ، وَسَعْدُ ابْنُ اَبِىْ وَقَّاصٍ فِى الْجَنَّةِ، وَسَعِيْدُ ابْنُ زَيْدٍ فِى الْجَنَّةِ وَاَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِى الْجَنَّةِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابو بکرؓ جنتی ہیں، عمرؓ جنتی ہیں عثمانؓ جنتی ہیں، علیؓ جنتی ہیں، طلحہؓ جنتی ہیں، زبیرؓ جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہیں، سعید بن زیدؓ جنتی ہیں اور ابو عبیدہ الجراحؓ جنتی ہیں...... (جامع ترمذی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا یہ اعلان وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع اور اس کے حکم سے تھا...... جمہور علماء اہل سنت نے حضور کے اس ارشاد ہی سے یہ سمجھا ہے کہ یہ دس حضرات باقی اصحاب کرام اور پوری امت میں افضل ہیں، اگرچہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کے جنتی ہونے کی حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر اطلاع دی ہے، لیکن ان دس حضرات کو دوسرے تمام حضرات کے مقابلہ میں امتیاز اور فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد میں حضرات خلفاء اربعہ کے بعد جس ترتیب سے باقی حضرات کے اسماء گرامی درج کئے گئے ہیں اسی ترتیب کے مطابق ان حضرات کے فضائل کی حدیثیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

۲۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ : نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ، قَالَ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى شَهِيْدٍ يَمْشِىْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھ کر فرمایا جس کے لئے یہ بات خوشی اور مسرت کا باعث ہو کہ وہ کسی ایسے شہید کو دیکھے جو زمین پر چل پھر رہا ہو تو وہ طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھ لے ...... (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف فرما دی گئی تھی کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ شہید ہوں گے، آپؐ نے اس ارشاد میں جس خاص انداز میں ان کے شہید ہونے کی اطلاع دی، ظاہر ہے کہ اس سے حضور ﷺ کا مقصد ان کی ایک خاص فضیلت اور عند اللہ ان کی شہادت کی غیر معمولی اہمیت اور مقبولیت بیان فرمانا تھا۔

حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رسول اللہ ﷺ کے وصال فرمانے کے قریباً پچیس سال بعد جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ بلا شبہ آنحضرت ﷺ کا ان کی شہادت کی اطلاع دینا آپ کے معجزات میں سے ہے۔

۲۰۲) عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ : كَانَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ، فَنَهَضَ اِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَعَدَ طَلْحَةُ تَحْتَهٗ، حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ، فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ جنگ احد کے دن آنحضرت ﷺ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے، آپ نے اسی حالت میں پتھر کی ایک چٹان پر چڑھنا چاہا تو (دو زرہوں کے بوجھ اور دباؤ کی وجہ سے) آپ چٹان پر چڑھ نہیں سکے، تو طلحہ بیٹھ گئے تاکہ آپ ان کے اوپر اپنا قدم مبارک رکھ کر پتھر کی اس چٹان تک پہنچ سکیں چنانچہ) آپ ﷺ ان پر اپنا پائے مبارک رکھ کر پتھر کی اس چٹان تک پہنچ گئے (حضرت زبیرؓ بیان کرتے ہیں) میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا اوجب طلحة یعنی طلحہ نے اپنے لئے (جنت واجب کر لی ...... (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

حدیث میں آنحضرت ﷺ کے دو زرہیں پہننے کا ذکر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنگ کے موقع پر اپنی حفاظت اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لئے امکانی حد تک اسباب کا استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

۲۰۳) عَنْ قَيْسِ ابْنِ اَبِىْ حَازِمٍ قَالَ : رَاَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا النَّبِىَّ ﷺ يَوْمَ اُحُدٍ.

(رواه البخارى)

ترجمہ: قیس ابن ابی حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے طلحہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل ہو چکا تھا، انہوں نے غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کو اس ہاتھ کے ذریعہ (دشمن کے تیروں کا نشانہ بننے سے) بچایا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... جنگ احد کے دن ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن لشکر کے تیر اندازوں نے خصوصیت سے رسول اللہ

ﷺ کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا کر آپ کو شہید کر دینا چاہا...... اس وقت جب کہ آنحضرت ﷺ پر تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، حضرت طلحہ ابن عبید اللہؓ نے اپنے سپر کے ذریعہ حضور ﷺ کو بچانے کی کوشش کی، اسی حال میں ہاتھ ایسا زخمی ہوا کہ سپر ہاتھ سے گر گیا تو انہوں نے خود اپنی ذات اور اپنے پورے جسم کو خاص طور سے اپنے دونوں ہاتھوں کو سپر بنا لیا اور حضور کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے اوپر لیا دشمن کا ایک تیر بھی حضورؐ تک نہیں پہنچنے دیا، جس کی وجہ سے ایک ہاتھ تو بالکل شل ہو گیا اور پورا جسم گویا چھلنی ہو گیا، روایات میں ہے کہ ان کے جسم پر اسی سے اوپر زخم شمار کئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق زندہ رہے اور احد کے بعد بھی قریباً تمام ہی غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے، پھر آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک دین اور امت مسلمہ کی خدمت ہی ان کا نصب العین اور ان کی زندگی کا مصرف رہا یہاں تک کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وارضاه

اس روایت کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے راوی قیس ابن ابی حازم معروف اصطلاح کے مطابق صحابی نہیں ہیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا لیکن ایسے وقت پہنچے کہ آنحضرت ﷺ اس دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرما چکے تھے، اس لئے اگرچہ تابعین میں ہیں، لیکن چونکہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری اور زیارت و بیعت کی نیت سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا تھا، اس لئے ان کتابوں میں جو صحابہ کرامؓ ہی کے حالات میں لکھی گئی ہیں ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے...... گویا ان کتابوں کے مصنفین نے حضور ﷺ کے ارشاد "انما الا عمال بالنیات وانما لامرء مانوی" کی روشنی میں ان کی نیت ہی کو عمل کے قائم مقام قرار دے کر صحابہ کرامؓ کے ساتھ شمار کر لیا ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

۲۰۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَاتِيْنِىْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْاَحْزَابِ، قَالَ الزُّبَيْرُ : اَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِىُّ الزُّبَيْرُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور ﷺ نے فرمایا، کون ہے جو دشمن قوم (کے لشکر) کی خبر لائے، حضرت زبیرؓ نے عرض کیا۔ میں (خبر لاؤں گا) اس پر (ان کے اس عرض کرنے پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے، راجح قول کے مطابق ۵ھ کے اواخر میں ہو بعض حیثیتوں سے اس غزوہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے قرآن مجید میں غیر معمولی انداز میں پورے دو رکوع میں اس غزوہ کے حالات کا ذکر فرمایا گیا ہے، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام الاحزاب ہے، اس کے بارے میں تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، ہاں عام ناظرین کی واقفیت کے لئے کسی قدر

اختصار کے ساتھ اس کا واقعہ لکھا جاتا ہے۔

معلوم ہے کہ قریش مکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کے شدید ترین دشمن تھے۔ بدر اور احد کے تجربوں اور حالات کی رفتار دیکھنے کے بعد انہوں نے گویا طے کر لیا تھا کہ آئندہ وہ اپنی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے...... مدینہ طیبہ کے جوار میں جو یہودی قبائل آباد تھے' ان میں سے بنو نضیر کو ان کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے جلاوطن کرادیا تھا اور وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے...... سازش اور فتنہ پردازی یہودیوں کی گویا فطرت ہے، انہوں نے خیبر میں آباد ہو جانے کے بعد یہ اسکیم بنائی کہ عرب کے تمام بڑے قبائل کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی پوری اجتماعی طاقت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے مرکز مدینہ پر حملہ کریں اور ان کو نیست و نابود کر دیں گے اس مقصد کے لئے بنو نضیر کا ایک وفد پہلے مکہ معظمہ پہنچا اور قریش کے سرداروں کی سامنے جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے اپنی یہ اسکیم رکھی، اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ دوسرے قبیلے بھی اس جنگ میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ شریک ہوں اور مدینہ کے قریب میں جو یہودی آبادیاں ہیں (بنو قریظہ وغیرہ) وہ بھی اس جنگ میں آپ کا پورا ساتھ دیں گے اور اس صورت میں مسلمان آپ لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا...... قریش مکہ کے ان سرداروں کو راضی کرنے کے بعد اس وفد نے قبیلۂ غطفان اور بنو اسد وغیرہ قبائل میں پہنچ کر ان کو بھی اس جنگ میں شرکت پر آمادہ کیا اور بتلایا کہ اس جنگ کے نتیجہ میں مدینہ اور اس کے قرب و جوار کے پورے علاقے پر جو بہت سرسبز و شاداب اور بہت زرخیز تھا، آپ لوگوں کا قبضہ ہو جائے گا، چنانچہ یہ قبیلے بھی آمادہ ہو گئے، اس طرح قریش مکہ، غطفان، بنو اسد وغیرہ عرب قبائل پر مشتمل دس ہزار اور ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو دشمنان اسلام کے اس ناپاک منصوبہ کا علم ہوا تو آپؐ نے معمول کے مطابق اپنے خواص اصحاب سے مشورہ کیا...... صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں ان مسلمانوں کی کل تعداد جن سے جنگ میں حصہ لینے کی توقع کی جاسکتی تھی، تین ہزار سے زیادہ نہ تھی وہی اس وقت کی اسلامی فوج تھی، اس کے پاس زندگی کی ضروریات اور جنگ کا سامان اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا، جو دشمن لشکر کے پاس تھا، اس لئے مشورہ ہی سے جنگی حکمت عملی یہ طے کی گئی کہ باہر نکل کر کھلے میدان جنگ نہ کی جائے بلکہ مدینہ میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کی جائے۔

سلمان فارسیؓ جو ایرانی النسل تھے انہوں نے بتلایا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے ملک ایران میں کثیر التعداد اور طاقت ور دشمن لشکر کے مقابلے اور اس سے بچاؤ کے لئے طریقہ یہ ہے کہ ایسی خندق کھودی جاتی ہے کہ آدمی نہ خود ہی چھلانگ لگا کر اس کو پار کر سکے اور نہ گھوڑے کا سوار...... مدینہ منورہ تین طرف سے قدرتی طور پر پہاڑوں وغیرہ سے اس طرح گھرا ہوا تھا کہ ان سمتوں سے کسی بڑے لشکر کے حملہ آور ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا، ایک سمت شمال مشرق کھلی ہوئی تھی کہ دشمن لشکر اس طرف سے حملہ کر سکتا تھا...... رسول اللہ

ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ کو قبول کرنا مناسب سمجھا اور اس سمت میں خندق کھودے جانے کا فیصلہ کرلیا گیا اس خندق کی گہرائی اور چوڑائی قریباً دس ہاتھ تھی، دس دس (۱۰/۱۰) مسلمانوں کی جماعت بنا کر ان پر خندق کا کام تقسیم کردیا گیا اور صحابہ کرامؓ نے انتہائی مشقت کے ساتھ سخت سردی کے موسم میں دن کے علاوہ سرد راتوں میں بھی کھدائی کا کام کیا، اس خندق کا طول آثار مدینہ کے بعض ماہرین کے لکھنے کے مطابق تقریباً پانچ ہزار ذراع یعنی ڈھائی ہزار گز تھا (گویا قریباً ڈیڑھ میل)۔

دشمن لشکر ابوسفیان کی سربراہی میں آیا اور خندق کے مقابل میدان میں پڑاؤ ڈالا ان لوگوں کے ساتھ خیمے وغیرہ بھی تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی وافر، قریباً ایک مہینے تک یہ لشکر پڑاؤ ڈالے رہا لیکن خندق کو پار کرکے مدینہ پر حملہ کرنا اس لشکر کے لئے ممکن نہ تھا بس دونوں طرف سے کچھ تیر اندازی ہوئی، سیر کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں صحابہ کرام میں سے سات شہید ہوئے اور مشرکین میں سے چار جہنم واصل ہوئے ...... قرآن مجید (سورۃ الاحزاب) میں اس غزوہ میں مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش اور قربانی کا جس طرح ذکر فرمایا گیا ہے اس طرح کسی دوسرے غزوہ کے بارے میں ذکر نہیں فرمایا گیا، آگے قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب مسلمانوں کی مشقت و مصیبت اور قربانی انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد آئی یہ ایسی تیز و تند ہوا تھی جس نے دشمن لشکر کے سارے خیمے اکھاڑ پھینکے چولہوں پر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں وہ سب الٹ گئیں، ان کے کچھ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر مختلف سمتوں میں بھاگ گئے ...... (میرا خیال ہے کہ لشکر کے بہت سے لوگوں نے آندھی کی اس غیر معمولی نوعیت کی وجہ سے اس کو خداوندی عذاب سمجھا ہوگا) ...... لشکر کے قائد اور سپہ سالار ابوسفیان نے بھی واپسی کا فیصلہ کرلیا اور اس طرح پورا لشکر نامراد ہو کر واپس ہو گیا۔ وکفی اللہ المومنین القتال۔

اسی غزوہ میں کسی خاص مرحلہ پر آنحضرت ﷺ کو دشمن لشکر کا حال معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو آپ نے فرمایا "مَنْ يَّأْتِيْنِىْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ" یعنی کون ہے جو دشمن لشکر کا حال معلوم کرکے لائے، ظاہر ہے کہ اس میں جان کا بھی خطرہ تھا ...... حضرت زبیرؓ نے سبقت کرکے عرض کیا کہ اس خدمت کو میں انجام دوں گا، اس پر حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔ اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے جو حواری کے پورے مفہوم کو ادا کرسکے (جاں نثار، رفیق کار اور مددگار کے الفاظ سے کسی حد تک حواری کا مطلب ادا ہو جاتا ہے) ...... بلا شبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، کی یہ بڑی فضیلت ہے۔

ان کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عشرہ مبشرہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرح ان کو بھی رسول اللہ ﷺ کی قرابت قریبیہ حاصل ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ آپ کے چچا ابو طالب بن عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اور حضرت زبیرؓ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

۲۰۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عَلٰى حِرَاءَ هُوَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعَلِيٌّ وَعُثْمَانُ وَطَلْحَةُ وَزُبَيْرُ فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِهْدَاْ فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْصِدِّيْقٌ اَوْشَهِيْدٌ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حراء پہاڑ پر رسول اللہ ﷺ تھے اور آپ کے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ، علیؓ، عثمانؓ اور طلحہؓ وزبیرؓ بھی تھے۔ تو پہاڑ کی اس چٹان میں (جس پر یہ حضرات تھے) جنبش پیدا ہوئی تو آپ ﷺ نے (پہاڑ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ ساکن ہو جا کہ تیرے اوپر بس اللہ کا ایک نبی ہے اور ایک صدیق اور شہید ہونے والے (صحیح مسلم)

تشریح...... جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا معجزانہ واقعہ کئی دفعہ پیش آیا ہے، وہ حدیثیں پہلے ذکر کی جا چکی ہیں، جن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف شیخین یا ان کے علاوہ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں آپ کے ساتھ خلفاء اربعہ کے علاوہ عشرۂ مبشرہ میں سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے، اور اس حدیث میں آپ نے ان دونوں کے شہید ہونے کی بھی پیشین گوئی فرمائی اور یہ دونوں حضرات اسی پیشین گوئی کے مطابق جنگ جمل میں مظلومانہ شہید ہوئے۔

۲۰۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : سَمِعَتْ اُذُنَيَّ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ جَارَاىَ فِى الْجَنَّةِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے...... (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں البتہ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات (حضرت طلحہؓ وزبیرؓ) رسول اللہ ﷺ سے سنے ہوئے فضائل خاص طور سے آپ ﷺ کے وہ ارشادات جن میں ان دونوں بزرگوں کے شہید فی سبیل اللہ اور جنتی ہونا ذکر فرمایا گیا ہے خاص اہتمام سے بیان فرماتے تھے چنانچہ یہی حدیث جس میں ان دونوں حضرات کی یہ عظیم ترین فضیلت بیان ہوئی ہے کہ "یہ دونوں جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے، اس کے لئے حضرت علیؓ نے یہ پیرایۂ بیان اختیار فرمایا کہ "سَمِعَتْ اُذُنَيَّ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ" کہ میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ پیرایۂ بیان اسی خاص اہتمام کا مظہر ہے...... اور اس کی خاص وجہ غالبًا یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کو جنگ جمل کے موقعہ پر جب کہ یہ دونوں جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے حضرت علی مرتضیٰؓ کے لشکر کے بعض بد بختوں نے ان کو شہید کیا تھا۔

اس جنگ کے بارے میں اتنی وضاحت یہاں بھی کر دینا ضروری ہے کہ یہ اس دنیا کی وہ عجیب و غریب

اور عبرت آموز جنگ تھی جس کے دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا، دونوں ایک دوسرے کے فضائل و مناقب سے واقف اور ان کے معترف تھے، لیکن کچھ شیاطین الانس عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں نے اپنی شیطنت و فریب کاری سے رات کے اندھیرے میں دونوں فریقوں میں جنگ کرا دینے میں کامیابی حاصل کرلی...... بہر حال یہ جنگ بلاارادہ محض دھوکہ میں ہوئی، جنگ کے بعد دونوں فریقوں کو انتہائی رنج و افسوس ہوا، اور وہ برابر استغفار اور تلافی کی ممکن کوشش کرتے رہے۔

اس جنگ کے بارے میں تفصیلات ان کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں جن میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۲۰۷) عَنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ: سَأَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ اُحُدٍ وَهُوَ فِي الشِّعْبِ هَلْ رَأَيْتَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ؟ قُلْتُ: نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُه' اِلٰى حَرِّالْجَبَلِ وَعَلَيْهِ عِكْرٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَهَوَيْتُ اِلَيْهِ لِاَمْنَعَه' فَرَاَيْتُكَ فَعَدَلْتُ اِلَيْكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَمَا اِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَه' فَرَجَعْتُ اِلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَاَجِدُه' بَيْنَ نَفَرٍ سَبْعَةٍ صَرْعٰى فَقُلْتُ لَه' ظَفِرَتْ يَمِيْنُكَ اَكُلَّ هٰؤُلَاءِ قَتَلْتَ؟ قَالَ: اَمَّا هٰذَا لِاَرْطَاةُ بْنُ عَبْدِ شُرَحْبِيْلَ وَهٰذَانِ فَاَنَا قَتَلْتُهُمَا، وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَتَلَهُمْ مَنْ لَمْ اَرَاه' قُلْتُ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه' ﷺ.

(رواہ ابن مندہ فی مسندہ والطبرانی فی المعجم الکبیر، وابو نعیم فی الحلیۃ)

ترجمہ: حضرت حارث بن صمہ انصاریؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ غزوہ احد کے دن جب کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تھے، آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: "کہ تم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا ہے؟" "میں نے عرض کیا" ہاں یارسول اللہ! میں نے ان کو دیکھا ہے، پہاڑ کے سیاہ پتھروں والے حصے کی طرف، اور ان پر حملہ کر رہی تھی مشرکین کی ایک جماعت تو میں نے ارادہ کیا ان کی پاس جانے کا تاکہ میں ان کو بچاؤں کہ اسی وقت میری نگاہ آپ ﷺ پر پڑی، تو میں آپ کی طرف چلا آیا!" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے فرشتے عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔" (حارث کہتے ہیں کہ) حضورؐ سے یہ بات سننے کے بعد میں عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف لوٹ آیا، تو میں نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں ان کے پاس پڑی تھیں تو میں نے ان سے کہا۔ کامیاب اور فتح یاب رہیں تمہارے ہاتھ، کیا ان سب کو تم نے قتل کیا ہے؟" انہوں نے کہا: کہ یہ ارطاہ بن عبد شرحبیل اور یہ دو ان کو تو میں نے قتل کیا ہے، باقی یہ چار میں نے نہیں دیکھا کہ ان کو کس

[1] حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیرت خلفاء راشدین" میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے بیان کے سلسلہ میں اس موضوع پر السیف المسلول تاریخ قرطبی، "ازالۃ الخفاء" وغیرہ کے حوالوں سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا مطالعہ بھی اس مقصد کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

نے قتل کیا ہے۔" (ان کا یہ جواب سن کر) میں نے کہا کہ "صادق ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ۔

(روایت کیا اس کو ابن مندہ نے اپنے "مسند" میں اور طبرانی نے "معجم کبیر" میں، اور ابو نعیم نے حلیہ میں۔)

تشریح ...... حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ غزوہ احد کے بارے میں مختصراً کچھ ذکر کر دیا جائے۔

غزوہ بدر جو رمضان المبارک ۲ھ میں ہوا تھا، اس میں مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے اور سامان جنگ نہ ہونے کے برابر تھا، کیونکہ مدینہ سے کسی باقاعدہ جنگ کے ارادہ سے چلے ہی نہ تھے، اس لئے جو سامان جنگ ساتھ لے سکتے تھے وہ بھی ساتھ نہیں اور مکہ کے مشرکین کے لشکر کی تعداد تین گنی سے بھی زیادہ ایک ہزار تھی، وہ جنگ ہی کے اردہ سے پورے سامان جنگ کے ساتھ لیس ہو کر آئے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاص غیبی مدد سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی، مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں سے قتل ہو کر مشرکین مکہ میں سے ستر (۷۰) جہنم رسید ہوئے، جن میں ابو جہل اور اس جیسے کئی دوسرے قریشی سردار بھی تھے اور ستر (۷۰) کو قیدی بنالیا گیا، باقی سب نے شکست کھا کر راہ افرار اختیار کی جنگ کے اس نتیجہ نے مکہ کے خاص کر ان مشرکوں میں جو جنگ میں شریک نہیں تھے، مسلمانوں کے خلاف سخت غیظ و غضب کی آگ بھڑکا دی اور انہوں نے طے کیا کہ ہمیں اس کا انتقام لینا ہے اور پوری تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا ہے، چنانچہ پورے ایک سال تک ان لوگوں نے تیاری کی اور واقعہ بدر کے ٹھیک ایک سال بعد شوال ۳ھ میں تین ہزار کا لشکر ابو سفیان کی قیادت میں مسلمانوں کو ختم کر دینے کے ناپاک ارادہ کے ساتھ روانہ ہوا اور منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ کی قریب پہنچ گیا، رسول اللہ ﷺ جاں نثار صحابہؓ کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے تشریف لائے، آپ کے ساتھ مجاہدین کی تعداد صرف سات سو تھی......

مدینہ کی آبادی سے دوڈھائی میل کے فاصلہ پر احد پہاڑ ہے، اس کے دامن میں ایک وسیع میدان ہے آپؐ نے وہیں صحابہؓ کے لشکر کو اس طرح صف آرا کیا کہ احد پہاڑ ان کی پشت پر تھا جس کی وجہ سے یہ اطمینان تھا کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہیں کر سکے گا، لیکن پہاڑ میں ایک درہ ایسا تھا کہ دشمن اس درہ سے آکر پیچھے حملہ کر سکتا تھا، اس کے لئے آپؐ نے یہ انتظام فرمایا کہ پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت کو درہ کے قریب کی ایک پہاڑی پر متعین کیا اور عبد اللہ بن جبیرؓ کو (جو تیر اندازی میں خود بھی خاص مہارت رکھتے تھے) اس دستہ کا امیر مقرر فرمایا اور ہدایت فرمادی کہ "وہ اسی جگہ رہیں" آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن لشکر اس درہ کی طرف سے آکر حملہ نہ کر سکے۔

جنگ شروع ہوئی پہلے ہی مرحلہ میں مسلمان مجاہدین نے ایسے زور کا حملہ کیا کہ دشمن لشکر (جس کی تعداد چار گنا سے زیادہ تھی) کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا، یہاں تک کہ مجاہدین نے سمجھ لیا کہ جنگ ہماری فتح پر ختم ہو گئی اور وہ دشمن کا چھوڑا ہوا مال غنیمت بٹورنے میں مشغول ہو گئے...... درہ پر متعین کی ہوئی تیر اندازوں کی جماعت نے جب یہ حال دیکھا تو ان میں سے بھی بہت سے مال غنیمت بٹورنے کے لئے پہاڑی سے نیچے اتر کر میدان کی طرف آنے لگے، ان کے امیر عبد اللہ بن جبیرؓ

نے ان کو روکنا چاہا اور یاد دلایا کہ حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی کہ "تم کو ہر حال میں یہیں رہنا ہے۔" انہوں نے کہا کہ یہ حکم تو اس وقت تک کے لئے تھا جب تک جنگ جاری ہو، مگر اب جب کہ جنگ ختم ہو گئی، اور دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، تو ہم یہاں کیوں رہیں، الغرض ان لوگوں نے اپنے امیر کی بات نہیں مانی اور پہاڑی سے نیچے اتر کر یہ بھی مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے، مگر دستہ کے امیر عبداللہ بن جبیر اور چند ساتھی حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق پہاڑی ہی پر رہے...... خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مشرکین کے ایک دستہ کو ساتھ لے کر اس درہ کی طرف سے آ گئے، عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے جو پہاڑی پر تھے، روکنا چاہا، لیکن وہ نہیں روک سکے اور سب کے سب شہید ہو گئے، خالد بن ولید نے اپنے دستہ کے ساتھ درہ میں سے آ کر پیچھے سے اچانک مسلمانوں پر ایسے وقت میں حملہ کر دیا جب وہ لوگ غلطی سے جنگ ختم سمجھ چکے تھے، اس حملہ نے بہت سے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا اور وہ جم کر اور منظم ہو کر اس حملہ کا مقابلہ نہیں کر سکے، ان میں افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی، متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، حتیٰ کہ خود حضور ﷺ بھی شدید طور پر زخمی ہو گئے" (اس صورت حال کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے)...... پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پانسہ پلٹا، صحابہ کرام جو منتشر ہو گئے تھے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کی خبر نہ تھی، یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حضور بفضلہٖ تعالیٰ زندہ و سلامت ہیں، پھر منظم ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پھر دشمن کو شکست دی...... مندرجہ بالا حارث بن صمہؓ کی اس حدیث کا تعلق بظاہر اسی مرحلہ سے ہے، معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبدالرحمٰن بن عوف کا یہ حال منکشف کیا گیا کہ وہ مشرکین سے جنگ کر رہے ہیں اور اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ شریک جنگ ہیں، اور ان کی مدد کر رہے ہیں آپ نے اسی بنا پر حارث بن صمہؓ سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں دریافت کیا، اور انہوں نے وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا، ان کا جواب سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: "أما انّ الملائكة تقاتل معه" (معلوم ہونا چاہئے کہ فرشتے ان کے ساتھ ہو کر جنگ کر رہے ہیں) حضور ﷺ سے یہ سننے کے بعد حارث بن صمہؓ پھر وہاں پہنچے جہاں انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اس حال میں دیکھا تھا کہ مشرکین کی ایک جماعت ان پر حملہ کر رہی ہے تو انہوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں پڑیں ہیں، عبدالرحمٰن بن عورفؓ سے انہوں نے دریافت کیا، کیا ان سب کو تم نے ہی جہنم رسید کیا ہے؟ تو انہوں نے سات میں سے تین کے بارے میں کہا کہ "ان کو تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں نے ہی قتل کیا ہے، باقی چار کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ ان کو کس نے قتل کیا، ان کا یہ جواب سن کر حارث بن صمہؓ کہہ اٹھے کہ: "صدق الله ورسوله" مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ "عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ فرشتے جنگ کر رہے ہیں، اس کو میں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور میرا ایمان تازہ ہو گیا۔

اس حدیث سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی یہ خصوصیت معلوم ہوئی کہ وہ جنگ احد کے خاص آزمائشی وقت میں بھی استقامت کے ساتھ مشرکین سے جنگ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے

فرشتے جنگ میں ان کی مدد کررہے تھے...... بلاشبہ یہ واقعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے خاص فضائل میں سے ہے، نیز حضورﷺ نے ان کے بارے میں جو فرمایا تھا کہ "فرشتے جنگ میں ان کی مدد کررہے ہیں" یقیناً یہ حضورﷺ کا معجزہ تھا۔

۲۰۸) عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ : بَلَغَنِيْ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ جُرِحَ يَوْمَ اُحُدٍ اِحْدٰى وعِشْرِيْنَ جَرَاحَةً وَجُرِحَ فِيْ رِجْلِهٖ فَكَانَ يَعْرُجُ مِنْهَا. (رواہ ابو نعیم و ابن عساکر)

ترجمہ۔ ابراہیم بن سعد (تابعی) سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو غزوہ احد میں (تیروں اور تلواروں کے) اکیس (۲۱) زخم آئے تھے، ان کا پاؤں بھی زخمی ہوگیا تھا جس کی وجہ سے وہ لنگڑا کر چلتے تھے۔ (ابو نعیم ابن عساکر)

تشریح...... معلوم ہے کہ رسول اللہﷺ اس غزوۂ احد میں شدید طور پر زخمی ہوئے تھے، بلاشبہ بڑے خوش نصیب اور بلند مرتبہ ہیں وہ سب حضرات جو اس غزوہ میں شہید یا شدید طور پر زخمی ہوئے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی انہیں خوش نصیبوں میں سے ہیں۔

۲۰۹) عَنِ الْمُغِيْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَاَتَاهُ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثُمَّ لَحِقَ بِالنَّاسِ فَاِذَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ يُصَلِّيْ بِهِمْ، فَلَمَّا رَاٰهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ هَمَّ اَنْ يَّرْجِعَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ اَنْ مَكَانَكَ فَصَلَّيْنَا خَلْفَهٗ مَااَدْرَكْنَا وَقَضَيْنَا مَافَاتَنَا.

(رواہ الضیا المقدسی فی المختارہ)

ترجمہ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ وہ ایک سفر میں حضورﷺ کے ساتھ تھے، وہ آپﷺ کے لئے وضو کا پانی لائے آپﷺ نے وضو فرمایا اور اس وضو میں خفین پر مسح کیا پھر آپ لوگوں کے ساتھ نماز کی جماعت میں شریک ہوئے، اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے، تو جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپؐ کو دیکھا، ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹ کر جماعت میں شامل ہوجائیں، (اور باقی نماز حضورﷺ پڑھائیں) لیکن آنحضرتؐ نے اشارہ فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو" (پیچھے نہ ہٹو...... آگے حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ تو ہم دونوں نے نماز باجماعت کا جو حصہ پایا وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں پڑھا، اور جو فوت ہوگیا تا وہ ہم نے بعد میں ادا کیا۔

(مختارہ الضیاء المقدسی)

تشریح...... اس روایت میں واقعہ کے بیان میں انتہائی درجہ کے اجمال اور اختصار سے کام لیا گیا ہے، واقعہ کی پوری تفصیل حضرت مغیرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتی ہے جو سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے "کنزالعمال" میں مندرجہ بالا روایت کے ساتھ ہی درج کی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ

کسی نے مغیرہ بن شعبہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ کسی اور شخص کی اقتداء میں بھی رسول اللہﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہے؟ تو مغیرہؓ نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہﷺ کے ساتھ تھے،

جب صبح صادق کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھے اشارہ فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ قضاء حاجت کے لئے جانا چاہتے ہیں، تو میں آپ کے ساتھ ہو گیا، پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ میں بھی ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک طرف چل دیئے یہاں تک کہ لوگوں سے بہت دور ہو گئے...... پھر رسول اللہ ﷺ مجھے چھوڑ کر ایک طرف چلے گئے یہاں تک کہ میری نظر سے بھی آپؐ غائب ہو گئے، کچھ دیر کے بعد فارغ ہو کر آپؐ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ "ہاں ہے" پھر میں اپنے مشکیزہ سے پانی لیا جو میری سواری کے کجاوے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، اور آپؐ ...... کے پاس آیا، آپؐ نے پہلے اپنے دونوں ہاتھ بہت اچھی طرح دھوئے اور پانی میں نے آپؐ کے ہاتھوں پر ڈالا، پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرۂ مبارک اور دونوں ہاتھ (کہنیوں تک) دھوئے اور سر کا مسح فرمایا اور خفین پر بھی مسح فرمایا پھر ہم دونوں اپنی سواریوں پر سوار ہو کر واپس آئے اور ایسے وقت پہنچے کہ فجر کی جماعت شروع ہو چکی تھی، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے وہ دوسری رکعت میں تھے تو میں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بتلانا چاہا (یعنی یہ کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے ہیں) تو آپؐ نے مجھے منع فرما دیا، اور دوسری رکعت جو ہم نے پائی تھی وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں ادا کی، اور پہلی رکعت جو ہمارے آنے سے پہلے ہو چکی تھی اس کو ہم دونوں نے بعد میں ادا کیا۔

اسی واقعہ کی دوسری بعض روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز میں جب زیادہ تاخیر ہونے لگی، (اور آپ ﷺ کے سفر کے رفقاء میں سے کسی کو علم نہیں تھا کہ حضور ﷺ کدھر تشریف لے گئے ہیں اور کب تک تشریف لائیں گے) تو مشورہ سے طے ہوا کہ اب نماز ادا کر لی جائے اور لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امام بنا کر نماز شروع کر دی، تو جیسا کہ مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہو چکا، ایک رکعت ہو چکی تھی کہ آنحضرت ﷺ اور مغیرہ بن شعبہؓ پہنچے اور جماعت میں شامل ہو کر دوسری رکعت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں ادا کی اور پہلی رکعت جو فوت ہو چکی تھی اس کو بعد میں ادا کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو یہ خاص امتیازی فضیلت بھی حاصل ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی اور انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپؐ نے ان کو پیچھے ہٹنے سے منع فرما دیا۔

۲۱۰) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لِأَزْوَاجِهِ : إِنَّ الَّذِیْ يَحْثُوْ عَلَيْكُنَّ بَعْدِیْ هُوَ الصَّادِقُ الْبَادِ، اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ. (رواہ احمد)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ "میں نے خود سنا رسول اکرم ﷺ سے، آپؐ اپنی ازواج سے فرماتے تھے، کہ "جو شخص میرے بعد اپنی دولت سے تمہاری بھرپور خدمت کرے گا، وہ ہے صادق الایمان اور صاحب احسان بندہ، اے اللہ! عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کے سلسبیل سے سیراب فرما۔ (مسند احمد)

تشریح ...... حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے "سلسبیل" کا لفظ آیا ہے، وہ جنت کا ایک خاص اور نفیس ترین چشمہ ہے ...... قرآن مجید سورۂ دہر میں فرمایا گیا ہے عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ...... چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "انبیا علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی، وہ جو کچھ چھوڑیں وہ فی سبیل اللہ صدقہ ہے، اس لئے فطری طور پر ازواج مطہرات کے لئے ازراہ بشریت یہ فکر و تشویش کی بات ہو سکتی تھی کہ حضور ﷺ کے بعد ہمارا گذارہ کس طرح اور کہاں سے ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے فرمایا کہ "اللہ کا ایک صادق الایمان بندہ جس کی فطرت میں اللہ نے احسان کی صفت خاص طور سے رکھی ہے، تمہاری بھرپور خدمت کرے گا ...... آگے آپ ﷺ نے دعائیہ کلمہ میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لے کر متعین بھی فرمادیا کہ وہ کون ہوگا ...... ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی حضور ﷺ کا ایک معجزہ تھا ...... جامع ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے ابو سلمہ سے (جو اکابر تابعین میں سے ہیں) فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے والد عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنت کے خاص چشمہ "سلسبیل" سے سیراب فرمائے ...... آگے اسی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنا ایک ایسا قیمتی باغ ازواج مطہرات کی خدمت میں لوجہ اللہ پیش کر دیا تھا جو بعد میں چالیس ہزار میں فروخت ہوا ...... اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ چار لاکھ میں فروخت ہوا تھا ...... بعض شارحین نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح کی ہے کہ "چالیس ہزار" سے مراد چالیس ہزار دینار ہیں اور "چار لاکھ" سے مراد چار لاکھ درہم ہیں۔ (عہد نبوی میں درہم و دینار کا یہی تناسب تھا۔)

۲۱۱) **عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُجَمَّعِ بْنِ حَارِثَةَ، اَنَّ عُمَرَ قَالَ لِاُمِّ كُلْثُوْمِ بِنْتِ عَقَبَةَ اِمْرَأَةِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ : أَقَالَ لَكَ النَّبِيُّ ﷺ : اِنْكِحِيْ سَيِّدَ الْمُسْلِمِيْنَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ؟ قَالَتْ : نَعَمْ.** (رواه ابن منده وابن عساكر)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مجمع بن حارثہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ سے دریافت کیا تھا: کیا (یہ بات صحیح ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے تم سے فرمایا تھا کہ تم عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے نکاح کرلو جو "سید المسلمین" ہیں؟ تو ام کلثوم نے کہا کہ "ہاں، بے شک" (حضور نے مجھ سے یہی ارشاد فرمایا تھا)۔

(مسند ابن مندہ و تاریخ ابن عساکر)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو "سیدالمسلمین" فرمایا تھا، بلاشبہ یہ ان کی اعلیٰ درجہ کی فضیلت و منقبت ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۲۱۲) **وَعَنْ عَلِيٍّ، قَالَ، مَاسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ اَبَوَيْهِ لِاَحَدٍ اِلَّالِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَاِنِّيْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ يَوْمَ اُحُدٍ "يَاسَعْدُ! اِرْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ** – (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا، رسول خدا ﷺ سے کہ آپؐ نے جمع کیا ہوا اپنے ماں باپ دونوں کو کسی کے لئے (یعنی فداک ابی وامی فرمایا ہو) سوائے سعد بن مالک (یعنی سعد بن ابی وقاصؓ) کے میں نے غزوہ احد کے دن آپ کو فرماتے ہوئے سنا "یَاسَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ" (اے سعد! تیر چلاتے رہو اسی طرح، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں)۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان میں حضرت سعد بن مالک سے مراد "سعد بن ابی وقاصؓ" ہیں، ان کے والد کا نام مالک تھا، ابووقاص کنیت تھی۔

غزوۂ احد کا مختصر حال حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے تذکرہ میں بیان کیا جا چکا ہے، اس غزوہ میں صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے پوری طرح ثابت قدم رہے، ان میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ہیں، یہ تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے...... یہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہی تھے، تیر پر تیر چلا رہے تھے اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: "یَاسَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ" (سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان اسی طرح تیر چلاتے رہو۔)

بلاشبہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ صرف ہمت افزائی نہ تھی، بلکہ بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی انتہائی دلی مسرت اور خوشنودی کا اظہار بھی تھا...... اور شرح السنہ میں خود حضرت سعد بن ابی وقاص ہی کی روایت ہے کہ غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا بھی فرمائی "اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَهٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ"، (اے اللہ اپنے اس بندے (سعد) کی تیر اندازی میں قوت و طاقت پیدا فرما دے اور اس کی دعائیں قبول فرما۔)

اور جامع ترمذی میں حضرت سعدؓ کی روایت سے آنحضرت ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاكَ!" خداوند، سعد جب تجھ سے کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول فرمالے)...... حضور ﷺ کی اس دعا ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت سعدؓ جو دعا کرتے وہ عموماً قبول ہی ہوتی، اسی لئے لوگ ان سے اپنے واسطے دعائیں کراتے تھے اور ان کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے۔

۲۱۳) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَهِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَقْدِمَهُ الْمَدِيْنَةَ لَيْلَةً فَقَالَ: "لَيْتَ رَجُلاً صَالِحًا يَحْرُسُنِيْ" اِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ فَقَالَ: "مَنْ هٰذَا"؟ قَالَ: اَنَا سَعْدٌ قَالَ: "مَاجَاءَ بِكَ؟" قَالَ: وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ خَوْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجِئْتُ اَحْرُسُهٗ، فَدَعَالَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ نَامَ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو (کسی غزوہ سے) مدینہ تشریف آوری پر (غالباً کسی وقتی خطرہ کی وجہ سے) رات کو نیند نہیں آرہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: کاش کوئی مرد صالح اس وقت حفاظت کے لئے آجاتا اسی وقت ہم نے ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنی

تو آپ ﷺ نے فرمایا "کون ہے؟" آنے والے شخص نے کہا۔ "میں سعد ہوں" آپؐ نے فرمایا "تم اس وقت کیوں آئے؟ سعد نے عرض کیا میرے دل میں آپؐ کے متعلق خطرہ پیدا ہوا (کہ مبادا کوئی دشمن آپ کو ایذا پہنچائے) تو میں آپ ﷺ کی حفاظت اور نگہبانی ہی کے ارادہ سے آگیا ہوں...... تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی، پھر آپ ﷺ (اطمینان سے) سوگئے...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... جب کسی بندہ کو اللہ کے کسی خاص مقبول بندے سے وہ للّٰہی محبت ہو جاتی ہے جس کو "عشق" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محبوب کے قلب میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، محبّ کے قلب پر اس کا اثر پڑتا ہے...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو واقعہ بیان فرمایا وہ اسی حقیقت کی ایک مثال ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو سابقین اولین میں ہیں ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہی "عشق" والی محبت تھی، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ کسی وقتی خطرہ کی وجہ سے نیند نہ آنے سے جو کیفیت اور تمنا آپؐ کے دل میں پیدا ہوئی کہ کاش کوئی مرد صالح حفاظت و نگہبانی کے لئے اس وقت آجاتا تاکہ میں اطمینان سے سو سکتا...... اس کا اثر سعد بن ابی وقاصؓ کے قلب پر پڑا، اور وہ تیر، کمان، نیزے وغیرہ سے مسلح ہو کر آپؐ کی حفاظت ہی کی نیت سے آگئے، بلاشبہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے قلب کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ للّٰہی عاشقانہ تعلق ان پر اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بڑی فضیلت ہے۔

۲۱۴) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِىْ حَازِمٍ قَالَ : سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِى وَقَّاصٍ يَقُوْلُ: اِنِّىْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ مِّنَ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَرَأَيْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا الْحُبْلَةُ وَوَرَقُ السَّمُرِ، وَاِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَالَه' خِلْطٌ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُوْ أَسَدٍ تُعَزِّرُنِىْ عَلَى الْاِسْلَامِ، لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِىْ، وَكَانُوْا وَشَوَابِهِ اِلٰى عُمَرَ، وَقَالُوْا : لَايُحْسِنُ يُصَلِّىْ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: قیس بن ابی حازم سے روایت ہے (جو تابعی ہیں) انہوں نے بیان کیا کہ سنا میں نے سعد بن ابی وقاصؓ سے فرماتے تھے: "عربوں میں سے میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں (اسلام کے دشمنوں پر) تیر اندازی کی اور میں نے دیکھا اپنے کو اور اپنے ساتھی دوسرے صحابہ کو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (دشمنان اسلام سے) جہاد کرتے تھے ایسی حالت میں کہ ہمارے لئے کھانے کا کوئی سامان نہیں ہوتا تھا، سوائے ببول (کیکر) کی پھلیوں اور اسی کے پتوں کے (ببول کی ان پھلیوں اور پتوں کے کھانے کی وجہ سے) ہم لوگوں کو اجابت ہوتی تھی بکریوں کی مینگنی کی طرح، (بالکل خشک) جس میں کوئی چپک نہیں ہوتی تھی، پھر اب بنو اسد مجھے سرزنش کرنے لگے ہیں، اسلام کے بارے میں پھر تو میں خائب و نامراد رہ گیا اور میرے سارے عمل غارت گئے (واقعہ یہ ہوا تھا کہ) بنو اسد کے لوگوں نے اس بات کی شکایت کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو

کوفہ کا والی و حاکم مقرر فرمایا تھا، قاعدہ کے مطابق وہی نماز کی امامت بھی فرماتے تھے ...... حضرت زبیر بن عوام کے پر دادا کا نام اسد ہے اسی وجہ سے حضرت زبیرؓ کے پورے خاندان کو "بنو اسد" کہا جاتا تھا۔

اسی خاندان کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں شکایت بھیجی کہ سعد نماز اچھی نہیں پڑھتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت سعدؓ کو لکھا کہ تمہارے بارے میں یہ شکایت کی گئی ہے، جب یہ بات حضرت سعدؓ تک پہنچی تو یہ فطری طور پر سخت متاثر ہوئے اور وہ فرمایا جو اس روایت میں قیس بن حازم سے نقل کیا گیا کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے دشمنان اسلام پر تیر اندازی کی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے پہلے ہی سال صحابہ کرامؓ ایک جماعت کو جس میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے لئے روانہ فرمایا، اسی غزوہ میں سعد بن ابی وقاصؓ نے تیر اندازی کی، جہاد اسلامی کی تاریخ میں یہ پہلی تیر اندازی تھی، اسی واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اللہ کی توفیق سے راہ خدا میں تیر سب سے پہلے میں نے ہی چلایا۔

آگے حضرت سعدؓ نے اپنا اور اپنے ساتھ والے مؤمنین سابقین کے مجاہدوں اور قربانی کا یہ حال بیان فرمایا کہ "ہم ایسی بے سر و سامانی کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفار سے جہاد کرتے تھے کہ ہمارے پاس انسانی خوراک اور غذا کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی، ہم ببول (کیکر) کے درخت کی پھلیوں، اور اس کے پتوں کو بطور غذا استعمال کرتے تھے، (جو دراصل جنگل میں چرنے والی بکریاں عام طور سے کھاتی ہیں) اور پھر اسی وجہ سے ہم لوگوں کو بکریوں کی مینگنیوں ہی کی طرح اجابت ہوتی تھی۔

اپنا یہ حال بیان فرمانے کے بعد حضرت سعدؓ نے دلی دکھ کے ساتھ فرمایا کہ اب یہ بنو اسد کے کچھ لوگ میری سرزنش کرتے ہیں اسلام کے بارے میں، تو اگر ان کی شکایت صحیح ہو تو پھر تو میں بالکل ہی ناکام اور نامراد رہ گیا، اور میرے سارے عمل غارت و ضائع ہو گئے۔

اگرچہ شکایت کرنے والوں نے حضرت عمرؓ سے حضرت سعدؓ کے نماز اچھی طرح نہ پڑھنے ہی کی شکایت کی تھی، لیکن نماز چونکہ اسلام کا اولین رکن ہے، اور اسلام کے قالب کی گویا روح اور جان ہے۔

اس لئے حضرت سعدؓ نے نماز اچھی نہ پڑھنے کی شکایت کو ناقص الاسلام ہونے کی شکایت سے تعبیر فرمایا، (تُعَزِّرُنِیْ عَلَی الْاِسْلَامِ) ...... آگے اسی روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو شکایت کے جواب میں لکھا کہ میں ویسی ہی نماز پڑھاتا ہوں، جیسے حضور ﷺ کو نماز پڑھاتے دیکھا تھا، پہلی دو رکعتوں میں قرأت طویل کرتا ہوں اور بعد کی دو رکعتوں میں مختصر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ان کو لکھا:

"میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال تھا مطلب یہ ہے کہ میں نے خود اس شکایت کو صحیح نہیں سمجھا تھا، لیکن میں نے اصول و ضابطہ کے مطابق ضرور سمجھا کہ تم کو اس کی اطلاع کروں، اور حقیقت حال دریافت کروں۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بنو اسد کے لوگوں کی شکایت کو رد فرمادیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ کسی وقت ضروری سمجھے تو اپنی اسلامی خدمات اور

اس سلسلہ کے ان مجاہدات کا بیان کرنا جن سے اس کی بڑائی ثابت ہو جائز ہے، اور یہ وہ تفاخر اور خود ستائی نہیں ہے جس کی ممانعت ہے۔

حضرت سعدؓ سے متعلق یہ چند باتیں بھی قابل ذکر ہیں، جو صحیح احادیث و روایات میں متفرق طور پر بیان کی گئیں ہیں۔

ایک یہ کہ آپؓ نے خود بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایمان واسلام کی دعوت کو قبول کرنے والا تیسرا آدمی ہوں، مجھ سے پہلے اللہ کی صرف دو بندوں نے اسلام قبول کیا تھا...... وہ اس وقت صرف سترہ سالہ نوجوان تھے۔

ان کی والدہ نے ان پر انتہائی درجہ دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے باپ دادا کا مشرکانہ دین و مذہب چھوڑ کر اس نئے دین (اسلام) کو قبول نہ کریں، جب حضرت سعدؓ ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک تو میری بات نہیں مانے گا میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی۔

اسی کے مطابق انہوں نے عمل شروع کر دیا، کئی دن تک نہ کچھ کھایا نہ پیا، اس درمیان میں تین دفعہ ان پر بے ہوشی بھی طاری ہوئی۔

لیکن حضرت سعدؓ ان کو منانے کی کوشش تو کرتے رہے، مگر اسلام چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے...... صحیح مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ”وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا“[1]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ واقعہ بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بیعت تو کر لی تھی، لیکن جب اس مظلومانہ شہادت کے نتیجہ ہی میں باہمی خانہ جنگی اور قتل و قتال کا فتنہ شروع ہوا تو حضرت سعدؓ نے اپنے کو اس سے بالکل الگ اور دور رہنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ جب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ یا ان کے بعض خاص رفیقوں نے حضرت سعدؓ کو جنگ میں اپنا ساتھ دینے کے لئے فرمایا تو انہوں نے کہا کہ: ”مجھ کو ایسی تلوار لا کر دے دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو قتل کر دے اور اگر وار مومن پر ہو تو کوئی اثر نہ کرے“ اور پھر اس خانہ جنگی اور قتل و قتال سے الگ رہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مدینہ طیبہ کی آبادی سے فاصلہ پر وادی عقیق میں ان کی جو زمین تھی، اس پر مکان بنالیا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے الگ تھلگ وہیں پر رہائش اختیار فرمالی، چاہتے تھے کہ باہمی خانہ خانہ جنگی کی باتیں بھی ان تک نہ پہنچیں۔

اسلامی تاریخ سے معمولی سی واقفیت رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہے کہ عراق اور پورا ملک فارس انہیں کی قیادت میں فتح ہوا۔

راجح قول کے مطابق حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں ۵۵ھ میں اپنے وادی عقیق والے مکان ہی

---

[1] آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے ماں باپ تم پر انتہائی درجہ کا بھی دباؤ ڈالیں کہ ”تم مشرکانہ طور طریقہ اختیار کر لو تو ان کی یہ بات تو نہ مانو لیکن ان کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک کرتے رہو۔

میں وفات پائی، وہاں سے جنازہ مدینہ منورہ لایا گیا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ عشرۂ مبشرہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی ہیں۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

۲۱۵) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عُمَرِوبْنِ نُفَيْلٍ اَنَّهٗ قَالَ : أَشْهَدُ عَلَى التِّسْعَةِ اَنَّهُمْ فِى الْجَنَّةِ، وَلَوْ شَهِدْتُّ عَلَى الْعَاشِرِ لَمْ اٰثِمْ، قِيْلَ : وَكَيْفَ ذَاكَ، قَالَ : كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِحِرَاءَ، فَقَالَ : اُثْبُتْ حِرَاءَ فَاِنَّهٗ لَيْسَ عَلَيْكَ اِلَّا نَبِىٌّ اَوْصِدِّيْقٌ اَوْشَهِيْدٌ، قِيْلَ : وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ وَعَلِىٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدٌ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، قِيْلَ : فَمَنِ الْعَاشِرُ؟ قَالَ اَنَا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: "میں نو حضرات کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ "جنتی" ہیں اور اگر ایک دسویں آدمی کے بارے میں یہی شہادت دوں کہ وہ جنتی ہیں تو گنہگار نہ ہوں گا، آپ سے کہا گیا: "یہ بات کس طرح ہے؟" یعنی آپ کس بنیاد پر یہ بات فرما رہے ہیں؟" تو اس کے جواب میں) حضرت سعیدؓ نے بیان کیا: کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حراء پہاڑ پر تھے، (پہاڑ میں جنبش پیدا ہوئی، اور وہ حرکت کرنے لگا تو) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے حراء ساکن ہو جا اس وقت تیرے اوپر یا تو اللہ کے نبی ہیں یا صدیق یا شہید...... (اس کے بعد حضرت سعیدؓ سے دریافت کیا گیا" وہ کون حضرات تھے؟" تو انہوں نے بتایا۔ ایک خود رسول اللہ ﷺ (آپ کے علاوہ) ۲۔ ابو بکر، اور ۳۔ عمر اور ۴۔ عثمان اور ۵۔ علی اور ۶۔ طلحہ اور ۷۔ زبیر اور ۸۔ سعد (یعنی ابن ابی وقاصؓ) اور ۹۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ" لوگوں نے آپ سے کہا: بتلایئے کہ دسواں آدمی کون ہے؟ تو فرمایا: "خود یہ بندہ"...... (جامع ترمذی)

تشریح...... عشرہ مبشرہ سے متعلق جامع ترمذی ہی کے حوالہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وہ روایت پہلے گذر چکی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دس اصحاب کرام کو نام لے کر ان سب کے بارے میں جنت کی بشارت دی ہے، ان میں نو حضرات تو وہی ہیں جن کے اسماء گرامی حضرت سعید بن زیدؓ کی زیر تشریح حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں اور دسواں نام حضرت ابو عبیدہ بن جراح کا ہے، اس عاجز (راقم سطور) کا خیال ہے کہ جبل حراء کا جو واقعہ حضرت سعید بن زیدؓ نے بیان فرمایا ہے، اس میں ابو عبیدہ بن جراحؓ حضور ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔

ایک دوسرا فرق ان دونوں روایات میں یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ والی روایت میں آنحضرت ﷺ نے دس صحابہ کا نام لے کر ان ـــ "جنتی" ہونے کی بشارت دی ہے...... اور حضرت سعید بن زیدؓ کی اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے کسی کا نام لے کر ... نہیں فرمایا، بلکہ صرف یہ فرمایا: "اے حراء ساکن

ہو جا اس وقت تیرے اوپر یا تو اللہ کی ایک نبی ہیں، یا صدیق یا شہید ...... آگے حضرت سعیدؓ کا بیان ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپؐ کے نو صحابی اور تھے، جن کے اسماء گرامی حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں ...... حضرت سعید بن زیدؓ نے حضور ﷺ کے ارشاد کی بنیاد پر یقین کر لیا کہ یہ سب حضرات بلاشبہ "جنتی" ہیں اور اسی بنیاد پر ان کے "جنتی" ہونے کی شہادت دی ہے، کیونکہ اللہ کے نبی و رسول، اور صدیق اور شہید کے "جنتی" ہونے میں کوئی شبہ نہیں ...... جن حضرات کے اسماء گرامی کا ذکر حضرت سعید بن زیدؓ نے کیا ہے، ان میں خود رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق بلکہ "صدیق اکبر" ہیں اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، یہ پانچوں شہید ہوئے، باقی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ یہ تینوں بھی بلاشبہ "صدیقین" میں ہیں۔

حضرت سعید بن زیدؓ کا عنداللہ کیا مقام و مرتبہ تھا، وہ اس حدیث سے بھی معلوم ہو جاتا ہے جو اسی سلسلہ "معارف الحدیث" "کتاب المعاملات، غصب کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہے، جس کے ایک راوی خود یہ حضرت سعید بن زیدؓ بھی ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں بھی نقل کر دیا جائے ...... اور وہ یہ ہے۔

"ایک عورت نے (جس کا نام اروی تھا) حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں انہی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ "انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا، انہوں نے مروان سے کہا:

" قَالَ: اَنَا اَنْتَقِصُ مِنْ حَقِّهَا شَيْئًا اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ"

ترجمہ: "کہا کیا میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ "جس شخص نے ظالمانہ طور پر کسی کی ایک بالشت بھر زمین بھی غصب کر لی تو قیامت کے دن زمین کا وہ غصب کیا ہوا ٹکڑا ساتوں زمین تک طوق بنا کر اس ظالم کے گلے میں ڈالا جائے گا۔"

یہ روایت حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا اور اس نے آپ سے کہا کہ "اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا ...... اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (دکھے ہوئے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کر دے، اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنا دے۔"

(واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) "پھر ایسا ہی ہوا، میں نے خود اس عورت کو دیکھا ہے وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئی، اور خود کہا کرتی تھی کہ "سعید بن زیدؓ کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے، اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جا رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی، اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن

گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ

۲۱۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَه' بْنُ الْجَرَّاحِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے، اور میری اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراحؓ ہیں۔"...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں "امانت" کا لفظ بہت وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب ہے اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق سے متعلق جو ذمہ داریاں کسی بندے پر ہوں، صحیح اور پورے طور پر ان کو ادا کرنا۔

حضرت انسؓ کی زیر تشریح روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توفیق سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس صفت میں امتیاز حاصل تھا...... آگے درج ہونے والی حدیث سے بھی مزید وضاحت کے ساتھ یہی معلوم ہوگا۔

۲۱۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ جَاءَ اَهْلُ نَجْرَانَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ اِلَيْنَا رَجُلاً اَمِيْنًا، فَقَالَ لَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكُمْ رَجُلاً اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ، فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ، قَالَ فَبَعَثَ اَبَا عُبَيْدَةَ بِنَ الْجَرَّاحِ. (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نجران کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ ایک امین شخص کو ہمارے لئے مقرر فرما کر بھیج دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ "میں ایک ایسے "مرد امین" کو تمہارے لئے مقرر کروں گا جو سچا پکا امین ہوگا" تو لوگ اس کے لئے متوقع اور خواہش مند ہوئے، آگے حدیث کے راوی (حضرت حذیفہؓ) نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو عبیدہ بن جراحؓ کو نجران بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... نجران ایک علاقہ تھا یمن اور شام اور حجاز کے درمیان، اس کے بڑے اور مرکزی شہر کو نجران ہی کہا جاتا تھا، یہ ۱۰ھ میں فتح ہوا، اس میں بیشتر آبادی عیسائیوں کی تھی اور یہ اس پورے علاقہ میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس نجران کے ایک وفد نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ درخواست کی تھی جس کا حذیفہ بن الیمانؓ کی زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو وہاں کا عامل اور حاکم بنا کر بھیجا۔ کنزالعمال میں حضرت حذیفہؓ کی یہ حدیث مسند احمد وغیرہ متعدد کتب حدیث کے حوالہ سے بھی نقل کی گئی ہے اور اس میں نجران کے وفد کی اس درخواست کے جواب میں کہ "آپ ہمارے لئے ایک "مرد امین" کو مقرر فرما دیجئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد

ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔ "لَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكُمْ اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ، اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ" آپؐ نے "اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ" کا لفظ تین دفعہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تین دفعہ اس کلمہ کے ارشاد فرمانے سے وصف امانت کے لحاظ سے حضرت ابو عبیدہؓ کی عظمت و فضیلت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

۲۱۸) عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ قَالَ : سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَسُئِلَتْ : مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَخْلِفًا لَوِاسْتَخْلَفَهٗ؟ قَالَتْ اَبُوْبَكْرٍ، فَقِيْلَ : ثُمَّ مِنْ بِعْدَ اَبِىْ بَكْرٍ؟ قَالَتْ : عُمَرَ، قِيْلَ : مَنْ بَعْدَ عُمَرَ؟ قَالَتْ : اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے خود سنا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، ان سے دریافت کیا گیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ مقرر فرماتے تو کس کو نامزد کرتے؟ تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: ابو بکرؓ کو، اس کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ ابو بکر کے بعد کے لئے کس کو نامزد فرماتے تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: عمرؓ کو پھر دریافت کیا گیا عمرؓ کے بعد کے لئے کس کو نامزد فرماتے؟ تو انہوں نے فرمایا: ابو عبیدہ بن جراحؓ کو...... (صحیح مسلم)

تشریح...... ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کی رائے مبارک، اور رجحانات و عزائم سے واقفیت میں خاص امتیاز حاصل تھا، انہوں نے حضور کا جو معاملہ اپنے والد ماجد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ، اور حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ کے ساتھ دیکھا تھا، اس کی بنا پر انہوں نے یہ رائے قائم فرمائی۔

اور بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو آنحضرت ﷺ نے اس کا اظہار بھی فرمادیا تھا، اسی سلسلہ معارف الحدیث میں حضور ﷺ کے مرض وفات کے بیان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کا یہ بیان ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے مرض کے آغاز ہی میں فرمایا تھا کہ اپنے والد ابو بکر اور بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کو بلوالو، میں ابو بکر کی خلافت کے بارے میں وصیت لکھوادوں۔

لیکن پھر آپ نے یہ لکھانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اپنے اس یقین اطمینان کا اظہار فرمایا۔ "یابی اللّٰہ والمؤمنون الا ابابکر" (یعنی مجھے اطمینان ہے کہ اللہ مؤمنین ابو بکر کے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے) پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے آخری وقت میں جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر فرمایا، اور جس طرح اس وقت کی امت مسلمہ نے اس کو بشرح صدر قبول کیا اس سے بھی حضرت عمرؓ کے بارے میں حضرت صدیقہؓ کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔

اور کنز العمال میں مسند احمد اور ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، جب ملک شام کی فتح مکمل ہو جانے کے بعد (ملک کے عمائد کی درخواست پر) شام کی طرف روانہ ہوئے، اور راستہ میں مقام سرغ پر پہنچے تو آپ کو بتایا گیا کہ ملک شام میں سخت وبا ہے اور لوگ بکثرت لقمۂ اجل بن رہے ہیں، اس اطلاع کے دینے والوں کا مقصد یہ تھا کہ آپ اس وقت شام تشریف نہ لے جائیں، لیکن آپ نے شام کی طرف سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس وقت یہ بھی فرمایا:

اِنْ اَدْرَكَنِیْ اَجَلِیْ وَاَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ حَیٌّ اِسْتَخْلَفْتُهٗ فَاِنْ سَأَلَنِیَ اللّٰهُ لِمَ اسْتَخْلَفْتَهٗ عَلٰی اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ قُلْتُ : اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : اِنَّ لِكُلِّ نَبِیٍّ اَمِيْنًا وَّاَمِيْنِیْ اَبُوْعُبَيْدَةَ ابْنُ الْجَرَّاحِ. ❶

ترجمہ: اگر میری موت کا مقررہ وقت آ گیا اور ابو عبیدہ اس وقت زندہ ہوئے تو میں ان کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کروں گا پھر اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ ابو عبیدہؓ کو تم نے کس وجہ سے امت محمدیہ پر خلیفہ مقرر کیا ہے تو میں عرض کروں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے کہ "ہر پیغمبر کا ایک امین ہوتا ہے اور میرے امین ابو عبیدہ ابن جراح ہیں۔"

لیکن اللہ کی مشیت اور قضاو قدر کے فیصلے کے مطابق حضرت عمرؓ تو شام کے سفر سے صحیح سالم واپس تشریف لے آئے، مگر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طاعون میں مبتلا ہو کر واصل بحق ہوئے۔ "وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا"۔

اور کنز العمال ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

لَوْ اَدْرَكْتُ اَبَاعُبَيْدَةَ ابْنِ الْجَرَّاحِ لَاَسْتَخْلَفْتُهٗ وَمَا شَاوَرْتُ، فَاِنْ سُئِلْتُ عَنْهُ قُلْتُ : اِسْتَخْلَفْتُ اَمِيْنَ اللّٰهِ وَاَمِيْنَ رَسُوْلِهٖ

ترجمہ: اگر میں ابو عبیدہ کو پاتا تو ان کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد کرتا اور کسی سے مشاورت بھی نہ کرتا، اگر اس بارے میں مجھ سے پوچھا جاتا تو میں جواب دیتا کہ میں نے اس شخص کو خلیفہ نامزد کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک امین ہے۔

بظاہر یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب آپ کو ایک شقی ازلی ابولؤلؤ مجوسی نے عین نماز کی حالت میں خنجر سے ایسا زخمی کیا کہ اس کے بعد زندہ رہنے کی توقع نہیں رہی اور اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کرنے یا نہ کرنے کا اہم مسئلہ آپ کے سامنے آیا۔ واللہ اعلم۔

الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات سے بھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس خیال کی پوری تصدیق و توثیق ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ فرماتے تو پہلے نمبر پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے پر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد ابو عبیدہ ابن جراحؓ کو نامزد فرماتے، بلاشبہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کا یہی مقام و مرتبہ تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اللہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے حضرات عشرہ مبشرہ کے مناقب کا سلسلہ ختم ہوا۔

---

❶ کنز العمال ج ۱۳ ص ۲۱۵۔

فضائل اہلبیت نبویؐ

(ازواجِ مطہرات اور ذریت طیبہ)

یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ "اہل البیت" کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، سورۃ الاحزاب کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہرات کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا"...... جس کا مطلب یہ ہے کہ "اے ہمارے پیغمبر کی بیویوں! تم کو جو یہ خاص ہدایتیں دی گئیں ہیں ان سے اللہ کا مقصد تم کو زحمت و مشقت میں مبتلا کرنا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان ہدایات سے یہ ہے کہ تم کو ہر قسم کی ظاہری و باطنی برائی اور گندگی سے مطہر اور پاک صاف کر دیا جائے ...... "جو شخص عربی زبان کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس کو سورۂ احزاب کے اس پورے رکوع کے پڑھنے کے بعد اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہوگا کہ یہاں "اہلبیت" کا لفظ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے ...... لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے ہم مسلمانوں کا حال آج یہ ہے کہ "اہل البیت" کا لفظ سن کر ہمارا ذہن ازواج مطہرات کی طرف بالکل نہیں جاتا بلکہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے شوہر حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان دونوں کی ذریت (رضی اللہ عنہم) ہی کی طرف جاتا ہے۔

"اہل البیت" کا لفظ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے علاوہ صرف ایک جگہ اور سورۂ ہود کے چھٹے رکوع میں بھی آیا ہے، جہاں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ گئے تھے جس میں عام قانون فطرت کے مطابق اولاد کی امید نہیں کی جاسکتی اور لاولد تھے، تب اللہ تعالیٰ کی بھیجے ہوئے فرشتوں کی ایک جماعت نے آکر انہیں اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کو ایک بیٹے کے تولد کی بشارت دی، حضرت سارہ نے از راہ تعجب کہا: "ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا" (میں خود بڑھیا اور میرے یہ میاں بھی بوڑھے، تو اب کیا میں بچہ جنوں گی؟) ...... اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ O (محترمہ! کیا آپ اللہ کے تکوینی حکم کے بارے میں تعجب کرتی ہیں، آپ "اهل البیت" پر تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں ہیں) ...... ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی "اہل البیت" سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

عربی زبان و محاورات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شخص کے "اهل البیت" کا اولین مصداق اس کی بیوی ہی ہوتی ہے، اسی طرح فارسی میں "اہل خانہ" اور اردو میں "گھر والے" یا "گھر والی" بیوی

ہی کو کہا جاتا ہے، ماں، بہن، بیٹی اور داماد اور ان کی اولاد کے لئے "اہل البیت" اور "اہل خانہ" اور "گھر والوں" کا لفظ استعمال نہیں ہوتا، الغرض اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ "اہل البیت" کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہے...... البتہ یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جب سورۂ احزاب کی مندرجہ بالا آیت: "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن اور حضرت حسین اور ان کے ساتھ ان کے شوہر اور اپنے چچازاد بھائی حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو ایک کملی میں اپنے ساتھ لے کر دعاء فرمائی: "اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ فَاذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا"...... (اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی ہر طرح کی برائی اور گندگی کو دور فرمادے اور ان کو مکمل طور سے مطہر وپاک صاف فرمادے)...... بلاشبہ حضور ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور سورۂ احزاب والی آیت میں ازواج مطہرات کا "اَهْلُ الْبَيْتِ" کے لفظ سے ذکر فرما کر ان پر اللہ تعالیٰ کے جس خاص انعام کا ذکر فرمایا گیا تھا، اس میں اور لفظ "اهل البيت" کے اطلاق میں یہ حضرات بھی شامل ہوگئے، اس بنیاد پر یہ حضرات بھی لفظ "اهل البيت" کا صحیح مصداق ہیں، لیکن جیسا کہ تفصیل سے عرض کیا جاچکا، قرآن مجید میں یہ لفظ ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں۔

الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں بلکہ اس لفظ کا مصداق صرف آپ کی ایک بیٹی، ایک داماد اور دو نواسے ہیں، نہ تو زبان کے لحاظ سے درست ہے نہ قرآن وحدیث سے ثابت...... بلکہ ایک خاص فرقہ کے فنکاروں کی سازش کے نتیجہ میں اس غلطی نے امت میں عام سی حیثیت اختیار کرلی اور ہماری سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہوگیا اور جیسا کہ عرض کیا گیا حالت یہ ہوگئی کہ "اهل بيت" کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا جو قران مجید کی رو سے اس لفظ کی اولین مصداق ہیں۔

اب اس عاجز نے لفظ "اهل البيت" کے صحیح مفہوم کو امت میں رائج کرنے کی نیت سے "اہل بیت نبوی" کے عنوان کے تحت ہی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی ذریت طیبہ دونوں کے فضائل و مناقب لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ

ازواج مطہرات

جیسا کہ حدیث و سیرت کی مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات جو منکوحہ بیوی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ تھوڑی یا زیادہ مدت رہیں وہ کل گیارہ (۱۱) ہیں، ان کے اسماء

گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ ۲۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔
۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب۔
۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ۔ ۶۔ حضرت ام سلمہ۔
۷۔ حضرت زینب بنت جحش۔ ۸۔ حضرت ام حبیبہ۔
۹۔ حضرت جویریہ بنت الحارث۔ ۱۰۔ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب۔
۱۱۔ حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہن وارضاھن)

ان میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے حضور ﷺ کی حیات میں وفات ان گیارہ کے علاوہ بنو قریظہ میں سے ریحانہ شمعون کے متعلق بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہود بنی قریظہ کی غداری کی وجہ سے ان کے خلاف کارروائی کی اور ان کی بقایا کو گرفتار کیا گیا تو ان میں یہ ریحانہ بھی تھیں، انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا، لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضورؐ کی منکوحہ بیوی بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا، بلکہ یہ باندی کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ حضور ﷺ کی وفات سے چند روز پہلے اور ایک روایت کے مطابق حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد حضور ﷺ کی حیات ہی میں وفات پاگئیں۔

زوجیت کا شرف

رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف بجائے خود یقیناً اعلیٰ درجہ کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے اور فرق مراتب کے باوجود یہ تمام ازواج مطہرات کو یکساں طور پر حاصل ہے اسی طرح ازواج مطہرات کو جو خصوصی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے ہیں، وہ بھی یکساں طور پر ان سبھی کے لئے ہیں، قرآن مجید ہیں "وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ" فرما کر ان کو تمام اہل ایمان کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے ہر امتی اور ہر صاحب ایمان کے لئے ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا ابد الآباد تک اسی طرح حرام قرار دے دیا گیا ہے جس طرح اپنی حقیقی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

یہاں تک ازواج مطہرات کے صرف اسماء گرامی لکھے گئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے شرف سے متعلق مختصراً کچھ اشارات کئے گئے ہیں، آگے انشاءاللہ ان "امہات المومنین" کا بقدر ضرورت تعارف، قابل ذکر خصوصی احوال و اوصاف، ان میں سے ہر ایک کے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے کی تفصیل اور اس کے خاص اسباب و محرکات، نیز ان کی وفیات کا تذکرہ ناظرین کرام مطالعہ فرمائیں گے اور انشاءاللہ ان سوالات و شبہات کا جواب بھی ان کو مل جائے گا، جو ازواج مطہرات کی تعداد کے بارے میں کچھ شیاطین الانس کی وسوسہ اندازی سے ان کے دلوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا)

یہ پہلی خوش قسمت خاتون ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے شرف سے مشرف ہوئیں، انکے والد خویلد بن اسد مکہ کے ایک دولت منداور معزز تاجر تھے، حضرت خدیجہؓ کی پہلی شادی ابوہالہ تمیمی سے ہوئی تھی ان سے دو(۲) بیٹے (ہالہ اور ہند) پیدا ہوئے، کچھ مدت کے بعد ابوہالہ کا انتقال ہو گیا تو ان کا دوسرا نکاح عتیق ابن عابد مخزومی سے ہوا، ان سے بھی ایک بیٹی پیدا ہوئی، لیکن عتیق کی عمر نے بھی زیادہ وفا نہ کی...... پھر جب کہ خدیجہ کی عمر قریباً ۳۵۔۳۶ سال کی ہو گئی تھی، ان کے والد خویلد کا بھی انتقال ہو گیا، اب تجارتی کاروبار کی ذمہ داری خود حضرت خدیجہؓ کو سنبھالنی پڑی...... مکہ میں رواج تھا کہ لوگ نفع میں مقررہ شرح سے شرکت کی بنیاد پر دوسرے لوگوں کے ذریعہ بھی تجارتی کاروبار کرتے تھے (جس کو فقہی اصطلاح میں "مضاربت" کہا جاتا ہے) اپنے والد اور شوہر کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی معصومانہ سیرت، امانت و دیانت، صداقت شعاری و راست بازی کا مکہ میں عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ آپ "الامین" کے لقب سے معروف تھے اسی وجہ سے حضرت خدیجہؓ نے ایک دفعہ چاہا کہ آپ ﷺ ان کا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں اور پیشکش کی کہ منافع میں جتنا حصہ اب تک میں دوسروں کو دیتی رہی ہوں آپ ﷺ کو اس سے دوگنا دوں گی آپ نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کے بعد اس کو قبول فرمالیا، خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا، اس تجارتی سفر میں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی برکت دی اور پہلے جو نفع ان کو ہوا کرتا تھا اس سے دوگنا نفع ہوا، اس کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے آپ کے حسن اخلاق، معصومانہ سیرت کا تجربہ اور کچھ غیر معمولی خارق عادت کرامتی قسم کی باتوں کا بھی مشاہدہ کیا، واپس آنے پر جن کا تذکرہ میسرہ نے حضرت خدیجہؓ سے بھی کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح

حضرت خدیجہؓ ایک دولت مند شریف الطبع خاتون ہونے کے علاوہ ظاہری حسن و جمال، باطنی محاسن اخلاق، کردار کی بلندی، فیاضی اور پاک بازی جیسے اوصاف حمیدہ میں بھی ممتاز تھیں، اسی بناء پر وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں، اس وجہ قریش مکہ کے بہت سے معزز حضرات کی طرف سے ان کو نکاح کا پیغام دیا گیا، لیکن دو شوہروں سے بیوہ ہو جانے کے باعث باقی زندگی اسی طرح گزارنے کا ارادہ کر لیا تھا، اس لئے کسی کا پیغام قبول نہیں کیا...... مگر میسرہ نہیں تجارتی سفر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تجربات اور مشاہدات بیان کئے تو خود ان کے دل میں آپؐ سے نکاح کی خواہش پیدا ہوئی، اور اس مقصد کے لئے ایک دوسری خاتون نفیسہ بنت امیہ کو رازدارانہ طور پر آپؐ کے پاس بھیجا نفیسہ کا بیان ہے کہ...... میں آپؐ کے پاس آئی اور کہا کہ "آپؐ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں نادار اور خالی ہاتھ ہوں، کس طرح نکاح کر سکتا ہوں، میں نے کہا کہ اگر کوئی ایسی عورت آپؐ سے نکاح کرنے کی خواہش مند ہو جو

ظاہری حسن و جمال اور طبعی شرافت کے علاوہ دولت مند بھی ہو اور آپؐ کی ضروریات کی کفایت کرنے پر بھی خوش دلی سے آمادہ ہو تو آپ اس سے نکاح کر لینا پسند کریں گے؟...... آپ نے دریافت کیا کہ ایسی کون خدا کی بندی ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا: خدیجہ بنت خویلدؓ...... آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے ذکر کیا، انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے نفیسہ کو جواب دے دیا کہ اگر خدیجہ اس کے لئے آمادہ ہیں تو میں بھی راضی ہوں۔

نفیسہ نے آکر حضرت خدیجہ کو اس کی اطلاع دی، پھر خدیجہ نے نفیسہ ہی کے ذریعہ آپ کو بلوا کر براہ راست بھی آپ سے بات کی، اس گفتگو ہی میں طے ہو گیا کہ آپ اپنے خاندان کے بزرگوں کو لے کر فلاں دن میرے یہاں آجائیں، چنانچہ آپ اپنے چچا ابو طالب اور دوسرے خاندانی بزرگوں کو لے کر جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، خدیجہ کے گھر پہنچ گئے، انہوں نے بھی اپنے چچا عمرو ابن اسد کو بلوالیا، اور قریش کے اس دور کے رواج کے مطابق انہیں کی ولایت میں نکاح ہو گیا، اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ کی چالیس سال، آپ کا یہ پہلا نکاح تھا جو بعثت سے قریباً پندرہ سال پہلے ہوا۔

اولاد

اس رشتہ ازدواج کے کچھ مدت بعد (ایک مشہور تاریخی روایت کے مطابق ۵ سال بعد) آپ کے پہلے صاحبزادہ پیدا ہوئے، جن کا نام "قاسم" رکھا گیا، انہیں کے نام پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی کنیت "ابو القاسم" رکھی، ان کا صغر سنی ہی میں انتقال ہو گیا، ان کے بعد آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی "زینب" پیدا ہوئیں، ان دونوں کی پیدائش آغاز نبوت سے پہلے ہی ہوئی، اس کے بعد ایک صاحبزادے پیدا ہوئے، ان کا نام عبداللہ رکھا گیا ان کی پیدائش دور نبوت میں ہوئی اسی لئے ان کو طیب اور طاہر کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال بھی صغر سنی ہی میں ہو گیا، پھر ان کے بعد مسلسل تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے نام رقیہ، ام کلثوم، اور فاطمہ رکھے گئے، چاروں صاحبزادیوں کا تذکرہ آگے "ذریت طیبہ" کے عنوان کے تحت ناظرین کرام انشاءاللہ مطالعہ فرمائیں گے۔

حضرت خدیجہؓ کی بعض قابل ذکر خصوصیات

معلوم ہے کہ قریش کا قبیلہ بلکہ عام طور سے اہل مکہ بت پرستی کے شرک میں مبتلا تھے اور یہ شرک انہیں اتنا پیارا تھا کہ اس کے خلاف کوئی لفظ سننا بھی ان کے لئے ناقابل برداشت تھا، لیکن جاہلیت کے اس دور میں گنتی کے دو چار آدمی ایسے بھی تھے جن کو فطری طور پر بت پرستی سے نفرت تھی، ان میں ایک حضرت خدیجہؓ بھی تھیں...... اس دور کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واحد خاتون تھیں جو شرک و بت پرستی سے بیزار تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر دوسرے بہت سے انعامات کے علاوہ دولت مندی کی نعمت سے بھی نوازا تھا...... رسول اللہ ﷺ کا حال اس کے برعکس تھا، انہوں نے اپنی پوری دولت گویا آپ کے قدموں میں ڈال دی اور

آپ کو اس سلسلہ کی فکروں سے آزاد کر دیا، قرآن مجید سورۂ "والضحی" میں اسی صورت حال کے بارے میں فرمایا گیا ہے "وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ" (اے پیغمبر! تم کو تمہارے پروردگار نے مفلس اور نادار پایا۔ پھر مستغنی کر دیا۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ زید بن حارثہ، حضرت خدیجہؓ کے زر خرید غلام تھے، انہوں نے دیکھا کہ زید کو رسول اللہ ﷺ سے خاص انس و محبت ہے اور آپ کا معاملہ بھی زید کے ساتھ خصوصی درجہ کی شفقت و پیار کا ہے، تو انہوں نے زید کو حضور ﷺ ہی کی ملکیت میں دے دیا، پھر آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا اور عربوں کے اس وقت کے رواج کے مطابق...... ان کو اپنا "منہ بولا بیٹا، بنالیا یہاں تک کہ ان کو زید بن حارثہ کے بجائے زید ابن محمد ہی کہا جانے لگا۔

پھر جب نکاح کے پندرہ سال بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپؐ پر وہ شدید غیر معمولی حالات آئے جن کا ذکر بیان مناقب کے شروع ہی میں آغاز نبوت والی حدیث کے حوالہ سے کیا جاچکا ہے، تو اس وقت آپؐ کو جس طرح کی دانش مندانہ و ہمدردانہ تسلی کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حضرت خدیجہ ہی سے ملی اور جب وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مکہ کی پوری آبادی میں موحد صحیح العقیدہ نصرانی اور توریت و انجیل کے عالم تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے غار حراء کی واردات اور سرگذشت سن کر یقین و وثوق کے ساتھ آپ کے مبعوث من اللہ نبی ہونے کی بات کہی تو حضرت خدیجہؓ نے بھی ان کی اس بات کو دل سے قبول کر لیا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات و اوصاف کے پندرہ سالہ تجربہ کی بنا پر پہلے ہی سے ان کا دل آپ کی ہر بات کی تصدیق کے لئے تیار ہو چکا تھا، اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ پوری امت میں وہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے مبعوث من اللہ نبی ہونے کی تصدیق کرنے والی ہیں۔

پھر جب آپ نے بحکم خداوندی توحید اور دین حق کی دعوت کا کام شروع کیا تو پوری قوم آپ کی دشمن بن کر کھڑی ہو گئی، ہر ممکن طریقہ سے آپ کو ستانا برسوں تک ان بد نصیبوں کا محبوب ترین مشغلہ رہا، مظلومیت کے اس پورے دور میں حضرت خدیجہؓ نہ صرف آپ کی غم خوار و غمگسار بلکہ پوری طرح شریک حال رہیں، یہاں تک کہ جب ان ظالموں نے مکہ کی قریباً پوری آبادی کو اپنے ساتھ لے کر آپ کا اور آپ کے خاندان بنو ہاشم کے ان تمام لوگوں کا بھی جنہوں نے اگرچہ آپ کی دعوت اسلام کو قبول نہیں کیا تھا لیکن نسبی اور قرابتی تعلق کی وجہ سے آپ کی کسی درجہ میں حمایت کرتے تھے بائی کاٹ کرنے کا فیصلہ کیا، اور آپ اور آپ کے وہ قریبی رشتہ دار بھی شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے اور ایسی ناکہ بندی کی گئی کہ کھانے پینے کی ضروریات بھی ان کو نہ پہنچ سکیں، یہاں تک کہ ان لوگوں کو کبھی کبھی درختوں کے پتے کھا کر گذارہ کرنا پڑا...... اس حالت میں بھی حضرت خدیجہؓ شعب ابی طالب میں آپ کے ساتھ رہیں، حالانکہ ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ وہ ان دنوں اپنے گھر ہی رہتیں۔

حضرت خدیجہؓ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ پورے پچیس سال تک آپ کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہیں اور اس پورے دور میں آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا

نبوت کے دسویں سال ہجرت سے قریباً تین سال پہلے رمضان المبارک ۱۱ نبوی میں عمر کے ۶۵ ویں سال وفات پائی۔

اس وقت تک نہ تو نماز پنجگانہ فرض ہوئی تھی اور نہ نماز جنازہ کا حکم ہوا تھا، اس لئے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، رسول اللہ ﷺ نے خود ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر میں اتارا اور رحمت خداوندی کے سپرد کیا۔ (رضی اللہ عنہا وارضاها)

فضائل ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ

۲۱۹) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ : أَتٰى جِبْرِيْلُ النَّبِىَّ ﷺ فَقَالَ "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ خَدِيْجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيْهِ إِدَامٌ وَطَعَامٌ، فَإِذَا أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِن رَّبِّهَا وَمِنِّىْ وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِى الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَاصَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ".** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اے رسول خدا! یہ خدیجہ آرہی ہیں ان کے ساتھ ایک برتن ہے اس میں سالن اور کھانا ہے، جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کو ان کے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچایئے اور میری طرف سے بھی، اور ان کو خوشخبری سنایئے جنت میں موتیوں سے بنے ہوئے ایک گھر کی، جس میں نہ شور و شغب ہوگا اور نہ کوئی زحمت و مشقت ہوگی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کا مطلب واضح ہے کسی تشریح و وضاحت کا محتاج نہیں، لیکن اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت جبرئیل کی یہ آمد کہاں اور کب ہوئی، جس میں انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہی۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے طبرانی کی ایک روایت کے حوالہ سے لکھا ہے: إِنَّ ذَالِكَ كَانَ وَهُوَ بِحِرَاءَ...... یعنی جبرائیل کی یہ آمد اس وقت ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تھے...... اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ غار حراء میں حضرت جبرئیل کی اس پہلی آمد کے بعد کا ہے جس کا ذکر اسی سلسلۂ معارف الحدیث کتاب المناقب کے شروع میں "آغاز وحی و نبوت" کے تحت پوری تفصیل سے کیا جا چکا ہے...... اسی سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت جبرائیلؑ کی پہلی آمد اور آغاز نبوت کے بعد اس غار حرا میں آپ کی خلوت گزینی کا سلسلہ بالکل ختم اور منقطع نہیں ہو گیا تھا...... یہ بات ناقابل فہم ہے، کہ جہاں آپ طویل مدت تک خلوت گزیں ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں مشغول رہے ہوں اور جہاں اس کے عظیم المرتبہ حامل وحی فرشتے جبرئیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا نزول آپ پر شروع ہوا ہو، اس کے بعد آپ کا اس مقدس مقام سے کوئی تعلق نہ رہا ہو...... الغرض اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آغاز نبوت کے بعد بھی آپ غار حراء میں کبھی کبھی قیام فرماتے تھے، اسی دور میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت جبرئیل آئے اور آپ کو مطلع کیا کہ آپ کی زوجہ محترمہ خدیجہؓ آرہی ہیں

اور آپ کے لئے کھانے کا کچھ سامان لا رہی ہیں، جب وہ آئیں تو آپ ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے بھی ان کو سلام پہنچائیں اور ان کو موتیوں سے جنت میں بنے ہوئے ایک ایسے گھر کی بشارت دیں جس میں نہ شور و شغب ہو گا اور نہ کسی قسم کی زحمت اور نہ تکلیف ہو گی۔

اس حدیث سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تین خاص فضیلتیں معلوم ہوئیں۔

ا۔ وہ ایک معزز دولت مند اور بوڑھی خاتون ہونے کے باوجود حضورؐ کے لئے کھانے پینے کا سامان گھر پر تیار کر کے غار حراء تک خود لے کے گئیں، جو کہ اس وقت شہر مکہ مکرمہ کی آبادی سے قریباً ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر تھا اور حراء کی بلندی کی وجہ سے اس پر چڑھنا اچھے طاقتور آدمی کے لئے بھی آسان نہیں، (راقم سطور کو خود بھی اس کا تجربہ ہے) بلاشبہ حضرت خدیجہؓ کا یہ عمل ایسا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں اس کی خاص قدر ہو۔

۲۔ دوسری بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان کو رب العرش (اللہ تعالیٰ) کا سلام اور اسی کے ساتھ اس کے عظیم المرتبہ فرشتے جبرئیل امین کا سلام پہنچایا گیا ہے۔

۳۔ جنت میں ان کے لئے موتیوں سے بنے ہوئے بیت (گھر) کی بشارت دی گئی جس کی خاص صفت یہ بیان کی گئی کہ نہ تو اس میں کسی قسم کا شور و شغب ہو گا اور نہ کسی طرح کی زحمت و تکلیف اٹھانی پڑے گی، جیسا کہ دنیا کے گھروں میں عام طور سے اپنے گھر والوں کا یا پاس پڑوس کا شور و شغب آرام و یکسوئی میں خلل انداز ہوتا ہے اور جس طرح گھر کی صفائی اور درستی وغیرہ میں زحمت و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔

۲۲۰) عَنْ عَلِيٍّ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اس (دنیا) کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران ہیں اور اس (دنیا) کی عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہماری اس دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے بہتر اور بالاتر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم بنت عمران اور رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ ہیں اگر حدیث کا مطلب یہی ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ دونوں مرتبہ میں برابر ہیں ...... بعض شارحین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت مریم پہلی امتوں کی تمام عورتوں میں بہتر اور بالاتر ہیں اور حضرت خدیجہؓ اس امت محمدیہ کی تمام عورتوں میں بہتر اور بالاتر ہیں اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی یہ امت خیر امم ہے یعنی پہلی تمام امتوں سے بہتر اور بالاتر ہے، اس لئے حضرت خدیجہؓ بہ نسبت حضرت مریم بنت عمران کے بہتر اور برتر ہوں گی۔ واللہ اعلم

۲۲۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : مَاغِرْتُ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ نِّسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ مَاغِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا رَأَيْتُهَا،

وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً، ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ : كَأَنَّهُ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا اِمْرَأَةٌ اِلَّا خَدِيْجَةَ، فَيَقُوْلُ : إِنَّهَا كَانَتْ، وَكَانَتْ، وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ۔ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی پر ایسا رشک نہیں آیا جیسا کہ خدیجہؓ پر آیا حالانکہ میں نے ان کو دیکھا نہیں، لیکن آپ ان کو بہت یاد کرتے، اور بکثرت ان کا ذکر فرماتے، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آپؐ بکری ذبح فرماتے، پھر اس کے اعضاء الگ الگ ٹکڑے کرتے، پھر وہ ٹکڑے خدیجہؓ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے تو میں کسی وقت کہہ دیتی: دنیا میں بس خدیجہ ہی ایک عورت تھیں، اور آپؐ فرماتے کہ وہ ایسی تھیں، ایسی تھیں اور ان سے میری اولاد ہوئی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن اخلاق حسنہ سے نوازا تھا ان میں ایک احسان شناسی کا وصف بھی تھا۔ حضرت خدیجہ نے آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آنے کے بعد آپؐ کی جو خدمتیں کیں اور دور نبوت کے آغاز میں جس طرح وہ آپؐ کے لئے تقویت اور تسلی کا ذریعہ بنیں، اور پھر دین حق کی دعوت کے وقت جس طرح وہ شدائد و مصائب میں آپؐ کی شریک حال رہیں، اور ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات ان کو عطا فرمائی تھیں (جن میں سے کچھ کا ذکر اوپر آچکا ہے) ان کا حق تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کو کبھی فراموش نہ کرتے اور احسان شناسی کے جذبہ کا تقاضا تھا کہ آپؐ ان کا اور ان کی خدمات و احسانات کا دوسروں کے خاص کر اپنی ازواج مطہرات کے سامنے ذکر فرماتے یہی آپؐ کا عمل تھا، یہاں تک کہ اس سلسلہ میں آپؐ کا یہ بھی معمول تھا کہ کبھی کبھی آپؐ بکری ذبح کرتے تھے اس کے گوشت کے پارچے حضرت خدیجہؓ سے میل محبت کا تعلق رکھنے والی خواتین کو ہدیہ کے طور پر بھیجتے، آپؐ کا یہی وہ طرز عمل تھا، جس کی بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر ویسا رشک نہیں آیا جیسا کہ آپؐ کی پہلی مرحومہ بیوی خدیجہؓ پر آتا تھا، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا (کیونکہ ان کے بچپنے ہی میں وہ وفات پاگئیں تھیں)...... اسی سلسلۂ بیان میں حضرت صدیقہؓ نے خود ہی اپنی اس کمزوری کا ذکر فرمایا کہ میں ایسے وقت جب آپؐ اپنی مرحومہ بیوی خدیجہؓ کی خوبیوں کا ذکر فرماتے تو کبھی کہہ دیتی کہ "دنیا میں بس خدیجہؓ ہی ایک عورت تھیں۔" تو آپؐ فرماتے کہ وہ ایسی تھیں ایسی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کی خدمات و احسانات اور خوبیوں کا ذکر فرماتے، اس سلسلہ میں آپؐ ان کی اس خصوصیت کا بھی ذکر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائی۔ کیونکہ ان کے علاوہ دس بیویوں میں سے کسی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے تھے جن کا نام آپ نے ابراہیم رکھا تھا، وہ شیر خوارگی ہی کے ایام میں قریباً صرف ڈیڑھ سال کی عمر پاکر انتقال فرماگئے تھے لیکن حضرت ماریہؓ آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے نہیں تھیں، بلکہ آپؐ کی مملوکہ تھیں جن کو اسکندریہ کے

صاحب حکومت مقوقس نے کچھ اور ہدایا کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا، پھر وہ حضرت ابراہیم کی پیدائش کے بعد شریعت کے حکم کے مطابق "ام ولد" ہو گئی تا آنکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ۵ سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں وفات پائی۔ (رضی اللہ عنہاوارضاہا)

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ (رضی اللہ عنہا)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قوم کو بت پرستی اور جاہلیت والی زندگی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اور اسی کی فرمانبرداری والی زندگی کی دعوت کا کام شروع کیا، تو پوری قوم آپ کی دشمن بن کر کھڑی ہوگئی، لیکن چند ایسے سلیم الفطرت افراد بھی تھے، جن کے دلوں نے آپ کی دعوت حق کو ابتدائی دور ہی میں قبول کر لیا، ان میں ایک سودہ بنت زمعہ عامریہ بھی تھیں، ان کی شادی اپنے چچازاد بھائی سکران سے ہوئی تھی، وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت اسلام کی دشمنی میں عام مشرکین قریش کے ساتھ تھا، حضرت سودہؓ نے مصلحت اس میں سمجھی کہ وہ اپنے اسلام کو ظاہر نہ کریں۔ جس وقت وہ مناسب سمجھتیں تو اپنے شوہر سکران کے سامنے ایسی باتیں کرتیں جن سے ان کا دل بھی رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں سوچنے لگے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی توفیق سے ان کے شوہر سکران نے بھی کچھ مدت کے بعد اسلام قبول کر لیا اور پھر میاں بیوی دونوں نے اپنے اسلام وایمان کا اعلانیہ اظہار بھی کر دیا، جس کے بعد ان دونوں پر بھی کفار قریش کی طرف سے ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو بڑھتا ہی گیا...... بالآخر مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کے مشورہ پر ان دونوں نے بھی بہت سے دوسرے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی طرح ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی...... چند برس کے بعد ان کے شوہر سکران کا حبشہ ہی میں انتقال ہو گیا، تو یہ بیوہ ہو کر مکہ مکرمہ واپس آ گئیں اور اپنے والد کے پاس رہیں۔

نبوت کے دسویں سال جب ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو آپؐ فطری طور پر ان کے مفارقت کی صدمہ سے سخت غمگین تھے، علاوہ اس کے ایک پریشان کن صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ گھر میں صرف کم عمر چار بچیاں تھیں، جن کی دیکھ بھال کرنے والا اور خانہ داری کی دوسری ضرورتیں پوری کرنے والا کوئی نہ تھا...... عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم نے اس صورت حال کو محسوس کر کے آپؐ سے عرض کیا کہ آپ کو جلدی نکاح کر لینا چاہئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری نگاہ میں کون ایسی خاتون ہیں، جن کو تم ان حالات میں مناسب سمجھتی ہو؟ انہوں نے سودہ بنت زمعہؓ کا نام لیا، جو بیوہ اور سن رسیدہ تھیں، آپؐ نے ایمان میں ان کی سابقیت، پھر حبشہ کی طرف ہجرت اور سکران کی وفات کے بعد ان کی بیوی کے صدمہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمالیا، اور خولہ سے فرمایا: تم خود ہی ان کو میرا پیغام پہنچاؤ...... خولہ کا بیان ہے کہ میں سودہ کے پاس پہنچی اور ان کو مبارک باد دیتے ہوئے آپؐ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا کہ "میں دل و جان سے راضی ہوں" البتہ بہتر یہ ہے کہ تم میرے والد زمعہ سے بھی اس

سلسلہ میں بات کرو! میں اسی وقت ان کے پاس بھی گئی اور پیام پہنچایا، انہوں نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی، ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ تم خود سودہ سے بھی دریافت کرو، میں نے بتایا کہ میں ان سے بات کر چکی ہوں، وہ بڑی خوش دلی کے ساتھ رضامند ہیں، بالآخر زمعہ نے خولہ بنت حکیم ہی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو بلوایا، اور آپ کے ساتھ اپنی بیٹی سودہ کا نکاح کر دیا، اس وقت حضرت سودہؓ کی عمر قریباً پچاس سال تھی ...... نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے ہجرت فرمانے تک تین سال منکوحہ رفیقۂ حیات کی حیثیت سے تنہا وہی آپ کے ساتھ رہیں ...... ان کے اوصاف واحوال میں ان کی سیر چشمی، استغناء دنیا سے بے رغبتی، اور فیاضی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ان کے مذکورہ بالا امتیازات کی وجہ سے ان کے ساتھ احترام کا خاص رویہ رکھتے تھے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی، ان کی خدمت میں بھیجی، لانے والے سے پوچھا: کیا تھیلی میں کھجوریں ہیں، انہوں نے کہا نہیں! اس میں درہم ہیں، آپؓ نے فرمایا: کھجوریں ہوتیں تو کھانے کے کام میں آجاتیں، یہ کہہ کر تھیلی لے لی، اور اس میں بھرے ہوئے سب درہم ضرورت مندوں پر تقسیم فرما دیئے۔

حضرت عمرؓ کے اخیر دور خلافت ۲۲ھ میں قریباً ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

یہ بعثت کے چوتھے سال پیدا ہوئیں، جیسا کہ معلوم ہے وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں جو اول المومنین ہیں، اور ان کی والدہ ماجدہ ام رومان بھی اولین مومنات میں سے ہیں، ازواج مطہرات میں سے یہ شرف تنہا انہیں کو حاصل ہے کہ ان کے والدین ان کی پیدائش سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی دعوت ایمان کو قبول کر چکے تھے اور عنقریب ہی ناظرین کرام کو صحیح بخاری و صحیح مسلم اور جامع ترمذی کے حوالہ سے معلوم ہوگا کہ خواب میں متعدد بار رسول اللہ ﷺ کو ان کی صورت دکھلائی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہونے والی ہیں۔ اوپر ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے خصوصی درجہ کا ایمانی تعلق رکھنے والی خاتون خولہ بنت حکیم نے آپ سے نکاح کے بارے میں گفتگو کی، وہاں اس سلسلہ میں صرف وہی حصہ ذکر کیا گیا جس کا تعلق حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے تھا ...... اسی موقع پر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی عرض کیا تھا، جن کی عمر اس وقت صرف چھ سات سال کے قریب تھی اور معلوم ہے کہ حضور ﷺ کی عمر شریف پچاس سال سے متجاوز ہو چکی تھی، اس حالت میں خولہ بنت حکیمؓ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکاح کی تجویز پیش کرنے کے لئے توجیہہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیصلہ اس بارے میں عالم غیب میں ہو چکا تھا، اس کے عمل میں آنے کا ذریعہ خولہ بنت حکیم کی اس تجویز کو بنایا جائے روایت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خولہ کو حضورؐ کے خواب کے

بارے میں علم نہیں تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ خواب ایسا ہی تھا کہ کسی سے بھی اس کا ذکر نہ فرمایا جاتا...... بہر حال یہی ہوا خولہ نے حضور ﷺ کے سامنے سودہ بنت زمعہؓ کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بھی تجویز پیش کی۔ آپؐ نے جس طرح حضرت سودہؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم ہی میری طرف سے پیام ان کو پہنچاؤ، اسی طرح حضرت عائشہؓ کے بارے میں بھی ان ہی کو مامور فرمایا کہ تم ہی ان کے والدین کو میری طرف سے پیام پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچیں، لیکن اتفاق سے وہ اس وقت موجود نہیں تھے، ان کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہؓ کی والدہ ماجدہ ام رومانؓ موجود تھیں، خولہ نے مبارک باد دیتے ہوئے ان کی بیٹی عائشہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کا ذکر کیا۔ انہوں نے سن کر بڑی خوشی کا اظہار کیا کچھ دیر کے بعد حضرت ابو بکرؓ بھی آگئے...... خولہ نے ان کے سامنے بھی ان کی بیٹی عائشہؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پیام کی بات کہی، حضرت ابو بکرؓ نے کہا "اَوَ تَصْلُحُ لَهٗ وَهِيَ بِنْتُ اَخِيْهِ"؟ مطلب یہ تھا کہ کیا عائشہ کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح ہو سکتا ہے حالانکہ وہ ان کے بھائی کی بیٹی ہے، (حضرت ابو بکرؓ نے یہ بات اس بنیاد پر فرمائی کہ عربوں میں جس طرح پہلے منہ بولے بیٹے کی حیثیت حقیقی بیٹے کی تھی اسی طرح منہ بولے بھائی کی حیثیت حقیقی نسبی بھائی جیسی ہوتی تھی اور اسی طرح اس کی بیٹی سے نکاح کو جائز اور درست نہیں سمجھا جاتا تھا، جس طرح حقیقی نسبی بھتیجی سے نکاح کو درست اور جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔)

خولہ نے حضرت ابو بکرؓ کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہنچائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "هُوَ اَخِيْ فِي الْاِسْلَامِ وَابْنَتُهٗ تَحِلُّ لِيْ" مطلب یہ تھا کہ وہ اسلامی بھائی ہیں۔ نسبی بھائی نہیں ہیں، اس لئے ان کی بیٹی عائشہؓ سے میرا نکاح اللہ کی نازل فرمائی ہوئی شریعت میں جائز اور صحیح ہے، اگر بالفرض وہ میرے حقیقی نسبی بھائی ہوتے تو ان کی بیٹی سے نکاح کرنا میرے لئے جائز اور درست نہ ہوگا۔ خولہ نے ابو بکرؓ کو حضور ﷺ کا جواب پہنچایا تو فطری طور پر ان کو بڑی خوشی ہوئی، لیکن اس بارے میں ایک رکاوٹ یہ تھی کہ عائشہ کی نسبت بچپن ہی میں جبیر ابن مطعم سے ہو چکی تھی اور اس نسبت کو ایک طرح کا معاہدہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے انہوں نے اخلاقی طور سے ضروری سمجھا کہ جبیر کے والد مطعم سے بات کر کے ان کو اس کے لئے راضی کر لیں، تاکہ میری طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی اور عہد شکنی نہ ہو، اس بارے میں گفتگو کرنے کے لئے وہ مطعم کے مکان پر پہنچے...... یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یہ بعثت نبوی کا گیارہواں سال تھا، جب کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت اسلام، اور اس کو قبول کرنے والوں کے ساتھ کفار مکہ کی دشمنی انتہائی درجہ کو پہنچ چکی تھی حضرت ابو بکرؓ نے مطعم کے مکان پر پہنچ کر اپنی بات شروع کی، اور کہا کہ میری بیٹی عائشہ کے بارے میں تمہارا اب کیا خیال ہے؟ اس وقت مطعم کی بیوی قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کہا کہ "میں نہیں چاہتی کہ اب وہ بچی (عائشہ ہمارے گھر میں آئے، اگر وہ آئے گی تو اس کے ساتھ اسلام کے قدم بھی ہمارے گھر میں آجائیں گے، اور ہم اپنے باپ دادا کے جس دین پر اب تک چل رہے ہیں اسکے نظام میں گڑبڑ ہو جائے گی۔) مطعم کی بیوی کا یہ جواب سن کر حضرت ابو بکرؓ نے مطعم سے کہا کہ "تم بتاؤ تمہارا فیصلہ کیا ہے؟ اس نے کہا: کہ تم نے اس (میری بیوی) کی

بات سن لی میری بھی یہی رائے ہے"...... حضرت ابو بکرؓ مطمئن ہو کر واپس تشریف لائے، اور خولہ سے کہا کہ "تم رسول اللہ ﷺ کو بلا لاؤ" وہ گئیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور اسی وقت نکاح ہو گیا۔

یہ شوال کا مہینہ تھا جس کے بعد قریباً تین سال رسول اللہ ﷺ کا قیام مکہ معظمہ ہی میں رہا...... جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اس پوری مدت میں حضرت سودہ بنت زمعہؓ ہی آپ ﷺ کی منکوحہ رفیقۂ حیات کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہیں اور وہی تنہا تمام امور خانہ داری انجام دیتی رہیں...... بعثت کی قریباً ۱۳ سال پورے ہو جانے پر آپ نے بحکم خداوندی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی...... جیسا کہ معلوم ہے یہ سفر رازداری کے ساتھ رات میں ہوا اور تنہا حضرت ابو بکرؓ ہی کو اپنے ساتھ لیا، ان کے بیوی بچے سب مکہ مکرمہ ہی میں رہے، مدینہ طیبہ پہنچ کر قیام کے بارے میں ضروری انتظام کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک شخص (عبداللہ بن اریقط) کو مکہ معظمہ بھیج کر اپنی اہلیہ مکرمہ ام رومان اور دونوں صاحبزادیوں حضرت عائشہؓ اور ان کی بڑی بہن حضرت اسماء کو بھی بلوالیا...... اور رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو مکہ مکرمہ بھیج کر اپنے اہل و عیال حضرت سودہ بنت زمعہؓ اور دونوں صاحبزادیوں (حضرت ام کلثومؓ و حضرت فاطمہؓ) کو بلوالیا، یہ وہ وقت تھا، جب آپؐ مسجد تعمیر کرا رہے تھے اور اس کے ساتھ اپنے لئے چھوٹے چھوٹے گھر بنوا رہے تھے، تو حضرت سودہؓ نے مکہ مکرمہ سے آکر انہیں میں سے ایک گھر میں قیام فرمایا...... حضرت عائشہؓ جن کے ساتھ آپؐ کا نکاح تین سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہو چکا تھا، اب قریباً ۹۔۱۰ سال کی ہو گئیں تھیں، حضرت ابو بکرؓ کو ان کی غیر معمولی صلاحیت کا پورا اندازہ تھا اور جانتے تھے کہ تعلیم و تربیت اور سیرت سازی کا بہترین اور سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ صحبت ہے، اس لئے انہوں نے خود ہی حضور ﷺ سے عرض کیا کہ "اگر آپ کے نزدیک نامناسب نہ ہو تو یہ بہتر ہوگا کہ عائشہ آپ ﷺ کی اہلیہ اور شریک حیات کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہے۔[1] آپؐ نے اس کو منظور فرمالیا، اور وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے بنوائے ہوئے ایک گھر میں مقیم ہو گیں، راجح روایت کے مطابق یہ ۱ہجری شوال کے مہینہ میں ہوا...... یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ چونکہ کبھی شوال کے مہینہ میں عرب میں طاعون کی شدید وبا آئی تھی، اس وجہ سے اس مہینہ کو نامبارک اور منحوس مہینہ سمجھا جاتا تھا اور اس میں شادی جیسی تقریبات نہیں کی جاتی تھیں، لیکن ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مکہ مکرمہ میں نکاح بھی شوال کے مہینہ میں ہوا تھا، اور جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آکر رفیقۂ حیات کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ مقیم ہوئی تو وہ بھی شوال کا مہینہ تھا، اس طرح حضرت صدیقہؓ کے مبارک نکاح اور مبارک رخصتی نے عربوں کی اس توہم پرستی کا خاتمہ کر دیا۔

بعض قابل ذکر خصوصیات

ازواج مطہرات میں صرف انہیں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ صغر سنی یعنی قریباً ۹۔۱۰ سال کی عمر سے رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت، اور تعلیم و تربیت سے مستفید ہوتی رہیں، اسی طرح چند اور سعادتیں بھی

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں طبرانی کے حوالہ سے خود حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ "قال ابو بکر یا رسول اللہ ما یمنعك ان تبنی باھلك فبنی بی۔ الحدیث (فتح الباری ص ۴۶۶) طبع ☆☆☆)

تنہا انہیں کے حصہ میں آئیں جن کا وہ خود اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ذکر فرمایا کرتی تھیں ...... فرماتی تھیں: تنہا مجھے ہی یہ شرف نصیب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آنے سے پہلے سے ہی آپؐ کو خواب میں میری صورت دکھلائی گئی اور فرمایا گیا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپؐ کی زوجہ ہونے والی ہیں ...... اور آپؐ کی ازواج میں سے تنہا میں ہی ہوں جس کا آپؐ کی زوجیت میں آنے سے پہلے کسی دوسرے کے ساتھ یہ تعلق اور رشتہ نہیں ہوا ...... اور تنہا مجھی پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم تھا کہ آپ جب میرے ساتھ ایک لحاف میں آرام فرما ہوتے تو آپؐ پر وحی آتی، دوسری ازواج میں سے کسی کو یہ سعادت میسر نہیں ہوئی اور یہ کہ میں ہی آپؐ کی ازواج میں سے آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھی اور اس باپ کی بیٹی ہوں جو حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے ...... اور یہ شرف بھی آپؐ کی ازواج میں سے مجھے ہی نصیب ہے کہ میرے والد اور میری والدہ دونوں مہاجر ہیں ...... اور یہ کہ بعض منافقین کی سازش کے نتیجہ میں جب مجھ پر ایک گندی تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری برأت کے لئے قرآنی آیات نازل فرمائیں جن کی قیامت تک اہل ایمان تلاوت کرتے رہیں گے، اور ان آیات میں مجھے نبی پاک (طیب) کی پاک بیوی (طیبہ) فرمایا گیا، نیز اس سلسلہ کی آخری آیت میں "أُولَئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ" فرما کر میرے لئے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں کبھی اپنی اس خوش نصیبی کا بھی ذکر فرماتیں کہ آپؐ نے زندگی کا آخری پورا ایک ہفتہ میرے ہی گھر میں میرے ساتھ قیام فرمایا، اسی سلسلہ میں یہ بھی فرماتیں کہ حیاۃ مبارکہ کا آخری دن میری باری کا دن تھا، اور اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص کرم مجھ پر یہ ہوا کہ اسی آخری دن میرا آب دہن آپؐ کے آب دہن کے ساتھ آپؐ کے شکم مبارک میں گیا[1] اور آخری لمحات میں میں ہی آپ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی تھی، اور جس وقت بحکم خداوندی روح مبارک نے جسد اطہر سے مفارقت اختیار کی اس وقت آپ ﷺ کے پاس میں ہی تھی، یا موت کا فرشتہ، اور آخری بات یہ کہ میرا ہی گھر قیامت تک کے لئے آپؐ کی آرام گاہ بنا یعنی اسی میں آپ کی تدفین ہوئی۔[2]

فضائل و کمالات

۲۲۲) عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا

---

[1] اسی سلسلہ معارف الحدیث میں آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کے بیان میں حضرت صدیقہ ہی کی روایت سے یہ واقعہ بیان ہو چکا کہ وفات سے کچھ پہلے حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر مسواک ہاتھ میں لئے آپ ﷺ کے قریب آئے، آپؐ نے ان کی مسواک کو اس طرح دیکھا جس سے میں سمجھی کہ آپ ﷺ مسواک فرمانا چاہتے ہیں تو میں نے مسواک لے کر اپنے منہ میں چبا کر نرم کر کے آپؐ کو دی، آپؐ نے تندرستی کی حالت کی طرح اس وقت مسواک فرمائی اس طرح میرا دہن آپؐ کے دہن کے ساتھ شکم مبارک میں گیا۔

[2] زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں ابن سعد، طبرانی، ابن ابی شیبہ، اور ابو یعلیٰ کی روایات سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیانات نقل کئے ہیں۔ (زرقانی جلد ثالث ص ۲۳۳)

مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَاٰسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں میں تو بہت لوگ درجۂ کمال کو پہنچے ہیں، مگر عورتوں میں صرف مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ ہی کامل ہوئی ہیں...... اور عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ تمام کھانوں میں ثرید افضل و اعلیٰ ہے......　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام جن کی تعداد بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ سے اوپر ہے، سبھی درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اسی طرح ان کے حواریین اور خلفاء جن کی تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے، سب کامل ہی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمائی ہوئی خواتین میں سے اس حدیث میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ بس وہی درجۂ کمال کو پہنچ سکیں۔ ان دونوں کے اس امتیاز ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ قرآن پاک سورۂ تحریم کے آخر میں ان دونوں کے مؤمنانہ کردار کو سب ایمان والوں کے لئے لائق تقلید مثال اور نمونہ کے طور پر پیش فرمایا گیا ہے۔

بعض شارحین نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق صرف اگلی امتوں سے ہے، اس لئے اس حدیث سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ آپؐ کی امت میں اللہ کی کوئی بندی درجۂ کمال کو نہیں پہنچی...... کچھ ہی پہلے حضرت خدیجہؓ کے فضائل کے بیان میں یہ حدیث گذر چکی ہے۔ "خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ" (دنیا کی سب عورتوں میں بہتر مریم بنت عمران ہیں، اور خدیجہ بنت خویلد۔) خود اسی زیر تشریح حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے "وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمائی ہوئی تمام خواتین پر ایسی فضیلت و برتری حاصل ہے جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر...... واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ثرید کو لذت اور نافعیت میں دوسرے سب کھانوں پر فوقیت و برتری حاصل تھی...... ثرید کے بارے میں لغت کی کتابوں میں اور شروح حدیث میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا جا سکتا...... اس عاجز (راقم سطور) کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دستر خوان پر بار بار ثرید کھانا نصیب ہوا ہے...... اس عاجز کا تجربہ اور احساس بھی یہی ہے کہ وہ لذت، کھانے میں سہولت سرعت ہضم اور نافعیت کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کے ان تمام کھانوں سے بھی جو عام طور پر بہتر سمجھے جاتے ہیں، فائق ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کی بنا پر یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تمام دنیا کی عورتوں پر، اگلی امتوں، اور امت محمدیہ کی بھی تمام خواتین پر فضیلت و برتری حاصل ہے...... لیکن ان تمام حدیثوں پر غور کرنے کے بعد جن میں اس طرح کسی کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ قرین صواب یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت کلی نہیں، بلکہ کسی خاص جہت سے ہے۔ مثلاً حضرت صدیقہؓ کو احکام شریعت کے علم، تفقہ جیسے کمالات کی بنا پر دوسری تمام خواتین پر فضیلت و برتری حاصل ہے، اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کو ان خصوصیات کی وجہ سے جو ان کے احوال و اوصاف کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں، دوسری تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے، اور مثلاً سیدہ حضرت فاطمہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر ہونے کے ساتھ ان کمالات کی وجہ سے جن کا بیان ان کے فضائل کے بیان میں قارئین کرام پڑھیں گے، جو شرف و فضیلت حاصل ہے، وہ بلاشبہ انہیں کا حصہ ہے۔

یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے ہے، صحیح بخاری ہی میں حضرت انسؓ کی روایت سے حدیث کا صرف آخری حصہ (فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ) روایت کیا گیا ہے۔

۲۲۳) وَعَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُرِيْتُكِ فِى الْمَنَامِ ثَلَاثَ لَيَالٍ، يُجِيْءُ بِكِ الْمَلَكُ فِىْ سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيْرٍ، فَقَالَ لِىْ، هٰذِهٖ امْرَأَتُكَ، فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَاِذَا اَنْتِ هِيَ، فَقُلْتُ : اِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهٖ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے دکھائی گئیں خواب میں تین رات، فرشتہ ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں تمہیں لے کر آتا، اور مجھ سے کہتا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں، تو میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹایا، تو دیکھا کہ وہ تم ہو، تو میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ آپؐ نے یہ خواب کب اور کس زمانہ میں دیکھا؟ بظاہر قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب ان جیسی شریک حیات کی مفارقت کا فطری طور پر آپؐ کو سخت صدمہ تھا، اور مستقبل کے بارے میں فکر تھی تو اس وقت آپؐ کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو یہ دکھایا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اگرچہ اس وقت قریباً چھ سال کی بچی تھیں، لیکن اس بچپن ہی میں ان کے جو احوال و اطوار تھے ان سے آنحضرت ﷺ کو ان کی ذہانت و فطانت اور غیر معمولی صلاحیت کا بخوبی اندازہ تھا، اس طرح آپؐ کو منجانب اللہ بتلایا گیا کہ یہی آپؐ کے لئے مستقبل میں حضرت خدیجہؓ کا بدل ثابت ہوں گی، واللہ اعلم ...... یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نبوت کے ابتدائی دور میں آنحضرت ﷺ کو اپنی شریک حیات میں جن خصوصیات کی ضرورت تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خدیجہؓ کو بھرپور عطا فرمائی تھیں اور ہجرت کے بعد کے مدنی دور میں اپنی رفیقۂ حیات میں آپ کو جن خاص صفات کی ضرورت تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کو بدرجہ کمال عطا فرمائی تھیں۔

حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ آپؐ نے خواب دیکھنے کے بعد اپنے دل میں کہا: "اِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهٖ"۔ (جس کا لفظی ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ اگر چہ یہ خواب منجانب اللہ ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے

گا) اس پر کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام خاص کر رسول اللہ ﷺ کا خواب تو وحی کی ایک قسم ہے تو اس کے بارے میں شک شبہ کی کیا گنجائش تھی ...... حقیقت یہ ہے کہ "اِنْ یَّکُنْ" کا لفظ شبہ ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ بالکل اس طرح ہے کہ کسی ملک کا بادشاہ کسی شخص سے راضی ہو کر کہے: اگر میں بادشاہ ہوں تو تمہارا یہ کام ضرور کیا جائے گا، ..... الغرض اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دل میں اطمینان محسوس کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ضرور ایسا ہی ہوگا ..... اور ایسا ہی ہوا۔

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جامع ترمذی کی روایت میں صراحت ہے کہ خواب میں حضرت عائشہ کی صورت لے کر آنے والے فرشتے حضرت جبرائیلؑ تھے اور انہوں نے حضور ﷺ سے کہا تھا: "هٰذِهٖ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" (یہ آپ کی بیوی ہونے والی ہیں دنیا اور آخرت میں)

۲۲۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاعَائِشَةُ! "هٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ" قَالَتْ : وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، قَالَتْ : وَهُوَ يَرٰى مَالَا اَرٰى." (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے بیان فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں جو تم کو سلام کہلوا رہے ہیں" تو میں نے عرض کیا "وعلیہ السلام ورحمۃ اللّٰہ" (ان پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت) آگے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ وہ دیکھتے تھے، جو ہم نہیں دیکھتے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... حضرت خدیجہؓ کے فضائل کے بیان میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت جبرائیل غار حراء میں آپؐ کے پاس آئے، اور آپؐ سے کہا کہ خدیجہؓ کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر آ رہی ہیں ان کو اپنے رب کا سلام پہنچایئے اور میرا...... اور یہاں اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ "یہ جبرائیل ہیں جو تم کو سلام کہلوا رہے ہیں" حضرت صدیقہؓ نے جواب میں عرض کیا "وعلیہ السلام ورحمۃ اللّٰہ" ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جبرائیلؑ کو حضور دیکھ رہے تھے، میں نہیں دیکھ رہی تھی۔

۲۲۵) وَعَنْهَا قَالَتْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِذَالِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَقَالَتْ : اِنَّ نِسَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُنَّ حِزْبَيْنِ : فَحِزْبٌ فِيْهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ، وَالْحِزْبُ الْاٰخَرُ اُمُّ سَلِمَةَ وَسَائِرُ نِسَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَكَلَّمَ حِزْبُ اُمِّ سَلِمَةَ فَقُلْنَ لَهَا : كَلِّمِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُوْلُ : مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْدِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلْيُهْدِهٖ اِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ، فَكَلَّمَتْهُ، فَقَالَ لَهَا : لَاتُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ، فَاِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَاْتِنِيْ وَاَنَا فِيْ ثَوْبِ اِمْرَاَةٍ اِلَّا عَائِشَةَ، قَالَتْ : اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اَذَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، ثُمَّ اِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ فَاَرْسَلْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ : "يَابُنَيَّةُ اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ، قَالَتْ : بَلٰى قَالَ : فَاَحِبِّيْ هٰذِهٖ"۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب خصوصیت سے میری باری ہی کے دن ہدیے بھیجنے کا اہتمام کرتے تھے، وہ اپنے اس عمل سے رسول اللہ

ﷺ کی خوشنودی چاہتے تھے، (اور صورت حال یہ تھی کہ) آپؐ کی ازواج کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں عائشہ، حفصہ، صفیہ، اور سودہ تھیں، اور دوسرے گروہ میں ام سلمہ اور باقی ازواج، ام سلمہ کی گروہ والیوں نے ام سلمہ سے بات کی، اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے تم کہو کہ آپ اپنے اصحاب سے فرمادیں کہ اگر کوئی آپ کے لئے ہدیہ بھیجنا چاہے تو آپ جہاں بھی ہوں (یعنی ازواج میں سے کسی کے یہاں بھی مقیم ہوں) تو وہ وہیں آپ کو ہدیہ بھیجے، چنانچہ ام سلمہؓ نے آپ سے یہی عرض کیا، آپؐ نے فرمایا کہ تم مجھے عائشہؓ کے بارے میں اذیت نہ دو، یہ عائشہؓ ہی کی خصوصیت ہے کہ انہیں کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے، ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں اللہ کے حضور میں آپ کو اذیت دینے سے توبہ کرتی ہوں۔ پھر ام سلمہؓ کی گروہ والی ازواج مطہرات نے (آپ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہؓ کو اسی غرض سے آپ کے پاس بھیجا، چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ سے وہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا: اے بیٹا! کیا تم اس سے محبت نہیں کرو گی جس سے مجھے محبت ہو، عرض کیا: کیوں نہیں! (یعنی آپ جس سے محبت کرتے ہیں میں ضرور اس سے محبت کروں گی) آپ نے فرمایا: فَأَحِبِّي هٰذِهِ "تو تم اس (عائشہ) سے محبت کرو"۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں ...... ایک یہ کہ اس میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے دو گروہ میں تقسیم ہونے کی بات کہی گئی ہے، دو گروہوں میں یہ تقسیم کسی باہمی اختلاف کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ کچھ ازواج مطہرات کو مزاجی مناسبت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ تھی، اور کچھ کو حضرت ام سلمہؓ سے (واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل و دانش کے لحاظ سے یہ دونوں تمام ازواج مطہرات میں ممتاز تھیں، اور حضور کو قلبی تعلق بھی ان دونوں کے ساتھ بہ نسبت دوسری ازواج کے زیادہ تھا ...... دوسری بات قابل وضاحت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھانے پینے، پہننے اور شب باشی جیسے اختیاری معاملات میں اپنی تمام ازواج کے ساتھ امکانی حد تک یکساں برتاؤ کا خاص اہتمام فرماتے تھے ...... لیکن قلبی محبت کا تعلق انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِىْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِىْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ [1] (اے اللہ میں تقسیم میں برابری کرتا ہوں ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، اے میرے مالک مجھ سے درگذر فرما اس چیز کے بارے میں جو صرف تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے یعنی دل کا لگاؤ) بہر حال یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی بعض ازواج کے ساتھ زیادہ محبت تھی، اور سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تھی، اور آنحضرت ﷺ کے قریبی تعلق رکھنے والے اصحاب کرام اس حقیقت سے باخبر اور واقف تھے، اس لئے وہ جب کوئی کھانے وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر بھیجنا چاہتے تو اس کا اہتمام کرتے کہ اس دن بھیجیں جس دن آپؐ کا قیام حضرت عائشہؓ کے یہاں ہو ...... یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے کبھی کسی کو کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا، تاہم یہ بات ان ازواج

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ سنن اربعہ۔

کے لئے گرانی کا باعث تھی جو حضرت ام سلمہؓ سے خصوصی تعلق رکھتی تھیں، انہوں نے ان سے کہا کہ تم حضور ﷺ سے اس بارے میں بات کرو اور یہ عرض کرو، پھر ام سلمہؓ کا حضور ﷺ سے عرض کرنا، اور آپ ﷺ کا جواب اور اس پر ام سلمہؓ کی گذارش یہ سب حدیث کے ترجمہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ آگے حدیث میں یہ ہے کہ اس کے بعد انہوں نے حضور کی صاحبزادی، حضرت فاطمہؓ سے بات کی اور ان کو اسی غرض سے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے جاکر آپ کی ان ازواج کی طرف سے وہی عرض کیا جو حضرت ام سلمہؓ نے کیا تھا، پھر حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور حضرت فاطمہؓ نے جو عرض کیا وہ بھی ترجمہ میں آپ پڑھ چکے ہیں...... البتہ یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، کہ حضرت فاطمہؓ کو اس کا علم تھا کہ حضرت ام سلمہؓ اس بارے میں حضور ﷺ سے عرض کرچکی ہیں یقین ہے کہ اگر انہیں اس کا علم ہوتا تو وہ ہرگز اس کیلئے تیار نہ ہوتیں...... واللہ اعلم۔

علمی فضل و کمال

۲۲۶) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی، قَالَ : مَاأَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ...... حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَ لْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے فرمایا کہ جب کبھی ہم لوگوں یعنی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو کسی بات اور کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا، تو ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا تو ان کے پاس اس کے بارے میں علم پایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ قدیم الاسلام ہیں، ان چند صحابہ کرامؓ میں ہیں جو علم اور تفقہ میں ممتاز تھے، یہ دراصل علاقۂ یمن کے رہنے والے تھے، دعوت ایمان و اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ان کو اس کی خبر پہنچی تو یہ خود مکہ معظمہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے معمول کے مطابق ان کے سامنے بھی اسلام کی دعوت پیش کی تو ان کے قلب سلیم نے بغیر تردد و توقف کے اسلام قبول کرلیا، اور مکہ معظمہ ہی میں رہنے کا فیصلہ کرلیا، اور پھر جب مکہ کے کفار و مشرکین نے اسلام قبول کرنے والوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا، اور بات ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تو حضور ﷺ ہی کے مشورہ سے ان ستم رسیدہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کیا، اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی قیادت میں صحابہ کرامؓ کی جو جماعت حبشہ کے لئے روانہ ہوئی ان ہی میں ابو موسیٰ اشعریؓ بھی تھے...... چند برسوں تک یہ حضرات حبشہ ہی میں مقیم رہے، رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد یہ حضرات مدینہ طیبہ آگئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اللہ تعالیٰ نے خاص درجہ کی علمی صلاحیت عطا فرمائی تھی وہ حضور ﷺ کے دور حیات ہی میں ان چند صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے جن کی طرف عام مسلمان دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے رجوع کرتے تھے، اصطلاحی الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ "فقہاء صحابہ میں سے تھے ان کا یہ بیان بڑی

اہمیت رکھتا ہے کہ ہم کو یعنی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام کو حضور ﷺ کے بعد کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی تو وہ حضرت عائشہؓ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور جو مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے دیکھا کہ اس کے بارے میں ان کے پاس علم ہے ...... یعنی وہ مسئلہ حل فرمادیتیں یا تو ان کے پاس اس بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہوتا یا اپنی اجتہادی صلاحیت سے مسئلہ حل فرمادیتیں ...... اس سلسلہ میں چند اکابر تابعین کی یہ شہادتیں بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔"

حضرت عروہ ابن زبیرؓ جو حضرت عائشہؓ کے حقیقی بھانجے ہیں، اور حضرت صدیقہؓ کی روایتوں کی بڑی تعداد کے وہی راوی ہیں، حاکم اور طبرانی نے ان کا یہ بیان حضرت صدیقہؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ:

مَارَأَيْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِالْقُرْاٰنِ وَلَابِفَرِيْضَةٍ وَلَابِحَرَامٍ وَلَابِحَلَالٍ وَلَابِفِقْهٍ وَلَابِشِعْرٍ وَلَابِطِبٍّ وَلَابِحَدِيْثِ الْعَرَبِ وَلَا نَسَبٍ مِنْ عَائِشَةَ. [1]

ترجمہ: میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اللہ کی کتاب قرآن پاک اور فرائض کے بارے میں اور حرام و حلال اور فقہ کے بارے میں اور شعر اور طب کے بارے میں اور عربوں کے واقعات اور تاریخ کے بارے میں اور انساب کے بارے میں (ہماری خالہ جان) عائشہؓ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

اور حاکم اور طبرانی ہی نے ایک دوسرے تابعی مسروق سے روایت کیا ہے۔ فرمایا:

وَ اللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الْاَكَابِرَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَفِيْ لَفْظٍ مَشِيْخَةَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْاَكَابِرَ يَسْأَلُوْنَ عَائِشَةَ عَنِ الْفَرَائِضِ. [2]

ترجمہ: میں نے اکابر صحابہؓ کو دیکھا ہے فرائض کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تھے۔

اور حاکم ہی نے ایک تیسرے بزرگ تابعی عطاء ابن ابی رباح کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:-

كَانَتْ عَائِشَةُ أَفْقَهَ النَّاسِ وَاَعْلَمَ النَّاسِ وَاَحْسَنَ النَّاسِ رَأْيًا فِي الْعَامَّةِ [3]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بڑی فقیہہ تھیں اور بڑی عالم اور عام لوگوں کی رائے ان کے بارے میں بہت اچھی تھی۔

کمالِ خطابت

مندرجہ بالا علمی کمالات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خطابت میں بھی کمال عطا فرمایا تھا، طبرانی نے حضرت معاویہؓ کا بیان نقل کیا ہے، فرمایا:

قَالَ مَعَاوِيَةُ وَاللّٰهِ مَارَأَيْتُ خَطِيْبًا قَطُّ اَبْلَغَ وَلَا أَفْصَحَ وَلَا أَفْطَنَ مِنْ عَائِشَةَ۔ (رواه الطبرانی)

ترجمہ: خدا کی قسم میں نے کوئی خطیب نہیں دیکھا جو فصاحت و بلاغت اور فطانت میں حضرت عائشہؓ سے

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۳۴۔
[2] زرقانی ج ۳ ص ۲۳۴۔
[3] زرقانی ج ۳ ص ۲۳۴۔

فائق ہو۔

یہی وہ خداداد کمالات تھے جن کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ (رضی اللہ عنہا وارضاہا)

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تنہا یہی حقیقی بہن تھیں، ان کی والدہ زینب بنت مظعونؓ تھیں جو مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں، اور خود بھی صحابیہؓ تھیں۔ حضرت حفصہؓ کی ولادت بعثت نبوی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی، اس لحاظ سے یہ رسول اللہ ﷺ سے قریباً ۳۵ سال چھوٹی تھیں۔

ہجرت سے پہلے ان کا نکاح حضرت خنیسؓ بن حذافہ سہمی نامی ایک صحابی سے ہوا تھا اور ان ہی کے ساتھ انہوں نے مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ حضرت خنیسؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور راجح قول کے مطابق بدر ہی میں ان کے کاری زخم آئے جن سے وہ جانبر نہیں ہوسکے تھے۔ اور کچھ ہی عرصہ کے بعد ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔

حضرت خنیسؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنی بیٹی کی فکر ہوئی۔ یہ غزوۂ بدر کے بعد کا زمانہ ہے۔ اسی موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی اہلیہ اور رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے حضرت حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی۔ انہوں نے غور کرنے کے لئے کچھ وقت مانگا۔ اور چند دن کے بعد معذرت کردی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے یہی پیش کش کی، مگر انہوں نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ مجھے ان کی خاموشی حضرت عثمانؓ سے زیادہ ناگواری گذری...... اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے لئے پیام دیا، اور جب یہ نکاح ہوگیا تب حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ سے نکاح کی خواہش کی تھی، اور میں خاموش رہا تھا تو تم اس سے رنجیدہ ہوئے تھے۔ اصل میں قصہ یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا ارادہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لینے کا ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے تمہاری پیشکش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، میں یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بات ابھی راز میں رکھی تھی، میں اس کو ظاہر کردوں۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارادہ میرے علم میں نہ ہوتا تو میں ضرور تمہاری پیش کش قبول کرلیتا۔ یہ ساری تفصیلات صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت حفصہؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کی روایت سے موجود ہیں۔ حدیث کی ایک اور کتاب مسند ابو یعلیٰ میں اتنی بات کا اور اضافہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی پیش کش قبول کرنے سے معذرت ظاہر کردی تو حضرت عمرؓ نے اس کا شکوہ رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ جس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حفصہ کو عثمانؓ سے بہتر شوہر دے گا اور عثمانؓ کو تمہاری بیٹی حفصہؓ سے بہتر بیوی۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں

کے بعد حضرت عثمانؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ ہی کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے ہوا اور حضرت حفصہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف ملا۔

حضرت حفصہؓ کے مناقب میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کا جو نسخہ مکمل شکل میں مرتب و مدون کیا گیا تھا: وہ نسخہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہی کی تحویل میں رہا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب ضرورت پڑی کہ قرآن مجید کے یکساں نسخے مرکز خلافت ہی سے مدون و مرتب کرا کے عالم اسلام میں بھیجے جائیں تو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ نسخہ کو بنیاد مانا گیا تھا...... اس کی ضروری تفصیل اسی سلسلہ معارف الحدیث میں حضرت عثمانؓ کے مناقب میں لکھی جا چکی ہے...... یہاں تو صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عہدِ فاروقی کے بعد اس نسخہ کی حفاظت کا شرف حضرت حفصہؓ کے حصہ میں آنا یقیناً ان کی ایک قابل ذکر فضیلت ہے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں ۴۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر قریباً ۶۳ سال تھی۔

ان تعارفی و تمہیدی کلمات کے بعد وہ حدیث پڑھئے جس میں اللہ کے مقرب فرشتے حضرت جبرائیلؑ کی زبانی حضرت حفصہؓ کے بارے میں ایک شہادت نقل ہوئی ہے اور اسی کی وجہ سے واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ کے فضائل میں تنہا یہی حدیث بالکل کافی ہے۔

۲۲۷) عَنْ قَيْسِ ابْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ طَلَّقَهَا تَطْلِيْقَةً ثُمَّ اِرْتَجَعَهَا. وَذَالِكَ اَنَّ جِبْرَائِيْلَ قَالَ لَهٗ اِرْجِعْ حَفْصَةَ فَاِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ، وَاِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ: قیس ابن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو ایک مرتبہ طلاق دی پھر رجوع فرما لیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ آپ ﷺ حفصہؓ سے رجعت کر لیں اس لئے کہ وہ بہت روزہ رکھنے والی اور بہت نماز پڑھنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوں گی۔

تشریح...... اللہ تعالیٰ کی یہاں حضرت حفصہؓ کی قدر و منزلت اور مقبولیت و محبوبیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ حدیث بالکل کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی تو اللہ نے نہ صرف حضرت جبرائیل کے ذریعہ آپؐ کو رجعت کرنے کا حکم بھیجا بلکہ حضرت حفصہؓ کی سیرت و کردار کے بارے میں یہ سند اور یہ شہادت بھی عطا فرمائی کہ یہ دن کو کثرت سے روزہ رکھتی ہیں اور رات کو اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتی ہیں اور یہی نہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جنت میں بھی ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف مقدر ہو چکا ہے۔

یہ بات تحقیقی طور پر نہیں معلوم ہو سکی کہ طلاق کے اس واقعہ کا اصل سبب کیا تھا۔ البتہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ طلاق اور رجعت ان دونوں کے سلسلہ کا یہ واقعہ جو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں پیش آیا اسی سے

امت کو طلاق اور رجعت کا صحیح اور مسنون طریقہ عملی طور پر معلوم ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کے پیش آنے کی ایک حکمت اسی طریقہ کی تعلیم ہو......اس کے علاوہ یہ بھی اسی واقعہ کی برکت ہے کہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں حضرت حفصہؓ کی بلندی مقام، اور ان کے وہ خاص اوصاف جو اس کا سبب بنے، اور پھر ان کا جنتی ہونا، یہ سب بھی معلوم ہو گیا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کا نام ہند تھا، بعض مورخین نے رملہ لکھا ہے آپ کے والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگ حذیفہ بتلاتے ہیں زیادہ مشہور قول سہل یا سہیل بن المغیرہ ہے۔ ان کی کنیت ابوامیہ تھی اور کنیت سے ہی مشہور ہیں مکہ کے معززین میں شمار ہوتا تھا۔ بہت سخی اور صاحب خیر تھے۔ سفر میں جاتے تو تمام شرکاء سفر کا تکفل فرماتے، اسی لئے آپ کا لقب زادالرکب (اہل قافلہ کی زادراہ کے ذمہ دار) پڑ گیا تھا۔

حضرت ام سلمہؓ کی پہلی شادی اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی کے ساتھ ہوئی تھی، یہ رسول اللہ ﷺ کے رضائی (دودھ شریک) بھائی بھی تھے۔ ام سلمہؓ کے ایک بیٹے سلمہ کی وجہ سے ہی ان کی کنیت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر حضرت عبداللہ کی کنیت ابو سلمہؓ پڑ گئی تھی۔ حضرت ابو سلمہؓ بھی شرفاء مکہ میں شمار ہوتے تھے۔

میاں بیوی دونوں ہی مکہ میں بالکل ابتدائی زمانہ میں اسلام لانے والے اور سابقین اولین میں ہیں۔ اہل مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر یہ دونوں میاں بیوی حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے کچھ عرصہ حبشہ میں قیام کے بعد دونوں مکہ تشریف لے آئے۔ لیکن مکہ کے حالات نے اب بھی مکہ میں نہ رہنے دیا اور دونوں اپنے بیٹے سلمہ کو لے کر ہجرت کے ارادہ سے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کے لئے نکلے ابھی یہ لوگ مکہ سے نکلے ہی تھے کہ حضرت ام سلمہؓ کے خاندان بنو مغیرہ کے لوگوں کو اس کا علم ہو گیا کہ ابو سلمہؓ خود تو مدینہ جا ہی رہے ہیں ان کے خاندان کی لڑکی، ام سلمہؓ کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں ان لوگوں نے حضرت ابو سلمہؓ سے کہا کہ اپنے بارے میں تم بااختیار ہو جہاں چاہو رہو۔ لیکن ہم اپنی بیٹی کو دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے تمہارے ساتھ ہرگز نہ جانے دیں گے اور وہ حضرت ام سلمہؓ اور ان کے بچے سلمہ کو مکہ واپس لے گئے حضرت ابو سلمہؓ تنہا ہی مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع جب حضرت ابو سلمہؓ کے خاندان بنو المخزوم کے لوگوں کو ہوئی کہ ان کے خاندان کے ایک فرد ابو سلمہ کے ساتھ بنو المغیرہ کے لوگوں نے یہ زیادتی کی ہے، تو خاندانی حمیت کی وجہ سے ان لوگوں نے ام سلمہؓ کے خاندان بنو المغیرہ سے سلمہؓ کو جو ابھی بچے ہی تھے یہ کہہ کر لے لیا کہ ام سلمہؓ تو تمہارے خاندان کی ہیں ان کو تم رکھو لیکن سلمہؓ تو ہمارے خاندان کا بچہ ہے۔

اب صورت حال یہ ہو گئی کہ ابو سلمہؓ تو مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، ام سلمہؓ اپنے گھر بنو المغیرہ میں ہیں،

اور بچہ سلمہؓ حضرت ابو سلمہؓ کے قبیلہ بنو المخزوم کے قبضہ میں ہے۔

اس مصیبت میں مبتلا حضرت ام سلمہؓ مکہ سے نکل کر دن بھر مقام ابطح میں بیٹھی اپنے شوہر اور بچہ کے غم میں روتی رہتیں۔

ہفتہ عشرہ اسی حال میں گزر گیا، ایک دن ان کے خاندان کے کسی شخص نے ان کو اس طرح روتے دیکھا تو اہل خاندان سے کہا اس بیچاری پر رحم کرو اور اس کو اپنے شوہر کے پاس جانے دو، قبیلہ کے لوگوں کو بھی ان پر ترس آ گیا اور ان کو ان کے شوہر ابو سلمہؓ کے پاس مدینہ طیبہ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ جب اس کا علم حضرت ابو سلمہؓ کے قبیلہ کو ہوا تو انہوں نے بھی سلمہؓ کو حضرت ام سلمہؓ کے حوالے کر دیا۔

حضرت ام سلمہؓ اپنے بچہ سلمہ کو لے کر اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کے ارادہ سے تنہا نکل پڑیں۔ ابھی مکہ سے چند میل دور مقام تنعیم تک ہی پہنچیں تھیں کہ عثمان بن طلحہ نامی مکہ کے ایک شخص ملے پوچھا ابو امیہ کی بیٹی کہاں کا ارادہ ہے، ام سلمہؓ نے جواب دیا اپنے شوہر ابو سلمہؓ کے پاس مدینہ جانا ہے، پوچھا کوئی ساتھ ہے ام سلمہؓ نے کہا کہ اس بچہ اور اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں۔ عثمان بن طلحہ نے کہا: میں ساتھ ہوں ابو امیہ کی بیٹی تنہا سفر نہیں کرے گی۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے ان جیسا شریف آدمی نہیں دیکھا۔ راستہ بھر ان کا معمول یہ رہا کہ جب منزل پر اترنے کا وقت آتا تو اونٹ کو بٹھاتے اور خود وہاں سے ہٹ جاتے اور میں اونٹ سے اتر آتی اور جب چلنے کا وقت آتا تو آ کر اونٹ بٹھاتے میں سوار ہو جاتی اور وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل دیتے پورا سفر اسی طرح طے ہوا۔ جب یہ لوگ مقام قبا میں (جو اس زمانہ میں مدینہ سے باہر ایک چھوٹی سی آبادی تھی اور اب مدینہ طیبہ ہی کا ایک محلّہ ہے) پہنچے تو عثمان بن طلحہ نے حضرت ام سلمہؓ سے کہا کہ تمہارے شوہر یہیں قبا میں ہیں انہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو ان کے حوالے کیا اور خود مکہ واپس چلے گئے۔

اکثر مؤرخین اور سیرت نگاروں کے نزدیک سب سے پہلے مدینہ ہجرت کرنے والی عورت حضرت اُم سلمہؓ ہی ہیں۔

مسلم شریف کی آئندہ ذکر کی جانے والی روایت سے بھی اس قول کی کچھ تائید ہوتی ہے۔

غزوہ احد میں حضرت ابو سلمہؓ نے بڑی بے جگری و جاں بازی اور شوق شہادت میں سرشار ہو کر قتال میں حصہ لیا، اسی موقعہ پر ان کے بہت گہرا زخم لگا تھا جو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو گیا۔ اور حضرت ابو سلمہؓ بالکل صحت یاب ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنو اسد سے جہاد کرنے والی جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔ اس جنگ میں ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا اور اس میں شدید تکلیف پیدا ہو گئی اور اسی زخم کی وجہ سے ۸ر جمادی الاخری ۴ھ کو حضرت ابو سلمہؓ کی وفات ہو گئی۔ انتقال کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے ابو سلمہؓ کی آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت اور رفع درجات کی دعا کی اور یہ بھی عرض کیا کہ اے اللہ ان کی جگہ آپ ہی ان کے پسماندگان کی نگرانی و سرپرستی فرمائیں۔ حضرت ام سلمہؓ کے لئے حالت پردیسی میں شوہر کی وفات بڑا حادثہ تھا۔

وہ اپنے شوہر کو بے مثال شوہر سمجھتی تھیں اور ان کے بعد ان سے بہتر یا ان جیسے شوہر کے ملنے کی امید نہ

تھی۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے باوجود مجھے ابو سلمہؓ کا متبادل نظر نہ آتا تھا کہ :۔

ما من مسلم تصيبه مصيبة فيقول ما امره الله به انالله وانا اليه راجعون. اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها الا اخلف الله له خيراً منها . فلما مات ابو سلمه قلت اى المسلمين خير من ابى سلمه اول بيت ها جر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم انى قلتها فاخلف الله لى رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ:۔ جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے (اور کوئی چیز فوت ہو جائے) اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے۔ یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما) تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا (ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابو سلمہؓ سے اچھا کون ہو سکتا ہے۔ وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنہوں نے گھر بار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور دعا کی اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہؓ کی جگہ رسول اللہ ﷺ مجھے نصیب فرمایا ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مسلم شریف کے حوالے سے معارف الحدیث جلد سوم میں گزر چکی ہے یہاں بھی اصل روایت اور اس کا ترجمہ وہیں سے نقل کیا گیا ہے صحیح مسلم کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی اس واقعہ کے ساتھ یہ دعا الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی گئی ہے، ابن سعد نے طبقات میں ام سلمہؓ کے واسطہ سے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک دن میں نے اپنے شوہر ابو سلمہؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر کوئی شوہر مر جائے اور بیوہ دوسری شادی نہ کرے اور دونوں جنت میں جائیں تو اللہ تعالیٰ جنت میں بھی ان کا رشتہ برقرار رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر بیوی مر جائے اور شوہر دوسری شادی نہ کرے تو بھی دنیا کا یہ رشتہ جنت میں بھی باقی رکھا جاتا ہے...... آیئے ہم دونوں عہد کریں کہ ہم دونوں میں جو پہلے مر جائے دوسری شادی نہیں کرے گا۔ حضرت ابو سلمہؓ نے یہ سن کر کہا کیا تم مجھ سے عہد کرنے کو تیار ہو، میں نے کہا بالکل اس پر حضرت ابو سلمہؓ نے فرمایا کہ اگر میرا انتقال پہلے ہو جائے تو تم شادی کر لینا اور اس کے بعد یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر شوہر عطا فرما جو ان کیلئے نہ باعث غم ہو نہ باعث تکلیف۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان سے بہتر کون ہو سکتا تھا یہاں تک کہ آپؐ کا پیغام آیا۔

ابو سلمہؓ کے انتقال اور ام سلمہؓ کی عدت گذر جانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے اور ام سلمہؓ کو

شادی کا پیغام دیا تھا لیکن ام سلمہؓ نے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو قبول کرنے میں مجھے تین (۳) عذر ہیں نمبر ۱ میں بہت غیرت مند ہوں۔ نمبر ۲ میرے کئی بچے ہیں۔ نمبر ۳ میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ان وجوہات سے رسول اللہ ﷺ کے حقوق کی ادائیگی میں کہیں کوتاہی نہ ہو جائے۔ بعض روایات میں یہ عذر بھی مذکور ہے کہ میرا کوئی ولی مدینہ میں نہیں ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے ام سلمہؓ کے یہ اعذار آپؐ کو پہنچائے تو آپؐ نے فرمایا جہاں تک ان کی حد سے بڑھی ہوئی غیرت کا معاملہ ہے تو میں دعا کروں گا اللہ تعالیٰ اسے دور فرما دے گا اور رہا بچوں کا سوال تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ ہیں اور رہا ان کی درازی عمر کا مسئلہ تو میری عمر ان سے زیادہ ہے۔ اور ان کا کوئی بھی ولی اس رشتہ کو ناپسند نہیں کرے گا۔ رسول اللہ...... کی یہ ہدایات جب ام سلمہؓ کو پہنچیں تو وہ فوراً رشتہ کے لئے تیار ہو گئیں اور شوال ۴ھ میں حضرت ام سلمہؓ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں۔

اولاد

حضرت ام سلمہؓ کے اپنے پہلے شوہر سے دو لڑکے سلمہ اور عمر تھے اور دو لڑکیاں درہ اور برہ تھیں بعد میں آپ ﷺ نے برہ کا نام بدل کر زینب رکھ دیا تھا۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے فضائل میں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں یہ روایت ذکر کی گئی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرائیلؑ آئے اور حضرت ام سلمہؓ آپ کی قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب جبرائیلؑ چلے گئے تو آپؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے سوال کیا کہ یہ کون تھے؟ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یہ دحیہ کلبیؓ تھے (اس لئے کہ حضرت جبرائیل دحیہ کلبیؓ ہی کی شکل میں آئے تھے) اس کے بعد آپ نے مسجد تشریف لے جا کر حضرت جبرائیلؑ کی تشریف آوری کا ذکر کیا تو حضرت ام سلمہؓ سمجھیں کہ وہ حضرت جبرائیلؑ ہی تھے۔

ازواج مطہرات کے سلسلہ میں سورۂ احزاب کی آیت "اِنَّمَا يُرِيْدُاللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" حضرت ام سلمہؓ ہی کے مکان میں نازل ہوئی۔ اس کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو بلا کر اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور حضرت علیؓ آپ کی پشت کے پیچھے بیٹھ گئے پھر آپ نے یہ دعا کی "اللّٰھم ھوء لاء اھل بیتی فطھر ھم تطھیرا" اے اللہ یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی پاک وصاف فرما دیجئے۔ یہ سن کر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ میں بھی تو ان کے ساتھ ہوں آپ نے فرمایا انت علیٰ مکانک وانت علی خیر یعنی تم تو اہل بیت میں ہو ہی اور تم خیر پر بھی ہو۔[1]

[1] جامع ترمذی تفسیر سورۂ احزاب۔

حضرت ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ عورتوں کاذکر قرآن مجید میں کیوں نہیں ہے انکی اس طلب اور خواہش پر آیت کریمہ "اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ......الخ" نازل ہوئی۔اور آپؐ نے منبر پر کھڑے ہوکراس آیت کو صحابہ کرامؓ کو سنایا۔

حضرت ام سلمہؓ بہت ذہین اور فہیم تھیں اللہ نے تفقہ فی الدین سے بھی خوب نوازا تھا صلح حدیبیہ کے موقع پر جب یہ طے ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس سال تو واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لئے آنا چاہیں تو آسکتے ہیں۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سب عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے واپسی کے لئے احرام سے نکلنا اور اپنی ہدی کے جانوروں کو ذبح کرنا ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو احرام سے نکلنے یعنی اپنی ہدی کے جانوروں کو ذبح کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دے دیا یہ کام صحابہ کرامؓ کے لئے بڑا شاق اور گراں تھا ان کے دل کسی طرح عمرہ کئے بغیر احرام کھولنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے خیمہ میں آکر صحابہ کرامؓ کی اس حالت اور اس پر اپنی ناگواری کا اظہار ام سلمہؓ سے کیا حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول (ﷺ) آپ خیمے سے باہر تشریف لے جائیں اور اپنی ہدی کا جانور ذبح کر کے اور بال منڈوا کر احرام سے نکل جائیں۔ آپ نے باہر آکر ایسا ہی کیا صحابہ کرامؓ نے جب آپ ﷺ کا یہ عمل دیکھا تو سب نے اپنے جانور ذبح کئے بال منڈوائے اور احرام کھول دیئے۔

حضرت ام سلمہؓ کو احادیث رسول بکثرت یاد تھیں۔ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ محدثین نے آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۳۷۸ بتلائی ہے۔

لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے طرز پر قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب دیتی تھیں اور بتلاتی تھیں کہ آپؐ رک رک کر قرآن مجید پڑھتے تھے۔ اور مثال کے طور پر کہتیں کہ آپ الحمد للہ رب العالمین پڑھتے اور وقف فرماتے پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے اور وقف فرماتے۔ ام سلمہؓ یہ بھی ذکر کرتی تھیں کہ آپ ﷺ مالک یوم الدین کی جگہ ، ملک یوم الدین پڑھتے تھے۔ ترمذی ۲ ص ۱۱۶ روایات احکام کے علاوہ قراۃ قران کی کیفیت اور قرآن کی تفسیر کے سلسلہ کی متعدد روایات حضرت ام سلمہؓ کے واسطہ سے کتب حدیث میں مروی ہیں۔

آپ کے سن وفات میں اختلاف ہے راجح قول یہ ہے کہ آپ نے ۵۹ھ میں وفات پائی اور حضرت ابوہریرہؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام پہلے برہ تھا رسول اللہ ﷺ نے بدل کر زینب رکھ دیا۔ برہ کے معنی نیک اور فیاض کے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت زینب کے علاوہ بھی بعض خواتین جن کا نام برہ تھا ان کا نام آپؐ نے بدل دیا

اور فرمایا **لاتزکوا انفسکم اللہ اعلم باھل البر منکم**[1] یعنی خود اپنے آپ کو نیک اور نخی نہ کہو اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں کون نیک اور نخی ہے۔

آپ کے والد جحش بن رئاب کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا اور والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

حضرت زینب شروع ہی میں ایمان لانے والے لوگوں میں تھیں **کانت قدیمة الا سلام وقال الزھری زینب من المھا جرات الاول**[2] یعنی آپ قدیم الاسلام تھیں اور امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ زینب بالکل اولین دور میں ہجرت کرنے والوں میں تھیں۔

پہلا نکاح

پھوپھی زاد بہن ہونے اور نوعمری میں ہی سلام لے آنے کے وجہ سے حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ کی تربیت ہی میں رہیں اس لئے آپؐ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے کر دیا تھا۔ حضرت زیدؓ بچپن ہی سے آپ ﷺ کی زیرِ تربیت رہے تھے اس لئے علم و دین میں ممتاز تھے پھر آپ ﷺ نے ان کو اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بھی بنالیا۔ اور آپ ﷺ کو ان سے اولاد کا سا تعلق بھی تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود بہر حال وہ ایک آزاد کردہ غلام اور حضرت زینبؓ قبیلہ قریش کے سردار عبدالمطلب کی نواسی اور اپنے باپ کی طرف سے بھی ایک بڑے گھر کی بیٹی تھیں اس لئے شروع میں حضرت زینبؓ اور ان کی بھائی عبداللہ بن جحش نے اس رشتہ کو نامنظور کر دیا تھا۔

طبرانی نے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت زیدؓ کا پیغام خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کو دیا تھا اور حضرت زینبؓ نے یہ کہہ کر کہ میں نسباً ان سے بہتر ہوں اس پیغام کو رد کر دیا تھا۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (سورۃ احزاب آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ: کسی صاحبِ ایمان مرد اور عورت کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا (قطعی) حکم دے دیں تب بھی وہ اس کام کے بارے میں بااختیار رہیں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے وجوبی حکم دینے کے بعد کسی بھی مومن یا مومنہ کو اپنے دنیوی اور ذاتی معاملہ میں بھی کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہتا۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ نے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کر دیا اور اپنے پاس سے ان کا مہر دس دینار (تقریباً ۴ تولہ سونا) اور ساٹھ درہم (تقریباً ۱۸۔ تولہ چاندی) اور ایک بار برداری کا جانور ایک زنانہ جوڑا اور پچاس مد آٹا (تقریباً ۲۵ سیر) اور دس مد

---

[1] باب استحباب تغییر الاسم القبیح [2] سیر اعلام النبلاء للحافظ الذهبی

کھجور (تقریباً پانچ سیر) ادا کیا۔)

حضرت زینبؓ نے اس رشتہ کو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی وجہ سے قبول کر لیا تھا اور اپنی طبیعت کو بھی اس پر راضی کر لیا تھا۔ لیکن مدینہ کے منافقین نے جو رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اس کو لے کر ایک فتنہ کھڑا کر دیا کہ لیجئے محمد ﷺ نے ایک شریف خاندان کی عورت کا نکاح ایک غلام سے کر دیا۔ خصوصاً منافقین کی عورتوں نے اس فتنہ انگیزی میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حضرت زینبؓ جو دل سے اس رشتہ کو قبول کر چکی تھیں ان کو ورغلانے کی پوری پوری کوششیں کیں۔ حضرت زینبؓ کے دل پر ان باتوں کا اثر ہوا ان کی مزاج میں کچھ تیزی اور احساس برتری تو تھا ہی منافقین کے اس فتنہ نے حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کے درمیان کچھ دوری پیدا کر دی۔

ادھر حضرت زیدؓ کو حضرت زینبؓ کا احساس تفوق و برتری اپنی حساس اور غیرت مند طبیعت پر بار محسوس ہونے لگا جس کی وجہ سے انہوں نے اس رشتہ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت چاہی آپ نے حضرت زیدؓ سے سوال کیا کہ کیا زینب کی طرف سے تمہیں کچھ شک ہے عرض کیا کوئی شک کی بات تو نہیں البتہ زینبؓ کو اپنے خاندانی شرف کا احساس ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کر دیتی ہیں۔

پھر ممکن ہے وہ یہ بھی سمجھتے ہوں کہ زینبؓ کی خواہش بھی رشتہ کو ختم کر دینے ہی کی ہے اس طرح اس رشتہ کے ختم ہونے سے دونوں کو راحت مل جائے گی۔

حضرت زیدؓ کی درخواست کو آپ ﷺ نے منظور نہیں فرمایا اور رشتہ کو باقی رکھنے ہی کا حکم دیا۔

لیکن یہ رشتہ زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکا۔ حضرت زیدؓ رشتہ کو ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور دوبارہ رسول اللہ ﷺ سے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ اب میں رشتہ باقی نہ رکھ سکوں گا۔ آپ نے اب بھی حضرت زیدؓ کو صبر و تحمل کی تلقین فرمائی اور رشتہ کو باقی رکھنے کو فرمایا جس کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں ہے اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ یعنی اپنی بیوی کے نکاح کو باقی رکھو اور خدا سے ڈرو۔

لیکن حضرت زیدؓ کی حالت حد اضطرار کو پہنچ گئی تھی اور صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ اب نکاح کو باقی رکھنا شرعاً درست نہ تھا اس لئے چاروناچار آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ کو طلاق دینے کی اجازت دے دی اور پھر حضرت زیدؓ نے طلاق دے بھی دی اور صرف ایک سال ہی میں یہ رشتہ ختم ہو گیا۔

چونکہ یہ رشتہ آپ نے اسلامی مساوات کے اظہار کے لئے کرایا تھا۔ پھر اس رشتہ کی وجہ سے حضرت زینبؓ کو منافقین کی طرف سے آزاد کردہ غلام کی بیوی کا طعنہ سننا پڑا تھا اور اب طلاق ہو جانے کے بعد یہ بھی طعنہ سننا پڑ گیا کہ لو غلام نے بھی طلاق دے دی۔ اس لئے آپؐ کو اس حادثہ سے بہت رنج ہوا۔ پھر

❶ ابن کثیر۔

حضرت زینبؓ پر بھی اس حادثہ کا کافی اثر تھا اس کی تلافی اور حضرت زینبؓ کی دلداری کی شکل صرف یہی تھی کہ آپؐ حضرت زینبؓ سے نکاح فرمالیں لیکن منافقین کی طرف سے اندیشہ تھا کہ وہ اس نکاح کو ایک دوسرے فتنہ کا ذریعہ بنادیں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی کرلی۔ جاہلیت کے رسم ورواج میں اس کی بالکل گنجائش نہیں تھی اس لئے فتنہ کا کافی اندیشہ تھا۔

ادھر طبیعت پر طلاق کے حادثہ کا اثر اور ادھر اس کی مناسب تلافی کی صورت میں فتنہ کا اندیشہ اس لئے طبیعت بہت پریشان تھی اور آپؐ اپنی بات زبان پر لاتے ڈرتے تھے اسی پریشانی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَااللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ میں فرمایا ہے۔

یعنی تم اپنے دل میں وہ بات چھپارہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تم لوگوں (منافقوں) سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے ڈرا جائے۔

اس آیت میں گویا اس بات کی اجازت بلکہ حکم تھا کہ حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیا جائے۔

حضرت زینبؓ کی عدت ختم ہوچکی تھی اور اب یہ آیت بھی نازل ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کے پاس اپنے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زیدؓ ہی کو بھیجا جب حضرت زید نے جاکر حضرت زینبؓ کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا، تو حضرت زینبؓ نے کہا مااانا بصانعة شيئاً حتى او امر ربى فقامت الى مسجد ها۔ [1] کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں اپنے اللہ سے استخارہ ضرور کروں گی یہ کہہ کر اپنے مصلے پر کھڑی ہوگئیں یعنی نماز شروع کردی۔

ادھر حضرت زیدؓ نے آکر آپ ﷺ کو حضرت زینبؓ کا جواب بتلایا ادھر یہ آیت کریمہ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَىْ لَايَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا [2] نازل ہوگئی۔(ترجمہ۔ پس جب زید نے زینب سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا (اور عدت بھی گذر گئی) تو ہم نے ان کا نکاح تم سے کردیا تاکہ اہل ایمان کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) میں کوئی حرج اور تنگی باقی نہ رہے بشرطیکہ وہ لوگ اپنی بیویوں سے اپنا رشتہ ختم کرلیں۔

اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت زینب کا نکاح آسمان پر ہی ہوا دنیا میں نہیں اور آیت کریمہ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا کے واضح اور متبادر معنی بھی یہی ہیں۔ علاوہ ازیں صحیح روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے زمین پر نکاح نہیں کیا۔ صحیح مسلم کی جو روایت ابھی ہم نے ذکر کی ہے اس میں بھی فقامت الى مسجد ها کے بعد فنزل القرآن وجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل عليها بغير اذن [3] کے الفاظ ہیں۔

یعنی ان آیات کے نزول کے بعد آپؐ بلا اجازت لئے حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ علاوہ

---

[1] صحیح مسلم ج ا ص ۴۶۱۔

[2] سورہ احزاب آیت ۳۷۔

[3] مسلم ج ا ص ۴۶۱۔

ازیں حضرت زینبؓ خود اس بات پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح میرے اللہ نے کیا جب کہ دیگر ازواج مطہرات کا نکاح ان کے اولیاء یا اہل خاندان نے کیا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ ہیں وكانت تفخر على ازواج النبى صلى الله عليه وسلم تقول زوجكن اهاليكن وزوجنى الله من فوق سبع سمٰوات۔ [1] یعنی زینبؓ دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں بطور فخر کہا کرتی تھیں تمہارا نکاح تمہارے اہل خاندان نے کیا اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا۔

صحیح بخاری میں اس مذکورہ روایت کی بعد اسی معنیٰ کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں وكانت تفخر على نساء النبى صلى الله عليه وسلم وكانت تقول ان الله انكحنى فى السماء۔ صحیح بخاری کے علاوہ اس مضمون کی روایات حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح دنیا میں نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر ہی کر دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے ہی کافی سمجھا۔ [2]

لیکن سیرت ابن ہشام میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ان آیات کے نزول کے بعد حضرت زینبؓ سے نکاح کیا اور چار سو درہم مہر مقرر فرمایا۔ تہذیب سیرت ابن ہشام میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وتزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم زينب بنت جحش بن رئاب الا سديه زوجه اياها اخوها ابواحمد بن جحش واصدقها رسول الله صلى الله عليه وسلم اربع مائة درهم۔ [3] لیکن عام مفسرین اور محدثین کے نزدیک روایات کی کثرت اور اصحیّت کی بنیاد پر پہلا قول ہی راجح ہے۔

مشہور مفسر ابن کثیرؒ آیت کریمہ فلما قضٰى زيد منها وطراً زوجنكها کی تفسیر میں لکھتے ہیں وكان الذى ولى تزويجهامنه هو الله عزوجل بمعنى انهٗ اوحٰى اليه ان يدخل عليها بلا ولى ولاعقد ولا مهرو لا شهودمن البشر۔ [4] جس کا حاصل یہی ہے کہ دنیا میں نہ نکاح ہوا نہ گواہی اور نہ مہر ہی متعین ہوا۔

اسی طرح علامہ شوکانیؒ نے بھی مذکورہ آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے فلما اعلمه الله بذالك دخل عليها بغير اذن ولا عقد وتقدير صداق ولا شئ مما هو معتبر فى النكاح فى حق امته، وقيل المراد به الا مرله بان يتزوجها والاول اولٰى وبه جاء ت الاخبار الصحيحة۔ [5]

اس کا حاصل بھی یہی ہے جو تفسیر ابن کثیر کی عبارت کا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح آسمان پر ہی کر دیا تھا جس کی وجہ سے دنیا میں ایجاب و قبول اور تعیین مہر اور دیگر متعلقات نکاح کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

---

1. صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۴۔
2. فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۱۲۔
3. تہذیب سیرت ابن ہشام ص ۳۳۲۔
4. تفسیر ابن کثیر۔
5. تفسیر فتح القدیر ج ۴ ص ۲۸۵۔

اس کے بعد علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ دوسرا قول اس بارے میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت زینبؓ سے نکاح کرنے کا حکم دیا لیکن اول قول راجح اور احادیث صحیح سے ثابت ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کے سال کے بارے میں کئی قول ہیں لیکن زیادہ راجح قول یہ ہے کہ آپ کا نکاح ذیقعدہ ۴ھ میں ہوا۔

حضرت زینبؓ کے اس پورے واقعہ میں بہت سی دینی حکمتیں ہیں اس میں اسلامی مساوات کا بھی اظہار ہے کہ نکاح میں کفارہ کے معتبر ہونے کے باوجود اگر بعض دینی مصالح متقاضی ہوں تو ایک بڑے خاندان کی لڑکی کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام سے بھی کیا جا سکتا ہے پھر اس واقعہ سے متعلق آیات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قطعی حکم کے بعد کسی صاحب ایمان مرد وعورت کو اپنے بارے میں اس حکم کے خلاف کسی بھی قسم کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دینی کاموں کو عوام الناس کے شور و غوغا اور اعتراضات کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا، جاہلی رسم ورواج کو ختم کرنے اور غلط عقائد کی اصلاح کے لئے یہ سب تو سننا اور برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

دنیا میں ایجاب و قبول کے بجائے آسمان پر ہی نکاح کر دینے میں حضرت زینبؓ کو اعزاز بخشا ہے کہ ان کے نکاح کا متولی اللہ تعالیٰ ہے واقعتہً حضرت زینبؓ کی قربانی کا یہی صلہ ہونا چاہئے تھا۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امتثال امر میں بڑی قربانی دی ہے۔

ولیمہ

حضرت زینبؓ کے نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایسا شاندار ولیمہ کیا کہ ایسا ولیمہ کسی بھی زوجہ مطہرہ کے نکاح کے بعد نہیں کیا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ **مارأیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اولم علی احد من نساء ماأولم علیها اولم علیها بشاۃٍ** [1] یعنی میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپؐ نے اپنی کسی بھی زوجہ مطہرہ کا اتنا شاندار ولیمہ کیا ہو جتنا حضرت زینبؓ کا ولیمہ کیا آپؐ نے حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں بکری ذبح کی تھی۔

پھر اس ولیمہ میں حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حیس (مالیدہ یا اسی طرح کا کوئی کھانا) بھی بھیجا تھا۔

اس ولیمہ کے موقع پر آپؐ نے حضرت انسؓ سے کچھ صحابہ کرامؓ کے نام لے کر فرمایا کہ جاؤ فلاں فلاں کو بلا لاؤ اور جو بھی تمہیں ملے اس کو بھی بلا لانا حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کے بتائے ہوئے صحابہ کرامؓ کو اور جو جو بھی مجھے ملے سب کو بلا لایا حضرت انسؓ کے شاگرد جعد نے پوچھا کہ کل کتنے لوگ ولیمہ میں آگئے تھے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ تقریباً تین سو ۳۰۰۔ کھانا ایک طشت میں کر دیا گیا اور حاضرین صحابہ کرامؓ کو آپ نے دس دس کی جماعت کر کے بلانا شروع کیا، لوگ آتے رہے اور کھا کر جاتے رہے یہاں تک کہ سب

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۷۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۱ پر بھی اسی مضمون کی روایت ہے۔

لوگ کھانے سے فارغ ہوگئے۔ جب کھانے کے لئے کوئی نہیں بچا تو رسول اللہ ﷺ نے طشت اٹھانے کو فرمایا حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں فیصلہ نہیں کرسکتا کہ لوگوں کے کھانے سے پہلے طشت میں کھانا زیادہ تھا یا فارغ ہونے کے بعد [1] اسی ولیمہ کی موقع پر آیت حجاب۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَامُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَايَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْ هُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ.

ترجمہ۔۔ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو مگر یہ کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے۔ نہ انتظار کرتے ہوئے کھانے کی تیاری کا۔ ہاں جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ یہ باتیں نبی کے لئے باعث اذیت تھیں لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حق کے اظہار میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ازواج نبی سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ [2]

اس آیت کے نزول کی کچھ تفصیل مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ دعوت ولیمہ کے ختم ہو جانے کے بعد بھی بعض صحابہ کرامؓ آپؐ کے مکان میں جہاں حضرت زینبؓ بھی دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھی تھیں اس طرح محو گفتگو تھے کہ ان کو اس کا خیال ہی نہیں رہا کہ اب ان کو یہاں سے اٹھ جانا چاہئے رسول اللہ ﷺ مروت اور حیاء کی وجہ سے کچھ کہہ تو نہ سکے لیکن ان کو اٹھانے کے لئے خود گھر سے باہر تشریف لے گئے تھوڑی دیر کے بعد جب واپس آئے تب بھی وہ لوگ بیٹھے تھے۔ آپؐ دوبارہ تشریف لے گئے کچھ دیر کے بعد جب تشریف لائے تو ان صحابہ کرامؓ کو توجہ ہوگئی اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔ آپؐ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا۔ اس کے بعد ہی مذکورہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

اس آیت میں چند احکامات ہیں اول یہ کہ بلا بلائے آپ کے گھروں میں نہ آئیں۔ دوم یہ کہ بلانے پر بھی قبل از وقت آکر نہ بیٹھ جائیں اور نہ کھانے کے بعد بیٹھ کر گفتگو میں مشغول ہوں سوم یہ کہ ازواج مطہرات سے بھی کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے ہی مانگیں۔ اس آیت کے بعد کی آیتیں بھی رسول اللہ ﷺ اور ازواج مطہرات ہی سے متعلق احکامات کی ہیں۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے بے شمار فضائل ہیں۔ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے خود کیا جس پر وہ دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں فخر و مباہات فرماتی تھیں۔ وہ خاندانی رشتہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں قریب ترین تھیں۔ سورۂ احزاب کی متعدد آیتوں کے نزول کا تعلق ان کی

[1] صحیح مسلم ج ا ص ۴۶۱۔ [2] صحیح مسلم ج ا ص ۴۶۱۔

ذات سے ہے۔

بہت متقی پرہیز گار اور اللہ سے ڈرنے والی اور اللہ کی راستہ میں مال خرچ کرنے والی تھیں۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ زینبؓ بہت صالحہ، کثرت سے روزہ رکھنے والی اور شب بیدار تھیں۔ [1]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت زینبؓ کی بہت مداح ہیں صحیح مسلم کی ایک روایت میں ان کا بیان پڑھئے۔

قالت عائشة وهى التى كانت تساميني منهن فى المنزلة عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ارامرأة قط خيراً فى الدين من زينب واتقى لله واصدق حديثاً واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذا لاً لنفسها فى العمل الذى تصدق به وتقرب به الى الله ما عدا سورة من حدة كانت فيها تسرع منها الفيئه. [2]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام ازواج مطہرات میں صرف حضرت زینبؓ ہی بارگاہ نبوی میں میرے ہم پلہ تھیں اور میں نے زینب سے زیادہ دیندار، متقی و پرہیز گار، سچ بولنے والی، صلہ رحمی کرنے والی، صدقہ کرنے والی اور اپنی جان کو نیکی اور تقرب الی اللہ کے کاموں میں زیادہ کھپانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی۔ ہاں مزاج میں ذرا سی تیزی تھی جس پر وہ جلد ہی قابو پالیتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کے ان بلند کلمات کی وقعت اور عظمت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ کلمات ایک ایسی طویل حدیث میں ہیں جس میں حضرت عائشہؓ یہ ذکر کر رہی ہیں کہ حضرت زینبؓ ازواج مطہرات کی نمائندہ بن کر رسول اللہ ﷺ سے میری کچھ شکایات کرنے کے لئے آئی تھیں۔

انہیں حضرت عائشہؓ کا قول حافظ شمس الدین ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں نقل کیا ہے فرماتی ہیں۔

یر حم الله زينب لقد نالت فى الدنيا الشرف الذى لا يبلغه الشرف .ان الله زوجها ونطق به القران وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لنا اسرعكن لحوقاً اطو لكن باعاً فبشرها بسرعة لحوقها به وهى زوجته فى الجنة۔ [3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ زینب پر رحم فرمائے انہوں نے دنیا ہی میں وہ شرف و کمال حاصل کر لیا جس کا مقابلہ کوئی شرف و کمال نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ نے خود ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے فرمایا اور قرآن مجید میں اس کا ذکر بھی فرمایا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں یہ خوشخبری دی کہ ازواج مطہرات میں میری وفات کے بعد سب سے پہلے میرے پاس آنے والی میری وہ بیوی ہوں گی جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی (یعنی کار خیر میں بہت خرچ کرنے والی) ہوں گی اور وہ جنت میں بھی رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔

---

1. زرقانی شرح مواہب۔
2. صحیح مسلم باب فضائل عائشہؓ۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۵۔

حضرت زینبؓ اگرچہ کوتاہ قامت تھیں اور اسی حساب سے ان کے ہاتھ بھی دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں چھوٹے ہی ہوں گے لیکن چونکہ بہت فیاض اور سخی تھیں اور عربی زبان میں اطولکن یداً یا اطولکن باعاً بطور مجاز سخی وفیاض کے معنی میں بولا جاتا ہے اس لئے آپؐ نے ان کے لئے اطولکن باعاً یا اطولکن یداً کے الفاظ استعمال فرمائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہم ازواج النبی ﷺ اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں اور آپؐ کے فرمان اطولکن باعاً کا ظاہری مطلب ہی لیتی تھیں لیکن جب آپ کی وفات کے بعد حضرت زینبؓ ہم سب سے پہلے آپؐ سے جا ملیں تو پتہ چلا کہ آپؐ کے فرمان اطولکن باعاً کا مطلب سب سے زیادہ سخی اور فیاض ہے۔ اور واقعی زینبؓ ہم سب میں سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھیں۔

حضرت عائشہؓ یہ بھی فرماتی تھیں کانت زینب صناع الیدین فکانت تدبغ وتخرز وتتصدق به فی سبیل اللّٰه۔[1]

یعنی زینبؓ اپنے ہاتھ سے کمائی کرتی تھیں وہ چمڑے کی دباغت کرتی اور چمڑے کا سامان بناتی اور اس سے حاصل شدہ مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتی تھیں۔

ان کی شان استغناء کا ایک واقعہ ابن سعد نے طبقات میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عن برزه بنت رافع قالت ارسل عمرا لیٰ زینب بعطائها فقالت غفر الله لعمر غیری کان اقویٰ علیٰ قسم هذا قالوا کله لك قالت سبحان الله واستترت منه بثوب وقالت صبوه واطرحوا علیه ثوبها واخذت تفرقه فی رحمها وایتامها واعطتنی ما بقی فوجدناخمسة وثما نین درهما ثم رفعت یدها الی السماء فقالت اللهم لا یدرکنی عطاء عمر بعد عامی هذا.[2]

ترجمہ:۔ حضرت زینبؓ کی خادمہ برزہ بنت رافع کہتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت زینبؓ کی خدمت میں ایک گرانقدر عطیہ بطور وظیفہ بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے اسے دیکھ کر کہا اللہ عمرؓ کی مغفرت فرمائے کہ اس مال کو تو میرے علاوہ کوئی اور شخص زیادہ اچھا تقسیم کرتا لانے والوں نے کہا کہ یہ برائے تقسیم نہیں بھیجا ہے یہ سب آپ کا ہے یہ سن کر حضرت زینبؓ نے سبحان اللہ کہا اور فرمایا اسے یہیں ڈال دو اور اس پر کپڑا ڈھک دو۔ اس کے بعد آپ نے اسے اپنے عزیزوں اور یتیموں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ تقسیم کے بعد جو بچ رہا وہ مجھے عنایت فرمادیا میں نے اسے گنا تو وہ پچاسی درہم تھے پھر حضرت زینبؓ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ اس سال کے بعد میرے پاس عمرؓ کا عطیہ نہ آئے۔

پھر ہوا بھی یہی حضرت زینبؓ آئندہ سال آنے سے پہلے ہی وفات پا گئیں۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۷
2. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۷۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۲ بحوالہ ابن سعد۔

ہوا کہ حضرت زینبؓ نے سب مال تقسیم کر دیا ہے تو خود ان کے گھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں مزید رقم بھیجوں گا اور ایک ہزار درہم پھر بھیجے۔ حضرت زینبؓ نے وہ بھی تقسیم کر دیئے۔

جیسا کہ ابھی گزرا کہ حضرت زینبؓ ازواج مطہرات کی نمائندہ بن کر حضرت عائشہؓ کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے گئی تھیں اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت عائشہؓ کے خلاف خوب کھل کر بات کی تھی۔ لیکن تقویٰ و راست گوئی کا یہ حال تھا کہ جب واقعہ افک کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے حضرت عائشہؓ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے صاف کہہ دیا **واللہ ما علمت الاخیراً واللہ** میں ان کے بارے میں صرف اچھی رائے ہی رکھتی ہوں۔ حالانکہ فتنہ افک میں ان کی حقیقی بہن حضرت حمنہؓ مبتلا ہو گئی تھیں۔

ان کی نیکی، دینداری اور متقی و پرہیز گار ہونے کی شہادت تو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک نے بھی دی تھی۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مال فئی کو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت میں تقسیم فرما رہے تھے حضرت زینبؓ نے اس سلسلہ میں آپ کو کچھ مشورہ دے دیا جو حضرت عمرؓ کو ناگوار گزرا اور حضرت عمرؓ نے ان کے دخل دینے پر اپنی ناگواری کا اظہار بھی کرنا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو خاموش کر دیا اور فرمایا زینب کو کچھ نہ کہو اس لئے کہ وہ اواہ ہیں۔ کسی صحابی نے اواہ کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ اواہ کے معنی ہیں خشوع و خضوع کرنے والی اور آپ نے آیت کریمہ ان ابراہیم لحلیم اواہ منیب بھی پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم (بردبار) اواہ (خشوع و خضوع کرنے والے) اور منیب (اللہ کی طرف توجہ کرنے والے) فرمایا ہے۔

آپ اگرچہ کثیر الروایت نہیں ہیں پھر بھی آپ کی روایت کردہ احادیث صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی مشہور کتابوں میں ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش۔ ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ زینب بنت ابی سلمہ وغیرہ صحابہ و تابعین ہیں۔

وفات

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ۲۰ یا ۲۱ ہجری میں ہوئی آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ مطہرہ ہیں۔ وفات سے پہلے اپنا کفن تیار کر کے رکھ لیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر حضرت عمر بھی کفن بھیجیں تو ایک کو تو استعمال کر لیا جائے اور دوسرے کو صدقہ کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کی بہن حضرت حمنہؓ بنت جحش نے حضرت عمرؓ کا کفن تو استعمال کرا دیا اور حضرت زینبؓ کا تیار کردہ کفن صدقہ کر دیا۔ ان کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا ذھبت حمیدہ سعیدہ مفزع الیتامیٰ والارامل۔

ایک ستودہ صفات، نیک بخت اور یتیموں اور بیواؤں کی سہارا عورت دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور محمد بن عبداللہ بن جحش، حضرت عبداللہ بن

ابی احمد بن جحش اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا قبر مبارک جنت البقیع میں ہے۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ الہلالیہ رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات میں حضرت زینب بنت جحش کے علاوہ زینب نام کی آپ کی ایک اور زوجہ مطہرہ بھی تھیں۔ ان کا پورا نام زینب بنت خزیمہ الہلالیہ ہے۔ باپ کا نام خزیمہ ہے ان کے سلسلہ نسب میں ایک شخص ہلال نامی تھے جس کی وجہ سے ان کو زینب بنت خزیمہ الہلالیہ کہا جاتا ہے۔ والدہ کا نام ہند بنت عوف یا خولہ بنت عوف ہے جن کا تعلق قبیلۂ حمیر سے ہے۔ ان ہی ہند کی بیٹی ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت زینب بنت خزیمہ کی وفات کے کئی سال بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا۔ ان دونوں کی ماں ایک ہیں لیکن والد الگ الگ ہیں۔

حضرت زینب بنت خزیمہ کا پہلا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔[1] حضرت عبداللہ بن جحش غزوہ احد شوال ۳ھ میں شہید ہوگئے تھے ان کی شہادت کے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت زینبؓ کے یہاں ناتمام بچہ پیدا ہوا جس سے ان کی عدت ختم ہوگئی اور ذی الحجہ ۳ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کر لیا، ابھی نکاح کو صرف تین مہینے ہی گزرے تھے کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے نکاح اور وفات کے بارے میں ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نکاح تو رمضان ۳ھ میں ہوا اور وفات ربیع الاول ۴ھ یا ربیع الآخر ۴ھ میں نکاح سے ۷ یا ۸ مہینے کے بعد ہوئی لیکن اول قول راجح بتلایا جاتا ہے۔

ازواج مطہرت میں صرف ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہی کی وفات رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوئی ہے دیگر تمام ازواج مطہرات آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باحیات رہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ وفات کے وقت ان کی عمر صرف تیس سال تھی۔[2]

فضائل

ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ سخی تھیں۔ غریبوں کی غمخواری کرتیں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے ہی ام المساکین کے

---

[1] مشہور قول تو یہی ہے۔ بعض حضرات نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے پہلے شوہر کا نام طفیل بن الحارث اور بعض نے عبیدہ بن الحارث بتلایا ہے۔ زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۴۹، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۸ تہذیب الکمال ص ۲۰۴۔

[2] زرقانی ۳ ص ۲۴۹۔

لقب سے مشہور تھیں۔

اپنی ذاتی خوبیوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہونے کا شرف، پھر آپ ہی کے سامنے وفات پانا اور آپ کا خود نماز جنازہ پڑھانا اور اپنی نگرانی میں جنت البقیع میں دفن کرنا یہ بھی بڑی خوبی اور فضیلت کی بات ہے۔

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

۵ھ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ قبیلۂ بنی مصطلق کا سردار حارث ابن ابی ضرار اہل مکہ کے اکسانے پر یا خود ہی مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے اور العیاذ باللہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی تیاری کر رہا ہے اور اس مقصد کے لئے اس نے اپنے قرب وجوار کے دیگر مشرک قبائل کو بھی جمع کرنا شروع کر دیا ہے۔ [1]

یہ قبیلہ بنی مصطلق قبیلہ خزاعہ کی شاخ تھا اور مکہ معظمہ سے کچھ دور مریسیع [2] نام کے چشمہ یا تالاب کے کنارے آباد تھا۔ قرب وجوار کے بہت سے قبائل اسلام دشمنی کی وجہ سے اس ارادہ میں اس قبیلہ کے لوگوں کے سامنے تھے اور ان لوگوں کو مشرکین مکہ کی حمایت بھی حاصل تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے اس ارادہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے پیش قدمی کر کے خود قبیلہ بنی مصطلق پر حملہ کرنے کا ارادہ فرما ہی لیا اور شعبان ۵ھ میں تقریباً ایک ہزار صحابہ کرامؓ کی جمعیت کو ساتھ لے کر اچانک قبیلہ بنی مصطلق پر حملہ کر دیا ان لوگوں کو ابھی تک اس کا علم نہ ہو سکا تھا اور وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں مشغول تھے کہ مسلمانوں کا یہ لشکر وہاں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہو کہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں یعنی اسلام قبول کر لیں جس سے ان کی جان و مال سب محفوظ ہو جائے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بآواز بلند رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا لیکن انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کے لشکر پر تیر اندازی شروع کر دی۔ مسلمانوں نے رسول ﷺ کے حکم سے یکبارگی حملہ کر دیا۔ قبیلۂ بنی مصطلق کے لوگ مقابلہ نہ کر سکے، ان کے انصار واعوان قبائل تو پہلے ہی راہ فرار اختیار کر گئے تھے۔ بنی مصطلق نے بھی اب ہتھیار ڈال دیئے صحابہ کرامؓ نے پورے قبیلہ کے لوگوں کو قیدی بنا لیا جن کی تعداد تقریباً ۷۰۰ سو تھی۔ اس جنگ میں بنی مصطلق کے دس ۱۰ مشرک مارے گئے تھے اور صرف ایک صحابیؓ شہید ہوئے تھے۔

بنی مصطلق کے قیدیوں میں قبیلہ کے سردار ابن ابی ضرار کی بیٹی جویریہؓ بھی تھیں۔ حارث خود تو کسی طرح بچ گئے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئے تھے لیکن جویریہؓ کا شوہر مسافع بن صفوان مارا گیا تھا ان قیدیوں کو دیگر مال غنیمت کے ساتھ صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت جویریہؓ حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ مجھے رقم لے کر

---

1. البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۵۶۔
2. اسی چشمہ کے نام پر غزوۂ بنی مصطلق کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں۔

آزاد کرنے پر تیار ہوں تو میں رقم کا انتظام کرلوں۔ حضرت ثابت نے اسے منظور کر لیا۔ شرعی اصطلاح میں اس طرح کے معاملہ یا عقد کو کتابت کہتے ہیں اور جو رقم آزادی کے بدلہ میں دینا طے ہوتی ہے اسے بدل کتابت کہا جاتا ہے۔ حضرت جویریہؓ اور حضرت ثابت بن قیسؓ کے درمیان بدل کتابت ۱۹ اوقیہ سونا طے پایا تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے ایک درہم تین ماشہ سے کچھ زائد ہوتا ہے۔

حضرت جویریہؓ خود باندی اور ان کے قبیلہ کے لوگ بھی سب غلام باندی ہی تھے۔

بدل کتابت کا انتظام ان کے بس کی بات نہ تھی لیکن رئیس زادی تھیں، ہمت اور عقل سے کام لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ ہوں، میں مسلمان ہوگئی ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں جس مصیبت میں گرفتار ہوں آپ سے مخفی نہیں ہے۔ غلاموں اور باندیوں کی تقسیم میں، میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آگئی ہوں انہوں نے مجھ سے معاملہ کتابت کرلیا ہے لیکن بدل کتابت میرے پاس نہیں ہے۔ آپ سے مدد کی طالب ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست سن کر فرمایا کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر بات نہ بتلاؤں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم منظور کرلو تو میں تم کو ثابت بن قیسؓ سے خرید کر آزاد کردوں اور پھر تم مجھ سے نکاح کرلو۔ حضرت جویریہؓ نے اسے بخوشی منظور کرلیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو خرید کر آزاد فرمادیا اور ان سے نکاح فرمالیا اور چار ہزار درہم مہر مقرر فرمایا۔ [1]

اس غزوہ سے تین دن پہلے حضرت جویریہؓ نے اپنے گھر پر ہی خواب دیکھا تھا کہ مدینہ سے چاند چلا اور میری گود میں آگیا۔ میں نے اپنے گھر کے لوگوں سے اس کا تذکرہ مناسب نہ سمجھا لیکن جب یہ غزوہ ہوا اور میں قید کر کے مدینہ لائی گئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی کچھ امید نظر آئی۔ [2]

جب صحابہ کرامؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہؓ سے نکاح کرلیا ہے اور اب ان کے یہ غلام اور باندی جن کا تعلق قبیلہ بنی مصطلق سے ہے رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہوگئے ہیں لہٰذا اب ان لوگوں کو غلام اور باندی بنائے رکھنا مناسب نہیں ہے تو صحابہ کرامؓ نے اپنے ان غلاموں اور باندیوں کو آزاد کردیا۔ [3] جن کی تعداد تقریباً سات سو تھی، پھر بعد میں یہ سب لوگ مسلمان ہوگئے۔ اسی موقع پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا۔ ما اعلم امراۃ اعظم برکۃ منھا علیٰ قومھا۔ یعنی میرے علم میں کوئی عورت ایسی نہیں ہے جو جویریہؓ سے زیادہ اپنی قوم کے لئے باعث خیر و برکت ہو۔

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو حضرت جویریہؓ کے والد حارث بن ابی ضرار اپنی بیٹی کو چھڑانے کے لئے بہت سامال و دولت بطور فدیہ لے کر آئے ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے بھی تھے اس مال و دولت میں بڑی تعداد

---

1. زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵۔
2. زرقانی بحوالہ بیہقی و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۶۵۔
3. اصابہ ج ۷ ص ۵۶۵ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۶۵۔

میں اونٹ بھی تھے۔ اثنائے سفر میں حارث بن ابی ضرار کو دو اونٹ بہت اچھے محسوس ہوئے اور انہوں نے ان دونوں اونٹوں کو راستہ ہی میں کسی وادی میں چھپادیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی آمد کا مقصد ذکر کیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جویریہ موجود ہیں جانا چاہیں تو لے جاؤ۔

باپ نے بیٹی سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے تمہیں میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔ چلو گھر چلو، حضرت جویریہؓ نے فرمایا اخترت اللہ ورسولہ میں نے تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو اختیار کر لیا ہے باپ نے ہر چند سمجھایا اپنی عزت کا واسطہ بھی دیا لیکن جویریہؓ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر جانے کے لئے تیار نہیں ہوئیں۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے حارث بن ابی ضرار سے ان دو اونٹوں کا بھی ذکر فرمایا جو حارث بن ابی ضرار راستہ میں چھپا آئے تھے اور ان اونٹوں کا ذکر سن کر حارث بولے ان اونٹوں کی خبر تو میرے اور اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔[1] ان کے ساتھ دو بیٹے بھی مسلمان ہوگئے۔

اس طرح پورا قبیلہ بنی مصطلق اسلام لے آیا۔ یہ سب حضرت جویریہؓ کے نکاح کی برکت ہے۔ دینی نقطۂ نظر کے علاوہ سیاسی اور دفاعی نقطۂ نظر سے بھی قبیلہ بنی مصطلق کا ایمان لانا بڑا اہم واقعہ تھا اس لئے کہ یہ قبیلہ مدینہ طیبہ کے مقابلہ میں مکہ معظمہ کے زیادہ قریب تھا اور اہل مکہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت جویریہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے متعدد روایات نقل کی ہیں اور ان سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ صحابہ کرامؓ نے روایات لی ہیں۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی ذاکر و شاغل تھیں۔ نماز کے بعد بعض اوقات گھنٹوں مصلے پر بیٹھ کر ذکر خداوندی میں مشغول رہتی تھیں ان کے اس طرح طویل ذکر الٰہی کا ایک واقعہ امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت جویریہؓ ہی کی روایت سے نقل کیا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن جويرية ان النبى صلى الله عليه وسلم خرج من عندها بكرة حين صلّى الصبح وهى فى مسجدها ثم رجع بعد ان اضحىٰ وهى جالسة قال مازلت على الحال اللذى فارقتك عليها قالت نعم. [2]

ترجمہ:۔ ام المؤمنین حضرت جویریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز فجر پڑھنے کے بعد انکے پاس سے باہر نکلے وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں پھر آپ کچھ دیر کے بعد جب چاشت کا وقت آچکا تھا واپس تشریف لائے حضرت جویریہؓ اسی طرح بیٹھی اپنے وظیفہ میں مشغول تھیں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا میں جب سے تمہارے پاس سے گیا تھا کیا تم اس وقت سے برابر اسی حال میں اور اسی

---

1. زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵۔
2. مسلم ج ۲ ص ۳۵۰۔ و ترمذی ج ۲ ص ۱۹۴۔

طرح پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔

اس حدیث میں ابھی اور بھی کچھ باقی ہے لیکن ہمیں صرف اتنا ہی ذکر کرنا ہے جس سے حضرت جویریہؓ کے کثرت سے ذکر اور وظیفہ میں مشغولیت کا پتہ چلتا ہے۔ الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے۔

ان کے نفلی روزے رکھنے کا ذکر بھی حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے معلوم ہوا کہ وہ نفلی روزہ رکھے ہوئے ہیں آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم نے کل بھی روزہ رکھا تھا، عرض کیا نہیں، پھر دریافت کیا کہ کیا کل رکھو گی؟ عرض کیا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان کو تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا تنہا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مختلف فیہ ہے۔ تفصیل حدیث و فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے فضائل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی ذات ہی قبیلہ بنی مصطلق کے لوگوں کی آزادی کا اور ایمان لانے کا ذریعہ بنی۔

وفات

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی۔ مروان بن الحکم نے جو مدینہ کے حاکم تھے اور تابعی ہیں نماز جنازہ پڑھائی۔ اور مدینہ طیبہ کی قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

مشہور صحابی حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام رملہ تھا۔ ان کی ایک بیٹی حبیبہ کی وجہ سے ان کی کنیت ام حبیبہ تھی۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابو العاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت دیر سے ایمان لائے لیکن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش اسلام کے ابتدائی دور میں ہی اسلام لا چکے تھے اور اہل مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔

عبید اللہ بن جحش حبشہ جا کر نصرانی ہو گیا اور اسی حالت ارتداد میں اسے موت آئی۔ اس نے حضرت ام حبیبہؓ کو اسلام ترک کرنے اور نصرانیت کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن حضرت ام حبیبہؓ اس نازک وقت میں ثابت قدم رہیں اور ان کی خوش نصیبی کہ عبیدہ بن جحش کے انتقال اور ان کی عدت کے گذرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو اپنے نکاح کا پیغام دے کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس، جو خود مسلمان ہو چکے تھے بھیجا اور اپنے نکاح کا وکیل بھی نجاشی کو بنایا۔ بادشاہ نجاشی نے اپنی ایک باندی کو حضرت ام حبیبہؓ کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ بادشاہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ ان کے نام آیا

ہے جس میں یہ تحریر ہے کہ وہ ام حبیبہ کو ہمارے نکاح کا پیغام دیں اور اگر وہ منظور کر لیں تو آپ ہی ہمارا نکاح کر دیں۔ حضرت ام حبیبہؓ نے جب یہ خوشخبری سنی تو اس باندی کو جو یہ پیغام مسرت لے کر آئی تھی چاندی کے دو کنگن، کئی انگوٹھیاں اور دو اور زیور انعام میں دیئے۔ اور اپنے ایک قریبی عزیز خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کر دیا۔ ❶

حضرت ام حبیبہ کی منظوری مل جانے پر دوسرے دن بادشاہ نجاشی نے حبشہ میں موجود صحابہ کرامؓ کو جن میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے، اپنے محل میں بلایا اور خود خطبۂ نکاح پڑھا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایجاب نکاح کیا۔ حضرت خالد بن سعیدؓ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نکاح قبول کیا۔ نجاشی نے ۴۰۰ دینار مہر مقرر کیا اور خود ہی مہر کی یہ رقم ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کی خدمت میں بھیجی۔ مہر کی رقم میں سے پچاس دینار ام المؤمنین نے اس باندی کو جو نکاح کا پیغام لے کر آئی تھی دیئے، اس باندی نے وہ واپس کر دیئے اور وہ زیورات بھی واپس کر دیئے جو کل ام المؤمنین نے دیئے تھے اور کہا، بادشاہ سلامت کا یہی حکم ہے۔ نکاح کے بعد بادشاہ نے ام المؤمنین کی خدمت میں بہت سے ہدایا اور خوشبوئیں بھیجیں۔

مجلس نکاح کے اختتام پر جب صحابہ کرامؓ اٹھنے لگے تو نجاشی نے کہا کہ بیٹھ جائیے سب لوگ کھانا کھا کر جائیں گے اور یہ بھی کہا کہ نکاح کے موقع پر کھانا کھلانا انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے۔ ❷ مشہور قول کے مطابق یہ نکاح ۶ھ میں ہوا ہے۔ جب حضرت ابو سفیان کو جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اس نکاح کی اطلاع مکہ میں ملی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا اعتراف کیا اور آپ کی شان میں بہت بلند کلمات کہے۔ ❸

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کے سلسلے میں صحیح مسلم کی ایک طویل روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ نے ایمان لانے کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ میری بیٹی ام حبیبہؓ سے شادی کر لیں اور آپ نے ان کی یہ درخواست قبول بھی فرمالی۔ ❹

محدثین نے روایت کے اس حصہ کی مختلف توجیہات کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ روایت کا یہ حصہ جس سے حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح حضرت ابو سفیانؓ کے اسلام لانے اور مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد ہونا معلوم ہوتا ہے صحیح نہیں ہے۔

بہر حال یہ نکاح حبشہ ہی میں ہوا ہے اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ابو سفیان اہل مکہ کے

---

❶ زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۴۴، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۴۳۔
❷ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۴۳
❸ زرقانی ج ۳ ص ۲۴۴۔
❹ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۴ باب فضائل ابی سفیانؓ۔

نمائندہ بن کر صلح ہی سے متعلق بعض معاملات کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر ان سے ملنے کے لئے گئے وہ جب اندر گھر میں پہنچے تو ام المؤمنین نے رسول اللہ ﷺ کا بستر جو بچھا ہوا تھا لپیٹ دیا۔ حضرت ابو سفیانؓ نے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا، آیا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں بستر کے قابل نہیں ہوں۔ ام المومنین نے کہا، ابا جان آپ مشرک ہیں اور یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، اس لئے آپ اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں۔ [1]

فضائل

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی نوازا تھا۔ وہ اولین ایمان لانے والوں میں ہیں۔ حالانکہ ان کے والد ابو سفیان رضی اللہ عنہ جو سرداران قریش میں سے تھے بہت دیر میں فتح مکہ کے قریب ایمان لائے تھے گھر کے دوسرے افراد بھی دیر ہی سے مسلمان ہوئے، ایسے حالات میں ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کا اسلام کے ابتدائی عہد ہی میں مشرف باسلام ہو جانا اور اپنے گھر کے لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرنا اور اسلام کی خاطر مکہ معظمہ سے حبشہ کو ہجرت کر جانا، پھر جب ان کا پہلا شوہر حبشہ میں مرتد ہو گیا اور ان کو بھی اسلام کو ترک کرنے اور نصرانیت کو اختیار کرنے کی ترغیب دی تو ان کا اپنے ایمان کو بچائے رکھنا اور دین اسلام پر ثابت قدم رہنا بڑی ہمت اور اولوالعزمی کی بات تھی، جب کہ پردیس میں صرف وہی شوہر ظاہری سہارا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو سفیانؓ کے آنے پر رسول اللہ ﷺ کے بستر کو لپیٹ دینا اور ان کے سوال کرنے پر یہ کہنا کہ ابا جان یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں آپ اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ سے ان کی غیر معمولی محبت، عقیدت اور ان کے دل میں آپ کی بے پناہ عظمت و شوکت اور خود ان کی اعلیٰ درجہ کی قوت ایمانی کا پتہ دیتا ہے۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے کا بڑا اہتمام کرتی تھیں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ:

دخلت علیٰ ام حبیبه زوج النبی صلی الله علیه وسلم حین تو فی ابو ها ابو سفیان بن حرب فدعت بطیب فیه صفرة خلوق او غیره فدهنت به جاریةً ثم مست بعار ضیها ثم قالت والله مالی بایطب من حاجة غیرانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لا یحل لا مرأة تؤمن بالله والیوم الا خران یحد علیٰ میت فوق ثلثة ایام الا علیٰ زوج اربعة اشهر وعشراً. [2]

روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت زینب بن ابی سلمہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے والد حضرت

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۴۳۔

[2] جامع ترمذی باب ماجاء فیعدۃ المتوفی عنها زوجها۔

ابوسفیانؓ کی وفات پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور بظاہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کو تین دن گذر چکے تھے) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک خوشبو جو زعفران وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اور جس میں سرخ اور پیلا رنگ ہوتا ہے منگائی اور ایک بچی کے لگائی اور پھر اپنے رخساروں پر بھی لگالی اور فرمایا مجھے خوشبو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی صاحب ایمان عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بھی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ البتہ شوہر پر چار مہینہ دس دن سوگ منائے گی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لئے اپنے رخساروں پر یہ خوشبو لگالی ہے۔ (تاکہ یہ اظہار ہو جائے کہ میں اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تین دن سے زیادہ سوگ نہیں منا رہی ہوں۔)

انہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد حدیث کی متعدد کتابوں میں نقل کیا ہے۔ کہ من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة بنی له بیت فی الجنة اربعاً قبل الظهر ورکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر صلوٰة الغداة۔[1] حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن رات میں یہ بارہ رکعتیں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنگ میں ایک محل تیار کردے گا۔ چار رکعتیں ظہر سے پہلے، دو رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے۔ مسند احمد میں اسی روایت کے بعد یہ بھی اضافہ ہے فما برحت اصلیهن بعد یعنی جب سے میں نے آپ کا یہ ارشاد سنا ہے کبھی ان رکعتوں کا ناغہ نہیں کیا ہمیشہ یہ رکعتیں پابندی سے پڑھتی ہوں۔ حدیث کی کتابوں میں ان کے متعلق اتباع سنت کے اہتمام کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔ آخرت کے حساب وکتاب سے بہت ڈرتیں اور صفائی معاملات کا بہت خیال کرتی تھیں۔ ابن سعد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے قالت دعتنی ام حبیبه عند موتها فقالت قد کان یکون بیننا مایکون بین الضرائر فحللینی من ذالك فحللتها واستغفرت لی واستغفرت لها فقالت لی سررتنی سرك الله وارسلت الی ام سلمه مثل ذلك۔[2] روایت کا حاصل یہ ہی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت مجھے بلایا اور فرمایا ہم لوگوں میں کبھی کبھی بعض ایسے واقعات پیش آئے ہوں گے جو سوتنوں میں پیش آجاتے ہیں، میں تم سے ان کی معافی مانگتی ہوں۔ میں نے معاف کردیا۔ تو انہوں نے میرے واسطے دعائے مغفرت کی اور میں نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی طرح انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اپنی کوتاہیوں کی معافی تلافی کی۔

رسول اللہ ﷺ سے براہ راست اور بالواسطہ متعدد روایات نقل کی ہیں جو حدیث کی مشہور کتابوں صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں، ان سے روایات نقل کرنے والوں میں ان کے بھائی معاویہؓ بیٹی حبیبہؓ اور بعض دیگر

---

[1] جامع ترمذی باب فی من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة ماله من الفضل۔

[2] زرقانی ج ۳ ص ۲۴۵ بحوالہ ابن سعد۔

صحابہ وتابعینؒ ہیں۔

وفات

امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ کی وفات ہوئی۔ سن وفات کے بارے میں کئی قول ہیں۔ لیکن راجح قول ۴۴ھ ہے۔اور مدینہ طیبہ میں دفن کی گئیں۔ رضی اللہ عنہاوار ضاھا۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ حیی ابن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا سردار تھااس کا سلسلہ نسب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ماں کا نام ضرہ ہے یہ قبیلہ بنی قریظہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔[1]

بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ کے ممتاز یہودی قبیلے تھے،ان قبیلوں کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔[2] لیکن دونوں قبیلوں کے لوگوں نے عہد شکنی کی۔قبیلۂ بنی نضیر نے مشرکین مکہ کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کواس کی اطلاع دے دی[3] اور آپ نے ان کی بدعہدی کی وجہ سے غزوۂ بدر کے چھ مہینے کے بعدان کے قلعہ کا محاصرہ فرمایا۔[4] ان لوگوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی آپ نے ان کی درخواست منظور فرمالی اور یہ طے پایا کہ وہ اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جاسکتے ہوں لے جائیں۔ البتہ اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔[5] ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور خیبر میں جاکر بس گئے جہاں یہود کی بڑی بڑی بستیاں تھیں۔حضرت صفیہ کے والدین بھی اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ خیبر چلے گئے تھے اس وقت حضرت صفیہؓ بہت کم عمر تھیں وہاں خیبر میں ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی تھی اس نے طلاق دے دی تھی پھر کنانہ بن ابی حقیق سے نکاح ہوا وہ غزوۂ خیبر میں مارا گیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ۷ھ میں خیبر کے قیدیوں کے ساتھ قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔

مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے خیبر کے قیدیوں میں سے ایک باندی مانگی آپ نے فرمایا انتخاب کر کے لے لو،انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کر لیا۔ایک صحابی نے آکر عرض کیا،اے اللہ کے رسول !(ﷺ) آپ نے حضرت دحیہ کو بنو نضیر اور بنو قریظہ کی رئیس زادی دے دی ہے۔وہ تو صرف آپ ہی کے لئے مناسب ہے، آپ نے حضرت دحیہ کو دوسری باندی دے اور حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔[6] آزاد کرنے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت صفیہ کو یہ اختیار

---

1. زرقانی ج ۳ ص ۲۵۶ وسیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۱۔
2. فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۰ باب حدیث بنی النضیر۔
3. ابوداؤد باب فی خبر بنی النضیر۔
4. صحیح بخاری باب حدیث بنی النضیر۔
5. فتح الباری وغیرہ۔
6. البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۹۴ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۴ باب غزوہ خیبر۔

دے دیا تھا کہ وہ اپنے وطن چلی جائیں یا مسلمان ہو کر آپ ﷺ سے نکاح کر لیں۔ حضرت صفیہؓ نے عرض کیا اختار اللہ ورسولہ لقد کنت اتمنی ذالک فی الشرک یعنی میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ اب تو الحمد للہ، اللہ نے ایمان کی دولت سے نواز دیا میری تو اسلام سے پہلے بھی یہی خواہش تھی۔ [1]
نکاح کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ایک خواب کا واقعہ بھی سنایا۔ انہوں نے بتلایا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) جب آپ اور صحابہ کرامؓ خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اسی زمانہ میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آکر گرا ہے۔ میں نے اپنے شوہر کو یہ خواب سنایا تو اس نے میرے چہرے پر اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ چہرہ پر اس کا نشان پڑ گیا اور کہا کہ تو بادشاہ عرب کو اپنا شوہر بنانے کی خواہش کرتی ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی پر راستے میں مقام سد الصہباء پر آپ سے نکاح کیا تھا اور دوسرے دن وہیں ولیمہ فرمایا۔ ولیمہ میں آپ کے فرمانے پر صحابہ کرامؓ اپنے اپنے سامان میں سے کھجور پنیر، گھی وغیرہ لے آئے، ایک دستر خوان پر رکھ کر کھالیا گیا یہی ولیمہ ہو گیا۔ [3] راستہ میں ام المؤمنین حضرت صفیہؓ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ کے اونٹ پر ہی سوار رہیں، مدینہ منورہ تک اسی طرح سفر ہوا۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ عقل مند اور سمجھ دار تھیں۔ جیسا کہ ابھی گزرا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اختیار دینے کے باوجود اپنے گھر جانا پسند نہیں کیا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا۔ وہ بہت زیادہ حلیم اور بردبار تھیں، ایک دفعہ ان کی ایک باندی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کی کہ وہ یہود کی طرح اب تک یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی کو بھیجا تو ام المؤمنین حضرت صفیہؓ نے فرمایا کہ جب سے اللہ نے مجھے یوم السبت سے بہتر یوم الجمعہ عطا فرما دیا ہے میں یوم السبت کی تعظیم نہیں کرتی۔ رہی یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کی بات تو ان سے میری قرابت داری ہے اس لئے میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں (اور ظاہر ہے کہ اسلام اس سے منع نہیں کرتا) پھر انہوں نے اپنی باندی سے پوچھا کہ تم نے یہ شکایت کیوں کی، باندی نے کہا کہ مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ نے یہی نہیں کہ اس کو کچھ سزا نہیں دی بلکہ فرمایا اچھا جاؤ تم آزاد ہو۔ [4]

ان کے سلسلہ نسب کے سلسلہ میں پہلے ہی گزر چکا ہے کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں رسول اللہ ﷺ کو اس کا خاص خیال رہتا تھا اور آپ ان کی بہت دلداری فرماتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ

---

1. زرقانی ج ۳ ص ۲۵۸۔
2. البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۹۴۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۲ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۶ باب غزوۂ خیبر۔
4. اصابہ ج ۷ ص ۷۴۱۔

ﷺ ان کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ حضرت صفیہؓ رو رہی ہیں وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ازواج تو ہیں ہی آپ کے خاندانی ہونے کا بھی شرف رکھتی ہیں اور تم تو یہودی خاندان سے تعلق رکھتی ہو لہذا ہم تم سے بہتر ہیں۔ آپ (ﷺ) نے ان کو تسلی دی اور فرمایا تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم لوگ مجھ سے افضل کیسے ہو سکتی ہو، میں اللہ کے نبی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہوں۔ میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نبی ہیں اور میرے شوہر حضرت محمد ﷺ بھی نبی ہیں۔ (1)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے ان کے بارے میں کوئی نامناسب کلمہ کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے بہت ناگواری کا اظہار کیا۔ (2) اسی طرح ایک بار حضرت زینب بنت جحشؓ نے انہیں یہود یہ کہہ دیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ انها اسلمت وحسن اسلامها یعنی وہ پکی مؤمنہ ہیں اور آپ کئی ہفتہ حضرت زینبؓ کے یہاں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ (3)

انہیں رسول اللہ ﷺ سے بہت غیر معمولی محبت اور تعلق تھا۔ آپ کے مرض وفات میں جب مرض کی تکلیف بہت زیادہ ہوئی تو ام المؤمنین حضرت صفیہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! واللہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ تکلیف بجائے آپ کے مجھے ہو جاتی بعض ازواج مطہرات کو ان کے اس کلام کی صداقت میں کچھ شبہ ہوا جس کا اظہار ان کے چہروں سے بھی ہو گیا۔ آپ نے اس کو محسوس کر کے فرمایا واللہ یہ اپنی بات میں سچی ہیں۔ (4)

آپ بہت سخی تھیں۔ جب پہلی بار مدینہ طیبہ آئی ہیں تو حضرت فاطمہؓ اور بعض ازواج مطہرات کو اپنے زیور عنایت فرمائے۔ (5)

جس وقت باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کیا تھا اور حضرت عثمان کے مکان میں کھانا پانی تک جانے کی اجازت نہ دیتے تھے ایسے وقت میں حضرت صفیہؓ ان کی مدد کرنے کے ارادہ سے ان کے گھر تشریف لے جانے کے لئے نکلیں لیکن جب گھر کے قریب پہنچیں تو باغیوں نے آگے نہ جانے دیا واپس تشریف لے آئیں اور پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان کے گھر کھانے پینے کا سامان بھیجنے کا انتظام کیا۔ (6)

رسول اللہ ﷺ کی متعدد روایات ان کے واسطے سے محدثین نے نقل کی ہیں، ان کے تلامذہ میں حضرت زین العابدین، حضرت اسحٰق بن عبداللہ، حضرت مسلم بن صفوان حضرت کنانہ اور حضرت یزید بن معتب

---

(1) ترمذی ج ۲ ص ۲۲۹ باب فضل ازواج النبی ﷺ۔
(2) سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۶۔
(3) اصابہ ج ۷ ص ۷۴۰ زرقانی ج ۳ ص ۲۵۹۔
(4) (5) اصابہ ج ۷ ص ۷۴۱۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۵۸۔
(6) اصابہ ج ۷ ص ۷۴۲۔

وغیرہم تابعین کے نام ذکر کئے جاتے ہیں۔

وفات

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات رمضان ۵۰ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ بعض حضرات نے سنہ وفات ۵۲ھ ذکر کی ہے مشہور قول ۵۰ھ ہی کا ہے۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن حزن کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا اور ان کی والدہ ہند بنت عوف یا خولہ بنت عوف قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتی ہیں۔[1] یہی ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کی بھی والدہ ہیں۔ حضرت زینبؓ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ اور ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث دونوں کی والدہ ایک ہیں اور والد الگ الگ۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہما اور مشہور تابعی حضرت یزید ابن الاصم کی خالہ ہیں۔ ان کی بہن حضرت ام الفضل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں۔ ایک دوسری بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت جعفر بن ابی طالب کی اہلیہ تھیں ان کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے نکاح میں رہیں اور ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، ان کے انتقال کے بعد حضرت میمونہ کے بہنوئی اور رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ان کی بیوی کا تذکرہ کیا اور یہ چاہا کہ آپ ﷺ ان سے نکاح فرمالیں، آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حضرت میمونہؓ کے پاس اپنے نکاح کا پیغام لے کر بھیجا۔ حضرت میمونہؓ نے رشتہ منظور کر لیا اور اپنے بہنوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیا۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد کا ہے، ابھی نکاح نہیں ہو سکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء، (۷ھ) کی نیت سے مکہ کے لئے تشریف لے گئے اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات اور حضرت میمونہؓ بھی تھیں۔ اثنائے سفر ہی میں آپ کا نکاح حضرت میمونہؓ سے ہوا ہے۔ اس نکاح کے بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آیا یہ نکاح احرام باندھنے سے پہلے ہوا ہے یا احرام باندھنے کے بعد ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے والی یہ سب سے آخری زوجہ مطہرہ ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت میمونہؓ کا مہر چار سو ۴۰۰ درہم مقرر فرمایا تھا۔ عمرہ سے فارغ ہو کر مکہ ہی میں ولیمہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن اہل مکہ نے تین دن سے زیادہ قیام کی اجازت نہ دی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے واپسی میں مقام سرف میں ولیمہ فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے دس میل دور بجانب مدینہ ہے۔

---

[1] زرقانی میں والدہ کا نام ہند اور اصابہ میں خولہ نام مذکور ہے۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تین سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہی ہیں۔ ذیقعدہ ۷ھ میں ان کا نکاح ہوا ہے اور ربیع الاول ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، تین سال کی قلیل مدت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی صحبت سے بہت علم و فضل حاصل کیا۔ بہت سی ایسے مسائل اور دینی معلومات جو اکابر صحابہ کرامؓ کو بھی معلوم نہ ہوتے تھے ان کے علم میں ہوتے تھے۔ خصوصاً عورتوں سے متعلق مسائل اور غسل وغیرہ کے بعض مسائل کی احادیث، حدیث کی کتابوں میں ان کے واسطے سے روایات کی گئی ہیں۔ کل ان سے چھیالیس(۴۶)حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سات متفق علیہ ہیں۔ یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔ اور پانچ صرف صحیح مسلم میں ہیں۔ باقی حدیث کی دوسری کتابوں میں ہیں۔

ان کے شاگردوں میں ان کے بھانجے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن شدادؓ، عبدالرحمٰن بن سائبؓ یزید ابن الاصم اور ان کے آزاد کردہ غلام سلیمان بن یسار اور سلیمان کے بھائی عطا بن یسار وغیرہم ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے کمال ایمان کی شہادت دی ہے۔ ابن سعد نے سند صحیح کی ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے الا خوات مومنات میمونہ وام الفضل واسماء [1] یعنی میمونہ، ان کی بہن ام الفضل اور اسماء تینوں بڑے درجے کی صاحب ایمان بہنیں ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کی دینداری اور صلہ رحمی کی بہت تعریف کی ہے، فرماتی ہیں انها كانت من اتقانا لله واوصلنا للرحم [2] جس کا مطلب یہ ہے کہ میمونہ ہم لوگوں میں خوف خدا اور صلہ رحمی میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔

ان کے بھانجے یزید بن الاصم ذکر کرتے ہیں کہ ہماری خالہ بہت کثرت سے نماز پڑھتی تھیں، گھر کے کام بھی خود کرتی تھیں اور مسواک کرنے کا خاص اہتمام فرماتی تھیں۔ غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ باندی آزاد کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعا دی۔ "اللہ تم کو اس کا اجر عطا فرمائے۔"

وفات

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۱ھ میں مقام سرف میں ہوئی۔ آپ حج یا عمرہ کے سلسلہ میں مکہ معظمہ آئی ہوئی تھیں۔ وہیں طبیعت خراب ہوئی اپنے بھانجے حضرت یزید بن الاصم سے کہا کہ مجھے مکہ سے لے چلو اس لئے کہ مکہ میں میرا انتقال نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پہلے ہی اطلاع دے دی ہے کہ تم کو مکہ میں موت نہیں آئے گی۔ یزید بن الاصم کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کو بحالت مرض ہی مکہ سے لے کر چلے ابھی مقام سرف ہی میں پہنچے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ [3]

---

1. اصابہ ج ۸ ص ۱۲۸ بحوالہ طبقات ابن سعد۔
2. اصابہ و زرقانی بحوالہ طبقات۔
3. دلائل النبوت للبیہقی و مجمع الزوائد۔

سرف مکہ سے ۹یا۱۰ میل دور بجانب مدینہ ایک جگہ ہے۔

بعض اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ آپ کا نکاح پھر ولیمہ بھی ۷ھ میں مقام سرف میں ہوا ہے۔ اور ۵۱ھ میں انتقال بھی مقام سرف میں ہی ہوا ہے۔[1]

نماز جنازہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ جنازہ کو اٹھاتے وقت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا، یہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ کا جنازہ ہے لہٰذا جنازہ کو ادب و احترام کے ساتھ اٹھاؤ اور آہستہ آہستہ لے کر چلو۔ قبر میں عبداللہ بن عباسؓ، یزدی ابن الاصم اور عبیداللہ بن شداد نے اتارا۔ یہ تینوں ہی ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے بھانجے ہیں۔

عمرۃ القضاء سے واپسی میں مقام سرف میں جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لئے خیمہ لگوایا تھا قبر مبارک بالکل اسی جگہ بنی۔

امہات المؤمنین میں سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں اور سب سے آخر میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ حدیث وسیرت کی مستند کتابوں میں جن گیارہ امہات المومنین کا تذکرہ ہے الحمد للہ ان کی کسی قدر سوانح اور فضائل کا بیان ام المومنین حضرت میمونہؓ کے فضائل کے ذکر پر مکمل ہو گیا ہے۔ رضی اللہ عنهن وارضاهن اب رسول اللہ ﷺ کی ذریت طیبہ کا ذکر اور ان کے فضائل کا بیان شروع ہو گا۔

---

[1] تهذيب الكمال للمزی و اكمال فی اسماء الرجال۔

ذریتِ طیبہ

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ پر ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کے فضائل کا بیان اختتام کو پہنچا۔ اب رسول اللہ ﷺ کی ذریت طیبہ کا تذکرہ اور ان کے فضائل کا بیان شروع ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔[1] بظاہر راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی اولاد کی تعداد سات(۷) ہے۔ جن میں صرف ابراہیم نام کے ایک صاحبزادہ تو آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے، باقی سب ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی اولاد ہیں۔

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے فضائل کے بیان میں عم محترم حضرت مولانا نعمانی صاحب دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا تھا　اس رشتۂ ازدواج کے کچھ مدت کے بعد (ایک مشہور تاریخی روایت کے مطابق پانچ سال بعد) آپ کے پہلے صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام "قاسم" رکھا گیا۔ انہیں کے نام پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی کنیت "ابوالقاسم" رکھی، ان کا صغر سنی ہی میں انتقال ہو گیا، ان کے بعد آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی "زینب" پیدا ہوئیں۔ ان دونوں کی پیدائش آغاز نبوت سے پہلے ہی ہوئی[2] اس کے بعد ایک صاحبزادے پیدا ہوئے ان کا نام عبداللہ رکھا گیا، ان کی پیدائش دورِ نبوت میں ہوئی اسی لئے ان کو طیب اور طاہر کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال بھی صغر سنی ہی میں ہو گیا۔ پھر ان کے بعد مسلسل تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں ۔ جن کے نام رقیہ ، ام کلثوم اور فاطمہؓ رکھے گئے۔ صاحبزادگان جتنے بھی رہے ہوں سب ہی صغر سنی میں وفات پا گئے تھے البتہ بنات طہرات یعنی صاحبزادیاں سب ہی سن رشد کو پہنچیں، سب نے زمانۂ اسلام پایا، مشرف باسلام ہوئیں، مکہ سے مدینہ کو ہجرت بھی کی اور رسول اللہ ﷺ ہی نے ان سب کی شادیاں بھی کیں۔ اس لئے تذکرے صرف بنات طاہرات ہی کے کریں گے بنات طاہرات میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ ہیں، لہذا سب سے پہلے انہیں کا تذکرہ اور ان کے فضائل کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں آپ کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے دس سال پہلے ہوئی۔ بعض سیرت نگاروں کے نزدیک تو آپ ﷺ کی ذریت طیبہ میں سب سے بڑی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے آپ کے ایک بھائی قاسم نام کے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ

---

[1] زرقانی نے آپ ﷺ کی اولاد کی تعداد گیارہ تک ذکر کی ہے۔

[2] اس کا تقاضا تو یہ ہوا کہ تینوں صاحبزادیاں بعثت کے بعد پیدا ہوئیں حالانکہ بظاہر ایسا نہیں ہے۔ محمد زکریا۔

ابھی گذر چکا ہے۔ بہر حال صاحبزادیوں میں آپ سب سے بڑی تھیں۔

نکاح

آپ کا نکاح ابو العاص بن ربیع جو آپ کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے صاحبزادے تھے، سے ہوا تھا۔ ابوالعاص بہت ہی شریف اور سلیم الطبع شخص تھے۔ حضرت زینب اور ابو العاص دونوں کو ایک دوسرے سے غیر معمولی محبت اور تعلق تھا۔ اور زندگی بھر یہ تعلق بر قرار رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی تو اپنے اہل خانہ کو اپنے ساتھ لا سکے تھے۔ حضرت زینبؓ اپنی سسرال یعنی ابو العاصؓ کے گھر پر ہی تھیں ابو العاصؓ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ یہاں تک کہ ۲ھ میں غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ ابو العاصؓ بھی جنگ کرنے کے لئے بدر پہنچے تھے اور پھر بدر کے قیدیوں کے ساتھ قید کر کے مدینہ لائے گئے تھے۔ جس طرح اور قیدیوں کے رشتہ داروں نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور فدیہ مال بھیجا تھا۔ حضرت زینب نے بھی ابو العاصؓ کی رہائی کے لئے مال بھیجا تھا۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس شرط پر رہا کر دیا تھا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابو العاص نے مکہ پہنچ کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ حضرت زینبؓ کو اونٹ پر بٹھا کر مدینہ کے لئے روانہ کر دیا۔ ابھی مکہ سے نکل کر مقام ذی طوی ہی تک پہنچے تھے کہ بعض مشرکین مکہ نے آگھیرا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹی کو ہم مدینہ نہیں جانے دیں گے انہیں میں سے ایک شخص نے حضرت زینبؓ کے نیزہ مارا جس کی وجہ سے وہ اونٹ سے گر گئیں اور بہت زخمی ہو گئیں ابو العاصؓ کے بھائی کنانہ نے اپنا تیر کمان سنبھالا اور کہا کہ اب اگر کوئی قریب آیا تو اس کی خیر نہیں ہے۔ سب لوگ اپنی جگہ پر ٹھہر گئے لیکن اس پورے واقعے کی خبر مکہ والوں کو پہنچ گئی ابو سفیانؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اہل مکہ کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے چند سر بر آوردہ لوگوں کو لے کر کنانہ سے گفتگو کرنے کے لئے آئے اور یہ کہا کہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم لوگوں نے ابھی غزوہ بدر میں محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں کتنی تکلیفیں اور رسوائیاں برداشت کی ہیں اگر تم محمد (ﷺ) کی بیٹی کو اس طرح علی الا علان لے جاؤ گے تو اس میں ہماری مزید ذلت و رسوائی ہو گی۔ ایسا کرو کہ جب معاملہ ذرا ٹھنڈا ہو جائے تو رات کی تاریکی میں نکال لے جانا۔ کنانہ نے بھی اسی کو غنیمت سمجھا اور حضرت زینبؓ کو دوبارہ ابو العاص کے گھر پہنچا دی گئیں اور حسب وعدہ چند دن کے بعد پھر کنانہ ہی کے ساتھ مدینہ کے لئے روانہ ہو گئیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور ایک اور انصاری صحابیؓ کو بطن یاجج نام کے ایک مقام تک حضرت زینبؓ کو لانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ کنانہ بطن یاجج پہنچ کر حضرت زینبؓ کو ان دونوں حضرات کے حوالے کر کے مکہ واپس چلے گئے۔

اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ۶ھ میں ابو العاص پھر ایک جنگ میں قید کر کے مدینہ لائے گئے اس وقت بھی حضرت زینبؓ کام آئیں اور انہوں نے ابو العاصؓ کو اپنی پناہ

---

[1] زرقانی۔

میں لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کی سفارش پر ابو العاصؓ کو رہا فرمادیا۔ ابو العاصؓ مکہ واپس ہوئے اور لوگوں کی امانتیں جو ان کے پاس تھیں واپس کیں اور اسلام لاکر مدینہ طیبہ حاضر ہوگئے حضرت زینبؓ اور ابو العاصؓ کے درمیان کئی سال علیحدگی رہی لیکن نہ ابو العاصؓ نے اپنی شادی کی اور نہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کا نکاح کہیں اور کیا، اب جب کہ حضرت ابو العاصؓ مسلمان ہوکر مدینہ آگئے تو آپ نے پھر حضرت زینبؓ کا نکاح انہیں سے کردیا۔

رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کا ان کی شرافت، ایفائے عہد اور حضرت زینب کے ساتھ ان کے حسن تعلق کی وجہ سے بڑا مقام تھا اور آپ اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ اسی سلسلے میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کے بہت بلند کلمات حضرت ابو العاصؓ کی تعریف میں مذکور ہیں۔ [1]

فضائل

حضرت زینبؓ کے شرف کے لئے یہ کیا کم ہے کہ آپ جگر گوشۂ رسول اللہ ﷺ ہیں، پھر وہ بالکل اولین ایمان لانے والوں میں ہیں، اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی انہوں نے بھی کلمۂ شہادت پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئی تھیں۔ پھر شوہر سے غیر معمولی محبت اور تعلق بھی ان کے لئے ایمان پر ثابت قدم رہنے، رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے اور ہجرت سے مانع نہ ہوسکا اور وہ اپنے شوہر کو مکہ میں چھوڑ کر غزوۂ بدر کے بعد جلد ہی ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی ہجرت کے وقت جب حضرت زینبؓ کے زخمی ہونے کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا هي افضل بناتي اصيبت في یہ میری بہترین بیٹی ہیں جو میری وجہ سے اس مصیبت میں مبتلا ہوئی ہیں۔ [2]

وفات

۶ھ میں حضرت ابو العاصؓ مدینہ طیبہ آئے ہیں اور آپ نے حضرت زینبؓ کا نکاح دوبارہ ان کے ساتھ کیا ہے اور ۸ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی ہے، رسول اللہ ﷺ پر ان کی وفات کا بہت اثر تھا۔ ان کے غسل اور کفن کے سلسلہ میں غسل دینے والی عورتوں کو آپ ﷺ خود ہدایات دے رہے تھے اور کفن کے لئے اپنی استعمال فرمائی ہوئی لنگی عنایت فرمائی تھی۔ حضرت ام عطیہؓ جو غسل دینے والی عورتوں میں شامل تھیں ان کی روایت کے الفاظ صحیح مسلم اس طرح ہیں عن ام عطيةؓ قالت لما ماتت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لنا رسول الله اغسلنها وتراً ثلثاً او خمساً واجعلن في الخامسة كافوراً اوشيئاً من كافور فاذا غسلتنّها فاعلمنني قالت اعلمنا هانا عطانا حقوه وقال

---

[1] صحیح بخاری باب ذکر اصہار النبی ﷺ و صحیح مسلم باب فضائل فاطمہؓ۔

[2] زرقانی ج ۳ ص ۱۹۵ بحوالہ طحاوی وحاکم۔

اشرفیھا ایاہ۔ [1] حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی وفات ہوئی تو آپ نے ہم غسل دینے والی عورتوں سے فرمایا کہ طاق دفعہ غسل دینا خواہ تین بار یا پانچ بار اور پانچویں مرتبہ غسل دینے کے لئے پانی میں کافور ملالینا یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تھوڑا سا کافور ملالینا۔ اور جب غسل دے کر فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کر دینا۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہم عورتیں غسل سے فارغ ہو گئیں تو آپ ﷺ کو اطلاع کر دی آپ ﷺ نے کفن کے لئے اپنی مبارک لنگی عنایت فرمائی اور فرمایا اس کو کفن میں سب سے اندر کی طرف حضرت زینبؓ کے جسم سے ملا کر استعمال کرنا۔ نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی اور آپ ﷺ نے اور حضرت ابو العاصؓ نے قبر میں اتارا۔ ہجرت کے وقت جو چوٹ لگی تھی اس کی تکلیف وفات تک باقی رہی اسی لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ کو مقام شہادت بھی نصیب ہوا۔ [2]

اولاد

آپ کے ایک صاحبزادے علی نام کے تھے اور ایک صاحبزادی امامہ نامی تھیں، دونوں بچوں سے رسول اللہ ﷺ کو بہت محبت تھی۔ صحیحین کی روایت کے مطابق کبھی کبھی حالت نماز میں آپ ﷺ کی یہی نواسی حضرت امامہ آپ کے کندھے پر سوار ہو جایا کرتی تھیں اور آپ کو ان کا یہ عمل ناگوار بھی نہ ہوتا تھا آپ ﷺ کے یہ نواسے حضرت علیؓ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی اونٹنی پر سوار تھے اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ [3] رضی اللہ عنھم وارضاھم۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

صاحبزادیوں میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جس وقت حضرت رقیہ پیدا ہوئی ہیں آپ ﷺ کی عمر تینتیس (۳۳) سال تھی۔ [4] بچپن ہی میں آپ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے اور دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح ابو لہب ہی کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے کر دیا تھا۔ اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ ابھی دونوں کی رخصتی کی نوبت بھی نہ آپائی تھی۔ کہ رسول اللہ ﷺ کو نبوت مل گئی اور آپ ﷺ نے دین کی دعوت شروع کی، ابولہب نے آپؐ کی دشمنی اور مخالفت میں اپنے دونوں بیٹوں کو یہ حکم دیا کہ تم لوگ اگر مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار کرلو، بیٹوں نے باپ کے کہنے کے مطابق عمل کیا جس کی وجہ سے دونوں صاحبزادیاں رقیہؓ اور ام کلثومؓ رشتہ نکاح سے آزاد ہو گئیں۔ پھر آپؐ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہجرت سے پہلے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سے کر دیا تھا۔ [5] مشرکین مکہ کی ایذارسانی کی بنا پر جن صحابہ کرامؓ نے حبشہ کو ہجرت کی تھی ان میں اول ہجرت کرنے

---

1. صحیح مسلم جلد اول ص ۳۰۵۔
2. زرقانی ج ۳ ص ۱۹۶۔
3. زرقانی ج ۳ ص ۱۹۷۔
4. زرقانی ج ۳ ص ۱۹۷۔
5. زرقانی ج ۳ ص ۱۹۸۔

والوں میں حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کی ہجرت کے موقع پر فرمایا تھا ان عثمان اول من ھاجر باھله بعد لوط۔ یعنی لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص حضرت عثمانؓ ہیں۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال سے بھی خوب نوازا تھا مکہ میں اتنا حسین و جمیل جوڑا اور کوئی نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خاندان کی بعض عورتوں نے ان دونوں کی شان میں قصیدہ بھی کہا تھا۔ زرقانی نے کچھ اشعار اس قصیدے کے ذکر کئے ہیں جس میں مذکور ہے کہ کسی نے بھی ایسا حسین و جمیل جوڑا نہیں دیکھا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ حبشہ سے مکہ واپس آگئے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے بعد دونوں مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ حبشہ کے زمانہ قیام میں حضرت رقیہؓ کے یہاں ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام عبداللہ رکھا تھا چھ سال کی عمر میں اس بچہ کا انتقال ہو گیا پھر غالباً کوئی اور اولاد نہیں ہوئی۔ جب آپ ﷺ غزوہ بدر کے لئے تشریف لے گئے تھے اس وقت حضرت رقیہؓ کی طبیعت بہت خراب تھی ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری کے لئے آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو غزوۂ بدر میں شرکت سے روک دیا تھا وہ مدینہ میں ہی رہ گئے تھے بدر کی فتح کی خوشخبری تو مدینہ آگئی تھی لیکن آپ ﷺ ابھی تشریف نہیں لائے تھے کہ حضرت رقیہؓ کی وفات ہو گئی، واپس آنے پر جب علم ہوا تو آپ کو بہت صدمہ ہوا قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اتنا روئے کہ آنسو قبر پر گرنے لگے۔[1] رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ بھی بعثت نبوی سے پہلے ہی پیدا ہوئی تھیں اور اسلام ہی کے آغوش میں ہوش سنبھالا تھا۔ حضرت رقیہؓ کے تذکرہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں بیٹیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح بچپن ہی میں ابو لہب کے دو بیٹیوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا۔ اور جب آپ ﷺ نے اللہ کی توحید اور اپنی نبوت کی دعوت دی تو ابو لہب نے آپ کی سخت مخالفت کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں سے علیحدگی اختیار کرنے کو کہا، دونوں نے اپنے باپ کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور دونوں صاحبزادیوں کا یہ قصہ نکاح رخصتی سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔[2] پھر آپ ﷺ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور جب ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو کچھ دنوں کے بعد آپ نے حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ اور یہ سعادت

---

1. زرقانی۔
2. البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۶ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۵۲۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نصیب میں آئی کہ وہ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر بنے اور ذوالنورین کے لقب سے نوازے گئے۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا اور حضرت عثمانؓ کی حیات ہی میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہو گئی تو آپ نے فرمایا لو کان عندی ثالثة لزوجتها یعنی میں نے یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں عثمان سے بیاہ دیں اور اب دوسری کا بھی انتقال ہو گیا اور عثمان بے بیوی کے رہ گئے اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی جو عثمانؓ سے بیاہی جا سکتی تو ضرور میں اس کی شادی بھی عثمان سے کر دیتا۔ [1]

عتیبہ نے جس وقت حضرت ام کلثومؓ سے علیحدگی کا اعلان کیا تھا اسی وقت اس نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی بھی کی تھی دونوں باتوں سے آپ کو سخت تکلیف پہنچی تھی اور زبان مبارک سے اللّٰهم مسلط علیه کلباً من کلابك بددعا نکلی تھی۔ [2] کہ اے اللہ اس کے اوپر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط فرما دے۔ اس بددعا کا علم جب ابولہب کو ہوا تو وہ گھبرا گیا اور بیٹے کی جان کی فکر پڑ گئی، کچھ دنوں کے بعد یہ باپ نے ملک شام کے ایک سفر میں تھے ایک جگہ قافلہ نے قیام کیا وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ اس علاقہ میں شیر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ابولہب کو آپ کی بددعا یاد تھی، اس نے بیٹے کی حفاظت کی تمام تدبیریں کر ڈالیں لیکن زبان نبوت سے نکلی ہوئی بددعا خالی نہ گئی اور شیر سب تدبیروں کے باوجود (جن کی تفصیل زرقانی میں ہے) عتیبہ کو اٹھالے گیا۔

حضرت ام کلثومؓ کا نکاح جب حضرت عثمانؓ سے ہوا اس سے پہلے ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ جو کچھ دن پہلے ہی بیوہ ہوئی تھیں کا نکاح حضرت عثمان سے کرنے کی پیش کش کی حضرت عثمان نے صاف انکار تو نہیں کیا لیکن اثبات میں بھی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی، آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمہاری بیٹی کے لئے عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کے لئے تمہاری بیٹی سے بہتر بیوی نہ بتلاؤں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا ضرور، اس پر آپ نے فرمایا اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح مجھ سے کر دو اور میں اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا نکاح عثمان سے کئے دیتا ہوں۔ [3]

فضائل

مذکورہ واقعہ سے حضرت ام کلثومؓ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کو آپ نے حضرت حفصہؓ سے بھی افضل قرار دیا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اور بالکل اول اول ایمان لانے والے صحابہ کرامؓ میں

---

1. البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۷ وفی روایة لو کن عشراً لزوجتهن عثمان۔ بلکہ زرقانی کی ایک روایت میں سو (۱۰۰) کا عدد مذکور ہے۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۳۸۔ اس واقعہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔
2. زرقانی ج ۳ ص ۲۳۸ بحوالہ حاکم وقال صحیح الاسناد۔
3. زرقانی بحوالہ صحیح بخاری۔

ہیں، آپ کو ان سے محبت بھی بہت تھی جس کا اظہار عتیبہ کے واقعہ سے ہوتا ہے پھر آپ نے ہی نماز جنازہ پڑھائی، خود دفن میں شرکت فرمائی جیسا کہ ابھی آئے گا۔

وفات

۳ ھ میں آپ کا نکاح حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہوا ہے اور تقریباً چھ سال کے بعد ۹ ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔[1] رسول اللہ ﷺ اس وقت مدینہ طیبہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابیاتؓ نے غسل دیا حضرت زینبؓ کے غسل کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی جن ہدایات کا ذکر حضرت زینبؓ کے تذکرہ میں گذر چکا ہے کہ آپ نے غسل دینے والی عورتوں سے فرمایا تھا کہ تین بار یا پانچ بار غسل دینا اور آخر میں کافور ملے ہوئے پانی کا استعمال کرنا اور جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا اور بعد فراغت جب اصحابیاتؓ نے آپ کو غسل سے فارغ ہونے کی اطلاع دی تو آپ نے اپنا تہبند یہ کہہ کر عنایت فرمایا کہ اس کو کفن میں اس سے اندر کی طرف استعمال کریں۔ بعض شارحین حدیث نے غسل و کفن کی اس روایت کو حضرت ام کلثومؓ کی وفات سے متعلق ذکر کیا ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ واقعہ دونوں بیٹیوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔ اس لئے کہ دونوں ہی آپ کی بیٹیاں تھیں اور روایت میں نام نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے زیادہ محبوب صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ولادت بعض مؤرخین نے بعثت سے پانچ سال پہلے اور بعض نے صرف ایک سال پہلے ذکر کی ہے۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ آپ بعثت سے پہلے ہی پیدا ہوئی ہیں۔[2] پھر ہجرت تک رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ رہیں۔ ہجرت کے موقع پر آپ ان کو مکہ ہی میں چھوڑ آئے تھے بعد میں ان کو بلوایا ہے اور ۲ھ میں غزوہ بدر کے کچھ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کا نکاح ہوا۔[3] چونکہ حضرت علیؓ بھی رسول اللہ ﷺ ہی کے تکفل میں تھے اور ان کا کوئی گھر علیحدہ نہ تھا اس لئے آپ نے ان کا گھر بسانے کے لئے کچھ ضروری گھریلو سامان اس موقع پر عنایت فرمایا تھا۔ جس میں ایک چادر، ایک مشکیزہ، چمڑے کا ایک گدا، جس میں اذخر نام کی گھاس بھری ہوئی تھی وغیرہ چند چیزیں تھیں۔ یہ سامان مروجہ جہیز کی قسم سے نہ تھا اس لئے جہیز کا ثبوت نہ ازواج مطہرات کے کسی نکاح میں ہے نہ دیگر بنات طاہرات کے نکاح کے موقع پر آپ نے کچھ دیا ہے اور نہ اہل عرب میں اس کا رواج تھا۔ حضرت علیؓ نے مہر میں اپنی درع یا اس کی قیمت دی تھی ان کے پاس مہر ادا کرنے کے لئے اس کے سوا کچھ نہ تھا۔

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۵۳، زرقانی ج ۳ ص ۲۳۹۔
2. البدایہ والنہایہ۔
3. صحیح بخاری۔

اولاد

آپ کے تین بیٹے حسن حسین اور محسن پیدا ہوئے۔ محسن کی وفات بچپن ہی میں ہو گئی اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بہت بعد تک حیات رہے۔ ان تینوں بیٹوں کے علاوہ دو بیٹیاں حضرت زینبؓ اور حضرت ام کلثومؓ بھی پیدا ہوئیں جو بعد تک زندہ رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں صرف حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی سے آپ ﷺ کی نسل چلی ہے دیگر صاحبزادیوں کے یہاں یا تو اولاد ہی پیدا نہیں ہوئی یا جلد ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

فضائل

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بہت ہی محبوب اور چہیتی بیٹی تھیں ان سے رسول اللہ ﷺ کو غیر معمولی محبت تھی۔ ایک بار آپ نے فرمایا **احب اهلی الی فاطمه** [1] مجھے اپنے گھر والوں میں فاطمہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ ان کی تکلیف آپ کے لئے ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابو جہل کی لڑکی سے شادی کرنا چاہی حضرت فاطمہؓ نے آپ سے اس کی شکایت کر دی، آپ کو حضرت علیؓ کے اس ارادے سے سخت تکلیف پہنچی اور آپ ﷺ نے مسجد میں خطبہ میں اپنی اس تکلیف اور ناگواری کا اظہار فرمایا اور اسی خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا **فاطمة بضعة منى فمن اغضبها اغضبنى** فاطمہ میرا جزو بدن ہیں جس نے ان کو غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔ الفاظ کے جزوی اختلاف کے ساتھ یہ روایت بخاری و مسلم، ابو داؤد، ترمذی وغیرہ حدیث کی تقریباً سب ہی کتابوں میں ہے۔ [2]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے انداز گفتگو میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھیں اور ان کے چلنے کا انداز بھی بالکل آپ ﷺ ہی کی طرح تھا اور آپ کا معمول یہ تھا کہ جب فاطمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کو مرحبا کہتے اور کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہ کا معمول بھی آپ کے ساتھ یہی تھا۔ [3]

جب آپ سفر پر تشریف لے جاتے تو جاتے وقت سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے مل کر جاتے اور واپسی میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملتے۔ [4]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مرض وفات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنے قریب بلایا اور کان میں کچھ فرمایا حضرت فاطمہؓ رونے لگیں۔ دوبارہ آپ ﷺ نے ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ مسکرا دیں۔ بعد میں میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے راز کو ظاہر نہیں کروں گی۔ لیکن جب آپؐ کی وفات کے بعد میں نے اس واقعہ کے بارے میں معلوم کیا تو فرمایا اب بتلاتی ہوں۔ پہلی بار تو آپؐ نے فرمایا تھا

---

1. ترمذی فضائل فاطمہؓ۔
2. بخاری کتاب النکاح، مسلم و ترمذی باب فضل فاطمہ، ابوداؤد کتاب النکاح۔
3. ترمذی باب فضل فاطمہؓ۔
4. زرقانی ج ۳ ص ۲۰۴۔

کہ میرا خیال ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آچکا ہے۔ جس پر مجھے رونا آگیا تھا۔ دوسری بار آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے پاس میرے گھر کے لوگوں میں سب سے جلد آنے والی ہو۔ اس پر مجھے ہنسی آئی تھی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دوسری بار یہ فرمایا تھا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہو۔ بظاہر آپؐ نے دونوں ہی باتیں فرمائی تھیں۔[1] علاوہ ازیں حضرت فاطمہؓ کی فضیلت کی احادیث کتب حدیث میں بڑی کثرت سے مروی ہیں۔

وفات

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا غم تمام صحابہ کرامؓ کے لئے جان لیوا تھا۔ حضرت فاطمہؓ تو اب اکلوتی بیٹی تھیں، پھر ان کو آپؐ سے اور آپؐ کو ان سے جو غیر معمولی محبت تھی جس کا کچھ ذکر ابھی گذرا ہے اس کی وجہ سے تو یہ غم واقعی جان لیوا ثابت ہوا اور آپ اپنی زندگی ہی میں اس کی اطلاع بھی دے چکے تھے کہ تم سب پہلے میرے پاس آنے والی ہو۔ ابھی آپ کی وفات کو صرف چھ مہینے ہی گذرے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی رخت سفر باندھ لیا اور اپنے والد ﷺ سے جا ملیں۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۲۹ سال یا ۲۴ سال بتلائی جاتی ہے۔ یہ اختلاف اصل میں سن ولادت کے اختلاف کی وجہ سے ہے اگر آپ کی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے ہے تو عمر ۲۹ سال ہوگی اور اگر ولادت کا سال بعثت سے صرف ایک سال پہلے ہے تو عمر مبارک صرف ۲۴ سال ہوگی۔[2] ابن کثیر نے عمر مبارک ۲۹ سال اور حافظ ذہبی[3] نے ۲۴ سال ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ حضرت فاطمہؓ کے تذکرہ پر آپ کی بنات طیبات کا ذکر بھی مکمل ہوا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

آپ کا اسم شریف حسن اور کنیت ابو محمد ہے۔ حسن نام رسول اللہ ﷺ ہی نے تجویز فرمایا تھا۔[4] آپ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور والدہ جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ حضرت علیؓ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ حضرت علی کی کنیت ابوالحسن آپ ہی کے نام کی وجہ سے ہے۔

ولادت

رمضان ۳ھ میں آپ پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ ولادت کی خبر پا کر حضرت علی کے گھر تشریف لے گئے، پیارے نواسے کو گود میں لیا، خود ان کے کان میں اذان دی اور عقیقہ کرایا اور بالوں کے ہم وزن

[1] صحیح مسلم باب فضائل فاطمہؓ۔
[2] البدایہ والنہایہ۔
[3] تاریخ الاسلام ج ۳ ص ۴۹۔
[4] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۴۶۔

چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔[1] اور اس طرح براہ راست ان کے کان میں پہلی آواز رسول اللہ ﷺ کی پہنچی اور جو بات پہلی بار کان میں پہنچی وہ بھی اذان تھی جو دین کی بھرپور دعوت ہے۔ بچپن کا بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ ہی کے سایہ عاطفت میں گذرا ہے۔ آپ کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر ۸ سال کی تھی۔

خلافت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ کی جامع مسجد میں کوفہ اور قرب وجوار کے مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت ہی میں ان کے اور حضرت معاویہؓ کے مابین شدید اختلاف تھے ابھی حضرت حسن کی بیعت خلافت کو ۶ یا ۷ ماہ ہی گذرے تھے کہ قتل وقتال سے بچنے کے لئے حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرلی اور بار خلافت سے حضرت معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی ابنی هذا سید و لعل الله ان یصلح به بین الفئتین من المسلمین یعنی میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔ صحیح ثابت ہوگئی۔[2] اس مصالحت کے وقت حضرت حسنؓ نے جو بھی شرائط صلح حضرت معاویہؓ کے سامنے رکھے حضرت معاویہؓ نے ان کو قبول فرمالیا اور مدت العمر ان کا لحاظ رکھا۔[3] ان میں وافر مقدار میں مال کی شرط بھی تھی جو ان کے آرام وراحت کے ساتھ گذر اوقات کے لئے خوب کافی تھا۔ لیکن وہ اس مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے حتی کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ اپنے موزے بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کردیئے اور صرف جوتے روک لئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت حسنؓ نے یکسوئی کی زندگی اختیار فرمائی اور عبادت وریاضت اور دین کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔

آپ نے کئی شادیاں کیں اور ان سے دس یا اسے بھی زیادہ بچے پیدا ہوئے۔

وفات

۵۰ھ یا ۵۱ھ میں کسی نے آپ کو زہر دے دیا اور یہی وجہ شہادت بن گیا۔ مدینہ کے امیر سعید بن العاصؓ نے نماز پڑھائی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حلیہ

آپ شکل وصورت میں رسول اللہ ﷺ کے بہت مشابہ تھے۔ ایک موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنی گود میں اٹھالیا اور حضرت علیؓ کے سامنے فرمایا کہ حسن تمہارے مشابہ نہیں ہیں یہ تو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہیں۔ حضرت علیؓ سنتے رہے اور ہنستے رہے۔[4] امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔[5]

---

1. جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۸۳ باب ماجاء فی العقیقه و ابو داؤد باب العقیقه. والنسائی کتاب العقیقه۔
2. صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین والترمذی ج ۲ ص ۲۱۸ فی المناقب۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۷ و ج ۳ ص ۲۶۴۔
4. صحیح بخاری ص ۵۳۰ مناقب الحسن والحسین۔
5. سیر اعلام النبلاء بحوالہ جامع ترمذی وغیرہ۔

فضائل

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل بڑی حد تک مشترک ہیں اس لئے ان کے مناقب و فضائل بھی حضرت حسینؓ کے تذکرہ کے بعد ہی ذکر کئے جائیں گے محدثین میں امام بخاری، امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ وغیرہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے کہ دونوں کے فضائل و مناقب ایک ساتھ ہی ذکر کئے ہیں۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

رسول اللہ ﷺ کے دوسرے نواسے اور حضرت علی و حضرت فاطمہؓ زہرا کے چھوٹے صاحبزادے حضرت حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ھ میں ہوئی، آپ ﷺ نے ہی ان کا نام حسین رکھا، ان کو شہد چٹایا، ان کے منہ میں اپنی زبان مبارک داخل کر کے لعاب مبارک عطا فرمایا اور ان کا عقیقہ کرنے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کے عقیقہ کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔[1] اپنے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسین بھی رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اور آپ ﷺ کو ان سے بھی غیر معمولی محبت اور تعلق تھا جس کا کچھ تذکرہ مناقب و فضائل کے سلسلہ میں آئے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ان کی عمر صرف چھ یا سات سال تھی، لیکن یہ چھ سات سال آپ کی صحبت اور شفقت و محبت میں گذرے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے خاص لطف و کرم اور محبت کا برتاؤ کیا۔ حضرت عمرؓ کے آخری زمانۂ خلافت میں آپ نے جہاد میں شرکت شروع کی ہے اور پھر بہت سے معرکوں میں شریک رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا تو حضرت علیؓ نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو ان کے گھر کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ نے جب حضرت معاویہؓ سے مصالحت کر کے خلافت سے دستبرداری کے ارادہ کا اظہار کیا تو حضرت حسینؓ نے بھائی کی رائے سے اختلاف کیا لیکن بڑے بھائی کے احترام میں ان کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا۔ البتہ جب حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے یزید کی خلافت کی بیعت لی تو حضرت حسینؓ اس کو کسی طرح برداشت نہ کر سکے اور یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد اپنے بہت سے مخلصین کی رائے و مشورہ کو نظر انداز کر کے جہاد کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے کوفہ کے لئے تشریف لے چلے ابھی مقام کربلا ہی تک پہنچے تھے کہ واقعہ کربلا کا پیش آیا اور آپ وہاں شہید کر دیئے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ تاریخ وفات ۱۰۔ محرم ۶۱ھ ہے اس وقت عمر شریف تقریباً ۵۵ سال تھی۔

جیسا کہ پہلے بھی حضرت فاطمہ زہراؓ کے تذکرہ میں گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نسل حضرت فاطمہؓ ہی سے چلی ہے اور ان کی اولاد میں حضرات حسنین اور ان کی دو بہنیں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم اجمعین ہی آپ ﷺ کی بقاء نسل کا ذریعہ بنے ہیں۔

---

[1] مؤطا امام مالک۔

حضرات حسنینؓ کے فضائل ومناقب

رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور آپ کے صحابی ہونے کا شرف کیا کم ہے پھر آپ ﷺ کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بہت محبت بھی تھی۔ شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں بھائی بچپن میں حالت نماز میں آپ کی کمر مبارک پر چڑھ جاتے کبھی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے گذرتے رہتے اور آپ نماز میں بھی ان کا خیال کرتے۔ جب تک وہ کمر پر چڑھے رہتے آپ سجدہ سے سر نہ اٹھاتے۔[1] آپ اکثر انہیں گود میں لیتے، کبھی کندھے پر سوار کرتے، ان کا بوسہ لیتے انہیں سونگتے اور فرماتے انكم لمن ريحان الله تم اللہ کی عطا کردہ خوشبو ہو۔[2] ایسے ہی ایک موقعہ پر حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کر دیا اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میرے تو دس بیٹے ہیں لیکن میں نے آج تک کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا انه من لا يُرحم لا يرحم جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی من جانب اللہ رحم نہیں کیا جاتا۔[3] حضرت فاطمہ زہراؓ کے تذکرہ، میں گذر چکا ہے۔ آیت تطہیر کے نزول کے بعد آپ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو اپنی ردائے مبارک میں داخل فرما کر اللہ سے عرض کیا اللّٰهم هولاء اهل بيتى فاذهب عنهم الرجس وطهر هم تطهيرا۔[4] اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور فرما دیجئے اور پاک و صاف کر دیجئے۔

صحیح بخاری میں حضرت عدی بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے تھے اور یوں دعا کر رہے تھے اللّٰهم ابنى احبهٗ فاحبهٗ، اے اللہ یہ مجھے محبوب ہے آپ بھی اسے اپنا محبوب بنا لیجئے۔[5]

امام بخاری نے ہی حضرات حسنینؓ کے مناقب میں حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے کسی عراقی نے مسئلہ دریافت کیا کہ محرم اگر مکھی مار دے تو کیا کفارہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے بڑی ناگواری سے جواب دیا کہ اہل عراق مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھنے آتے ہیں اور نواسۂ رسول اللہ ﷺ (حضرت حسینؓ) کو قتل کر دیا حالانکہ آپ نے اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں فرمایا تھا هما ريحاناى من الدنيا۔ یہ دونوں میرے لئے دنیا کی خوشبو ہیں۔[6] امام ترمذی نے حضرت اسامہ بن زید کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں کسی ضرورت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ گھر کے باہر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ دونوں کو لھوں پر (یعنی گود میں) کچھ رکھے ہوئے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے، میں جب اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو عرض کیا یہ کیا ہے آپ ﷺ نے چادر ہٹا دی میں نے دیکھا کہ ایک جانب حسنؓ اور دوسری جانب حسینؓ ہیں،

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۹۴۔
2. جامع ترمذی باب ماجاء فی رحمۃ الولد۔
3. ترمذی باب ماجاء فی رحمۃ الولد۔
4. ترمذی باب مناقب اہل بیت۔
5. صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ مناقب الحسن الحسین صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۸۳ باب بن فضائل الحسن والحسین۔
6. صحیح بخاری باب مناقب الحسن والحسین ج ۱ ص ۵۳۰ و ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸ مناقب الحسن والحسين وفى رواية الترمذى ذكر البعوض۔

اور فرمایا۔ ھذان ابنای وابنا ابنتی اللّٰھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما۔[1] اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں آپ بھی ان سے محبت فرمایئے اور جو ان سے محبت کرے اس کو بھی اپنا محبوب بنا لیجئے۔ "اللّٰھم انی احبھما فاحبھما" اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں آپ بھی ان کو اپنا محبوب بنا لیجئے کہ دعائیہ کلمات صحیح سندوں سے حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ آپ کے یہ دونوں نواسے اللہ کے بھی محبوب اور اللہ کے رسول کے بھی محبوب اور ان دونوں سے محبت رکھنے والے بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے محبوب ہیں، ایک بار ایسا ہوا کہ آپ خطبہ دے رہے تھے، دونوں نواسے آگئے آپ نے خطبہ روک کر ان دونوں کو اٹھالیا اور اپنے پاس بٹھایا پھر باقی خطبہ پورا کیا۔

امام ترمذی نے حضرت یعلی بن مرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسین منی وانا من حسین احب اللّٰہ من احب حسینا حسین سبط من الا سباط۔[2]

ترجمہ:۔ حسین میرے ہیں اور میں حسین کا، جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے حسین میرے ایک نواسے ہیں۔

حسین منی وانا من حسین کے کلمات انتہائی محبت، اپنائیت، اور قلبی تعلق کے اظہار کے لئے ہیں، اس کے بعد وہی دعائیہ کلمات ہیں جن کے متعلق عرض کیا کہ یہ الفاظ متعدد روایات میں مذکور ہیں اس مضمون کی کئی روایات امام ترمذی نے مناقب الحسن والحسین کے عنوان کے تحت ذکر کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی والدہ کو سیدۃ نساء اھل الجنۃ اور دونوں بھائیوں کو سیدا شباب اھل الجنۃ فرمایا ہے۔[3] رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام خصوصاً حضرات شیخین کا معاملہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم کا رہا، ابھی حضرت حسنؓ کے تذکرہ میں گذرا کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو گود میں اٹھالیا تھا بلکہ بعض روایات میں تو کندھے پر بٹھانے کا ذکر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دونوں بھائیوں کا وظیفہ اہل بدر کے وظائف کے بقدر پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیا اور اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت بیان کی۔[4] حالانکہ یہ دونوں حضرات ان کے دور خلافت کے آخر میں بھی بالکل نوجوان ہی تھے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کا واقعہ ہے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے حضرت حسینؓ آئے اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا، میرے باپ (نانا جان) کے منبر سے اترو اور اپنے والد کے منبر پر جاکر خطبہ دو، حضرت عمرؓ نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے یہ کہا اور ان کو اپنے پاس منبر پر بٹھالیا اور بہت اکرام اور لطف و محبت کا معاملہ کیا۔[5] انہیں حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یمن سے کچھ حلے (چادروں کے جوڑے) آئے، آپ

---

1. ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸ مناقب الحسن والحسین۔
2. جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹ باب مناقب اہل بیت۔
3. جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۱۶ باب مناقب اہل بیت۔
4. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۶۶۔
5. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۸۵۔

نے وہ صحابہ کرامؓ کے لڑکوں میں تقسیم کردیئے اور حضرات حسینؓ کے لئے ان سے بہتر حلّے منگوائے اور ان دونوں بھائیوں کو دیئے اور فرمایا اب میرا دل خوش ہوا ہے۔ [1]

یہ دونوں بھائی اگرچہ کثیر الروایت نہیں لیکن پھر بھی براہ راست رسول اللہ ﷺ اور اپنے والدین سے احادیث رسول اللہ ﷺ نقل کرتے ہیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں بھائی بہت ہی عبادت گزار تھے، دونوں نے بار بار مدینہ سے مکہ تک پیدل سفر کر کے حج کئے ہیں۔ [2] اللہ کے راستہ میں کثرت سے مال خرچ کرتے تھے۔ جود و سخاوت، ماں باپ اور نانا جان سے وراثت میں ملی تھی۔ رضی اللہ عنہما وارضاہما۔

---

[1] ایضاً۔ [2]

فضائل اصحاب النبیؐ

کتاب المناقب والفضائل کے عنوان کے تحت اب تک رسول اللہ ﷺ آپ کے صحابہ کرامؓ میں سے دس خاص صحابہ جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے جن میں خلفائے اربعہ بھی ہیں اور آپ کی اہل بیت یعنی آپ کی ازواج مطہرات اور بنات طیبات اور دونوں نواسے حضرت حسن اور حضرت حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب کا بیان ہوا ہے اب یہاں سے کچھ اور مشہور صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کیا جائے گا۔ صحابہ کرام کے درمیان اگرچہ فرق مراتب ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ان الفاظ میں فرمایا ہے لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃً من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنی[1] لیکن شرف صحابیت میں سب باہم شریک ہیں اور یہ ایسا شرف ہے جس کو کوئی بھی غیر صحابی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی بھی غیر صحابی خواہ کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ ہو کسی بھی صحابی سے خواہ وہ صحابہ کرام میں بڑے مقام و مرتبہ کا نہ ہو افضل نہیں ہو سکتا۔[2]

شریعت کی اصطلاح میں صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حالت اسلام میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو یا اسے آپ کی صحبت نصیب ہوئی ہو۔ خواہ ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔[3] قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں صحابہ کرام کی فضائل و مناقب بہت کثرت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں، اس سلسلہ میں پہلے ہم چند آیات قرآنی ذکر کرتے ہیں۔ پھر کچھ احادیث ذکر کریں گے جن میں عام صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ ہوگا۔ پھر خاص خاص صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں ہر ایک کے مخصوص فضائل و مناقب کا ذکر ہوگا۔

آیت ۱ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.
(سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۴۳)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تم کو نہایت معتدل امت بنایا تاکہ تم (آخرت میں) لوگوں کے بارے میں گواہی دو اور رسول اللہ ﷺ تمہارے بارے میں گواہی دیں۔

اس آیت سے پہلے تحویل قبلہ کا ذکر ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جیسے تمہارا قبلہ نہایت صحیح اور

---

1. یعنی فتح مکہ سے پہلے اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے والے جہاد کرنے والوں کا مقام فتح مکہ کے بعد مال خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں سے بلند و برتر ہے۔ اگرچہ سب ہی صحابہ کرامؓ سے اچھے انجام کا وعدہ ہے۔
2. فتح الباری ج ۱ ص ۷۔
3. نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۰۹، تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۰۹، نخبۃ الفکر ص ۸۲، امام بخاری نے باب فضائل اصحاب النبی ﷺ میں بھی یہی تعریف کی ہے۔

معتدل قبلہ ہے اسی طرح تم (صحابہ کرام اور ان کی متبعین) بھی نہایت معتدل امت ہو اور تم آخرت میں دوسری امتوں کے بارے میں گواہ بنائے جاؤ گے جیسا کہ نبی ﷺ تمہارے سلسلہ میں گواہ ہوں گے وسط کے معنی بالکل بیچ کا راستہ ہیں جو سب سے زیادہ سیدھا اور معتدل ہوتا ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں انتہائی تعریف اور مدح کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں صحابہ کرامؓ اور ان کے متبعین کے بڑے شرف اور عظمت کا ذکر ہے۔

آیت ۲ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ .**

ترجمہ: سو جو لوگ ان (نبی ﷺ) پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور (قرآن) کی اتباع کی جو ان کے ساتھ اترا ہے۔ ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس آیت میں بھی صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے اور آپ کی تعظیم کرنے والے اور مدد کرنے والے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا اتباع کرنے والے ہیں اور ایسے ہی لوگ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہونے والے ہیں۔

آیت ۳ **لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.** (سورۂ توبہ آیت نمبر ۸۸-۸۹)

ترجمہ: لیکن رسول اللہ (ﷺ) اور جو لوگ ایمان لائے ان کے ساتھ انہوں نے اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کیا اور انہیں کے لئے ہیں ساری خوبیاں اور وہی ہیں کامیاب ہونے والے اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ لوگ ہمیشہ ان باغات میں رہنے والے ہیں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

اس آیت سے پہلے منافقین کا ذکر تھا کہ وہ حیلے بہانے کر کے جہاد سے بچنا چاہتے ہیں اور یہ بھی ذکر تھا کہ ان کی یہ حالت اس وجہ سے تھی کہ اللہ نے ہی ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے وہ اپنے نفع و نقصان کو بھی نہیں سمجھ سکتے پھر صحابہ کرامؓ کی مذکورہ تعریف ہے کہ وہ اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ جس کا اجر و ثواب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں اور کامرانیاں انہیں کے لئے ہیں۔

آیت ۴ **وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.**
(سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰۰)

ترجمہ: مہاجرین اور انصار صحابہ کرامؓ (ایمان لائے ہیں) اور جو سابقین اولین جو ان کے متبعین ہیں نیکی کے کاموں میں، اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر

رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں ان صحابہ کرامؓ کی فضیلت کا ذکر ہے جو اولین ایمان لانے والے ہیں خواہ وہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے انصار ہوں یا باہر سے آنے والے مہاجرین ہوں، پھر یہ بھی مذکور ہے کہ اس فضیلت میں بعد میں ایمان لانے والے صحابہ کرام اور ان کے بعد کے اہل ایمان بھی شریک ہیں۔

آیت ۵ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا. (سورۂ احزاب آیت نمبر ۲۳)

ترجمہ:۔ مؤمنین میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو پورا کر دکھایا پھر ان میں بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (نذر کو پورا کرنے) کے منتظر ہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں امام ترمذیؒ نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ "حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میرے چچا حضرت انس بن نضرؓ کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جس کا انہیں بہت افسوس تھا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ آئندہ کوئی جہاد کا موقعہ عطا فرمائے گا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کیا کر دکھاتا ہوں، پھر جب آئندہ سال ہی غزوۂ احد کا واقعہ پیش آیا تو حضرت انس بن نضرؓ اس میں شریک ہوئے اور جان کی بازی لگا دی اور شہید ہوگئے ان کے جسم پر اسی سے زائد زخم تھے کسی طرح صورت پہچانی نہ جاتی تھی ان کی بہن نے انگلیوں سے اپنے بھائی کو پہچانا۔[1] بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی اسی طرح کا عہد کیا تھا لیکن ابھی شہادت مقدر نہ تھی وہ منتظر شہادت رہے۔ مذکورہ آیت میں دونوں طرح کے صحابہ کرام کا ذکر ہے۔

آیت ۶ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (سورۂ فتح آیت نمبر ۱۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوش ہوا مؤمنین سے جب کہ وہ بیعت کر رہے تھے تم سے درخت کے نیچے۔

اس آیت میں بیعت رضوان کا ذکر ہے اور اس آیت ہی کی وجہ سے اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں اس کا قصہ یوں تھا کہ ذیقعدہ ۶ھ میں آپ صحابہ کی ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ طیبہ سے عمرہ کے ارادے سے مکہ معظّمہ کے لئے نکلے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ اہل مکہ مزاحمت کے لئے تیار ہیں اور کسی طرح آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو عمرہ کی ادائیگی کیلئے بھی مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ آپ نے مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا اور اہل مکہ سے مصالحت کی گفتگو کرنے اور اپنی آمد کی غرض واضح کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا، اہل مکہ نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا۔ جب حضرت عثمانؓ کے آنے میں تاخیر ہوئی تو صحابہ کرام میں یہ خبر عام ہو گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ آپ ﷺ نے اس وقت صحابہ کرام سے جہاد و قتال پر بیعت لی تھی جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو آخر دم تک ساتھ دیں گے صحابہ کرامؓ نے پورے جوش وولولہ اور صدق دل کے ساتھ آپ کے دست مبارک

[1] ترمذی جلد ثانی۔ تفسیر سورۂ احزاب۔

پر یہ بیعت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت پر اپنی خوشی اور رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اس آیت کے بعد کئی آیات اسی واقعہ سے متعلق ہیں جن میں صحابہ کرام کی تعریف و توصیف اور ان پر اللہ کی عظیم احسانات کا تذکرہ ہے۔

آیت ۷ **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَا هُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرَاتِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ۔** (سورۂ فتح آیت نمبر ۲۹)

ترجمہ: محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بہت سخت اور آپس میں نرم دل ہیں، تم ان کو رکوع و سجدے میں دیکھو گے وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے خواہاں ہیں۔ سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانیاں ہیں یہی شان ان کی تورات اور انجیل میں مذکور ہے۔

یہ آیت بھی سورۂ فتح کی آیت ہے اور سلسلۂ کلام بھی بیعت رضوان کا ہے اس میں صحابۂ کرام کی جو خوبیاں بیان فرمائی ہیں وہ کسی تفسیر و تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔

آیت ۸ **يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارِ۔** (سورۂ نور آیت نمبر ۳۷)

ترجمہ: پاکی بیان کرتے ہیں ان میں (مساجد میں) ایسے مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت غافل نہیں کرتی اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ لوگ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔

اس سے پہلی آیت میں مساجد کا ذکر ہے اس آیت میں مساجد کو آباد کرنے والے مردان خدا کا تذکرہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے مساجد کو آباد کرتے ہیں اور جب مساجد سے باہر اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں تب بھی اللہ کی یاد اور اقامت صلوٰۃ و ایتاءِ زکوٰۃ سے غافل نہیں ہوتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ روز قیامت سے ڈرتے ہیں۔

صحابہ کرام کا تذکرہ اور ان کی توصیف و تعریف اور ان کے مناقب و فضائل کا بیان قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات میں ہے۔ تطویل کے خیال سے صرف ان ہی آیات پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اسی سلسلہ کی چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ جن میں صحابۂ کرام کے فضائل و مناقب اور شرف صحابیت کی عظمت کا ذکر ہے۔

حدیث ۱ **عن عائشه رضى الله عنها قالت سأل رجل النبى صلى الله عليه وسلم اى الناس خير قال القرن الذى انا فيهم ثم الثانى ثم الثالث.** (صحیح مسلم ج۲ ص ۳۱۰)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بہتر کس زمانے کے لوگ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر ان کے

بعد کے زمانہ کے لوگ اور پھر ان کے بعد کے زمانہ کے لوگ۔

یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ خير امتى قرنى ثم الذى يلونهم ثم الذين يلونهم ہیں اسی طرح صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ خير الناس قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم [1] ہیں سب ہی روایات کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت سب سے بہتر جماعت ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جماعت صحابہ کرامؓ کی افضلیت پر امت کا اجماع ہے۔

مشہور محدث حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ ان الله نظر فى قلوب العباد فا ختار محمداً صلى الله عليه وسلم فبعثه برسالته وانتخبه بعلمه ثم نظر فى قلوب الناس بعده فاختار له اصحابا فجعلهم انصار دينه ووزراء نبيه صلى الله عليه وسلم۔ [2] (ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ، تعالیٰ نے اپنے بندوں کے قلوب پر نظر ڈالی اور ان سب میں اپنے علم کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا اور اپنی رسالت کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا پھر آپ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر ڈالی تو کچھ لوگوں کو آپ کے اصحاب اور اپنے دین کے ناصر و مددگار اور آپ کے وزراء اور نائبین کے طور پر منتخب فرمایا۔") یعنی صحابہ کرام اللہ کے چیدہ اور منتخب بندے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے بعد ان صحابہ کرام سے بہتر کوئی جماعت نہیں ہے۔ یہ اللہ کے دین کے ناصر و مددگار اور آپ ﷺ کے وزیر ہیں۔

انہیں حافظ ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: اولئك اصحاب محمد كانوا خير هذه الامة ابرها قلو با واعمقها علما واقلها تكلفا قوم اختارهم الله لصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم ونقل دينه۔ [3] یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس امت کے بہترین لوگ ہیں۔ ان کے قلوب سب سے زیادہ نیک وصالح اور ان کا علم سب سے زیادہ عمیق ہے یہ پوری امت میں سب سے کم تکلف کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی تبلیغ کے لئے ان کا انتخاب فرمایا ہے۔

حدیث ۲ **عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ياتى على الناس زمان يبعث منهم البعث فيقولون انظروا هل تجدون فيكم احدا من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فيوجد الرجل فيفتح لهم به۔** [4]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر (بغرض جہاد) روانہ کیا جائے گا اور (بوقت جہاد) لوگ اس تلاش و جستجو

1. صحیح بخاری، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔
2. حیاۃ الصحابہ، جلد اول ص ۴۶، بحوالہ حلیۃ الاولیاء والاستیعاب لابن عبد البر۔
3. حیاۃ الصحابہ ص ۴۶، بحوالہ حلیۃ الاولیاء۔
4. صحیح مسلم باب فضل اصحابہ و بخاری باب فضل اصحاب النبی ﷺ۔

میں ہوں گے کہ کیا اس لشکر میں کوئی صحابی ہے، ایک صحابی اس لشکر میں مل جائیں گے اور انہیں کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لشکر کو فتح نصیب فرمائیں گے۔

حدیث کے مذکورہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث الفاظ کے معمولی سے اختلاف کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ ہی سے روایت کی گئی ہے۔ اس حدیث کا حاصل جیسا کہ ترجمہ سے بھی ظاہر ہے صحابہ کرامؓ کی منقبت اور ان کی خیر و برکت کا اظہار فرمانا ہے۔

حدیث۳ **عن ابی موسیٰ الا شعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا امنة لا صحابی فاذا ذھبت انا اتی اصحابی ما یو عدون واصحابی امنة لا متی فاذا ذھب اصحابی اتی امتی ما یو عدون.** [1]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا وجود و بقا میری صحابہ کرامؓ کی حفاظت اور امن و سلامتی کا ذریعہ ہے اور میرے صحابہ کرام کا وجود میری امت کے امن وامان اور سلامتی کا ذریعہ ہے۔ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد صحابہ پر وہ حوادث پیش آئیں گے جن کے بارے میں میں آگاہ کر چکا ہوں اور صحابہ کے دنیا سے ختم ہو جانے کے بعد پوری امت ان خطرات سے دوچار ہوگی جن سے میں آگاہ کر چکا ہوں۔

یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے۔ امام نوویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن خطرات سے آگاہ فرمایا تھا وہ واقع ہوئے اور آپ کے بعد صحابہ کرامؓ کی جماعت میں اختلاف رائے اور اس کے نتیجہ میں قتل و قتال اور فتنوں کا ظہور ہوا اسی طرح صحابہ کرامؓ کی جماعت کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بدعات کا ظہور اور ان دینی فتنوں اور حوادث کا وقوع ہوا جن کی نشاندہی آپ نے فرمادی تھی۔

حدیث۴ **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتسبوا احداً من اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذھباً ما ادرك مداحدھم ولا نصیفه.** [2]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ میں سے کسی کو بھی برانہ کہو اس لئے کہ (وہ اتنے بلند مقام اور اللہ کے محبوب ہیں) تم اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرو گے تب بھی ان کے ایک مد بلکہ نصف مد خرچ کرنے کے برابر بھی ثواب کے مستحق نہ ہو گے۔

حدیث کے ابتدائی حصہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت خالد بن الولیدؓ نے کسی بات پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو کچھ نا مناسب الفاظ کہہ دیئے تھے جس پر آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں ہیں، حضرت خالدؓ بن الولید اپنی جلالت شان کے باوجود عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے درجے کے صحابی نہیں ہیں۔ جب حضرت خالدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے درمیان اتنا فرق مراتب ہے تو صحابہ کے بعد کے لوگوں اور صحابہ کرام کے درمیان درجات کا تفاوت اور

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۸۔　[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۰۔

بھی بہت زیادہ ہو گا۔ احد پہاڑ مدینہ طیبہ کا ایک بڑا پہاڑ ہے اور مد تو ایک چھوٹا سا پیمانہ ہے جو آج کل تقریباً صرف ایک کلووزن کے برابر ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ مقام ان کی صحابیت کی بنیاد پر ہے۔

حدیث۵ عن عبدالله بن مغفلؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الله الله فى اصحابى لا تتخذو هم غرضاً من بعدى فمن احبهم فبحبى احبهم و من ابغضهم فببغضى ابغضهم ومن اذاهم فقداذا نى ومن اذآنى فقد اذى الله ومن اذى الله يو شك ان ياخذهٗ۔ [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کرامؓ کے (حقوق کی ادائیگی کے) بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد (سب و شتم اور طعن و تشنیع کے لئے) تختہ مشق نہ بنانا (اور یہ بھی سمجھ لو کہ) جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض ہی کی وجہ سے ان سے بغض رکھا ہے اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور اس کا پورا خطرہ ہے کہ (اللہ) ایسے شخص کو (دنیا و آخرت میں) مبتلائے عذاب کردے۔

حدیث کا مطلب ترجمہ ہی سے واضح ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں صحابہ کرامؓ کے بارے میں احتیاط سے کام لیں، ان کی تکریم و تعظیم اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا لحاظ رکھیں۔ کسی قسم کی بے توقیری ان کے بارے میں نہ کریں ورنہ دنیوی یا اخروی عذاب کا خطرہ ہے۔

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ صحابیت کے اس شرف میں تمام صحابہ کرامؓ شریک ہیں خواہ وہ اپنے زمانہ کفر میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے کتنے ہی مخالف کیوں نہ رہے ہوں اور انہوں نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کی کتنی ہی مخالفت بلکہ دل آزاری اور ایذا رسانی ہی کیوں نہ کی ہو، اس سلسلے میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد پڑھ لیجئے۔

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تجدون من خير الناس فى هذا الا مرا كرههم۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اسلام کے معاملہ میں بہترین شخص ایسے شخص کو پاؤ گے جو اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام کا انتہائی مخالف رہا ہو۔

له قبل ان يقع فيه۔ [2]

صحابہ کرام میں اس حدیث کی تائید میں بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ اس کی سب سے واضح مثال ہیں، اسی طرح حضرت عمرو بن العاص، حضرت ثمامہ بن اثال اور بہت سے صحابہ کرام کے نام بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں جن کی زمانۂ کفر میں اسلام دشمنی اور اسلام لانے کے بعد آپ اور

[1] جامع ترمذی ص۲۲۶۔ [2] صحیح مسلم۔

اسلام سے محبت دونوں حد انتہا کو پہنچتی ہوئی تھیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنی دونوں حالتیں خود ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زمانہ کفر میں کوئی شخص بھی میرے مقابلہ میں آپ ﷺ سے زیادہ بغض رکھنے والا نہیں تھا اور میری آخری درجہ کی خواہش تھی کہ کبھی موقع مل جائے تو میں آپ کو شہید کر دوں لیکن اسلام لانے کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ آپ سے زیادہ محبوب میری نظر میں کوئی نہ تھا اور میرے دل میں آپ کی عظمت و جلالت کا یہ حال تھا کہ میں نظر بھر کر آپ کو دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔ [1]

حضرت ثمامہ بن اثال نے) بھی ایمان لانے کے بعد تقریباً انہی الفاظ میں رسول اللہ ﷺ سے اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایمان لانے سے پہلے سب سے زیادہ مبغوض شخص میری نگاہ میں آپ تھے اور اب کوئی بھی آپ سے زیادہ محبوب نہیں اسی طرح ایمان لانے سے پہلے آپ کا دین تمام ادیان میں سب سے زیادہ مبغوض تھا اور اب تمام دینوں میں سب سے زیادہ محبوب دین ہے۔ پہلے آپ کے وطن مدینہ سے بے حد نفرت تھی اور اب میری نگاہ میں مدینہ طیبہ سب سے زیادہ محبوب شہر ہے۔ [2]

عام صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کی احادیث کتب حدیث میں بڑی کثرت سے نقل کی گئی ہیں یہاں خوف تطویل مانع ہے ورنہ اور بھی روایات نقل کی جا سکتی ہیں۔

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبوت کے دوسرے سال ہی ایمان لے آئے تھے، ان کو بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ سے انس و محبت اور قریبی تعلق تھا۔ چچا ہونے کے علاوہ آپ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بھائی بھی تھے، دونوں کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا، [3] علاوہ ازیں آپ کی والدہ اور حضرت حمزہؓ کی والدہ حقیقی چچازاد بہنیں بھی تھیں۔ [4] پھر عمر میں بھی حضرت حمزہ دو چار سال ہی بڑے تھے، ان مختلف وجوہات سے ان کو رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت اور تعلق خاطر تھا۔ اور بظاہر یہی محبت و تعلق خاطر ان کے اسلام لانے کا سبب بن گیا، وہ شکاری تھے۔ ایک دن شکار کھیل کر آئے تو باندی نے خبر دی کہ آج ابو جہل نے تمہارے بھتیجے محمد (ﷺ) کو ان کے منہ پر بہت برا بھلا کہا ہے وہ فوراً ابو جہل کے پاس پہنچے اور اس کی گستاخی پر اپنی شدید ناگواری کے اظہار کے ساتھ اپنے ایمان لانے کا بھی اظہار کر دیا، پھر اس دن سے زندگی بھر آپ ﷺ کا ساتھ نبھایا، آپ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے پر خود بھی مدینہ آگئے اور آخر غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

حضرت حمزہؓ اہل مکہ کی نظر میں بڑے معزز، محترم، باوقار اور شجاعت و دلیری میں ضرب المثل تھے، اسی

---

1. صحیح مسلم ج ا ص ۷۶ باب کون الاسلام یہدم قبلہ۔
2. صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۴ باب ربط الاسیر۔
3. اصابہ ج ۸ ص ۶۳ فی ذکر ثویبہ۔
4. اصابہ ج ۲ ص ۷۳ فی ذکر حمزہؓ۔

لئے ان کے اسلام لانے سے مشرکین مکہ کو بہت دھکا لگا، اب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں کچھ محتاط ہو گئے۔ [1] مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ اور خاندان بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا تھا حضرت حمزہؓ اس میں بھی آپ کے ساتھ تھے، غزوۂ بدر جو غزوات میں سب سے پہلا اور ممتاز ترین غزوہ ہے اس میں حضرت حمزہؓ نے شرکت فرمائی ہے۔ [2] پھر دوسرے سال غزوہ احد میں بھی اپنی بہادری اور جانبازی کے جوہر دکھلائے ہیں، اسی غزوہ میں وہ شہید ہو گئے ہیں، لیکن شہادت سے پہلے وہ تیس یا اس سے بھی زیادہ کافروں کو قتل کر چکے تھے۔ [3]

ان کی شہادت کا واقعہ ان کے قاتل وحشی (جو بدر میں اسلام لے آئے تھے) کی زبانی سنئے:۔ حضرت وحشیؓ نے اسلام لانے کے بعد بیان کیا کہ میں جبیر بن [4] مطعم کا غلام تھا اور جبیر کے چچا طعیمہ بن عدی کو حضرت حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں قتل کر دیا تھا، میرے مالک جبیر نے مجھ سے کہا کہ اگر میرے چچا کے قاتل حمزہ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو، میں چھوٹے نیزے کو پھینک کر مارنے میں ماہر تھا، غزوۂ احد میں میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور موقع کی تاک میں رہا میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ نے سباع بن عبد العزی نامی ایک کافر کا تلوار کے ایک وار ہی میں کام تمام کر دیا۔ میں انتظار میں رہا جیسے ہی حضرت حمزہؓ میری زد میں آئے میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینک کر مارا جو ان کے ناف کے نیچے لگا اور آر پار ہو گیا۔ [5]

فضائل

حضرت حمزہ رسول اللہ ﷺ کے چچا، رضاعی اور خالہ زاد بھائی اور آپ کے مشہور صحابی ہیں، غزوۂ احد میں شہادت سے سرفراز ہوئے اور زبان نبوت سے سید الشہداء کا لقب پایا۔ [6] رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اسد اللہ کا خطاب بھی دیا۔ [7] ان کی شہادت کے بعد مشرکین مکہ نے ان کا مثلہ کیا تھا اور اعضا جسم کو کاٹ ڈالا تھا۔ [8]
غزوۂ احد کے خاتمہ پر جب تجہیز و تکفین کا مرحلہ پیش آیا تو حضرت حمزہؓ کی بہن صفیہؓ بنت عبد المطلب اپنے بھائی کے کفن کے لئے دو چادریں لے کر آئیں آپ ﷺ نے اس خیال سے کہ صفیہؓ بھائی کا یہ حال دیکھ کر شاید صبر و ضبط نہ کر سکیں، حضرت صفیہؓ کے صاحبزادہ زبیرؓ کو بھیجا کہ اپنی ماں کو منع کر دیں کہ حضرت حمزہؓ کو نہ دیکھیں، پہلے تو وہ باز نہ آئیں لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم ہے تو باز آ گئیں، دو

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۷۲ بحوالہ مستدرک حاکم۔
2. صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۴ باب تسمیہ من سمی من اھل بدر الخ۔
3. اصابہ ج ۱ ص ۱۲۲۔
4. حضرت جبیر بھی بعد ایمان لے آئے ہیں۔
5. صحیح بخاری باب قتل حمزہ ج ۲ ص ۵۸۳۔
6. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۷۳ و اصابہ ج ۲ ص ۳۷۔
7. اصابہ ج ۲ ص ۳۷۔
8. بعض روایات میں یہ تذکرہ ہے کہ ان کا مثلہ ہند زوجۂ ابو سفیانؓ (جو دونوں بعد میں اسلام لے آئے تھے) نے کیا تھا۔ مگر وہ روایت سندی اعتبار سے کمزور اور غیر متصل ہے۔ ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الاصلیہ۔ مولفہ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد۔

چادریں جو بہن اپنے بھائی کے کفن کے لئے لائی تھیں ان میں سے بھی بھائی کو ایک ہی مل سکی اس لئے کہ حضرت حمزہؓ کے پاس ہی ایک انصاری صحابی شہید پڑے ہوئے تھے، ایک چادر ان کو دے دی گئی اور حضرت حمزہؓ کو صرف ایک چادر میں کفن دیا گیا جو اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے، اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا، آخر سر کو چادر سے ڈھک کر پاؤں پر اذخر نامی گھاس ڈال دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو حضرت حمزہؓ کی شہادت پر غیر معمولی صدمہ ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر صفیہؓ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں حمزہؓ کو ایسے ہی بے گور و کفن چھوڑ دیتا، تاکہ روز قیامت وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ سے نکل کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوتے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے اندر رکھ دیا ہے، وہ پرندے جنت کی نہروں میں پانی پیتے اور اس کے پھلوں کو کھاتے ہیں عرش رحمانی کے نیچے (ان کے گھونسلوں کے لئے) سونے کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں جن میں آرام کرتے ہیں، انہوں نے اپنی اس خوش حالی اور آرام و راحت کی خبر اپنے دنیوی بھائیوں تک پہنچانے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے آیات کریمہ:-

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَنْ لَّاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَايُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(آل عمران آیت نمبر ۱۶۹ تا نمبر ۱۷۱)

ترجمہ:- اور تم ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوگئے ہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں۔ وہ اللہ کی عنایات پر بے انتہا خوش ہیں اور (اس پر بھی) خوش ہوتے ہیں کہ ان کے پسماندگان کو نہ خوف ہے نہ غم، وہ خوش ہیں اللہ کی نعمت اور فضل و کرم پر اور اس پر بھی کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ عمر میں آپ ﷺ سے دو سال بڑے تھے لیکن عمر کے اس فرق کو واضح کرنے کے لئے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ میں آپ ﷺ سے بڑا ہوں، بلکہ جب کوئی سوال کرتا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ تو وہ جواب میں کہتے کہ هو اکبر وانا ولدت قبله[2] یعنی بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں ہاں پیدا پہلے میں ہوا تھا۔ ان کو رسول اللہ ﷺ سے بہت تعلق خاطر تھا۔ مسلمان ہونے سے پہلے بھی آپ کی حمایت کرتے تھے۔

---

1. ابوداؤد باب فی الشہید یغسل، والترمذی باب فی قتلی احد وذکر حمزہؓ۔
2. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۸۰ بحوالہ مجمع الزوائد والطبرانی۔

نبوت کے بارہویں سال مدینہ طیبہ کے ایک گروہ نے مکہ معظّمہ کے قریب رسول للہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی تھی، اس موقع پر حضرت عباسؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے موجود تھے انہوں نے اہل مدینہ سے کہا تھا کہ یہ (محمد ﷺ) تم کو لوگوں کے یہاں جانا چاہتے ہیں اگر تم لوگ مرتے دم تک حمایت کا دم بھرتے ہو تب تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ [1] غزوۂ خیبر کے فوراً بعد حجاج بن علاطؓ نامی صحابی نے جن کا اسلام اہل مکہ کے علم میں نہ تھا، اپنی ایک مجبوری اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے مکہ آکر یہ ذکر کر دیا کہ محمد ﷺ غزوۂ خیبر میں بری طرح شکست کھا گئے ہیں یہ اطلاع جب حضرت عباسؓ کو ہوئی تو بے قرار ہو گئے اور گھبرائے ہوئے حجاج بن علاطؓ کے پاس آئے۔ حضرت حجاجؓ نے خاموشی سے انہیں آپ کی فتح یابی کی خبر دی اور اپنی مجبوری بتلائی جس کی بنا پر انہوں نے یہ خبر پھیلائی تھی۔ تب جا کر حضرت عباسؓ کو اطمینان نصیب ہوا۔ [2]

حضرت عباس دراز قد، وجیہہ و باوقار، انتہائی حلیم و بردبار اور بلند آواز تھے۔ سر براہی اور سیادت کے تمام اوصاف آپ کے اندر پائے جاتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں سقایۃ الحاج (حجاج کرام کو پانی پلانے) اور عمارۃ المسجد (مسجد حرام کا اہتمام وانصرام) کی ذمہ داری (جو بڑے اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی) ان کے ہی ذمہ تھی، [3] غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کے ساتھ مجبوراً آئے، لیکن آپ ﷺ نے ان کے بارے میں صحابہؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کو قتل نہ کیا جائے، صحابہ کرامؓ نے ان کو قید کر لیا، ان کے پاس اس وقت بیس ۲۰ اوقیہ (ایک وزن کا نام ہے) سونا تھا۔ جب بات فدیہ کی آئی تو حضرت عباسؓ نے آپ سے کہا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، آپ نے فرمایا۔

الله اعلم بشانك ان يلك ماتدعى حقاً فالله يجزيك اما ظاهر امرك فقد كان علينا فافد نفسك. [4]

ترجمہ: یعنی حقیقت حال تو اللہ جانے اگر تم اپنے دعوۂ اسلام میں سچے ہو تو اللہ تم کو اس کا بدلہ عطا فرمائے گا، رہا ہمارا معاملہ تو ہم تو ظاہر حال کے مطابق ہی عمل کریں گے لہٰذا فدیہ دیجئے۔

اس پر حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ بیس ۲۰ اوقیہ سونا جو میرے پاس ہے فدیہ میں لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ تو اللہ نے بطور غنیمت ہمیں عنایت ہی فرما دیا ہے آپ فدیہ کی ادائیگی کیلئے مکہ سے مال منگوائیے انہوں نے کہا کہ میرے پاس مکہ میں بھی اس کے سوا اور مال نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا مکہ سے روانہ ہوتے وقت آپ چچی کے حوالہ جو مال کر آئے تھے اسے منگوا لیجئے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں تو جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اس مال کا علم میرے اور آپ کی چچی کے سوا کسی کو نہ تھا [5] اور واقعہ میں دو جگہ

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۶۳۱ و سیرۃ النبی ﷺ جلد ۱ ل ص ۱۶۷

[2] سیرت ابن ہشام فصل فی حدیث الحجاج بن ...

[3] اصابہ ج ۳ ص ۶۳۱۔

[4] ... اعلام النبلاء ج ۲ ص ۸۲۔

[5] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۸۳ بحوالہ ابن۔

حضرت عباسؓ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ وہ پہلے سے ہی اسلام لا چکے ہیں، اسی لئے بعض سیرت نگار یہ لکھتے ہیں کہ وہ غزوۂ بدر کے معاً بعد اسلام لائے اور اہل مکہ سے اپنے اسلام کو چھپاتے اور رسول اللہ ﷺ کو اہل مکہ کی خبریں بھیجتے رہتے تھے۔[1]

اگر اس وقت ان کا مسلمان ہونا تسلیم نہ کیا جائے تب بھی بہر حال یہ تو طے ہی ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، اسی وجہ سے وہ ابوسفیان بن حرب کو اپنی پناہ میں لے سکے تھے اور اسی لئے وہ طلقاء مکہ میں بھی شمار نہیں ہوتے ہیں، طلقاء مکہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی شان کریمی سے ان کو معاف فرمادیا تھا۔

فضائل

آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور آپ ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:۔

ایها الناس من اذی عمی فقد اذانی فانما عم الرجل صنو ابیه ۔[1]

ترجمہ: اے لوگو! جس نے میرے چچا کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس لئے کہ کسی بھی شخص کا چچا اس کے باپ کے مثل ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور صحابہ کرام بھی حضرت عباسؓ کی عظمت شان کے معترف تھے، امام بغویؒ حضرت عباسؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

کان العباس اعظم الناس عند رسول الله صلی الله علیه وسلم والصحابة یعترفون للعباس بفضله ویشاورونه ویأ خذون رایه ۔[2]

ترجمہ: حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک عظیم ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے صحابہ کرام بھی ان کی فضیلت کے معترف تھی، ان سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے تھے۔

جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے انہیں بھی رسول اللہ ﷺ سے بڑی محبت تھی۔ غزوۂ حنین میں ایک مواقع ایسا آیا کہ عام صحابہ کرام کے قدم اکھڑ گئے تھے اور آپ تقریباً تنہا رہ گئے تھے، لیکن ایسے نازک وقت میں بھی حضرت عباس آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔[3]

ایک بار حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں قحط پڑ گیا تھا، حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کی، حضرت عباسؓ نے دعا کی اور اللہ نے باران رحمت نازل فرمائی۔[4]

رسول اللہ ﷺ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے اہتمام سے دعا فرماتے تھے، اسی سلسلہ کی ایک دعا

---

1. ترمذی مناقب عباسؓ ج ۲ ص ۲۱۷۔
2. اصابہ ج ۲ ص ۶۳۲ بحوالہ امام بغوی۔
3. جامع ترمذی باب مناقب عباسؓ۔
4. صحیح بخاری وفتح الباری باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا۔

کے الفاظ یہ ہیں:۔

اللّٰهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادرذنبه اللهم احفظه فی ولده. [1]

ترجمہ:۔اے اللہ عباسؓ اور ان کی اولاد کے تمام ظاہری و باطنی گناہ معاف فرما دیجئے اور اے اللہ ان لوگوں کی ایسی مغفرت فرما دیجئے جو کوئی گناہ باقی نہ رہنے دے،اے اللہ عباسؓ کی حفاظت فرما انکی اولاد کے بارے میں۔

دعا کا مطلب تو ترجمہ سے ہی واضح ہے،دعا کے آخری جملہ اللهم احفظه فی ولده کا مطلب بظاہر یہ ہوگا کہ ،اے اللہ حضرت عباس کی حفاظت فرما کر ان سے اپنی اولاد کے سلسلہ میں بھی کوئی غلط کام نہ ہو پائے ۔اللہ تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں فرمایا تھا۔

ان يعلم الله فی قلوبكم خيراً يوتكم خيرا مما اخذمنكم يغفرلكم. [2]

(سورۂ انفال آیت نمبر ۷۰)

ترجمہ:۔(یعنی اس وقت تو فدیہ ہی دینا ہے، لیکن اگر تمہارے دلوں میں ایمان ہوگا تو تم کو اس فدیہ کے مال سے بہتر مال بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو مال مجھ سے بطور فدیہ لیا گیا تھا۔اللہ نے مجھے اس مال سے بہت زیادہ مال بھی عطا فرمایااور مجھے امید ہے کہ میرا اللہ آخرت میں بھی میرے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرمائے گا۔

اولاد

حضرت عباسؓ کی اولاد میں چھ بیٹے فضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، قثمؓ، عبدالرحمٰنؓ اور معبدؓ تھے۔ایک بیٹی ام حبیبؓ تھیں۔ فضلؓ سب سے بڑے تھے۔عبداللہؓ سب سے زیادہ مشہور اور ذی علم ہوئے ہیں۔

وفات

حضرت عباسؓ کی وفات ۳۲ھ میں حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوئی۔اس وقت ان کی عمر اسی سال سے متجاوز ہو چکی تھی، غسل میں حضرت عثمانؓ،حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ شریک تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حبر الامۃ امام التفسیر و ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل ہوئی اپنے والد حضرت عباس اور والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہما کے ساتھ فتح مکہ سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے آئے۔رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر کل تیرہ ۱۳ سال تھی،ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا موقع تو بہت کم ملا، لیکن ذوق و شوق اور طلب علم نے اس کمی کی تلافی کر دی۔

---

[1] جامع ترمذی باب مناقب عباسؓ۔　[2] اصابہ ج ۳ ص ۶۳۲۔

فضائل

حضرت عباسؓ کے تذکرہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور ان کی اولاد کے لئے دعا فرمائی تھی، خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو علم و حکمت تفقہ فی الدین اور علم تفسیر قرآن کی جو دعائیں زبان نبوت سے ملی ہیں، ان کی مثال اور کہیں مشکل سے ملے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ خود راوی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء تشریف لے گئے میں نے آپ کے تشریف لانے سے پہلے ہی وضو کے لئے پانی بھر کر رکھ دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ پانی کس نے رکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے رکھا ہے، آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔

اللهم فقهه فى الدين. [1]

ترجمہ:۔ اے اللہ ان کو تفقہ فی الدین عطا فرما۔

یہ روایت مسلم کی ہے، بعض دوسری روایتوں میں اللهم فقهه فى الدين کے ساتھ وعلمه التاويل کا [2] اضافہ بھی ہے، یعنی تفقہ فی الدین کی ساتھ قرآن کی تفسیر کا علم بھی عطا فرما دیجئے، ترمذی کی روایت میں ہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اپنے سینۂ مبارک سے چمٹالیا اور دعا فرمائی اللهم علمه الحكمة [3] اے اللہ ان کو حکمت یعنی دین کا صحیح علم عطا فرما۔ اسی مضمون کی دعائیں الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ حدیث و سیرت کی متعدد کتابوں میں مذکور ہیں، انہیں دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اکابر صحابہ کرام بھی آپ کو حبر الامۃ، ترجمان القرآن، بحر العلم، امام التفسیر جیسے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

نعم ترجمان القران ابن عباس لو ادرك اسناننا ما عاشره منا احد. [4]

ترجمہ:۔ ابن عباسؓ بہترین مفسر قرآن ہیں، اگر وہ ہم لوگوں کی عمر پاتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کے مساوی نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ما رأيت احداً احضرفهما ولا الب لبا ولا اكثرعلماً ولااوسع حلماً من ابن عباس لقد رأيت عمر يدعوه للمعضلات فيقول قد جاء ت معضلة ثم لا يجاوز قوله وان حوله لاهل بدر. [5]

ترجمہ:۔ یعنی میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ حاضر دماغ، عقلمند، صاحب علم اور حلیم و بردبار شخص نہیں

---

1. مسلم ج ۲ ص ۲۹۸ باب فضائل عبداللہ بن عباسؓ۔
2. اصابہ ج ۴ ص ۱۴۳۔
3. جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۲۳ و صحیح بخاری باب ذکر ابن عباس۔
4. تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۴۰ فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۰۔
5. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۴۷۔

دیکھا (اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ) حضرت عمرؓ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لئے ابن عباسؓ کو بلاتے اور کہتے ایک مشکل مسئلہ پیش آچکا ہے۔ پھر ان کے قول کے مطابق ہی عمل کرتے حالانکہ ان کی مجلس میں بدری صحابہ بھی موجود ہوتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ان کے بارے میں فرماتے ہیں:-

ذلك فتى الكهول له لسان سئول وقلب عقول. [1]

ترجمہ: یہ ایسے نوجوان ہیں جنہیں پختہ عمر لوگوں کا فہم وبصیرت حاصل ہے، ان کی زبان علم کی جویا اور قلب علم کا محافظ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو کہتے ابن عباسؓ سے پوچھو ھو اعلم الناس بما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ قرآن کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ [2] اسی لئے حضرت عمرؓ ان کو اکابر صحابہ کرام کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ ان کے اس بلند مقام تک پہنچنے میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصی توجہات اور عنایات کے علاوہ ان کی طلب اور ذوق وشوق کو بھی بڑا دخل تھا، اور ظاہر ہے یہ ذوق وطلب بھی آپ کی دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا وہ خود اپنے ذوق وشوق اور طلب علم کا حال ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد میں نے ایک انصاری صحابی سے کہا آؤ صحابہ کرام سے علم حاصل کرلیں ابھی تو وہ لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں، ان صحابی نے کہا ابن عباسؓ مجھے تم پر تعجب ہوتا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کبھی ایسا وقت بھی آئے گا کہ لوگ تحصیل علم کے لئے تمہارے محتاج ہوں گے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں ان کا جواب سن کر میں نے ان انصاری صحابی کو چھوڑ دیا اور خود اکابر صحابہ کرام کے پاس جا جا کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور دین کا علم حاصل کرنا شروع کردیا، اس سلسلہ میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث فلاں صحابی کے پاس ہے میں ان کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ کر رہے ہیں، یہ سن کر میں نے چادر بچھائی اور ان کے دروازہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا، ہواؤں نے میرے سر اور جسم پر گرد وغبار لاکر ڈال دیا اتنے میں وہ صحابی نکل آئے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر کہا آپ رسول اللہ ﷺ کے بھائی ہیں، آپ مجھے بلا لیتے میں حاضر ہو جاتا آپ نے کیوں زحمت فرمائی میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے میں وہ حدیث آپ سے حاصل کرنے آیا ہوں اور اس کام کے لئے میرا آنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ کہتے ہیں میری طالب علمی کا یہ سلسلہ جاری رہا وہ انصاری صحابی مجھے دیکھتے رہے، آخر ایک وقت ایسا آیا کہ اکابر صحابہ کرامؓ دنیا سے رخصت ہوگئے اور لوگ طلب علم کے لئے میرے پاس آنے لگے اب وہ انصاری صحابی کہتے ہیں، یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقلمند نکلا۔ [3] طلب علم میں ان کے یہاں قناعت پر عمل نہ تھا ایک

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۴۵ واصابہ ج ۴ ص ۱۴۵۔
2. مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۷ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۳۔
3. مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۷ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۳۔

ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لئے کئی کئی صحابہ کرامؓ سے ملتے، فرماتے ہیں کہ :۔

ان کنت لا سأل عن الا مرالو احد ثلثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم. [1]

ترجمہ:۔ میں ایک حدیث یا ایک مسئلہ کو تیس(۳۰) تیس صحابہ کرامؓ سے معلوم کرتا تھا۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد سے قرآن مجید کی تفسیر اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث حاصل کی ہیں جن صحابہ کرام سے انہوں نے روایات لی ہیں ان کی تعداد بہت ہے اور جن تابعین نے انؓ سے روایات نقل کی ہیں وہ بھی بڑی تعداد میں ہیں۔ان کا شمار ان چھ(۶) سات(۷) صحابہ کرام میں ہے جن کو مکثرین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ان کی روایات کردہ احادیث کی تعداد ۲۶ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ [2] وہ اپنی عمر کے اعتبار سے اگرچہ بڑے صحابہ کرامؓ کی صف میں نہیں ہیں۔ لیکن اپنے علم کو اعتبار سے ان کا شمار بڑے درجہ کے صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد تابعیؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کو ان کے علم کی وجہ سے لوگ بحر العلوم کہتے تھے۔ حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے زیادہ صاحب علم نہیں دیکھا، صحابہ کرام میں اگر کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو آخر میں فیصلہ ابن عباسؓ کے قول پر ہوتا۔ [3] وہ بہت ہی حسین وجمیل اور وجیہہ تھے۔

۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی۔ حضرت محمد بن الحنفیہ (جو حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں) نے نماز پڑھائی اور کہا۔

الیوم مات ربانی هذه الا مة . [4]

ترجمہ:۔ آج اس امت کا ایک اللہ والا چلا گیا۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے صاحبزادے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، بالکل ابتداء اسلام ہی میں شرف اسلام و صحابیت سے مشرف ہونے والی خوش نصیب و بلند مرتبت صحابہ کرام میں ہیں۔ [5] وہ عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی اسلام کے ابتدائی دور ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سب بہن بھائی اور ان کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا بھی جلد ہی ایمان لانے والے حضرات صحابہ کرام میں شامل ہیں۔

---

1. سیر اعلام النبلاج ۳ ص ۳۴۴۔
2. ایضاً ج ۳ ص ۳۵۹۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۵۰۔
4. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۱۔
5. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۱۵۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے دس سال بڑے اور رسول اللہ ﷺ سے بیس سال چھوٹے ہیں۔ ❶

اسلام کے ابتدائی دور میں چند صحابہ کرام مشرکین مکہ کے ظلم و ستم اور ایذا رسانیوں سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ملک حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی اگرچہ عیسائی مذہب کا تھا لیکن سلامتی مزاج اور وسعت قلبی بتوفیق خداوندی نصیب تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو وہاں کچھ سکون محسوس ہوا۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت تھی، اس کے بعد صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت (جس کے شرکاء کی تعداد تقریباً نو سو (۹۰۰) بتلائی جاتی ہے) نے دوسری ہجرت اسی ملک حبشہ کو کی، اس جماعت میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب یہ لوگ بھی حبشہ پہنچ گئے تو مشرکین مکہ نے ایک نمائندہ وفد کثیر اور گرانقدر تحائف کے ساتھ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی خدمت میں بھیجا۔

وفد نے درجہ بدرجہ درباری علماء اور احکام کو ہدایا اور تحائف پیش کر کے اپنا ہمنوا بنا لیا اور بادشاہ تک رسائی حاصل کر لی، پھر بادشاہ سے اپنا مقصد بایں الفاظ عرض کیا: "ہمارے شہر مکہ کے کچھ نوجوانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے جو باعث فتنہ و شر ہے، ان میں سے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے یہاں آگئے ہیں، ہم اپنے قوم کے ذمہ دار لوگوں کی یہ درخواست لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ رشوت کھائے ہوئے درباری علماء و حکام نے اس بات کی تائید کی اور کہا کہ ان لوگوں کو ملک سے نکال دیجئے اور ان کی قوم کے حوالہ کر دیجئے، لیکن نجاشی نے صورت حال معلوم کرنے کے لئے ان مہاجرین کو بلا بھیجا، ان حضرات نے بادشاہ سے بات کرنے کے لئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا، جب یہ حضرات بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے ان سے سوال کیا کہ۔ "وہ کون سا دین تم لوگوں نے ایجاد کر لیا ہے، جس کی وجہ سے تم نے اپنے آباء واجداد کے دین کو بھی چھوڑ دیا ہے اور ادیان سابقہ میں سے بھی کوئی دین اختیار نہیں کیا ہے"۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بادشاہ کے سامنے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور کہا۔

بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے، بت پرستی کرتے اور مردار کھاتے تھے، فواحش کا ارتکاب کرتے اور قطع رحمی کرتے ہمسایوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہم میں کے طاقتور کمزوروں اور ضعیفوں کا استحصال کرتے تھے، اسی اثناء میں اللہ نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا جس کی نجابت و شرافت، حق گوئی و امانتداری اور پاکدامنی کے ہم سب پہلے ہی سے معترف تھے اللہ کے ان پیغمبر نے ہمیں صرف اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور ہم سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ہم اپنے اور اپنے آباء واجداد کے خود ساختہ بتوں کی عبادت ترک کر دیں، انہوں نے ہم کو سچ بولنے، امانتوں کو ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا۔ ان کی تعلیمات میں یہ بھی ہے کہ ہم ہر طرح کی برائیوں اور فحاشیوں سے پرہیز کریں، ایک دوسرے

---

❶ سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۱۵۔

کا خون نہ بہائیں، جھوٹ بولنے یتیم کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے اجتناب کریں، انہوں نے ہمیں توحید خالص کی دعوت دی اور روزہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا۔

بادشاہ سلامت! ہم نے ان پیغمبر کی اور ان کی دین کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے ائے۔ بس ہمارا جرم یہی اور صرف یہی ہے اور اسی وجہ سے ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اس نے ہمیں انتہائی سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں کہ ہم اپنے آسمانی دین کو ترک کر کے پھر بت پرستی اور دین جاہلیت کو اختیار کر لیں۔ ان لوگوں کے ظلم و ستم اور ایذار سانی سے تنگ آکر ہم لوگ آپ کے ملک آگئے ہیں، ہمیں امید ہے کہ یہاں ہم اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں گے۔

حضرت جعفرؓ کی بات ختم ہونے پر بادشاہ نجاشی نے کہا، کیا تمہارے پاس تمہارے نبی (ﷺ) پر نازل ہونے والی کتاب کا کچھ حصہ بھی ہے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی، ابھی چند آیات ہی کی تلاوت کی تھی کہ بادشاہ رونے لگا، حتی کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اس نے کہا بخدا یہ کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والا کلام ایک ہی نور کے پرتو ہیں اس کے بعد اس نے اہل مکہ کے وفد سے کہا تم لوگ چلے جاؤ یہ حضرات یہیں رہیں گے میں ان کو تمہارے حوالہ ہر گز نہیں کروں گا۔

اہل مکہ کے وفد نے ابھی ہمت نہیں ہاری اور دوسرے دن بادشاہ سے مل کر یہ شکایت کی کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں بھی خوش عقیدہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے بارے میں نامناسب رائے رکھتے ہیں بادشاہ، نے پھر ان مہاجرین صحابہ کرامؓ کو بلوا بھیجا اور آنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ معلوم کیا، حضرت جعفرؓ نے پوری صراحت کے ساتھ کہا۔ "انه عبدالله وروحه وكلمته القاها الى مريم" وہ اللہ کے بندے، اس کی روح اور کلمۃ اللہ ہیں۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا واللہ عیسیٰ ابن مریم اس تعریف و توصیف سے اس تنکے بھر بھی زیادہ نہیں ہیں، اس نے مشرکین کے وفد کو اپنے دربار سے نکال دیا اور مسلمانوں کو ہر طرح امن و سکون سے رہنے کا اطمینان دلایا۔[1] حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، اور ان کے ساتھیوں نے ۵ھ نبوی یعنی نبوت کے پانچویں سال مکہ سے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور ۷ھ میں فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، کو دیکھ کر اپنے سینے سے لگا لیا پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا "ما ادرى انا بقدوم جعفر اسرام بفتح خيبر"۔[2] یعنی میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ مجھے جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے یا فتح خیبر کی۔ ان کو مسجد نبوی کے قریب ہی مکان کیلئے جگہ عنایت فرمائی اور اپنے قریب تر رکھا۔ ابھی مدینہ طیبہ آئے ہوئے صرف چند ماہ ہی گذرے تھے کہ ۸ھ میں غزوہ موتہ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو لشکر روانہ کیا اس میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، کو بھیجا، موتہ مدینہ سے دور ملک شام کا ایک علاقہ ہے۔ اس لشکر کا امیر حضرت زید بن حارثہؓ کو بنایا اور فرمایا زید اگر شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہیں اور اگر جعفر بھی شہید

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۲۱۵۔ [2] مجمع الزوائد باب مناقب جعفرؓ۔

ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ، اور ان کی شہادت کی صورت میں وہاں مسلمان خود اپنا امیر منتخب کرلیں۔ [1] ایسا ہی ہوا یہ سب حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہوتے رہے اور ایک کے بعد دوسرا امیر بنتا رہا۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے ان کو دیکھا تو ان کے جسم پر نوے ۹۰ سے بھی زیادہ زخم تھے۔ [2] رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی ان حضرات کی شہادت کی اطلاع مل گئی تھی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی خبر دے دی تھی۔ آپؐ کو ان لوگوں کی شہادت کا بہت ہی غم ہوا تھا۔ [3]

فضائل

حضرت جعفرؓ رسول اللہ ﷺ کے ابن العم اور سابقین اولین میں ہیں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان سے پہلے صرف اکتیس ۳۱ شخص ہی مسلمان ہوئے تھے۔ [5] انہوں نے ۵ نبوی میں مع اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس کے ہجرت کی اور تقریباً چودہ سال دین کی خاطر اپنے وطن اور اپنوں سے دور دیار غیر میں گذارے پھر وہاں سے مدینہ طیبہ پہنچے اور چند ماہ کے بعد ہی غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت سے پہلے جنگ میں ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کے دونوں ہاتھوں کے بدلے ان کو دو بازو عنایت فرمائے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد حدیث و سیرت کی مختلف کتابوں میں الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ [5] اسی لئے ان کو جعفر طیار اور جعفر ذوالجناحین کہا جاتا ہے۔ عبداللہ عمرؓ جب حضرت جعفرؓ کے بیٹے عبداللہ سے ملتے تو اس طرح سلام کرتے السلام علیك یا ابن ذی الجناحین۔ [6]

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، غریبوں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں جعفرؓ سے جب بھی کوئی بات دریافت کرتا وہ پہلے مجھے اپنے گھر لے جاکر کھانا کھلاتے۔ پھر میری بات کا جواب دیتے۔ وہ مساکین کے بارے میں (رسول اللہ ﷺ کے استثناء کے ساتھ) سب سے بہتر شخص تھے۔ [7] اسی لئے ان کا لقب ابوالمساکین پڑ گیا تھا۔

وہ صورت و سیرت میں رسول اللہ ﷺ کے انتہائی مشابہ تھے۔ خود زبان نبوت نے اس کی شہادت ان الفاظ میں مرحمت فرمائی۔

---

[1] صحیح بخاری باب غزوۂ موتہ۔ [2] صحیح بخاری باب غزوۂ موتہ۔
[3] ایضاً۔ [4] اصابہ ج ۲ ص ۸۵۔
[5] صحیح بخاری باب غزوۂ موتہ۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۲۴۲۔
[6] صحیح بخاری غزوۂ موتہ و مناقب۔
[7] صحیح بخاری باب مناقب جعفرؓ۔

اشبهت خلقي وخلقي۔[1]

ترجمہ: تمہاری شکل وصورت اور سیرت وکردار میری شکل وصورت اور سیرت وکردار کے بہت مشابہ ہے۔

حبشہ کو ہجرت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی یہ جماعت جب مدینہ طیبہ پہنچی ہے تو ایک دن حضرت جعفرؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے یہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، تشریف لائے پوچھا کون ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا اسماء بنت عمیسؓ ہیں، حضرت عمرؓ نے (بظاہر بطور مزاح ہی) فرمایا ہم لوگ یعنی مکہ سے سیدھے مدینہ ہجرت کرنے والے تم لوگوں سے جو حبشہ رہ کر مدینہ آئے ہو ہجرت مدینہ میں مقدم اور رسول اللہ ﷺ کے زیادہ حق دار ہیں۔ حضرت اسماءؓ اس بات پر بہت خفا ہو گئیں۔ پہلے تو خود حضرت عمرؓ کو خوب خوب سنائی۔ انہوں نے کہا، عمر! تم نے غلط کہا واللہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تم میں اگر کوئی بھوکا ہوتا تو آپ ﷺ اسے کھلاتے دین سے کوئی ناواقف ہوتا تو آپ اسے وعظ ونصیحت کرتے اور ہم لوگ دور دراز، ناپسندیدہ اور غیر مانوس ملک حبشہ میں غم والم اور فکر و پریشانی میں مبتلا تھے۔ اور یہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر تھا۔

بعد میں رسول اللہ ﷺ سے بھی حضرت عمرؓ کے اس طنز کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا عمر، تم لوگوں کے مقابلہ میں میرے زیادہ حقدار نہیں ہیں، ان کی اور ان کے ساتھیوں کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم لوگوں کی تو دو ہجرتیں ہیں۔[2]

شہادت کے وقت ان کی عمر اکتالیس سال تھی۔ زمانۂ قیام حبشہ میں تین بیٹے عبد اللہ، عون اور محمد پیدا ہوئے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کا تعلق قبیلۂ بنی کلاب سے تھا۔ یہ قبیلہ مکہ معظمہ سے دور کہیں رہتا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بچپن میں اپنی والدہ اور ایک قول کے مطابق اپنے چچا کے ہمراہ ایک قافلہ کے ساتھ کہیں جارہے تھے کہ ڈاکوؤں نے پورے قافلہ کو لوٹ لیا اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ پھر ان بچوں کو مکہ معظمہ کے قریب کسی بازار یا میلے میں لاکر فروخت کر دیا۔ انہیں بچوں میں ایک بچہ زید نامی بھی تھا جسے مکہ کے ایک شخص حکیم بن حزام نے خرید لیا اور اپنی پھوپھی خدیجہ کو دے دیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت بلکہ حضرت خدیجہؓ کے آپ کی نکاح میں آنے سے بھی پہلے کا ہے۔ اس وقت حضرت زید کی عمر تقریباً ۸ سال کی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنی شادی کے بعد یہ غلام رسول اللہ ﷺ کو تحفہ میں دے دیا۔ آپ نے اس معصوم بچہ کو اتنے پیار ومحبت سے نوازا کہ یہ غلام بچہ اپنے ماں باپ کو بھول گیا۔

ادھر ماں باپ کا اپنے بچے کے فراق میں برا حال تھا، قبیلہ بنی کلاب کی کسی شخص نے جو حج کے لئے

---

1. صحیح بخاری فی المناقب وفی باب عمرۃ القضاء۔
2. صحیح مسلم مناقب جعفرؓ۔

معظّمہ آیا تھا۔ مکہ میں زید کو دیکھا اور پہچان لیا۔ پھر اپنے قبیلہ پہنچ کر ان کے والدین کو اس کی اطلاع کر دی کہ تمہارا بچہ مکہ میں ہے۔ ان کے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے مکہ آئے اور برائے فدیہ زر کثیر بھی اپنے ساتھ لائے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے رابطہ قائم کیا اور اپنی آمد کا مقصد عرض کر کے مال و دولت بطور فدیہ دینے کی پیشکش کی۔ آپؐ نے حضرت زید کو بلایا اور فرمایا ان لوگوں کو پہچانتے ہو۔ اپنے والد اور چچا کو انہوں نے پہچان لیا۔ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا۔ اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ یہ زید ہیں اگر یہ تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہیں انہیں اختیار ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ، کو آپ کی ذات گرامی سے اتنا تعلق ہو گیا تھا کہ اپنے والد و چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ حضرت زیدؓ کے اس عمل نے آپؐ کو اتنا متاثر کیا کہ آپ حرم شریف میں تشریف لائے اور قریش کو گواہ بنا کر کہا کہ یہ زید آج سے میرا بیٹا ہے۔ اور میں اس کا باپ، یہ میرا وارث ہو گا۔ اور میں اس کا اس دن سے لوگ ان کو زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے۔ پھر عرصہ کے بعد جب اسلامی قانون نے متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) بنانے کی جاہلی رسم کو ختم کر دیا تو یہ زید، زید بن حارثہ کہلائے جانے لگے۔[1] بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ان کے بھائی جبلہ بن حارثہ بھی ان کو لینے کے لئے آئے تھے اور انہوں نے حضرت زید پر کافی زور ڈالا لیکن وہ جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے، بعد میں ان کے بھائی نے کہا زید کی رائے میری رائے سے بہتر تھی۔[2]

پھر جب اللہ تعالیٰ نے عالم انسانیت پر اپنا سب سے بڑا احسان فرمایا اور محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تو سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں یہی زید ہیں۔[3] (جو ابھی تک زید بن محمد ہی کہلاتے تھے) اور ایمان لانے کے صلہ میں ہر ہر تکلیف میں رسول اللہ ﷺ کے سہیم و شریک رہے ہیں۔ وہ طائف کے مشہور سفر میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہجرت کے بعد بہت سے غزوات میں دین کے لئے جان کی بازی لگائی ہے۔ اور آخر غزوۂ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

زیدؓ جب شادی کے قابل ہو گئے تو آپؐ نے حضرت زیدؓ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کرا دیا تھا۔ لیکن یہ رشتہ زیادہ دن باقی نہ رہ سکا اور حضرت زیدؓ نے طلاق دیدی جس کا کسی قدر تفصیلی ذکر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد آپ ہی نے ان کا دوسرا نکاح حضرت ام ایمنؓ سے کر دیا۔ یہ آپ کے والد عبداللہ کی باندی تھیں اور ان کے انتقال پر آپ کی مملوکہ ہو گئی تھیں۔ آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ انہیں سے حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ہیں۔[4]

---

1. سیرت ابن ہشام ج ١ص ٢٦ وص ٢٦٧ فتح الباری مناقب زید بن حارثہ، وصحیح مسلم ٢ص ٢٨٣۔
2. جامع ترمذی باب مناقب زید بن حارثہ۔
3. البدایہ والنہایہ ج ٣ص ٢٤۔
4. البدایہ والنہایہ ج ٢ص ٢٧۔

فضائل

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کے فضائل و مناقب کا شمار مشکل ہے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ سے اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت تھی، اسی لئے انہوں نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ آزاد ہو کر اپنے وطن جانے کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غلام ہو کر رہنے کو ترجیح دی، ادھر رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے غیر معمولی تعلق تھا۔ اسی لئے آپ نے ان کو اپنا متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا تھا اور ان کی زندگی کا خاصہ حصہ اسی طرح گزرا کہ صحابہ کرامؓ انہیں زید بن محمد ہی کہتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آیت کریمہ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ نازل ہوئی جس میں نسب کو اپنے اصل والد سے جوڑنے کا حکم ہے۔ تب صحابہ کرامؓ نے زید بن حارثہ کہنا شروع کیا۔[1] اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زید کا نسب تو اپنے والد حارثہ سے ہی جوڑ دیا گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں ان کی محبت بیٹے کی محبت ہی کی طرح رہی اور آپ اس محبت و تعلق کا اظہار صحابہ کرامؓ اور حضرت زیدؓ سے کرتے بھی تھے۔[2] حضرت زیدؓ اگر کبھی مدینہ سے باہر جاتے تو آپ بڑے اشتیاق سے ان کی آمد کے منتظر رہتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اسی شفقت و محبت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہؓ کہیں باہر سے مدینہ طیبہ آئے، رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ زید نے دروازہ کھٹکھٹایا (اور کسی طرح آپ ﷺ کو علم بھی ہو گیا کہ آنے والے زیدؓ ہی ہیں) آپ اتنی سرعت کی ساتھ ان کے استقبال کے لئے نکلے کہ آپ کی چادر جسم مبارک سے نیچے کھسک گئی، اور آپ اسے گھسیٹتے ہوئے ہی باہر نکل گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کبھی بھی آپ کو اس حالت میں باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ نے ان کو گلے لگالیا اور بوسہ دیا۔[3] رسول اللہ ﷺ کو ان کی بہادری اور قائدانہ صلاحیت پر بڑا اعتماد تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے جب بھی حضرت زیدؓ کو کسی غزوہ میں بھیجا ہمیشہ لشکر کا امیر انہی کو بنایا[4] اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ خود غزوہ میں تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا خلیفہ زیدؓ کو بنا کر جاتے۔

شہادت

۸ھ میں غزوۂ موتہ کے لئے جو لشکر آپ نے روانہ فرمایا تھا، اس کا امیر حضرت زید بن حارثہؓ ہی کو بنایا تھا۔ موتہ ملک شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔ مسلمانوں کا مقابلہ روم کی ٹڈی دل فوج سے ہوا۔ حضرت زیدؓ نے انتہائی بہادری اور جوانمردی کے ساتھ جہاد کیا اور شہید ہو گئے آپ کو ان کی شہادت کی بہت تکلیف ہوئی، اسی غزوہ میں آپ ﷺ کے بھائی حضرت جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہوئے۔

حضرت زیدؓ کی شہادت کی خبر پر آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم فضائل زید بن حارثہ۔

[2] اسیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۲۶ بحوالہ مسند احمد۔

[3] جامع ترمذی باب ماجاء فی المعانقة والقبلة۔

[4] فتح الباری ج ۷ ص ۸۷ بحوالہ سنن نسائی۔

استغفروا الا خیکم قددخل الجنة وھو یسعیٰ.[1]

ترجمہ: اپنے بھائی زید کے لئے دعاء مغفرت کرو وہ دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو گئے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کے صاحبزادے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، کی ولادت ۳ نبوی یعنی بعثت کے تیسرے سال ہوئی ہے۔ ان کی ولادت سے رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی، اس لئے کہ ان کے والد حضرت زیدؓ اور والدہ حضرت ام ایمنؓ دونوں ہی آپ کو بہت عزیز تھے، زید تو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنّیٰ تھے ہی ام ایمن بھی آپ ہی کی آزاد کردہ باندی تھیں، انہوں نے آپ کو گود میں بھی کھلایا تھا اس لئے آپ کو ان سے محبت ہی نہیں احترام کا بھی تعلق تھا۔ والدین سے یہ تعلق اور محبت حضرت اسامہؓ کی طرف بھی منتقل ہوا تھا۔

فضائل

حضرت اسامہؓ نے پورا بچپن آغوش نبوت ہی میں گزارا۔ آپ ﷺ کا تعلق ان کے ساتھ بالکل ایسا تھا، جیسے دادا کا اپنے پوتے کے ساتھ ہوتا ہے۔ آپ انہیں اپنی گود میں لیتے اور ضرورت پڑنے پر اپنے دست مبارک سے ان کی ناک بھی صاف فرمادیتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کی ناک صاف کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ حضرت عائشہ نے عرض کیا آپ رہنے دیجئے میں صاف کئے دیتی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا عائشه احبیه فانی احبه،[2] عائشہ یہ بچہ مجھے محبوب ہے۔ تم بھی اس سے محبت کیا کرو کبھی کبھی آپ ﷺ اپنے نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت اسامہؓ کو پکڑ کر دونوں کے لئے یہ دعا کرتے اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهُمَا فَاِنِّیْ اُحِبُّهُمَا۔[3] اے اللہ یہ دونوں بچے مجھے محبوب ہیں آپ بھی انہیں اپنا محبوب بنالیجئے۔

حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ اور ان کی اہلیہ حضرت ام یمنؓ آپ کے اہل خاندان ہی کی طرح تھے، مکہ میں بھی اسی طرح رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بھی یہ تینوں حضرات آپ ﷺ کے انتہائی قریبی لوگوں میں تھے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی ان تینوں کو آپ کے انتہائی مقرب اور معتمد علیہ لوگوں میں سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک معزز خاندان کی ایک عورت نے چوری کرلی جس کی سزا کے طور پر آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے خاندان کے لوگوں کے لئے یہ فیصلہ بہت تکلیف دہ اور رسوا کن تھا۔ لیکن آپ سے کچھ بھی عرض کرنے کی ہمت کسی کو نہ ہوتی تھی، بہت غور وفکر کے بعد ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام اگر کوئی کر سکتا ہے تو اسامہ کر سکتے ہیں، اس سلسلہ کی صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

فقالو من یجتری علیه الا اسامة بن زید حب رسول الله صلی الله علیه وسلم۔[4]

---

[1] سیر اعلام ج۱، ص۲۲۹۔
[2] جامع ترمذی مناقب اسامہ بن زید۔
[3] صحیح بخاری باب ذکر اسامہ بن زید۔
[4] ایضاً۔

ترجمہ: یعنی اس سفارش کی ہمت رسول اللہ ﷺ کے چہیتے اسامہ بن زیدؓ ہی کر سکتے ہیں۔

اور پھر اسامہؓ نے سفارش کی بھی۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔ حدود خداوندی کے معاف کرنے کا آپ ﷺ کو اختیار نہ تھا۔

غزوہ احد کی وقت حضرت اسامہؓ بچے ہی تھے۔ جہاد میں شریک ہونے کی تمنا تھی، خود آپؐ سے آکر اپنی خواہش کا اظہار کر دیا آپؐ نے واپس کر دیا، غزوۂ خندق میں ان کی عمر ۱۵ سال کی ہو چکی تھی، اس بار آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمالی، اس کے بعد تو کتنے ہی غزوات میں شریک ہوئے اور کتنے ہی غزوات میں امیر بنا کر بھیجے گئے۔ غزوہ موتہ میں جس میں ان کے والد حضرت زیدؓ شہید ہوئے ہیں، وہ اپنے والد کی سرکردگی میں شریک غزوہ ہوئے ہیں اور اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کی شہادت دیکھی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کی بالکل آخر میں اسی علاقہ کو فتح کرنے کے لئے جو باپ کے ہاتوں فتح نہ ہو سکا تھا ایک عظیم لشکر حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں بھیجا، اس لشکر میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ تھے۔[1]

اس وقت حضرت اسامہؓ کی عمر کل ۲۰ سال تھی، بعض حضرات کو اس پر اشکال ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔

ان تطعنوا فی اما رته فقد طعنتم فی امارة ابيه من قبله وايم الله لقد كان خليقاً للامارة وايم الله ان كان من احب الناس الی وايم الله ان هذا لخليق لها وان هذا لمن احب الناس الی.[2]

ترجمہ: یعنی اگر تمہیں اسامہ کی امارت پر اشکال ہے تو تم تو ان کے باپ زید کی امارت پر بھی اشکال کر چکے ہو، حالانکہ واللہ وہ امارت کے بھی اہل تھے اور واللہ مجھے انتہائی محبوب بھی تھے۔ اسی طرح یہ اسامہ بھی واللہ امارت کے اہل ہیں اور مجھے انتہائی محبوب بھی ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں فاوصیکم به فانه من صالحیکم کا اضافہ بھی ہے یعنی میں تم لوگوں کو اسامہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ تم لوگوں کے صالحین میں سے ہیں۔

ابھی یہ لشکر مدینہ طیبہ سے کچھ دور ہی گیا تھا رسول اللہ ﷺ کا مرض وفات شروع ہو گیا اور اس کی سنگینی کی اطلاع لشکر میں شریک صحابہ کرامؓ کو ہو گئی، جس کی وجہ سے یہ لشکر مدینہ واپس آگیا، جب واپس آکر حضرت اسامہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو آپ کا بولنا بند ہو چکا تھا، لیکن آپؐ اپنے دونوں ہاتھ حضرت اسامہؓ پر رکھتے اور پھر دعا کرنے کے انداز میں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے، حضرت اسامہؓ کہتے ہیں

---

1. فتح الباری ج ۷ ص ۸۷۔
2. صحیح مسلم باب فضائل زید بن حارثہ و ابنہ اسامہ و صحیح بخاری باب غزوہ زید بن حارثہ وباب بعث النبی ﷺ اسامہ بن زید فی مرضہ الذی توفی فیہ و جامع ترمذی مناقب زید بن حارثہ۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا فرما رہے تھے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے لئے انتہائی تشویشناک حالات پیدا ہو گئے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد اس حق میں تھی کہ فی الحال یہ لشکر روانہ نہ کیا جائے، اور اگر روانہ کرنا ضروری ہی ہے تو کسی تجربہ کار اور سن رسیدہ شخص کو امیر بنایا جائے لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، نے اس لشکر کے بارے میں کسی بھی تبدیلی کو قبول نہیں فرمایا لشکر روانہ ہوا اور اسامہ بن زیدؓ کی سر کردگی اور امارت ہی میں روانہ ہوا اور پھر الحمد للہ بہت ہی کامیاب اور سالماً غانماً واپس آیا۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ بھی حضرت اسامہؓ سے بہت محبت کرتے تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے صحابہ کرامؓ کے وظائف مقرر فرمائے تھے، اس میں مراتب کے لحاظ سے کمی بیشی کی تھی۔ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کا وظیفہ تین ہزار درہم اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ تین ہزار پانچ سو درہم مقرر کیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے عرض کیا ابا جان اسامہؓ کو مجھ پر فضیلت دینے کی کیا وجہ ہے۔ وہ تو کبھی بھی کسی معرکہ میں مجھ سے سبقت نہیں لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسامہؓ کے والد زیدؓ رسول اللہ ﷺ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب اور اسامہؓ آپ ﷺ کو تم سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے آپ کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دی ہے۔

وفات

حضرت اسامہؓ کی وفات ۵۴ھ میں یا اس سے کچھ پہلے مدینہ طیبہ یا اس کے قریب وادی القریٰ میں ہوئی ہے، وفات سے پہلے کافی مدت دمشق کے قریب مزہ نامی بستی میں گزاری ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ مکہ معظمہ کے رہنے والے اور اولین اسلام لانے والے صحابۂ کرام میں سے ہیں، خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے صرف پانچ شخص مسلمان ہوئے تھے۔ اسلام لانے والوں میں میرا چھٹا نمبر ہے۔ [2] ان کے والد کا انتقال زمانۂ جاہلیت ہی میں ہو گیا تھا۔ لیکن والدہ ایمان لے آئیں تھیں اور بلند پایہ صحابیہ تھیں۔ ایمان لانے کے نتیجے میں جو تکلیف و مصائب ہر صاحب ایمان کے نصیب میں آتے تھے وہی عبد اللہ بن مسعودؓ کے حصہ میں بھی آئے۔ ایک دن مکہ میں چند صحابہ کرامؓ میں یہ مشورہ ہوا کہ قریش کو قرآن مجید کس طرح پہنچایا جائے وہ تو قرآن سننے کے بالکل روادار نہیں۔ عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا میں اس خدمت کے لئے تیار ہوں۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص یہ کام کرے جس کے خاندان کے لوگ اس کے حمایتی ہوں اور قریش اس کو مارنے پیٹنے کی ہمت نہ کر سکیں۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ قریش کی مجلس میں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی

[1] ترمذی مناقب اسامہؓ۔　[2] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۶۲ و اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۵۶۔

پھر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا واپس آئے تو پورا بدن لہولہان تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اس پر افسوس کا اظہار کیا تو کہنے لگے یہ مشرکین میری نگاہ میں وہاں جانے سے پہلے جتنے بے حیثیت تھے اب اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہیں اور میں اب پھر اس کام کے لئے ان کے پاس جانے کو تیار ہوں۔

مشرکین کی اذیتوں سے تنگ آکر صحابہ کرامؓ کی جو جماعت نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں حبشہ چلی گئی تھی، ان صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے وہاں جانے کے کچھ ہی دنوں کے بعد ان حضرات کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس اطلاع پر عبداللہ بن مسعودؓ مکہ واپس چلے آئے، لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لئے جلد ہی دوبارہ حبشہ کو ہجرت کر گئے اور جب رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کی اطلاع حبشہ پہنچی تو عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ طیبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ [1] جس وقت عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ پہنچے ہیں رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کی تیاری کر رہے تھے وہ آپ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور ابو جہل کا کام تمام کیا جس کو دو نوجوان انصاری صحابیوں نے قتل کر دیا تھا لیکن ابھی کچھ جان باقی تھی۔ [2] غزوۂ بدر کے بعد آپ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہے ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ پتلے دبلے جسم کے تھے، رنگ گندمی تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو کسی ضرورت سے درخت پر چڑھایا صحابہ کرامؓ ان کی دبلی پتلی ٹانگ کو دیکھ کر ہنسنے لگے آپ نے فرمایا کہ لرجل عبداللہ اثقل فی المیزان یوم القیامۃ من احد یعنی اللہ کے نزدیک عبداللہ مسعود کی یہ دبلی پتلی ٹانگ بھی احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہے۔ کپڑے صاف ستھرے پہنتے اور کثرت سے عطر استعمال فرماتے تھے۔ [3]

فضائل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار بڑے اہل فضل و کمال صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے وہ سابقین اولین میں ہیں جن کے متعلق اللہ کی طرف سے رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کا مژدہ سنا دیا گیا ہے۔ ان کی زندگی کا خاصا حصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزرا ہے سفر و حضر میں آپ کی ذاتی خدمت میں جو صحابہ کرامؓ پیش پیش رہتے تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے اسی لئے صحابہ کرامؓ ان کو صاحب النعلین والسواک والوسادہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی ضروریات کا خیال رکھنے والا کہتے تھے۔ [4] ان کو جو قرب و تعلق آپ کی ذات گرامی سے نصیب تھا وہ چند ہی صحابہ کرامؓ کو میسر تھا۔ وہ ہمہ وقت آپ کے گھر آتے جاتے اور خدمت میں رہتے تھی۔ آپ کی طرف سے ان کو اس سلسلہ میں خصوصی اجازت تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا۔ اذنك علی ان یرفع الحجاب وان تسمع سوادی حتی انھاك۔ [5] یعنی جب تم دیکھو کہ

---

1. معارف السنن ج ۳ ص ۵۱۰ بحوالہ فتح الباری و طبقات ابن سعد و مغازی موسیٰ بن عقبہ۔
2. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۶ ۴ و نووی شرح مسلم باب قتل ابی جہل۔
3. سیر اعلام النبلاء ص ۴۸۷۔
4. اصابہ ج ۴ ص ۲۳۴ و صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ۔
5. صحیح مسلم باب جواز جعل الاذن رفع الحجاب۔

میرے دروازہ کا پردہ اٹھا ہوا ہے تو تم بلا اجازت اندر آ سکتے ہو اور میرے راز کی بات سن سکتے ہو الا یہ کہ میں تم کو آنے سے منع کر دوں۔ اسی لئے صحابہؓ ان کو آپ ﷺ کا راز دار بھی کہتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی یمن سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ہم دونوں بھائی عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی والدہؓ کی رسول اللہ ﷺ کے دولت کدہ پر بکثرت حاضری دیکھ کر مدت تک یہی سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ آپ کے گھر کے ہی ایک فرد ہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علمی مقام بھی بہت بلند ہے، ان کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہے جو اہل فتویٰ اور اہل قضاء سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن و سنت کا بہت علم حاصل کیا اور اللہ نے ان کو تلامذہ بھی غیر معمولی قسم کے عطا فرمائے جنہوں نے ان کے علم اور ان کی روایت کردہ احادیث اور قرآن کی تفسیر کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچادیا۔ ان کو قرآن مجید سے خصوصی شغف اور تعلق تھا۔ قرآن مجید یاد بھی بہت اچھا تھا اور بہت صحیح اور سوز کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایسا ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور میں کسی مشورہ میں آپ ﷺ کے گھر پر دیر تک رہے، جب مشورہ ختم ہو گیا تو آپ ﷺ ہم دونوں کو رخصت کرنے کے لئے باہر (مسجد تک جو آپ کے دولت کدہ سے متصل ہی تھی) تشریف لائے ہم لوگوں نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں نماز میں مشغول ہے آپ ﷺ نے ان کو پہچان لیا وہ عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ آپ دیر تک کھڑے ان کی قرأت سنتے رہے پھر فرمایا من سرہ ان یقرأ القرآن رطباً کما انزل فلیقر اعلیٰ قرأۃ ابن ام عبد[2] یعنی جو شخص قرآن مجید کو بالکل ترو تازہ جیسا اترا ہے ویسا ہی پڑھنا چاہے اس کو عبداللہ بن مسعودؓ کے طرز پر قرآن پڑھنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ نے مجھ سے فرمایا مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ، میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی جب آیت کریمہ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بك علیٰ ھو لاء شھیداً تک پہنچا تو آپ نے مجھے روک دیا میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جن اکابر صحابہ کرام سے قرآن مجید پڑھنے کا حکم یا مشورہ دیا تھا ان میں سب سے پہلا نام آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ کا ذکر فرمایا تھا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے استقرؤ االقرآن من اربعۃ من عبداللہ بن مسعود و سالم مولیٰ ابی حذیفہ و ابی بن کعب و معاذبن جبل۔[4]

حضرت ابو مسعود انصاری حضرت ابن مسعودؓ کے اس فضل کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں ما اعلم رسول اللہ ترك بعد اعلم بما انزل اللہ من ھذا القائم۔[5] (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) یعنی میرے علم میں

---

1. صحیح بخاری مناقب ابن مسعودؓ۔
2. تحفۃ الا حوذی باب الرخصۃ فی ' سمر بعد العشاء بحوالہ مسند احمد۔
3. صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ و ترمذی کتاب التفسیر صحیح مسلم باب فضل استماع القرآن۔
4. صحیح بخاری مناقب عبداللہ بن مسعودؓ و صحیح فضائل ابن مسعودؓ۔
5. صحیح مسلم فضائل عبداللہ بن مسعودؓ۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی شخص بھی عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ قرآن کا علم نہیں رکھتا...... خود عبداللہ بن مسعودؓ اپنے بارے میں فرماتے ہیں میں نے قرآن مجید کی ستر ۷۰ سے زیادہ سورتیں براہ راست رسول اللہ ﷺ سے پڑھی ہیں اور قرآن مجید کی ہر سورت کے متعلق میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی ہے اور ہر ہر آیت کا شان نزول بھی مجھے معلوم ہے۔ [1]

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لئے کوفہ بھیجا تھا اور اہل کوفہ کے نام اس سلسلہ میں جو گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا اس میں عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق یہ لکھا تھا۔ "میں عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنا نائب اور تمہارا معلم بنا کر بھیج رہا ہوں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہ میں ہیں اور غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے لوگوں میں ہیں، ان کی مجھے بھی ضرورت تھی لیکن میں تم لوگوں کو اپنے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہوں، تم ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔" حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ ہی میں رہے، اور کوفہ ہی ان کی دینی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز بنا اور یہیں سے ان کے علوم کی نشر واشاعت ہوئی حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بیت المال کا نگہبان بھی بنادیا تھا یہ عہدہ بھی جب تک وہ کوفہ میں رہے ان کے پاس ہی رہا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں انکو مدینہ بلالیا تھا۔ [2]

وہ اپنی سیرت و کردار میں بھی رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کرتے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں ما اعرف احداً اقرب سمتا وهدياً ودلاً بالنبى صلى الله عليه وسلم من ابن ام عبد [3] یعنی میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے طور طریقہ اور سیرت و کردار میں عبداللہ بن مسعودؓ کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب تر ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں میں عبداللہ بن مسعودؓ کے مناقب و فضائل جو بیان فرمائے گئے ہیں۔ اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے ایک اچھا خاصا رسالہ تیار ہو جائے۔ اس مختصر تذکرہ میں سب کی گنجائش کہاں ہے۔ اس لئے بس ایک روایت صحیح مسلم کی اور ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہم چھ آدمی آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے جن میں عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ مشرکین مکہ نے آپؐ سے کہا کہ اگر آپ ﷺ اپنے پاس سے ان لوگوں کو ہٹادیں تو ہم آپ کی بات سننے کو تیار ہیں آپ نے اس کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ آیت کریمہ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ [4] (آیت نمبر ۵۲ سورۂ انعام) نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور ان کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہی ہوتا ہے...... اس آیت میں ان صحابہ کرامؓ کی جن میں

---

1. صحیح مسلم فضائل عبداللہ بن مسعودؓ۔
2. سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۴۸۶۔
3. صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ و جامع ترمذی فی المناقب۔
4. صحیح مسلم باب فضل سعد بن ابی وقاصؓ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے بڑی فضیلت کا بیان ہے۔ آیت میں آگے مزید تاکید اور سختی سے پھر یہی حکم دیا گیا ہے۔

وفات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ سے مدینہ بلالیا تھا۔ مدینہ میں ہی ان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی اور غالباً حضرت عثمانؓ ہی نے نماز جنازہ بھی پڑھائی، وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی۔ [1]

حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ معظمہ میں ہی تھے لیکن اسلام کی شعاعیں مدینہ طیبہ کے افق کو منور کرنے لگی تھیں، نبوت کے گیارہویں سال میں حج کے موقع پر مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ مکہ معظمہ آئے اور آپؐ کی دعوت سے متأثر ہو کر ایمان لے آئے اور منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے قریب آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اس کو بیعت عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر صرف چھ حضرات ہی اسلام اور بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ آئندہ سال یعنی ۱۲ نبوی میں بارہ ۱۲ حضرات حج کے موقع پر آئے اور یہ سب بھی منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے پاس ہی آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے، اس کو بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ ان حضرات میں حضرت اُبَیّ بن کعبؓ بھی تھے۔

فضائل

حضرت ابی بن کعبؓ کا تعلق مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تھا۔ اہل مدینہ میں اول ایمان لانے والے صحابہؓ میں ان کا شمار ہے۔ ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے ہیں اور ہجرت کے بعد غزوۂ بدر اور بعد کے تمام ہی غزوات میں شرکت کی ہے۔ [2] ہجرت کے بعد کتابت وحی کی سعادت بھی ان کے نصیب میں آئی۔ قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنی امت کے سب سے بڑے قاری ہونے کے خطاب سے نوازا تھا۔ [3] ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا۔ ابی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا۔ کیا میرا نام لے کر اللہ نے کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، تمہارا نام لے کر اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید سناؤں یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ رونے لگے اور آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو سورۂ لم یکن الذین کفروا پڑھ کر سنائی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ہی میں پورے قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔ [4] حضرت عمر

---

1. شذرات الذہب ص ۳۸ و ص ۳۹ و طبقات ابن سعد ص ۳ ص ۱۶۰۔
2. اصابہ ج ۱ ص ۳۱ و فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۷۔
3. جامع ترمذی مناقب معاذ بن جبلؓ۔
4. صحیح مسلم و جامع ترمذی باب مناقب ابی بن کعب۔

فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں رمضان المبارک میں باجماعت تراویح کا اہتمام کرایا تھا اور حضرت ابی بن کعبؓ کو امام مقرر فرمایا تھا۔ ❶

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے دریافت فرمایا ابی بن کعبؓ یہ بتلاؤ کہ قرآن مجید میں کون سی آیت تمہارے نزدیک سب سے زیادہ عظیم المرتبت آیت ہے۔ حضرت ابی نے عرض کیا اللّٰه لا اله الا هو الحی القیوم (الآیۃ) یعنی آیت الکرسی آپ نے فرمایا لیهنئك العلم یا ابا منذر اے ابو منذر تمہیں علم مبارک ہو۔ ❷ چونکہ آیۃ الکرسی میں اللہ کی توحید اس کی عظیم قدرت اور صفات عالیہ کا ذکر ہے اس لئے وہ سب سے عظیم آیت ہے اور اسی لئے اس کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں ان کو علماً و عملاً قرآن مجید سے امتیازی قسم کا تعلق تھا۔ اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

ایک شخص نے آپ سے اپنے لئے کچھ نصیحت کرنے کی درخواست کی تو آپؓ نے فرمایا اتخذ کتاب الله اماما وارض به حکما وقاضیا فانه الذی استخلف فیکم رسولکم ، شفیع مطاع، شاهد لا یتهم ، فیه ذکر کم وذکر من کان قبلکم وحکم ما بینکم وخبر کم وخبر ما بعدکم۔ ❸ یعنی قرآن مجید کو اپنا مقتدا بنالو، ہر بات میں اس کی اتباع کرو اور اس کے ہر فیصلہ کو بخوشی قبول کرو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کے لئے اسی کو اپنا جانشین بنا کر گئے، وہ ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت یقیناً قبول کی جائے گی، ایسا گواہ ہے جس پر کوئی اتہام نہیں لگا سکتا۔ اس میں تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا تذکرہ ہے اور تمہارے باہمی تنازعات کا حل ہے، اس میں تمہاری اور تم سے بعد کے لوگوں کو بھی خبریں ہیں۔

آخرت کی فکر اور اس کی تیاری کا خیال بہت رکھتے اور دنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ دنیا کی بہت برائی بیان کر رہا ہے تو فرمایا کہ هل تدری ما الدنیا فیها زاد نا الی الاخرة وفیها اعمالنا التی تجزی بها جانتے ہو دنیا کیا ہے، دنیا ہی زاد آخرت ہے، اسی میں وہ اعمال کرنے ہیں جن کے بدلے میں جنت ملے گی۔

صحابہ کرامؓ عام طور پر ان کا بہت اکرام کرتے۔ حضرت عمرؓ تو ان کو سید المسلمین کہتے ان سے مسئلے دریافت کرتے اور لوگوں کے فیصلے کراتے تھے۔ ❹

میانہ قد، گورا رنگ، نحیف و لطیف جسم تھا۔ کپڑے بہت صاف ستھرے استعمال کرتے تھے۔

وفات کے بارے میں تین قول ۱۹ھ، ۲۲ھ، ۳۰ھ ذکر کئے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ❺ رضی اللہ عنہ، وارضاہ۔

---

❶ سنن ابی داؤد باب القنوت فی الوتر۔
❷ صحیح مسلم باب فضل سورۃ الکہف و آیت الکرسی۔
❸ سیر اعلام النبلاء ص ۳۹۳۔
❹ سیر الام النبلاء ج ۱ ص ۳۹۹ و ج ۱ ص ۴۰۰۔
❺ اصابہ ج ۱ ص ۲۲۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہؓ کے نام کے بارے میں اسماء الرجال کے واقفین کے مابین سخت اختلاف ہے۔ ایسا اختلاف کسی بھی صحابیؓ کے نام میں نہیں ہے۔ ان کے نام کے بارے میں تقریباً تیس قول ذکر کئے جاتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ناموں کے اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد عبد شمس یا عبداللہ نام بتلایا ہے اور کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے عبداللہ نام کو ترجیح دی۔[1]

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں عبدالرحمٰن بن صخر کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں ابو ھریرۃ عبدالرحمن بن صخر علی الا صح من نحو ثلاثین قولا۔ یہی بات تذکرۃ الحفاظ[2] میں بھی ہے۔

وہ اپنی کنیت ابو ہریرہ ہی کے ساتھ مشہور ہیں حتیٰ کے بہت ہی کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کا نام ابو ہریرہؓ نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ ابو ہریرہؓ ان کی کنیت کیسے ہوئی اس کے بارے میں بھی ان ہی کے دو قول نقل کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ میں اپنے گھر پر اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا میرے پاس ایک چھوٹی سی بلی تھی۔ رات میں اس کو پیڑ پر چڑھادیا کرتا اور دن میں جب بکریاں چرانے جاتا تو اسے ساتھ لے جاتا اور دن بھر اس سے کھیلتا رہتا تھا۔ میرے گھر والوں نے مجھے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا۔[3] ہریرہ عربی زبان میں چھوٹی بلی کو کہتے ہیں) ان ہی کا دوسرا قول یہ ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ ایک دن میں بلی لئے ہوئے تھا رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر مجھے ابو ہریرہ کے لفظ سے خطاب فرمادیا میں ابو ہریرہ ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔[4]

فضائل

ان کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ اس قبیلہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔ اللّٰھم اھد دوساً وائت بھم۔[5] الٰہی قبیلہ دوس کے لوگوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس پہنچادے۔ حضرت ابو ہریرہؓ تیس ۳۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ اس وقت خیبر تشریف لے گئے تھے۔ ابو ہریرہؓ بھی وہیں پہنچے۔ یہ واقعہ (فتح خیبر) ۷ھ کا ہے۔ اس وقت سے آپؐ کی وفات تک سفر و حضر میں ہمیشہ آپ کی ساتھ رہے۔ باہر سے آنے والے صحابہ کرام جو طلب علم کے لئے آپ کی خدمت میں رہتے تھے اور ان کا گھر بار کچھ نہ ہوتا تھا ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے قریب ہی ایک چھپر ڈلوادیا تھا۔ یہ حضرات اسی میں رہتے اور طالب علمی کرتے تھی۔ یہ چھپر ان کا دار الاقامہ تھا۔ مسجد نبوی درس گاہ اور رسول اللہ ﷺ ان کے معلم تھے اہل مدینہ ان طلباءِ کرام کا تکفل کرتے تھے۔ کسی سے سوال کرنے کی

---

1. جامع ترمذی باب فضل الوضوء واسد الغابہ ج ۵ ص ۳۱۶۔
2. شرح مسلم باب بیان الایمان الذی ید خل بہ الجنتہ و تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۲
3. جامع ترمذی مناقب ابی ہریرہؓ۔
4. مرقاۃ بحوالہ ابن عبد البر و تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۲ واسد الغابہ ج ۵ ص ۳۱۶۔
5. صحیح مسلم ابواب المناقب۔

قطعاً اجازت نہ تھی۔ خواہ کچھ بھی گزر جائے اور کیا کیا نہ گزرتا تھا۔ بھوک اور فاقہ کی وجہ سے یہ لوگ نماز میں کھڑے ہونے سے گر جاتے تھے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر فرماتے۔ تم لوگوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ تمہارے لئے ان فاقوں کے بدلہ اللہ کے یہاں کیا کیا اجر و ثواب ہے تو تم خواہش کرو کہ ان فاقوں میں مزید اضافہ ہو۔ [1] حضرت ابوہریرہؓ ان فاقہ مستیوں میں نہایت ممتاز اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ان کی ان فاقہ مستیوں کا بیان خود ان کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ میں بھوک کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے منبر شریف اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان بے ہوش ہو کر گر جاتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ مجھے مرگی یا بے ہوشی کا دورہ ہو گیا ہے جس کے علاج کے لئے وہ میری گردن اپنے پاؤں سے دباتے تھے۔ حالانکہ مجھے مرگی یا بے ہوشی کا دورہ نہیں ہوتا تھا۔ میری یہ حالت تو بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔ [2] کبھی بھوک اور فاقہ کی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی تو صحابہ کرام سے کسی آیت کا مطلب معلوم کرنے لگتے اور مقصد یہ ہوتا کہ وہ مخاطب صحابی ان کی حالت زار دیکھ لیں اور کچھ کھلا دیں۔ کبھی کوئی صحابی ان کی حالت زار کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اپنے ساتھ لے جا کر کچھ کھلا دیتے ورنہ آیت کا مطلب بتا کر چلے جاتے۔ [3] ایسے متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ انہوں نے علم دین کے لئے اتنی قربانیاں دی ہیں جس کی مثال مشکل ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا بھی خوب ہے، وہ سب سے زیادہ احادیث نقل کرنے والے صحابی ہیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ [4] بعض صحابہ و تابعین کو ان کی روایات کی کثرت پر کبھی اشکال بھی ہوتا تھا کہ ابوہریرہؓ ۷ھ میں ایمان لانے والے صحابی ہیں اور سب سے کثرت سے آپ ﷺ کی احادیث نقل کرتے ہیں۔ یہ اشکال جب ابوہریرہؓ کے علم میں آتا تو جواب دیتے ان الناس كانوا يقولون اكثر ابو هريرة وانى كنت الزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنى حتى لا اكل الخمير ولا البس الحبير ولا يخدمنى فلان وفلانة وكنت الصق بطنى بالحصباء من الجوع"۔ [5] لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ میں بہت کثرت سے روایات نقل کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتا تھا۔ نہ اچھا کھانا کھاتا اور نہ اچھا کپڑا پہنتا تھا، اور نہ کسی سے خدمت لیتا تھا۔ بھوک کی وجہ سے کبھی کبھی مجھے اپنے پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جانا پڑتا تھا کبھی فرماتے "كنت رجلا مسكيناً اخدم رسول الله صلى الله عليه وسلم على مل بطنى وكان المهاجرون يشغلهم السفق بالا سواق وكانت الا نصار يشغلهم القيام على اموالهم"۔ [6] میں ایک مسکین شخص تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور در دولت ہی سے کچھ کھانے کو مل جاتا تھا۔ حضرات مہاجرین تجارت

---

1. جامع ترمذی باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی ﷺ۔
2. جامع ترمذی باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۵۔
3. صحیح بخاری مناقب جعفرؓ۔
4. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۱ و معارف السنن ج ۱ ص ۸۴ و شذرات الذہب ج ۱ ص ۶۳۔
5. صحیح بخاری مناقب جعفرؓ وغیرہ۔
6. صحیح مسلم باب فضائل ابی ہریرہؓ۔

میں مشغول رہتے اور انصاری صحابہ اپنے باغات میں، (اس لئے مجھے آپ ﷺ کی احادیث و اقوال محفوظ کر لینے کا زیادہ موقع میسر آیا) وہ فرماتے تھے۔"ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثاً عنہ منی الا ما کان من عبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب"۔[1] یعنی صحابہ کرامؓ میں کوئی شخص بھی رسول اللہ ﷺ سے اس کثرت سے روایتیں نقل نہیں کرتا، جس کثرت سے میں نقل کرتا ہوں، البتہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مجھ سے زیادہ روایات نقل کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ لکھتے ہیں اور میں نہیں لکھتا ہوں، حضرت ابو ہریرہؓ تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق ان کے لکھ لینے کی وجہ سے یہی سمجھتے تھے کہ ان کی احادیث کی تعداد میری احادیث کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔ لیکن کتب احادیث میں تو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات ہی زیادہ ہیں اور یہ متفق علیہ ہے کہ کوئی بھی صحابی ان سے زیادہ روایات نقل کرنے والے نہیں ہیں۔ "وقد اجمع اهل الحدیث علیٰ انه اکثر الصحابة حدیثاً"[2] ان کی روایات کے کثیر ہونے کی ایک وجہ حضرت ابی بن کعبؓ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوالات کر لیا کرتے تھے جن کی ہمت ہم میں سے کوئی نہیں کر سکتا تھا"۔[3]

وہ علم کے اتنے حریص تھے کہ دنیا کی ساری نعمتیں ان کے نزدیک علم کے سامنے ہیچ تھیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"الاتسألنی عن هذه الغنائم ابو ہریرہ! غنیمت کے ان مالوں میں سے کچھ مانگو حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا **اسئلك ان تعلمنی مما علمك الله**۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ مجھے تو وہ علم عنایت فرما دیجئے جو اللہ نے آپ کو عنایت فرمایا ہے۔[4] وہ علم کے بڑے حریص تھے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف علم و دین ہی کا سوال کرتے تھے، ان کی اس صفت کی شہادت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک نے بھی دی ہے۔ خود کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ **من اسعد الناس بشفاعتك یوم القیامة** اے اللہ کے رسول آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کس خوش نصیب کو فائدہ پہنچے گا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا لقد ظننت یا اباهریرة ان لا یسئلنی من هذا الحدیث احد اول منك لما رأیت من حرصك علی الحدیث اسعد الناس بشفاعتی یوم القیامة من قال لا اله الا الله خالصاً من قلبه۔[5] ابو ہریرہ میرا یہی خیال تھا کہ یہ سوال سب سے پہلے تم ہی کرو گے اس لئے کہ میں تمہاری حرص حدیث سے واقف ہوں۔ اس کے بعد اصل سوال کا جواب ارشاد فرمایا، میری شفاعت سے سب سے زیادہ فائدہ اخلاص قلب کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہنے والے کو ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں سے بھی حصہ وافر ملا تھا ان کے حافظہ کے لئے آپ ﷺ نے

---

1. صحیح بخاری باب کتابۃ العلم۔
2. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۱ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۔
3. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۴۔
4. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۴۔
5. صحیح بخاری باب الحرص علی الحدیث۔

بڑے اہتمام سے دعائیں فرمائیں[1] اور ان کے حق میں یہ دعائیں مقبول بھی ہوئیں، وہ جو بات آپ ﷺ سے سن لیتے کبھی نہ بھولتے۔ اسی لئے ان کو محدثین نے احفظ اصحاب محمد ﷺ اور احفظ من روی الحدیث فی عصرہ کہا ہے۔[2] حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے قوی الحفظ ہونے یہ وجہ بتلائی ہے کہ میں نے ایک بار آپ ﷺ سے عرض کیا۔ میں آپ ﷺ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں لیکن یاد نہیں رہتیں، آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے چادر پھیلادی اس پر آپ نے کچھ پڑھا پھر آپ کی حکم سے میں نے اس چادر کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس دن کے بعد سے میں کبھی آپ کی کوئی بات نہیں بھولا۔[3] صحابہ کرام حضرت ابو ہریرہؓ کے حافظہ اور ہمت وقت خدمت اقدس میں حاضری اور کثرت روایت کے معترف تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے کسی نے کہا کہ کیا ابو ہریرہؓ نے واقعی آپ لوگوں سے زیادہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں یا یونہی روایات نقل کرتے ہیں۔ حضرت طلحہؓ نے جواب دیا انہوں نے واقعی وہ روایات آپؐ سے سنی ہیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسکین شخص تھے، مال ودولت ان کے پاس نہ تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان تھے۔ آپ ہی کے ساتھ کھاتے پیتے اور ہمہ وقت آپ کے ساتھ رہتے تھی اور ہم لوگ اہل وعیال اور مال ومتاع والے تھے۔ ہماری حاضری صرف صبح وشام ہوتی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو روایات وہ بیان کرتے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہیں اور ہم اپنے مشاغل کی وجہ سے ان سے محروم رہ گئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بھی ایک موقع پر کہا، ابو ہریرہؓ ہم لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں زیادہ رہتے تھے اور آپ کی احادیث زیادہ محفوظ رکھتے تھے۔[4]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ان میں برکت کی دعا فرما دیجئے۔ آپ نے ان کو لے کر برکت کی دعا فرمادی اور فرمایا ان کو اپنے تھیلے میں رکھ لو، جب بھی ضرورت ہو اس میں سے نکالتے رہنا۔ فرماتے ہیں وہ تھیلا میرے پاس برسوں رہا اور میں اسی سے کھاتا رہا اور اس میں سے بہت سی اللہ کے راستہ میں خرچ بھی کیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی موقع پر کہیں گم ہو گیا۔[5]

ان کے اسلام لانے کے بعد بھی ان کی والدہ ایمان کی دولت سے محروم تھیں انہیں اس کا بڑا صدمہ تھا۔ والدہ کی بہت منت سماجت کرتے لیکن وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوتیں، بلکہ انہیں ہی سخت وسست کہتی تھیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر والدہ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں بھی گستاخی کر دی۔ سب کچھ قابل برداشت تھا لیکن یہ تو کسی طرح بھی برداشت نہ ہو سکتا تھا، روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی والدہ کو دین کی دعوت دیتا رہتا ہوں وہ انکار کرتی رہتی ہیں لیکن آج تو غضب ہو گیا۔

---

1. صحیح مسلم وجامع ترمذی مناقب ابو ہریرہؓ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۱۶۔
2. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۲۔
3. صحیح مسلم وجامع ترمذی ابواب المناقب والفضائل۔
4. جامع ترمذی مناقب ابی ہریرہ۔
5. ایضاً۔

میں نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کی شان میں بھی گستاخی کر دی۔ اے اللہ کے رسول آپ میری والدہ کی ہدایت کی دعا فرما دیں۔ آپ نے فوراً ہی دعا فرما دی۔ اللّٰھم اھد ام ابی ھریرۃ۔ الٰہی ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت دے دیجئے۔ فرماتے ہیں کہ آپ کی دعا سن کر میں خوش خوش گھر کی طرف چل دیا، گھر پہنچا تو دروازہ بند پایا، اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ میری والدہ نے آہٹ پاکر مجھے باہر ہی رہنے کو کہا، انہوں نے جلد جلد غسل کیا اور کپڑے پہن کر دروازہ کھولا، پھر کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ میں خوشی سے رونے لگا اور آکر رسول اللہ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔

آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور کچھ اچھے کلمات ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد میں نے ایک اور دعا کی درخواست کی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ سے دعا کر دیجئے کہ اللہ میری اور میری ماں کی محبت اپنے نیک بندوں کے دلوں میں ڈال دے اور اپنے نیک بندوں کو ہمارا بھی محبوب بنا دے۔ آپ ﷺ نے یہ دعا بھی فرما دی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ ہر بندۂ مومن مجھ سے محبت کرتا ہے۔[1] ان کی والدہ کا نام حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا تھا۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی احادیث لی ہیں اور ان سے احادیث کی روایت کرنے والوں میں صحابہ و تابعین کی بہت بڑی تعداد ہے۔ امام بخاریؒ نے ان کے تلامذہ کی تعداد آٹھ سو ۸۰۰ بتلائی ہے۔[2] وہ مسجد نبوی ہی میں حدیث کا درس دیتے تھے۔[3]

علمی اور تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت اور مجاہدہ بھی بہت کرتے تھے۔ ابو عثمان النہدی تابعی کہتے ہیں کہ میں ایک بار سات دن تک ابو ہریرہؓ کے یہاں مہمان رہا۔ مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے، ان کی اہلیہ اور خادم نے رات کے تین حصہ کر لئے ہیں باری باری ایک ایک شخص اپنے حصۂ شب میں جاگتا ہے اور یہ ان لوگوں کا مستقل معمول ہے۔[4]

حضرت عمرؓ نے انہیں بحرین کا عمال بنا دیا تھا۔ لیکن جلد ہی انہوں نے اس خدمت سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دوبارہ عامل بنانا چاہا انہوں نے انکار کر دیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم عامل بننے سے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم سے بہتر شخص نے حاکم یا عامل بننے کی خواہش کی تھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا وہ کون شخص تھے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ حضرت یوسف تو نبی ابن نبی تھے اور میں تو ابو ہریرہؓ ابن امیمہ ہوں۔[5] پھر مروان نے اپنے زمانہ میں کبھی کبھی مدینہ میں اپنا نائب بھی مقرر کیا ہے۔

مرض وفات میں جب وقت قریب معلوم ہونے لگا تو رونے لگے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا من قلۃ الزاد و شدۃ المفازۃ، سفر سخت ہے اور زادراہ کم ہے یہ خوف آخرت تھا ورنہ اگر ان کے پاس زادراہ کم تھا تو پھر

---

[1] صحیح مسلم باب من فضائل ابی ہریرہؓ۔
[2] اصابہ ج ۷ ص ۲۰۲۔
[3] صحیح مسلم من فضائل ابی ہریرہؓ۔
[4] اصابہ ج ۷ ص ۲۰۶۔
[5] اصابہ ج ۸ ص ۲۱۔

کس کے پاس زیادہ ہوگا۔ خلیفہ مروان عیادت کو آئے اور دعاء کی شفاك الله۔ اللہ آپ کو شفادے۔

ابوہریرہؓ نے بھی فوراً دعا کی اللّٰھم احب لقاء ك فاحبب لقائی اے اللہ میں آپ کی ملاقات کا مشتاق ہوں۔ آپ بھی میری ملاقات کو پسند فرمالیجئے۔ [1] تھوڑی ہی دیر کے بعد اللہ ورسولؐ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینے آنے والا رسول اللہ ﷺ کا یہ مہمان اپنے مالک حقیقی کی رحمت کے آغوش میں پہنچ گیا۔ رضی اللہ عنہ، وارضاہٗ۔

سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے ۵۷و۵۸و۵۹ سنین وفات ذکر کئے جاتے ہیں ۵۷ھ راجح ہے۔ [2] وفات کے وقت عمر ۷۸ سال تھی ولید بن عقبہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

خلیفۂ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادیت ۳ نبوی یعنی بعثت کے تیسرے سال ہوئی۔ ان کی والدہ کا نام زینب بنت منطعونؓ ہے۔ یہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بہن ہیں۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی انہیں کی صاحبزادی ہیں۔ [3]

بچپن ہی میں اپنے والدین کے ساتھ حضرت عبداللہ بھی ایمان لے آئے تھے۔ ہجرت بھی اپنے والد حضرت عمرؓ کے ساتھ کی ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابن عمرؓ اپنے والد سے پہلے مدینہ ہجرت کر کے آگئے تھے۔ [4]

ہجرت کے وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی۔ غزوۂ بدر کے وقت خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاکر عرض کیا۔ میں غزوۂ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، لیکن آپ ﷺ نے کم عمری کی وجہ سے واپس کر دیا۔ غزوۂ احد میں بھی ایسا ہی ہوا۔ پھر غزوۂ خندق میں جب ان کی عمر ۱۵ سال کی ہوئی تو آپ نے ان کی درخواست قبول فرماکر غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی۔ [5] اس کے بعد تو غزوات میں شرکت ہی رہی حدیبیہ میں بیعت رضوان میں بھی شریک رہے ہیں۔ [6]

فضائل

حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی، قریبی عزیز اور حضرت عمر فاروقؓ کے سب سے زیادہ باکمال صاحبزادے ہیں۔ جن کے صلاح و تقویٰ کی شہادت خود زبان نبوت نے دی ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ

---

1. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۶۔
2. شذرات الذہب ج ۱ ص ۶۳ و اصابہ ج ۷ ص ۲۰۷۔
3. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷ و النجوم الظاہرہ ص ۱۹۲۔
4. اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۷۔
5. صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق۔
6. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۷ و اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷۔

دو فرشتے پکڑ کر مجھے آگ کے ایک کنویں کے پاس لے گئے میں اس کو دیکھ کر ڈر گیا اور اعوذ باللہ من النار اعوذ باللہ من النار پڑھنے لگا۔ ایک اور فرشتے نے مجھ سے کہا ڈرو نہیں۔ میں نے یہ خواب اپنی بہن حضرت حفصہؓ سے ذکر کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا نعم الرجل عبد اللہ لو کان یصلی من اللیل، عبداللہ بہترین شخص ہیں کیا ہی اچھا ہو تہجد بھی پڑھنے لگیں۔ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان کی صاحبزادہ سالمؒ نقل کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ ارشاد نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں فکان عبدالله بعد ذلك لاینام من اللیل الا قلیلاً ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد نعم الرجل عبدالله لو کان یصلی من اللیل کو سننے کے بعد میرے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کو بس برائے نام ہی سوتے تھے۔ [1] ان کے بیٹے حضرت سالمؒ کے علاوہ ان کی شب بیداری کا تذکرہ ان کے آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ابن عمرؓ ساری رات نماز میں مشغول رہتے۔ جب صبح صادق کا وقت قریب آجاتا تو استغفار شروع کر دیتے اور صبح تک کرتے رہتے۔ خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ قرآن مجید پڑھتے جاتے اور روتے جاتے، ایک بار آیت کریمہ الم یأن للذین امنو ا ان تخشع قلوبهم لذکر الله پڑھ کر روتے روتے بے حال ہو گئے۔ [2] جامع ترمذی کی روایت میں ان کے ایک اور خواب کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں اور میرے ہاتھ میں ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے میں اس کو جنت کی جس جانب اشارہ کرتا ہوں وہ مجھے اڑا کر وہیں لے جاتا ہے، میں نے یہ خواب اپنی بہن حضرت حفصہؓ سے ذکر کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، آپ نے اس موقع پر بھی وہی تعبیر بیان فرمائی کہ ان عبدالله رجل [3] صالح عبداللہ بن عمرؓ نیک و صالح شخص ہیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کا کندھا پکڑ کر فرمایا کن فی الدنیا کا نك غریب او عابر سبیل وعد نفسك من اهل القبور۔ [4] یعنی دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم پردیسی ہو یا مسافر اور اپنے کو اہل قبور یعنی مردوں میں شمار کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق پوری زندگی زاہدانہ گزاردی۔ عمر بھر دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھا کیسے کیسے مواقع حصول دنیا کے آئے۔ لیکن انہوں نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بعض صحابہ کرامؓ نے ان کو آگے بڑھ کر بیعت لینے پر آمادہ کرنا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین جب شدید اختلاف ہوا تب بھی بعض صحابہؓ نے ان سے پیشکش کی کہ آپ کے نام پر تقریباً سب ہی متفق ہو جائیں گے لیکن وہ پھر بھی راضی نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ ارشاد کے علاوہ ان کے سامنے اپنے محترم والد حضرت عمرؓ کا فرمان بھی تھا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے آئندہ ہونے والے خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک مجلس شوریٰ متعین کر دی تھی جس کے

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم فی المناقب۔
[2] اصابہ ج ۴ ص ۱۰۹۔
[3] جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن عمرؓ۔
[4] جامع ترمذی باب ماجاء فی قصر الامل۔

ارکان حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔ ان حضرات کو یہ ہدایت تھی کہ آپ لوگ انہیں مذکورہ چھ حضرات میں سے خلیفہ کا انتخاب کرلیں۔ مشورہ میں میرے بیٹے عبداللہ کو بھی شامل کرلیں لیکن خلافت کے لئے ان کا انتخاب نہ کریں۔ [1]

سادگی کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے ان کے یہاں حاضر ہوا مجھے اندر گھر میں ہی بلالیا، میں نے دیکھا کہ وہ اس ٹاٹ یا موٹے کپڑے پر لیٹے ہوئے ہیں جو ان کے اونٹ پر کجاوہ کے نیچے ڈالا جاتا ہے۔ [2] حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو قاضی بنانا چاہا، لیکن ان کے پیہم اصرار کے باوجود کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ [3]

اتباع سنت کا غیر معمولی اہتمام کرتے، اس معاملہ میں کسی کی رعایت نہ کرتے۔ ایک بار ایک شخص نے آخر ان سے حج تمتع کے بارے میں دریافت کیا کہ تمتع کرنا صحیح ہے یا نہیں آپ نے فرمایا بالکل صحیح ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ کے والد صاحب تو تمتع کرنے سے منع کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا یہ بتلاؤ کہ اگر میرے والد صاحب منع کرتے ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو تو کیا میرے والد صاحب کی اتباع کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی۔ اس شخص نے کہا کہ اتباع تو رسول اللہ ﷺ ہی کی کی جائے گی۔ اس کے بعد فرمایا تو سن لو کہ آپ نے تو حج تمتع ہی کیا ہے۔ [4] ایک بار آپ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ایذنوا للنساء باللیل الی المساجد ذکر فرمارہے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ عورتوں کو رات میں نماز جماعت کے لئے مسجد جانے دیا کرو۔ ان کے بیٹے (جن کا نام واقد یا بلال ذکر کیا جاتا ہے) نے کہا ہم عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت نہیں دیں گے وہ اس آمد ورفت کو فتنہ کا ذریعہ بنالیں گی۔ ابن عمرؓ کو اپنے بیٹے کی اس بات پر بہت غصہ آیا اور بہت سخت وسست کہا۔ پھر فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ ہم اجازت نہیں دیں گے۔ [5]

سفر میں بھی اتباع سنت کا بہت لحاظ کرتے۔ جن راستوں سے آپ ﷺ کا گذر ہوا ہو وہ حتی الوسع انہیں راستوں سے گذرتے، اثنائے سفر جہاں جہاں آپ نے قیام فرمایا ہو وہیں قیام فرماتے۔ جہاں جہاں آپ نے نماز پڑھی ہو وہیں نماز پڑھتے۔ حتی کہ سایہ کے لئے جس درخت کا انتخاب آپ ﷺ نے کیا ہو،

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۵۔ [2] جامع ترمذی تفسیر سورہ نور۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۴۶ او جامع ترمذی باب ماجاء فی القاضی۔

[4] جامع ترمذی باب ماجاء فی التمتع (حج کی تین قسمیں ہیں۔ تمتع۔ قرآن اور افراد۔ تمتع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حاجی حج کے مہینوں میں میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کر کے حلال ہو جائے۔ پھر جب حج کا وقت آجائے تو حج کا احرام باندھ کر حج کرے۔ حضرت عمرؓ حج تمتع سے اس لئے منع کرتے تھے کہ لوگ الگ الگ اور بار بار حج اور عمرہ کرنے کے لئے آئیں ایک ہی سفر پر قناعت نہ کریں ورنہ وہ تمتع کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حج کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے، کہ آپ کا حج تمتع تھا یا قرآن یا افراد۔ ز کریا۔

[5] جامع ترمذی باب فی خروج النساء الی المساجد۔

ابن عمرؓ بھی اسی درخت کے سایہ میں بیٹھتے۔ ہر سال حج کرتے اور عرفہ میں آپ ہی کے موقف میں قیام فرماتے تھے۔ [1] راہ خدا میں بکثرت مال و دولت خرچ کرتے، خصوصاً اپنی پسندیدہ چیزوں کو تو ضرور ہی اللہ کے لئے خرچ کر دیتے، جو غلام یا باندی کسی بھی حیثیت سے اچھا ہوتا اسے آزاد کر دینے میں تامل ہی نہ ہوتا بلکہ قصداً اسی کو آزاد کرتے۔ مشہور و جلیل القدر تابعیؒ حضرت نافع ان کے غلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے ان سے نافع کو خریدنا چاہا اور ایک ہزار دینار قیمت دینے کی پیشکش کی۔ لیکن ابن عمرؓ نے اپنا غلام نافع کو فروخت نہیں کیا اور لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ یہی نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خاص شاگرد اور ان کی کتنی ہی روایت کردہ احادیث کے راوی ہیں۔ امام مالک ان کی سند کو سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر فرماتے ہیں حضرت نافع کے علاوہ بھی بہت سے غلام اور باندیاں انہوں نے آزاد کیں جن میں بعض کو بڑا علمی مقام نصیب ہوا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ سے باہر کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں کسی جگہ قیام کیا اور کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا ہی تھا کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں لے کر قریب سے گذرا اور ان حضرات کو سلام کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو کھانے کی دعوت دی۔ اس نے کھانے سے معذرت کر دی اور کہا کہ میرا روزہ ہے آپ نے فرمایا ایسے سخت گرم اور لو کے دنوں میں تم نفلی روزے رکھتے ہو، اس نے کہا کہ میں ان ایام کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور اس کے تقوے کا امتحان لینے کے لئے اس سے کہا میاں ایک بکری ہمارے ہاتھ فروخت کر دو، اس کی قیمت بھی ہم تمہیں دیں گے اور اس کے گوشت میں سے بھی تمہارے افطار کے لئے کچھ تمہیں دے دیں گے۔ اس نے جواب دیا یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے مالک کی ہیں، میں کیسے بکری فروخت کر سکتا ہوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ایک بکری کا مالک کو کیا پتہ چلے گا۔

اس بندۂ خدا نے جواب دیا۔ فاین اللہ۔ لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ وہ تو حاضر و موجود ہے، وہ کہاں چلا گیا ہے۔ ابن عمرؓ اس جواب سے بہت متاثر ہوئے اور بہت دیر تک اس کے جواب فاین اللہ فاین اللہ کی تکرار کرتے رہے۔ جب مدینہ طیبہ واپس آئے تو اس کے مالک سے وہ غلام بھی خریدا اور بکریاں بھی۔ غلام کو آزاد کر دیا اور بکریاں اسی کو ہبہ کر دیں۔ [2]

طبقات ابن سعد میں بہت سے واقعات ان کے ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ کے مذکور ہیں۔ [3]

صحابہ و تابعین بھی ان کے فضل و کمال کے بہت معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو عمر و مقام میں ان سے بڑے ہیں فرماتے ہیں ان املك شباب قريش لنفسه عن الدنيا عبدالله بن عمر۔ [4] قریش کے نوجوانوں میں دنیا کے معاملہ میں اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والے عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔

---

1. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۹۔
2. اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۸۔
3. طبقات ج ۴ ص ۱۶۰ تا ج ۴ ص ۱۶۶۔
4. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷ و اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۷ بحوالہ مسند احمد۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ دنیا کی طرف بالکل مائل نہ تھے۔ حضرت سدی تابعیؒ کہتے ہیں، میں نے بہت سے صحابہ کرامؓ کو دیکھا سب کی رائے یہ تھی کہ عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اسی حال میں رہے جس حال میں آپ ان کو چھوڑ کر گئے تھے۔[1] ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا جب انتقال ہوا ہے تو وہ فضل و کمال میں اپنے والد حضرت عمرؓ کی طرح تھے۔ اس کے بعد ابو سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تو ایسے زمانہ میں تھے جس میں ان جیسے دوسرے حضرات بھی تھے۔ لیکن ابن عمرؓ اپنے زمانہ میں بس آپ ہی اپنی مثال تھے۔[2] صحابہ و تابعین کے ایسے ہی اقوال ان کی سیرت نگاروں نے بکثرت نقل کئے ہیں۔ وہ ان چند صحابہ کرامؓ میں ہیں جن کو محدثین نے مکثرین فی الروایہ کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد وہ سب سے زیادہ احادیث نقل کرنے والے صحابی ہیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۶۳۰ ہے۔ اگرچہ وہ روایت کرنے اور آپ کی جانب کسی بات کے انتساب کرنے میں از حد احتیاط کرتے تھے۔ جو بات معلوم نہ ہوتی بلا تکلف لاادری یعنی میں نہیں جانتا کہہ دیتے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے بعد تقریباً ساٹھ سال زندہ رہے۔ غزوات میں شرکت کے علاوہ زندگی کا اکثر حصہ مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ ہی میں گذرا۔ لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں آتے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا علم حاصل کرتے۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد بڑے مشکل حالات میں بھی وہ راہ اعتدال پر ہی گامزن رہے۔

وفات

مکہ معظمہ ہی میں ۷۳ یا ۷۴ھ میں تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے مؤذن سیدنا بلالؓ حبشی النسل تھے باپ کا نام رباح اور ماں کا نام حمامہ ذکر کیا جاتا ہے۔ کسی طرح مشرکین مکہ کے غلام ہو گئے تھے اسلام کے بالکل ابتدائی دور ہی میں اللہ نے ایمان کی دولت سے سرفراز فرمادیا۔ مکہ کے ایک بت پرست کے غلام کی یہ جسارت کہ وہ اس کے بتوں اور معبودوں کو بالکل قرار دے کر الہ واحد کی ربوبیت کا قائل ہو جائے اس کے مشرک مالک اور دیگر مشرکین مکہ کے نزدیک کسی طرح بھی قابل برداشت اور لائق معافی نہ تھی۔ ان لوگوں نے اسلام لانے کے جرم کی پاداش میں ہر طرح کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ اذیتوں اور ایذار سانیوں کے ساری حدیں ختم کر دیں۔ کبھی ان کو سخت گرم دوپہر میں لوہے کی زرع (قمیص) پہنا کر دھوپ میں مکہ کی پتھریلی زمین پر ڈال دیا جاتا، کبھی ننگے بدن دھوپ میں جلتی ہوئی چٹانوں پر لٹا کر ان کے سینے پر بھی پتھر کی ایک بڑی چٹان رکھ دی جاتی۔ کبھی ان کا مالک ان کو

---

1. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷۔
2. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۸ بحوالہ شعب الایمان للبیہقیؒ۔
3. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۹ و اسماء اصحاب الرواۃ لابن حزم الظاہریؒ۔

زمین میں پیٹ کے بل لٹادیتا اور خود ان کی کمر پر کھڑا ہو جاتا۔ مکہ کے اوباشوں کو جمع کر کے لاٹھیوں، ڈنڈوں اور کوڑوں سے ان کی پٹائی کرائی جاتی، اور مقصود و مطالبہ صرف ایک یعنی اسلام کو چھوڑ کر پھر ان کے شرک و کفر والے دین کو اختیار کر لیں۔

لیکن ان کی زبان سے ہر ظلم و ستم کے جواب میں ربی اللہ، احد احد ہی نکلتا۔ ان کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن ایسے ہی کسی موقع پر زبان مبارک سے نکلا لو کان عند ناشئی ابتعنا بلالا۔ کاش ہمارے پاس کچھ مال ہوتا تو بلال کو خرید لیتے۔ حضرت ابو بکرؓ کو آپ ﷺ کی خواہش کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اب تو مشرک کی غلامی سے نجات مل گئی تھی، ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے اور پوری زندگی آپ کی غلامی میں گذار دی۔ [1]

فضائل

انہوں نے دین کی خاطر جو قربانیاں دی ہیں اور ایمان کے لئے جو اذیتیں، مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کی ہیں وہ کم ہی صحابہ کرام کے حصہ میں آئی ہیں۔ اسی لئے ان کو رتبہ بھی بڑا ملا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دن فرمایا ابو بکر سید نا واعتق سیدنا یعنی بلالا ابو بکرؓ ہمارے آقا و سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے آقا و سردار بلال کو آزاد کیا ہے۔ [2]

وہ ان صحابہ کرامؓ میں ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ عن ابی هريرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لبلال عندصلوٰة الفجر یا بلال حد ثنی بارجی عمل عملته فی الا سلام فانی سمعت دف نعلیك بین یدی فی الجنة قال ما عملت عملاً ارجیٰ عندی انی لم اتطهر طهورا فی ساعة لیل اونهار الا صلیت بذلك الطهور ما كتب لی ان اصلی۔ [3]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے دریافت فرمایا۔ بلال! بتلاؤ تمہارا کون سا دینی عمل ہے جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ قابل بھروسہ اور لائق اعتماد ہے۔ اس لئے کہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ) میرے اعمال میں میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل بھروسہ عمل یہ ہے کہ میں دن رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو حسب توفیق کچھ نفل نماز ضرور پڑھ لیتا ہوں۔

یہ الفاظ تو صحیح بخاری کی روایت کے تھے تقریباً ایسے ہی الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے بھی ہیں جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا یا بلال لم سبقتنی الی الجنة مادخلت الجنة قط الا سمعت خشخشتك امامی دخلت البارحةالجنة فسمعت خشخشتك امامی ۔ بلال تم کس عمل کی وجہ سے جنت میں مجھ سے سبقت لے جاتے ہو۔ میں جب بھی جنت میں داخل ہوا۔ تمہارے جوتوں

---

[1] اصابہ ج اص ۱۷۱ اور سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۴۹۔

[2] صحیح بخاری باب مناقب بلال و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۴۹ و اصابہ ج اص ۱۷۱۔

[3] صحیح بخاری کتاب التهجد و صحیح مسلم فی فضائل ام سلیم و بلال۔

کی آواز اپنے آگے سنی۔ رات بھی میں جنت میں گیا تھا تب بھی تمہارے جوتوں کی آواز میں نے سنی تھی۔
ترمذی کی اس روایت میں حضرت بلالؓ کے جواب کے الفاظ اس طرح ہیں: یارسول اللّٰہ ما اذنت قط الا صلیت رکعتین وما اصابنی حدث قط الا توضأت عند ھا ورأیت ان اللّٰہ علی رکعتین فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بھما۔ [1]

یعنی جب بھی اذان دیتا ہوں دو رکعت نفل نماز ضرور پڑھتا ہوں (جو بظاہر تحیۃ المسجد ہوگی) اور جب بھی وضو ٹوٹتا ہے فوراً وضو کر لیتا ہوں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے دو رکعتیں پابندی سے پڑھتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

یہی دونوں عمل اس فضیلت کے باعث ہیں۔ جامع ترمذی کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے بار بار حضرت بلالؓ کو جنت میں اپنے آگے دیکھا یا ان کے جوتوں کی آواز سنی۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ واقعہ یا واقعات خواب کے تھے۔ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

امام ترمذیؒ نے آپ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنت بلال کی مشتاق و منتظر ہے۔ [2] وہ باعتبار ہجرت بھی سابقین اولین ہی میں ہیں ان سے پہلے صرف حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ نے ہجرت کی ہے۔ [3] پھر جب مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نماز باجماعت پڑھی جانے لگی اور اذان کی مشروعیت ہوئی تو روز اول سے مسجد نبوی ﷺ کے مؤذن ہونے کی سعادت بھی انہیں کو ملی [4] اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں وہ مسلسل اذان دیتے رہے لیکن آپ کی وفات کے بعد وہ مدینہ طیبہ میں نہ رہ سکے خلیفہ رسولؐ حضرت ابو بکرؓ سے غزوات میں شرکت کے لئے جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت ابو بکرؓ نے باصرار اپنے پاس مدینہ طیبہ روکنا چاہا تو انہوں نے کہا۔ اعتقتنی للّٰہ او لنفسك آپ نے مجھے اللہ کی خاطر آزاد کیا تھا یا اپنے لئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ اللہ کے لئے۔ اس پر حضرت بلالؓ نے کہا تو پھر مجھے غزوہ میں جانے دیجئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اجازت دے دی اور وہ غزوات میں شرکت کے لئے ملک شام چلے گئے۔ پھر مدینہ واپس نہ آسکے، ملک شام ہی میں وفات پائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے روکنے سے تو رک گئے تھے لیکن ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے اصرار کے باوجود بھی نہ رکے اور غزوات میں شرکت کے لئے مدینہ سے نکل گئے۔ حضرت عمرؓ جب ملک شام گئے ہیں تو حضرت بلالؓ سے ملاقات کی اور اذان دینے کی فرمائش کی، انہوں نے اذان دی تو کہرام مچ گیا۔ صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ ﷺ کا زمانہ یاد آگیا۔ [5]

وہ ان چند صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا خاص رفیق اور انتہائی مقرب صحابی قرار دیا ہے۔ اور جن کا تذکرہ اپنے اہل بیت کے ساتھ کیا ہے۔ [6]

---

[1] جامع ترمذی فی مناقب عمرؓ۔ [2] جامع ترمذی مناقب بلالؓ۔
[3] باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینہ۔ [4] صحیح بخاری باب بدء الاذان وغیرہ۔
[5] صحیح بخاری باب مناقب بلالؓ و فتح الباری، سیر اعلام النبلاء ص ۳۵۷۔ [6] جامع ترمذی مناقب اہل بیت النبی ﷺ۔

صحابہ کرام ان کا بڑا اکرام کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا مقولہ کہ ابو بکر سیدنا و اعتق سیدنا یعنی بلالاً تو آپ نے پڑھ ہی لیا ہے۔ اب ان کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا قول بھی پڑھئے۔ ہوا یہ کہ ایک شاعر نے عبد اللہ بن عمرؓ کے ایک بیٹے جن کا نام بلال تھا کہ شان میں کچھ اشعار کہے۔ جن میں ایک مصرعہ۔

و بلال عبد اللہ خیر بلال

تھا یعنی ابن عمر کے بیٹے بلال، بلال نام کے لوگوں میں سب سے بہترین بلال ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فوراً کہا کہ کذبت بل بلا ل رسول اللہ خیر بلال۔ تم نے غلط کہا، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے بلال، بلال نام کے لوگوں میں سب سے بہترین بلال ہیں۔ ابن عمرؓ انہیں بلال نام کے لوگوں میں سب سے افضل بھی کہہ رہے ہیں اور ان کو بلال رسول اللہ، یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے بلال بھی فرما رہے ہیں۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں کان شحیحاً علی دینہ انہیں اپنا دین ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ تکلیفیں برداشت تھیں، دین چھوڑنا برداشت نہ تھا۔

وفات

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ملک شام کی طرف چلے گئے تھے۔ ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں دمشق میں وفات پائی۔[1] جب وفات کا وقت قریب آیا تو بیوی رونے اور واویلا کرنے لگیں۔ انہوں نے بیوی کے واویلا کے جواب میں وافرحاہ کہا، یعنی کیا ہی خوشی کا موقع ہے اور پھر اس کے بعد کہا:۔

غداً نلقیٰ الاحبۃ　　محمداً و حزبہ[2]

کل کو اپنے محبوبوں یعنی محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہو گی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالکؓ کا تعلق مدینہ کی مشہور خاندان قبیلۂ خزرج سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب کی ننہال اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی نجار میں تھی۔[3] ابھی یہ بچے ہی تھے کہ ان کے والد مالک کا انتقال ہو گیا۔ والدہ ام سلیمؓ بڑی صاحب فضل و کمال صحابیات میں تھیں، پہلے شوہر مالک کے انتقال کے بعد مدینہ کے ایک شخص ابو طلحہ نے شادی کا پیغام دیا، وہ اس وقت تک مسلمان نہ تھے، ام سلیمؓ نے کہا میں تم سے شادی کرنے پر راضی ہوں بشرطیکہ تم مسلمان ہو جاؤ، ابو طلحہؓ مسلمان ہو گئے اور پھر شادی ہو گئی۔

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۵۱۔
2. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۵۷ و فتح الباری مناقب بلال۔
3. صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۱ و اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۷۔

فضائل

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں، اس وقت حضرت انسؓ کی عمر صرف دس سال تھی۔ لیکن بہت ذہین بچے تھے، ان کی والدہ ام سلیم اور سوتیلے باپ ابو طلحہؓ ان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ ان انسا غلام کیس فلیخد مک۔ اے اللہ کے رسول انس بہت سمجھدار بچہ ہے، ہم اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے ان کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ اس دن سے وہ سفر و حضر میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہے۔ [1] حتیٰ کہ اس نوعمری کے باوجود غزوات میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اسلام کا پہلا غزوہ غزوۂ بدر ہے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً گیارہ سال تھی۔ اس غزوہ میں بعض کم عمر صحابۂ کرامؓ کو ان کی خواہش کے باوجود صغر سنی کی وجہ سے آپ ﷺ نے شرکت کی اجازت نہیں دی، تھی۔ لیکن حضرت انس بحیثیت خادم آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ [2] ان کی یہ شرکت چونکہ آپ ﷺ کے خادم کے طور پر تھی اس لئے بدری صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں محدثین نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

وہ آپ ﷺ کے خادم تھے اور اپنے نام کے ساتھ خادم رسول اللہ ﷺ کا لفظ لگاتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی کبھی کبھی پیار و محبت میں آپ ﷺ ان کو یَا بُنَیَّ یعنی اے میرے بیٹے کہہ کر پکارتے تھے۔ آپؐ ان سے اپنے بچوں کی طرح مزاح فرماتے کبھی کبھی ان کے کان پکڑ کر **یاذاالا ذنین** اے دو کانوں والے فرماتے۔ انہیں بھی آپ سے بہت محبت اور تعلق تھا۔ آپ ﷺ کے وہ تمام کام جو گھر کے بچے کرتے ہیں، حضرت انسؓ ہی انجام دیتے، آپ نے ایک بار ان کو کسی کام کو بھیجنا چاہا کہتے ہیں میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نہیں جاؤں گا، حالانکہ میرے دل میں تھا کہ ضرور جاؤں گا۔ میرے انکار کے بعد آپ نے مجھ سے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا بعد میں میں اس کام کے لئے چلا گیا، راستہ میں بچے کھیل رہے تھے میں بھی وہیں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے یہ خیال فرمایا کہ میں کام کے لئے نہیں گیا ہوں، اس لئے خود اس کام کے لئے تشریف لے جانے لگے۔ راستہ میں مجھے بچوں کے کھیل میں مشغول دیکھا تو فرمایا تم گئے نہیں، میں نے عرض کیا ابھی جاتا ہوں۔ بچپن کے باوجود ذہانت اور سمجھداری بھی بہت تھی کہتے ہیں کہ ایک بار میری والدہ نے مجھ سے معلوم کیا تو تم اتنی دیر سے کہاں تھے۔ [3] میں نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے ایک کام سے بھیجا تھا، والدہ نے معلوم کیا کیا کام تھا، میں نے عرض کہ یہ آپ کا راز ہے، والدہ نے فرمایا آپ کا راز کسی کو نہ بتلانا۔ حضرت انسؓ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد اپنے شاگرد حضرت ثابت بنانیؒ سے فرماتے ہیں کہ آپ کا راز اگر کسی کو بتلاتا تو ثابت تمہیں بتلاتا۔ [4] حضرت انسؓ کی کنیت ابو حمزہ ہے۔ یہ کنیت ان

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۳۴۔

[2] اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۷ او اصابہ ج ۱ ص ۷۱۔

[3] جامع ترمذی باب ماجاءیابنی۔

[4] صحیح مسلم فضائل انس بن مالکؓ۔

کے کسی بیٹے کے نام پر نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچپن میں جنگل کی ایک سبزی جسے حمزہ کہتے ہیں توڑ کر کھارہے تھے، آپ ﷺ نے دیکھ کر انہیں ابوحمزہ فرمادیا بس ان کی کنیت ابوحمزہ ہوگئی۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم کی درخواست پر حضرت انسؓ کے لئے ہر خیر کی دعا فرمائی اور آخر میں یہ دعا بھی فرمائی:۔

اللّٰھم اکثر مالہ و ولدہ و بارك لهٗ فیما اعطیته

ترجمہ:۔ اے اللہ! انسؓ کو خوب مال اور اولاد سے نوازیئے اور جو کچھ بھی آپ اس کو دیں اس میں برکت عطا فرمائیے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ واللہ میرا مال بہت ہے اور میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد آج سو ۱۰۰ سے بھی متجاوز ہے۔[2] یہ بھی آپؐ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ان کے باغ کی ایک جھاڑی کے پتیوں سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ اسی طرح ان کے باغ میں سال میں دوبار پھل آتے تھے۔ جب کہ اور لوگوں کے باغات سال بھر میں صرف ایک ہی بار پھل دیتے تھے۔[3] بعض روایات میں ان دعاؤں کے ساتھ وادخلہ الجنۃ کا بھی اضافہ ہے۔ یعنی اے اللہ ان کو جنت میں داخل فرما۔ اسی لئے صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے تین دعائیں فرمائیں دو ۲ کو تو میں نے پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔ انشاء اللہ تیسری دعا (وادخلہ الجنۃ) بھی ضرور قبول ہوگی۔[4] رسول اللہ ﷺ نے تو ان کے لئے دعائیں فرمائی ہی تھیں، وہ خود بھی مستجاب الدعوات تھے، ایک بار ان کی کاشت کے ذمہ دار ملازم نے آکر عرض کیا۔ کہ آپ کی کھیتی سوکھ رہی ہے، آپ نے دورکعت نماز پڑھ کر دعا کی خوب بارش ہوئی اور کھیتی سیراب ہوگئی۔[5] نماز بہت اچھی اور بہت اہتمام سے پڑھتے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں مارأیت احداً اشبہ صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابن ام سلیم یعنی میں نے کسی کو حضرت انسؓ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ حضرت انسؓ کثیر الروایہ صحابی ہیں۔ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد ان کا پورا وقت آپ کی خدمت اور صحبت میں گزرا اور انہیں بہت قریب سے آپ ﷺ کے اعمال کو دیکھنے اور اقوال کو سننے کا موقع ملا ہے۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۲۷۶ ذکر کی جاتی ہے۔[6] انہوں نے آپ کے بعد اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی روایات لی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے بعض صحابہ کرامؓ بھی ہیں، تابعینؒ میں تو ان کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت ہے۔

ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی بہت ذہین، سمجھدار اور بڑے درجہ کی صحابیہ ہیں۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یا آپ کے والد عبداللہ سے کوئی قریبی قرابت تھی ان کے ایک بھائی بھی

---

1. اسد الغابہ ج ا ص ۱۲۷، واصابہ ج ا ۷۱۔
2. صحیح مسلم فضائل انس بن مالکؓ۔
3. اسد الغابہ ج ا ص ۱۲۷۔
4. صحیح مسلم وجامع ترمذی وغیرہ ہما فی الفضائل۔
5. اصابہ ج ا ص ۷۲۔
6. اصابہ ج ا ص ۷۲۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شہید ہوگئے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ ان کا بہت لحاظ کرتے اور ان کے یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں جنت دیکھی اور وہاں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو بھی دیکھا۔ [1]

مزاج میں سخاوت بھی بہت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرتی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری پر آپؐ کی ضروریات کے لئے کھجور کا ایک باغ بطور عاریتاً آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ [2]

وہ بڑی جانباز، نڈر اور بہادر تھیں، غزوات میں شریک ہوتی تھیں۔ اصل کام تو مریضوں کی تیمار داری، زخمیوں کو پانی پلانا اور اپنے گھر کے مردوں کے لئے کھانا تیار کرنا تھا۔ لیکن اپنی حفاظت کے لئے اسلحہ بھی ساتھ رکھتی تھیں۔ غزوہ حنین کے موقع پر ایک خنجر لئے ہوئے تھیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے تو عرض کیا یہ خنجر میں نے اس لئے لیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، [3] ان کے شوہر ابو طلحہؓ بھی غیر معمولی شجاع اور میدان جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے لوگوں میں تھے غزوۂ احد میں جب مشرکین مکہ نے یکجا ہو کر رسول اللہ ﷺ پر یلغار کر دی اور سب نے آپؐ ہی کو نشانہ بنا کر تیر و پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ ایسے موقع پر جب کہ بڑے بڑے جانباز اور بہادر صحابہ کرامؓ کے قدم اکھڑ گئے تھے، حضرت ابو طلحہؓ آپ کے لئے سپر بنے ہوئے تھے۔ وہ بہترین تیر انداز تھے۔ اور مسلسل تیر اندازی کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی پشت پر کر لیا تھا اور خود آپؐ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے تھے۔ آپؐ کبھی کبھی سر اٹھا کر مشرکین کو دیکھتے تو ابو طلحہ کہتے۔ یا نبی اللہ بابی انت و امی لا تشرف لا یصیبك سهم من سها م القوم نحری دون نحرك۔ اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ سر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ خدانخواستہ دشمنوں کا کوئی تیر آپ کے نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینہ کی حفاظت کرنے کے لئے حاضر ہے۔ [4]

رسول اللہ ﷺ کے یہاں فاقہ تو رہتا ہی تھا۔ ام سلیمؓ اور ابو طلحہؓ اس کا خیال رکھتے اور کبھی کبھی آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ پیش کر دیتے یا آپؐ ہی کبھی تشریف لے آیا کرتے اور کھانا تناول فرما لیتے تھے، اس گھر کے سب ہی افراد کا آپ ﷺ سے بہت ہی قریبی تعلق تھا۔ اسی سلسلہ کا ایک عجیب و غریب واقعہ صحیح بخاری کے حوالہ سے پڑھ لیجئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ سے آکر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں بھوک کی وجہ سے بہت کمزوری محسوس کی ہے، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے

---

1. صحیح بخاری باب مناقب عمر و صحیح مسلم فضائل ام سلیم۔
2. صحیح مسلم باب رد المهاجر الى الا نصار منا ئحهم. ۶ ح ۵ م . وصحيح بخارى باب مرجع النبى ﷺ من الا حزاب الخ۔
3. صحیح مسلم ص۹۶ و صحیح بخاری باب مرجع النبی ؐ من الاحزاب۔
4. صحیح مسلم باب غزوۃ النساء مع الرجال۔

انہوں نے جواب دیا ہاں اور اس کے بعد چھوٹی چھوٹی چند جو کی روٹیاں نکالیں اور اپنی چادر کے ایک کونے میں لپیٹ کر میری بغل میں دبا دیں چادر کا باقی حصہ میرے اوپر لپیٹ دیا اور مجھے وہ روٹیاں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ میں جب روٹیاں لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور کچھ صحابہ کرامؓ بھی وہاں موجود تھے میں وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تمہیں ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کھانا لے کر میں نے جواب دیا جی ہاں۔ آپؐ نے وہاں موجود سب صحابہ کرامؓ سے فرمایا ابو طلحہ کے یہاں چلیں، میں ان حضرات سے پہلے گھر پہنچا اور آکر حضرت ابو طلحہ کو اس بات کی اطلاع کی انہوں نے میری والدہ ام سلیمؓ سے کہا رسول اللہ ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کو لئے ہم لوگوں کے یہاں تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے یہاں کھلانے کو کچھ نہیں ہے۔ ام سلیم نے کہا اللہ ورسولہ اعلم یعنی آپ صحابہؓ کو خود لائے ہیں اللہ جانے اور آپ جانیں۔ حضرت ابو طلحہؓ نے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور گھر لے آئے آپ نے ام سلیمؓ سے کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ۔ ام سلیمؓ وہی روٹیاں لے آئیں آپ نے ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرائے۔ ام سلیم نے گھی کی کپی سے گھی ڈال دیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس پر کچھ پڑھا اور فرمایا دس دس کر کے لوگوں کو بلاتے رہو۔ صحابہ کرامؓ کی دس ۱۰ دس ۱۰ کی جماعتیں آتی رہیں اور کھانے سے فارغ ہو کر نکلتی رہیں حتی کہ ستر ۷۰ یا اسی ۸۰ صحابہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضرت انسؓ کو بعض حکومتی کاموں کا ذمہ دار بنا کر بحرین بھیجا تھا۔ آخر میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں ۹۳ھ میں وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی حضرت انسؓ ہی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرات شیخین اور بعض دیگر اکابر صحابہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ان کے مشہور تلامذہ میں حسن بصری، ثابت بنانی، قتادہ زہری وغیرہم ہیں رضی اللہ عنہ، وارضاہ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، کا وطن ملک ایران کا شہر اصبہان ہے وہاں سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینہ طیبہ پہنچایا اور شرف ایمان و صحابیت سے نوازا ہے ان کے اس شرف و کمال تک پہنچنے کی داستان خود ان کی زبانی سنئے۔ انہوں نے یہ پورا واقعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں ایرانی النسل ہوں۔ میرا وطن اصبہان ہے۔ میرے والد اپنے گاؤں کے سردار تھے۔ انہیں مجھ سے بہت محبت اور غیر معمولی تعلق تھا۔ اسی لئے ہمہ وقت گھر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ انہوں نے میری پرورش، تربیت اور نگرانی بچیوں کی طرح خارجی ماحول سے کلی حفاظت کے ساتھ کی تھی۔ ہمارے یہاں کا دین آتش پرستی تھا۔ مجھے بھی اپنے دین سے بہت تعلق اور لگاؤ تھا، والد صاحب نے اپنے عبادت خانہ برائے عبادت جو آگ جلا رکھی تھی اور جس کو کبھی بجھنے نہ دیا جاتا تھا، میں ہی اس کا نگران تھا۔ والد مالدار اور صاحب ثروت تھے۔ بہت

[1] صحیح بخاری باب من اکل حتی شبع، وباب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

سے جانور اور کاشت کی زمین تھی۔ اس کی دیکھ بھال وہ خود ہی کرتے تھے، لیکن ایک دن کسی مجبوری کی وجہ سے مجھے جانوروں یا کاشت کاری کے سلسلے کے کسی کام سے بھیجا اور تاکید کر دی کہ کام سے فارغ ہو کر فوراً واپس آجانا۔ میں اس کام کے لئے جب گیا تو راستہ میں مجھے نصاریٰ کا ایک کنیسہ۔ (گرجا) ملا۔ جس میں وہ لوگ اپنی عبادت میں مشغول تھے۔ ان کی آوازیں سن کر میں کنیسہ کے اندر داخل ہو گیا۔ چونکہ مجھے گھر سے نکلنے کی اجازت ہی نہ تھی، اس لئے ابھی تک میں مجوسیت یعنی آتش پرستی کے سوا کسی دین سے واقف نہ تھا مجھے ان کی عبادت اور ان کا دین اپنے دین اور آتش پرستی کے مقابلہ میں بہت اچھے لگے میں صبح شام تک انہیں لوگوں کے پاس رہا اور والد کے کام سے نہ جاسکا۔ میں نے ان لوگوں سے اس دین میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور یہ معلوم کیا کہ اس دین کا مرکز اصلی کہاں ہے۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ ہمارا مذہبی مرکز ملک شام میں ہے میرے دیر تک نہ آنے کی وجہ سے گھر پر میری تلاش شروع ہو گئی تھی۔ رات کو جب گھر پہنچا تو والد نے سوال کیا کہاں تھے؟ میں نے پورا واقعہ بتلا دیا اور نصرانیت میں اپنی رغبت کا ذکر بھی کر دیا۔ میرے والد نے مجھے سمجھایا اور کہا بیٹے اس دن میں کوئی خیر نہیں ہے۔ سارے ادیان میں تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا دین سب سے بہتر دین ہے۔ لیکن میں اپنی رائے پر قائم رہا اور میں نے والد صاحب سے کہہ دیا کہ میرے نزدیک تو وہ دین یقیناً ہمارے دین سے بہتر دین ہے۔ اب میرے والد کو میرے بارے میں خطرہ ہو گیا اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ مجھے خانہ قید کر دیا۔ بلکہ میرے پاؤں میں بیڑیاں بھی ڈال دیں، میں نے خاموشی سے اس کنیسہ کے لوگوں کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر کوئی قافلہ ملک شام سے آئے تو مجھے اطلاع کرا دیں حسن اتفاق جلد ہی ایک قافلہ ملک شام سے آگیا اور اس کی واپسی کے وقت میں اپنی قید سے کسی طرح بھاگ کر اس قافلہ کے ساتھ ملک شام پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر مجھے دین نصاریٰ کے کسی بڑے عالم کی تلاش ہوئی لوگوں نے بتلایا کہ فلاں کنیسہ میں ایک بڑا نصرانی عالم ہے میں اس کے پاس پہنچا اور اپنا پورا قصہ اور آمد کا مقصد بھی بیان کر دیا کہ آپ کی خدمت میں رہ کر علم دین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے میری درخواست منظور کر کے قیام کی اجازت دے دی۔ میں اس کے پاس کچھ عرصہ رہا لیکن وہ اچھا آدمی نہ نکلا۔ دوسرے کو اعمال خیر کی ترغیب دیتا اور خود عمل نہ کرتا تھا، مال کا حریص تھا، لوگوں سے صدقات وخیرات وصول کر کے جمع کرتا رہتا تھا۔ اس نے سونے چاندی سے پانچ مٹکے بھر لئے تھے، اسی وجہ سے مجھے اس سے نفرت ہو گئی تھی۔ اللہ کا کرنا کہ جلد ہی وہ مر گیا۔ اس کے بعد اس کنیسہ کے لئے ایک دوسرے عالم متعین کئے گئے وہ واقعی دیندار اور عابد، زاہد تھے۔ میں ان کے پاس رہا۔ ان کے صلاح و تقویٰ کی وجہ سے مجھے ان سے بہت محبت اور عقیدت ہو گئی۔ کافی دنوں کے بعد جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے کہا کہ اب بظاہر آپ کا وقت قریب آگیا ہے۔ آپ مجھے کس کی خدمت میں جانے کی وصیت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب علماء میں دین نہیں رہ گیا ہے، میرے علم میں ایک دیندار عالم موصل نامی شہر میں ہیں تم میری وفات کے بعد ان کے پاس چلے جانا۔ ان کی وفات کے بعد میں نے ایسا ہی کیا اور موصل پہنچ کر ان عالم کی خدمت میں حاضر ہو، اپنا پورا واقعہ اور پہلے عالم کی وصیت کا ذکر کیا کہ انہوں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ انہوں نے مجھے اپنی خدمت میں رکھ

لیا۔ وہ بھی بہت نیک عابد، زاہد عالم تھے، لیکن ان کی وفات بہت جلد ہو گئی۔ وفات سے پہلے میں نے ان سے بھی وہی سوال کیا کہ اب آپ کے بعد میں کہاں جاؤں۔ انہوں نے مجھے نصیبین کے ایک عالم کا پتہ دیا میں ان کے انتقال کے بعد نصیبین کے عالم کے پاس پہنچا۔ وہ بھی عالم با عمل تھے۔ مگر میرے پہنچنے کے بعد جلد ہی مجھے محسوس ہوا کہ یہ بھی زیادہ دن کے مہمان نہیں ہیں۔ اس لئے ان سے بھی میں نے آئندہ کے لئے وصیت و نصیحت کی درخواست کی۔ انہوں نے مجھ سے ملک روم کے شہر عموریہ کے ایک عالم کے پاس چلے جانے کو کہا اور پھر میں ان کی وصیت کے مطابق ان کے انتقال کے بعد عموریہ کے ان عالم کی خدمت میں پہنچا جن کا پتہ نصیبین کے عالم نے دیا تھا۔ یہا ں میں نے تحصیل علم کے ساتھ کچھ تجارت بھی کی جس سے میرے پاس کافی گائیں اور بکریاں جمع ہو گئیں۔ اللہ کا کرنا ان عالم صاحب کا بھی وقت موعود آن پہنچا تو میں نے اپنا وہی پرانا سوال ان کے سامنے رکھ دیا۔ کہ اب آپ کے بعد کہاں؟ انہوں نے مجھ سے کہا اب تو کوئی عالم نصاریٰ میں ایسا نہیں رہا۔ جس کی طرف راہنمائی کی جاسکے۔ البتہ اب نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کا وقت قریب آچکا ہے۔ وہ ملت ابراہیمی پر ہوں گے۔ اور ان کا دار الہجرت ایک ایسا نخلستان یعنی کھجوروں کا علاقہ ہو گا جو دو پتھریلے علاقوں کے بیچ میں ہو گا، ان کی علامات نبوت بالکل واضح ہوں گی۔ وہ ہدیہ قبول کریں گے، صدقہ نہیں، ان کی کمر پر دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی، اگر تمہاری رسائی ان تک ہو سکے تو تم ضرور ان کی خدمت میں چلے جانا۔ عموریہ کے ان عالم کی وفات کے بعد عرصہ تک میں عموریہ میں رہا۔ کافی دنوں کے بعد وہاں ملک عرب کے قبیلہ بنو کلاب کا ایک تجارتی قافلہ پہنچا۔ میں نے اہل قافلہ سے کہا، مجھے آپ لوگ اپنے ساتھ عرب لے چلیں۔ میں اپنی سب گائیں اور بکریاں آپ لوگوں کو دے دوں گا۔ انہوں نے میری بات قبول کر لی اور میں ان کے ساتھ ملک عرب کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن جب یہ لوگ وادی القریٰ (جو خیبر کی قریب یہود کی ایک بستی ہے) پہنچے تو ان لوگوں نے بد عہدی کی اور مجھے غلام بتا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ کافی دنوں کے بعد ایک روز میرے مالک کا ایک عزیز مدینہ طیبہ سے آیا اور مجھے خرید کر مدینہ طیبہ لے گیا۔ مدینہ طیبہ میں نبی آخر الزماں ﷺ کے دار الہجرت ہونے کی وہ تمام علامتیں موجود تھیں جو مجھے عموریہ کے عالم نے بتلائی تھیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ ایک دن ضرور نبی آخر الزماں ﷺ یہاں تشریف لائیں گے۔

میں یہاں غلامی کی زندگی گذارتا رہا۔ اپنے مالک کے کام کاج میں مشغول رہتا تھا مکہ معظمہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ کچھ خبریں مدینہ بھی آئیں، لیکن مجھ غلام کو کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک دن میں نے یہودی مالک کے باغ میں کھجور کی درخت پر چڑھا ہوا تھا، میرا مالک قریب ہی بیٹھا تھا کہ اس کے ایک عزیز نے آکر یہ خبر دی کہ مدینہ طیبہ کے بہت سے لوگ ایک ایسے شخص کے استقبال کے لئے قبا گئے ہیں جو مکہ سے آیا ہے، اور خود کو اللہ کا نبی کہتا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی میرا عجیب حال ہو گیا، جسم کانپنے لگا اور مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں درخت سے نیچے نہ گر جاؤں۔ بمشکل تمام اتر کر آیا اور خبر دینے والے شخص سے پوچھنے لگا کہ تم کیا کہہ رہے تھے۔ میرے مالک کو میرے سوال پر بہت غصہ آیا، اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا تم سے کیا

مطلب، تم اپنا کام کرو، میں نے کہا بس یوں ہی سوال کر رہا تھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو ایک رات کو میں کھانے کا کچھ سامان لے کر بغرض امتحان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یہ صدقہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے لایا ہوں۔ آپ ﷺ نے غریب صحابہ کرامؓ سے فرمایا تم لوگ کھاؤ اور خود اس کو ہاتھ نہ لگایا میں نے دل میں کہا جو علامات عموریہ کے عالم نے بتلائی تھیں۔ ان میں سے ایک علامت تو صحیح نکلی۔ کچھ دنوں کے بعد کھانے کا کچھ سامان لے کر دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کیا یہ آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے، آپ نے اس کو قبول فرمالیا۔ خود بھی کھایا اور صحابہ کرامؓ کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت بھی صحیح ثابت ہوئی۔ پھر ایک دن موقع پا کر کمر مبارک پر ختم نبوت بھی دیکھ لی، اس آخری علامت کو دیکھ کر صبر نہ ہو سکا اور میں پشت مبارک سے چمٹ کر رونے لگا۔ آپ نے مجھے اپنے سامنے کی جانب بلالیا۔ میں نے آپ کے سامنے بیٹھ کر اپنا پورا قصہ سنادیا۔ آپ نے میرا قصہ وہاں موجود صحابہ کرامؓ کو بھی سنوایا۔

اب کس چیز کا انتظار تھا، زندگی بھر سے جس نور ہدایت کی تلاش تھی، میں اس کے سامنے تھا، تمام عمر کی بے چینی کو قرار نصیب ہو گیا۔ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ [1]

فضائل

حضرت سلیمان فارسیؓ دین حق کی طلب میں کس طرح اپنے گھر کے آرام و راحت کو چھوڑ کر ملکوں ملکوں گھومتے پھرے اور ایک عالم سے دوسرے عالم کی خدمت میں علم دین کی خاطر جاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آغوش نبی ﷺ تک پہنچا دیا دین کا ایسا شوق اور طلب، اللہ کی ان مخصوص بندوں ہی کا نصیب تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ کو ان کی آزادی کی فکر تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے یہودی مالک سے کتابت کرلو۔ کتاب کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام اور اس کے مالک کے درمیان یہ بات طے ہو جائے کہ ایک متعین مدت میں غلام اپنے آقا کو متعین رقم یا کوئی اور متبادل چیز ادا کر دے تو وہ آزاد ہے۔ آپ کے فرمانے پر حضرت سلیمان فارسیؓ نے اپنے مالک سے کتابت کرلی۔ اس یہودی نے بہت سخت شرائط پر کتابت کی تھی۔

اس کی پہلی شرط تو یہ تھی کہ میرے باغ میں تین سو کھجور کے درخت لگائے جائیں اور جب تک وہ پھل دینے کے قابل نہ ہوں، اس وقت تک سلمانؓ ان کی پرورش اور نگہداشت کریں، دوسری شرط چالیس اوقیہ چاندی کی ادائیگی تھی۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے ہم وزن ہوتا ہے لہٰذا چالیس اوقیہ کا وزن ۱۶۰۰ درہم ہوا) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے کھجور کے تین سو پودے منگوائے اور اپنے دست مبارک سے سب پودے لگائے، ایک پودا حضرت عمرؓ نے لگا دیا۔ سب پودے اسی سال پھل دینے لگے سوائے اس ایک پودے کے کہ اس پر پھل نہیں آئے۔ آپ ﷺ نے جب اس کے پھل نہ دینے کی

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۱۱، ج ۲ ص ۳۱۲ و سیر اعلام النبلا ج ۱ ص ۵۰۶ تا ج ۱ ص ۵۱۱ و مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد فی الفضائل۔

تحقیق کی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ پودا میں نے لگا دیا تھا آپ ﷺ نے اسے اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگا دیا وہ بھی اسی سال پھل دینے لگا۔[1] چاندی کی ادائیگی کا انتظام بھی آپ ہی نے کر کے حضرت سلمان فارسیؓ کو اس یہودی کی غلامی سے آزاد کرایا۔[2]

وہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے فوراً بعد ہی مسلمان ہو گئے تھے، لیکن غزوۂ بدر اور احد میں اپنی غلامی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے آزادی کے بعد غزوۂ خندق میں شریک ہوئے اور پھر جملہ غزوات میں شرکت کی، غزوۂ خندق کے موقع پر انہیں کی تجویز پر مدینہ کے اطراف میں خندق کھودی گئی، جس کے کھودنے میں رسول اللہ ﷺ بھی صحابۂ کرام کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ اور اسی خندق کی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ خندق کہتے ہیں۔[3] رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا، جنت سلمان کے لئے ہمہ تن اشتیاق بنی ہوئی ہے۔[4] وہ بڑے صاحب علم تھے، صحابہ کرامؓ بھی ان کے علم و دین کے معترف تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے ان کی وفات کے قریب ان کے شاگردوں اور عزیزوں نے وصیت و نصیحت کی درخواست کی، انہوں نے جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ سلمان فارسیؓ صاحب علم ہیں ان سے علم حاصل کرنا۔[5]

صحابہ کرام کی ایک غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ "ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونوا امثالکم" نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگ دین کی خدمت میں کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بجائے دوسرے لوگوں سے دین کا کام لے لے گا جو تمہاری طرح غلطی و کوتاہی نہ کریں گے۔

صحابہؓ نے اس آیت کے نزول کے بعد فوراً ہی اپنی کوتاہی کی تو اصلاح کر لی، لیکن رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی دریافت کر لیا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہماری بجائے وہ ان سے دین کی خدمت لے لے گا اور پھر وہ ہماری جیسی کوتاہی بھی نہ کریں گے۔ آپ نے حضرت سلیمان فارسیؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اور ان کی قوم۔[6] حضرت سلمان فارسیؓ اپنے ملک ایران سے نکل کر کس طرح مدینہ طیبہ پہنچے تھے۔ یہ تو آپ نے پڑھ لیا پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایران کے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، اس لشکر کے امیر حضرت سلیمان فارسیؓ تھے۔ ان کے ساتھیوں نے حملہ کرنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا ابھی انتظار کرو میں ان کو اس طرح دین کی دعوت دیتا ہوں جیسے میں نے رسول اللہ

---

[1] کھجور کا درخت تو کئی سال میں پھل دیتا ہے۔ آپ کے لگائے ہوئے درختوں کا اسی سال پھل دینا بطور معجزہ تھا اسی لئے حضرت عمرؓ کے لگائے ہوئے پودے نے پھل نہیں دیئے۔ حضرت عمرؓ کے بجائے اگر کوئی دوسرے صحابی بھی درخت لگائے تب بھی نتیجہ یہی ہوتا۔ (زکریا)

[2] سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۵۱۱ و مجمع الزوائد فضل سلمان و شمائل ترمذی باب ماجاء فی خاتم النبوۃ۔

[3] فتح الباری شرح بخاری، باب غزوہ خندق۔ [4] جامع ترمذی باب مناقب سلمانؓ۔

[5] جامع ترمذی باب مناقب عبد اللہ بن سلام۔

[6] جامع ترمذی باب تفسیر سورۃ محمد ﷺ۔

ﷺ کو دعوت دین دیتے سنا ہے، اس کے بعد حضرت سلیمانؓ ان ایرانیوں کے قریب آکر فارسی زبان میں ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ ایران کے لوگو! میں تم ہی میں کا فارسی النسل ایک شخص ہوں، تم دیکھ رہے ہو یہ عرب میری اطاعت کر رہے ہیں۔ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے تو تم بالکل ہم لوگوں کے مساوی ہو جاؤ گے۔ تم کو وہ جملہ حقوق حاصل ہو جائیں گے جو ہم سب کو ہیں اور تمہاری ذمہ داریاں بھی وہی ہوں گی جو ہماری ہیں۔ اور اگر تم اسلام نہیں لاتے تو تم جانو لیکن تمہیں جزیہ دینا پڑے گا۔ جو ایک ذلت کی بات ہے اور اگر جزیہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے تو پھر قتال کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اہل فارس کسی بات کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ حضرت سلیمانؓ کے ساتھیوں نے اب حملہ کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا ابھی نہیں، تین دن تک اسی طرح دعوت دی جائے گی پھر حملہ کیا جائے گا۔ بالآخر تین دن تک دعوت دینے کے بعد حملہ ہوا اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ تشریف لا کر انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کرادی تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ ایک ایک مہاجر صحابی کو ایک ایک انصاری صحابی کا بھائی قرار دے دیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان فارسی کو جو مہاجر تھے حضرت ابو درداء انصاریؓ کا بھائی بنادیا تھا۔

ایک دن حضرت سلمانؓ حضرت ابو داؤدؓ کے یہاں ملاقات کے لئے آئے، ان کی اہلیہ ام درداء کو دیکھا کہ بہت ہی معمولی حال میں ہیں، زیب وزینت کی کوئی چیز بھی اختیار کئے ہوئے نہیں ہیں، انہوں نے معلوم کیا کہ تم نے اپنا یہ حال کیوں بنا رکھا ہے، انہوں نے جواب دیا تمہارے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں، کچھ دیر بعد ابو درداءؓ تشریف لے آئے۔ کھانے کا اہتمام کیا اور حضرت سلمانؓ سے کہا آپ کھائیے میرا روزہ ہے حضرت سلمانؓ نے کہا کہ میں تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔ اس پر حضرت ابو درداءؓ نے بھی کھانا کھالیا۔ جب رات آئی تو ابو درداءؓ نفل نماز پڑھنے چلے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا سو جائیے وہ سو گئے، کچھ دیر بعد وہ پھر نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا اب کھڑے ہو جائیے اور نماز پڑھئے۔ دونوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے حضرت ابو درداء سے فرمایا تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، ہر صاحب حق کو اس کا حق دینا چاہئے۔ حضرت ابو درداء نے رسول اللہ ﷺ سے آکر اس پورے واقعہ کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا، سلمان نے صحیح کہا۔ [2] یہ روایت تو صحیح بخاری کی تھی۔ ایک دوسری روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو درداء سے فرمایا "سلمان افقه منك" سلمان تم سے زیادہ فقیہ، یعنی زیادہ دینی سمجھ بوجھ اور واقفیت رکھنے والے ہیں۔ ایک بار آپ نے حضرت سلمان کے بارے میں فرمایا " سلمان منّا اهل البيت " سلمان تو ہمارے اہل بیت میں ہیں۔

کمال علم کے ساتھ زہد و تقویٰ میں بھی بڑا بلند مقام تھا، حضرت عمرؓ نے مدائن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور ۵ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا تھا۔ لیکن وہ سب راہ خدا میں خرچ کرتے اور خود اپنے ہاتھ کی کمائی سے

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی الدعوة قبل القتال۔

[2] صحیح بخاری باب من اقسم علی اخیه لیفطر الخ۔

کھاتے تھے۔ (1) صحابہ کرامؓ میں حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ اور بعض دیگر صحابہ کرام اور تابعین کی بھی ایک خاصی تعداد نے ان سے روایات نقل کی ہیں، ان کی روایات کی تعداد ساٹھ ہے۔ عمر بہت طویل پائی۔ بعض حضرات نے ۳۵۰ اور بعض نے ۲۵۰ سال ذکر (2) کی ہے۔ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مدائن میں وفات ہوئی وہیں قبر ہے۔ (3) رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔ (4) لیکن اپنی کنیت ابو موسیٰ کے ساتھ مشہور ہیں۔ اشعر علاقہ حجاز کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مدینہ سے ملک شام جاتے ہوئے راستہ میں یہ پہاڑ پڑتا ہے، اسی کے قریب قبیلۂ اشعر کا مسکن تھا۔ اس قبیلہ کے کچھ لوگ یمن چلے آئے تھے ان ہی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کے خاندان کے لوگ بھی تھے۔ یہ لوگ یمن ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ (5) صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے ہجرت مدینہ کا علم ہوا تو یمن سے سمندر کے راستہ پچاس سے زائد لوگوں کا قافلہ مدینہ طیبہ کے لئے نکلا۔ ان کی کشتی کو ہواؤں نے مدینہ کے قریب کسی ساحل پر پہنچانے کے بجائے ملک حبشہ پہنچادیا۔ وہاں ان کی ملاقات حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔ حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں کو وہیں اپنے پاس روک لیا پھر سب لوگ یعنی جو پہلے حبشہ ہجرت کر گئے اور وہیں مقیم تھے اور یہ نووار دین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کے ساتھی ایک ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے حبشہ سے روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے ہیں، اس وقت آپ غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے جاچکے تھے، یہ سب حضرات بھی خیبر ہی پہنچ گئے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی خیبر فتح ہو چکا تھا آپ ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں حبشہ سے آنے والوں کو بھی شریک فرمالیا۔ (6)

حضرت ابو موسیٰ اور ان کے ساتھی چونکہ حبشہ بھی پہنچ گئے تھے اور وہیں سے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ اس لئے بعض حضرات نے ان کو مہاجرین حبشہ میں شمار کیا ہے۔ صحیح بخاری کی مذکورہ روایت سے بھی اس کی کچھ تائید ہوتی ہے۔ اس لئے کہ روایت کے آخر میں یہ بھی تذکرہ ہے کہ حبشہ سے آنے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت جعفرؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ بھی تھیں۔ ان سے حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ ہم لوگ

---

(1) کتاب ذکر اہل اصبہان۔
(2) اصابہ ج ۳ ص ۱۱۳ و اسماء اصحاب الرواۃ لابن حزم۔
(3) کتاب ذکر اخبار اصبہان للحافظ ابی نعیم الاصبہانی۔ و اصابہ ج ۳ ص ۱۱۳۔
(4) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۔
(5) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۸۰۲ و معجم البلدان ج ۱ ص ۱۹۸۔
(6) صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۰۸۔

ہجرت کی فضیلت میں تم سے مقدم اور رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہیں۔ حضرت اسماء نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور آپ ﷺ سے اس کی شکایت بھی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمرؓ اور ان کی ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور تم لوگوں کی دو ہجرتیں ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اور ان کے ساتھی حضرت اسماء سے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو بار بار سنا کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خود کو بھی اصحاب الہجرتین میں شمار کرتے تھے۔ اس سفر میں ان کے ساتھ ان کے دو بھائی ابو بردہؓ اور ابو رہمؓ بھی تھے، ان کا ذکر تو بخاری کی مذکورہ روایت میں بھی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کی والدہ طیبہ بنت وہبؓ بھی صحابیہ ہیں۔ [1] بظاہر وہ بھی اسی سفر میں ساتھ آئی ہوں گی۔

فضائل

رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ اشعر کے لوگوں کی باہمی محبت اور ایثار و قربانی کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قبیلہ اشعر کے لوگوں کا مدینہ میں یا سفر میں کھانا کم پڑ جاتا ہے تو سب لوگ اپنا کھانا یکجا جمع کر لیتے اور پھر برابر باہم تقسیم کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا فھم منی وانا منھم وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ [2] یہ پورا خاندان بہت ہی خوش الحان تھا، سب لوگ قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ "انی لاعرف اصوات رفقة الاشعریین بالقرآن حین یدخلون باللیل واعرف منازلھم من اصواتھم بالقرآن باللیل و ان کنت لم ار منازلھم حین نزلوا بالنھار" [3] قبیلۂ اشعر کے لوگ جب رات کو اپنے گھروں میں تلاوت قرآن کرتے ہیں تو میں ان کی آواز پہچان لیتا ہوں اور اسی آواز سے ان کے مکانات کو بھی جان جاتا ہوں، خواہ میں نے ان کو دن میں ان گھروں میں آتے جاتے نہیں دیکھا ہو۔ اس قبیلہ کی تلاوت اور قرأت قرآن کی تعریف میں آپ نے فرمایا۔ اشعرون فی الناس کصرۃ فیھا مسک۔ [4] یعنی قبیلہ اشعر کے لوگوں کی مثال ایک مشک بھری ہوئی تھیلی کی ہے جس کی خوشبو ہر سو پھیلتی رہتی ہے۔ خاص طور پر حضرت ابو موسیٰؓ کی تلاوت و قرأت قرآن کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ "لقد اوتی مزماراً من مزا میر آل داؤد" اللہ نے ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے خاندان کے لوگوں کی طرح حسن صورت اور خوش الحانی عطا فرمائی ہے۔ [5]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ اللّٰھم اغفر لعبد اللہ بن قیس ذنبه وادخله یوم القیامة مدخلاً کریماً اے اللہ عبد اللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دیجئے اور قیامت کے دن (جنت میں) اکرام کے ساتھ داخل فرما دیجئے۔ [6]

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۔ 2. صحیح مسلم باب فضائل الاشعریین۔
3. صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر و صحیح مسلم باب فضائل الاشعریین۔
4. طبقات ابن سعد ص ۳۴۸۔
5. جامع ترمذی مناقب ابی موسیٰؓ و تذکرۃ الحفاظ ج ص ۳۲۱۔
6. صحیح مسلم فضائل ابی موسیٰؓ۔

حضرت عمر فاروقؓ بھی ان کی تلاوت قرآن کی بہت تعریف فرماتے اور کہتے کہ ان کی تلاوت سے اللہ کی یاد اور اس کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ان کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو اہل فتویٰ سمجھے جاتے ہیں۔ مشہور تابعی حضرت عامر شعبیؒ فرماتے ہیں چھ(۶) صحابہ کرامؓ علم کا منتہی ہیں ان میں حضرت ابو موسیٰؓ بھی ہیں۔ امام بخاریؒ اور علی بن مدینیؒ نے بھی ان کا شمار اصحاب القضاء والفتویٰ صحابہ کرام میں کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی وہ یمن ہی میں رہے۔ حضرت عمرؓ نے بصرہ کا حاکم بنایا پھر چار سال تک بصرہ کے گورنر رہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میرا کوئی حاکم ایک سال سے زیادہ کسی جگہ نہیں رہا۔ البتہ ابو موسیٰؓ چار سال بصرہ میں بحیثیت گورنر رہے۔

اہل بصرہ ان سے بہت خوش تھے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ بصرہ میں کوئی حاکم بھی اہل بصرہ کے لئے ان سے بہتر نہیں آیا۔ [1] بصرہ کے قیام کے زمانہ میں بڑی بڑی فتوحات ان کے ذریعہ ہوئی ہیں۔ اصبہان، اور اہواز وغیرہ کے علاقہ انہیں کی سرکردگی میں فتح کئے گئے تھے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ مسئلہ تحکیم میں حضرت علیؓ کی طرف سے آپ ہی حکم بنائے گئے تھے۔

وفات

ذی الحجہ ۴۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ [2] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے میزبان حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا نام خالد بن زید ہے۔ مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان لانے میں سابقین اولین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ واقعہ ہجرت سے کافی پہلے مدینہ طیبہ سے مکہ معظّمہ جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیعت عقبۂ ثانیہ میں شرکت فرمائی اور ایمان لائے۔ انہوں نے اور ان کے ساتھ مدینہ طیبہ کے کچھ صحابۂ کرامؓ نے ہر طرح کی ذمہ داری لے کر آپ کو مدینہ طیبہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔ پھر ہجرت رسول اللہ ﷺ کے بعد کے جملہ غزوات میں شریک رہے ہیں اور ہر طرح ساتھ نبھایا ہے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں، اس وقت مدینہ میں خاصی تعداد میں لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ کی تشریف آوری پر مدینہ کے سر بر آوردہ حضرات نے مدینہ سے باہر ہی قبا جا کر آپ ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ مدینہ تشریف لانے پر ہر شخص کی خواہش اور درخواست یہ تھی کہ آپ اسے شرف میزبانی سے نوازیں اور اسی کے گھر پر قیام فرمائیں۔ اس درخواست کو لے کر وہ لوگ بار بار آپ کی اونٹنی۔ (جس پر سوار ہو کر آپ تشریف لائے تھے۔) کے سامنے آتے اور اس کی مہار پکڑنا چاہتے، آپ فرما

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۔

[2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۵۳

[3] اصابہ ج ۲ ص ۸۹ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۰۵۔

دیتے "دعوها فانها مامورة" اس کو نہ روکو یہ من جانب اللہ مامور ہے۔ جہاں رکنے کے لئے اس کو اللہ کا حکم ہوگا یہ وہیں رکے گی او نٹنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی اور یہ دولت بے بہا ابوایوبؓ کی قسمت میں آئی۔ ان کا مکان دو منزلہ تھا، انہوں نے نیچے کا پورا حصہ آپ کے لئے خالی کر دیا اور خود بالائی حصہ پر چلے گئے۔ لیکن جانے کے بعد خیال آیا کہ ہم اوپر کے حصہ میں ہیں اور رسول اللہ ﷺ نیچے کے حصہ میں یہ تو بڑی بے حرمتی کی بات ہے وہ رات تو کسی طرح اوپر کی منزل کے ایک کونے میں کاٹ لی، لیکن صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اس خیال کو عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہماری اور ہمارے پاس آمد و رفت رکھنے والوں کی سہولت اسی میں ہے کہ ہم نیچے کے مکان میں رہیں۔ اس لئے یہی نظم باقی رہا۔ لیکن ایک رات ایسا ہوا کہ اوپر کی منزل میں جہاں حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ رہتے تھے۔ پانی کا ایک گھڑا ٹوٹ گیا اور پانی فرش پر بہہ پڑا۔ اس خیال سے کہ اب پانی نیچے کی منزل میں جہاں آپ قیام فرما ہیں ٹپکے گا۔ انہوں نے فوراً اپنے لحاف میں پانی جذب کر لیا اور پوری رات دونوں میاں بیوی سردی کی وجہ سے سو نہ سکے۔ اس لئے کہ اس لحاف کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور چیز رات کو اوڑھنے کی نہ تھی۔ جب یہ واقعہ آپ کے علم میں آیا تو آپ ﷺ نے اپنا قیام اوپر کی منزل میں کر لیا، جب تک آپ کے اہل خانہ کے لئے مکان کا انتظام نہیں ہوا آپ کے قیام و طعام کی سعادت حضرت ابوایوب انصاریؓ کے نصیب میں ہی رہی۔[1]

فضائل

حضرت ابوایوبؓ سابقین اولین میں بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت دینے اور پھر تشریف آوری پر حتی الامکان آپ کی خدمت اور راحت رسانی کی فکر کرنے والے صحابی ہیں۔ آپ جب تک ان کے یہاں قیام فرما رہے کھانا پکا کر پہلے سب آپ کی خدمت میں بھیج دیا جاتا، جو وہاں سے بچ کر آجاتا میاں بیوی دونوں کھا لیتے، بلکہ حضرت ابوایوبؓ تو اسی جگہ سے کھاتے جہاں سے آپ نے نوش فرمایا ہوتا اور جہاں آپ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے۔[2] آپ کی حیات طیبہ میں جملہ غزوات میں شریک رہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی مسلسل غزوات میں شرکت فرماتے رہے ہیں۔ ۵۲ھ میں غزوہ قسطنطنیہ کے لئے جانے والے لشکر میں شامل تھے۔ راستے ہی میں مریض ہوگئے اور بچنے کی امید نہ رہی لشکر کے امیر یزید بن معاویہؓ عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کوئی خواہش ہو تو ارشاد فرمائیں، انہوں نے فرمایا میرے انتقال کے بعد بھی میرے جنازے کو جہاں تک دشمن کی سر زمین میں لے جا سکو، لے جانا اور وہاں جا کر دفن کرنا۔ انتقال کے بعد ان کی خواہش کی تکمیل کی گئی اور ان کو قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے قریب لے جا کر دفن کیا گیا۔[3]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۰۵ و اصابہ ج ۲ ص ۸۹، ۹۰ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۰

[2] صحیح مسلم باب اباحة کل الثوم، جامع ترمذی باب فی الرخصة فی اکل الثوم مطبوخاً و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۰۔

[3] سیر اعلام النبلاء و اصابہ ج ۲ ص ۹۰۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت اور تعلق اور آپ کی اتباع کا بہت خیال رکھتے تھے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک بار حسب معمول ان کے یہاں سے کھانا پکا کر آپ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ کچھ دیر بعد جب کھانے کے برتن واپس آئے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تو کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ گھبرا گئے اور فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کھانا نوش نہ فرمانے کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں لہسن ہے۔ انہوں نے عرض کیا، کیا لہسن حرام ہے، آپ نے فرمایا حرام تو نہیں ہے لیکن بدبو کی وجہ سے مجھے پسند نہیں ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے عرض کیا جو آپ کو ناپسند وہ مجھے بھی ناپسند [1] اور ہمیشہ کے لئے لہسن کھانا چھوڑ دیا۔

ان کی دینی حمیت اور اتباع سنت کا ایک واقعہ اور پڑھ لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ والد صاحب نے میرے ولیمہ کی دعوت میں جن صحابہ کرامؓ کو مدعو کیا تھا ان میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، بھی تھے۔ وہ جب تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ میرے مکان کی دیواروں پر کپڑے کے پردے لٹکے ہوئے ہیں، جنہیں دیکھ کر حضرت ابو ایوبؓ نے بہت سخت ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا دیواروں کو کپڑے پہناتے ہو۔ والد صاحب کو ان کے فرمانے پر بڑی خفت ہوئی اور کہا عورتیں غالب آ گئیں اس پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا: "من خشیت ان تغلبه النساء فلم اخش ان یغلبنك لا ادخل لكم بیتا ولا آكل لكم طعاما۔" [2] مجھے ہر شخص کے بارے میں یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ عورتیں اس پر غالب آ سکتی ہیں، لیکن تمہارے بارے میں عورتوں کے غلبہ کا خطرہ بالکل نہ تھا۔ میں نہ تمہارے گھر میں قدم رکھوں گا اور نہ تمہارا کھانا کھاؤں گا اور بغیر کھانا کھائے ہی واپس چلے گئے۔

صحابہ کرامؓ آپ کے بعد بھی ان کے میزبان رسول اللہ ﷺ ہونے کا بڑا خیال کرتے اور اس وجہ سے ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بصرہ میں قیام فرما تھے ان کے یہاں حضرت ابو ایوب انصاریؓ تشریف لائے، ابن عباسؓ نے اپنا پورا مکان مع ساز و سامان قیام کے لئے ان حوالہ کر دیا اور بڑی مقدار میں ہدایا اور عطیات پیش خدمت کئے بالکل اسی طرح کا معاملہ حضرت علیؓ نے بھی ان کے ساتھ کیا تھا۔ [3]

ان سے احادیث کی روایت کرنے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت براء بن عازبؓ حضرت زید بن خالدؓ، حضرت مقدام بن معدی کربؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ و حضرت انس بن مالکؓ جیسے صحابہ کرام ہیں۔ تابعین کی بھی بڑی تعداد نے ان سے احادیث نقل کی ہیں۔

---

1. صحیح مسلم باب اباحة اكل الثوم۔
2. صحیح بخاری باب هل یرجع اذا رای منکر فی الدعوة۔ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۰۹۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۱۰۔

وفات

جیسا کہ اوپر گذرا ۵۲ھ میں غزوہ قسطنطنیہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔[1]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

حضرت عمار بن یاسرؓ کے والد یاسرؓ اصلاً یمن کے رہنے والے ہیں، مکہ معظمہ آکر بس گئے تھے اور وہاں قبیلۂ بنو مخزوم کے ایک شخص ابو حذیفہ سے حلف کرلی تھی (زمانۂ جاہلیت میں حلف دو شخصوں یا دو قبیلوں کے درمیان باہمی نصرت وحمایت کا معاہدہ ہوتا تھا) ابو حذیفہ نے ان کی شادی اپنی باندی سمیہؓ سے کردی تھی۔ انہیں دونوں کے بیٹے حضرت عمارؓ ہیں۔ یہ تینوں یعنی حضرت عمار اور ان کے والدین بالکل ابتدائی زمانہ میں اسلام لانے والے اور دین کی خاطر مشرکین مکہ کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم وستم برداشت کرنے کے باوجود اپنے ایمان پر قائم رہنے والے صحابہ کرام میں ہیں۔[2] مکہ میں سخت گرمی کے زمانہ میں تپتی ہوئی چٹانوں پر باندھ کر ڈال دیئے جاتے تھے اور ایذارسانی کی ہر ممکن صورت ان پر آزمائی جاتی تھی، ایسے ہی ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کا گذر ان حضرات پر ہوا تو فرمایا۔ "صبراً يا آل ياسر موعد كم الجنة" یاسر کے گھر والو صبر کرو، تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔

ان کی والدہ حضرت سمیہؓ کو جو بہت ہی کمزور اور بوڑھی عورت تھیں، ابو جہل نے نیزہ مار کر شہید کردیا تھا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان ہی کی ہے۔[3] ان کے والد یاسر بھی ان تکلیفوں اور اذیتوں کی وجہ سے مکہ ہی میں وفات پاگئے تھے۔[4] تین افراد پر مشتمل اس خاندان میں صرف حضرت عمار ہی باقی بچے تھے۔ مشرکین مکہ انہیں بھی کسی طرح معاف کرنے کو تیار نہ تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے انہیں اور حضرت بلالؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا۔[5]

فضائل

جیسا کہ ابھی گزرا وہ اور ان کے والدین سابقین اولین میں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اولین ایمان لانے والے سات صحابہ کرام میں حضرت عمارؓ اور ان کے والد حضرت یاسرؓ کو شمار کیا ہے[6] اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مژدہ سنایا ہے یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر اور اس کے بعد بھی جملہ غزوات میں شریک رہے ہیں۔[7] حضرت عمارؓ بڑے صاحب فضیلت صحابی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ "ماخير عمار بين

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۱۰۔
[2] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۰۷، اصابہ ج ۱۰ ص ۲۳۲، ج ۴ ص ۲۷۳، ج ۸ ص ۱۱۳
[3] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ بحوالہ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ۔
[4] اصابہ ج ٦ ص ۳۳۳ و فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۔
[5] صحیح بخاری باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینۃ۔
[6] اصابہ ج ۴ ص ۴۷۲ بحوالہ ابن ماجہ۔
[7] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۱۔

امرین الا اختار ارشدھما"[1] یعنی ان کے مزاج میں اتنی سلامتی ہے اور اللہ نے ان کی، شیطان اور اس کے وساوس سے ایسی حفاظت فرمائی ہے کہ وہ کبھی غلط فیصلہ نہیں کرتے اور جب بھی ان کو کن ہی دو ۲ کاموں یا دو ۲ باتوں میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں جو برحق ہوتا ہے۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کے شیطان سے محفوظ و مامون ہونے کا اعلان بزبان نبوت فرمایا ہے۔[2] یعنی حضرت ابو درداءؓ کے علم میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی ایسی حدیث ہے جس میں آپ نے حضرت عمارؓ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کو شیطان اور اس کے وساوس سے محفوظ رکھا ہے۔

ان سے رسول اللہ ﷺ کو بڑی محبت تھی، ان کی حاضری اور ملاقات سے آپ ﷺ بہت خوش ہوتے، ایک بار در دولت پر حاضر ہوئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ائذنوا لہ' مرحباً بالطیب المطیب۔[3] بلالو ان کو اور فرمایا خوش آمدید اس شخص کو جو ہر طرح پاک وصاف ہے۔

ان کے فضائل میں امام ترمذیؒ نے حضرت حذیفہؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے بعد حضرت عمارؓ کی سیرت و کردار کو اختیار کرنے کا حکم دیا اور اسے اسوہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔"کنا جلوساً عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا ادری ما قدر بقاء فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی و اشار الیٰ ابی بکروعمر و اھتدوا بھدی عمار و ما حدثکم ابن مسعود فصد قوہ۔"[4] ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے نہیں معلوم کہ میں کتنے دن تم لوگوں کے درمیان رہتا ہوں، لہذا میرے بعد ان دونوں یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرنا، اور عمار کی سیرت کو اپنانا اور جو بات عبداللہ بن مسعودؓ بیان کریں اس کو مان لینا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان واھتدوا بھدی عمار میں حضرت عمارؓ کی سیرت و کردار کی بلندی اور پاکیزگی کی کیسی شہادت اور کتنا واضح اعلان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اعلیٰ درجہ کا مومن اور کامل الایمان قرار دیا۔ ارشاد فرماتے ہیں ان عماراً ملئی ایمانا الی مشاشہ۔[5] عمار اپنی ہڈیوں کے سروں اور جوڑوں تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔ مشاش کا لفظ عربی زبان میں ہڈی کے سرے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان ان کے رگ وپے میں اور جوڑ جوڑ میں سرایت کر گیا ہے اور یہ تعبیر ہے ان کے اعلیٰ درجے کے مومن اور کامل الایمان ہونے کی۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں ان کا ایک کان کٹ گیا تھا، عمار بن یاسرؓ اس کے کٹنے پر خوشی بلکہ فخر کا اظہار کرتے اور فرماتے تھے۔ جو کان کٹ گیا وہ زیادہ بہتر تھا اس کان سے جو بچ گیا۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے راستہ میں کام آگیا۔ حضرت علیؓ حضرت عمارؓ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد دم عمار ولحمہ' حرام علی النار ان تطعمہ'[6] نقل کیا ہے، یعنی جہنم کی آگ کے لئے حرام ہے کہ وہ عمارؓ کے خون اور گوشت کو کھائے۔

---

[1] جامع ترمذی فی المناقب۔ [2] صحیح بخاری فی المناقب۔ [3] جامع ترمذی فی المناقب۔
[4] جامع ترمذی فی المناقب [5] ایضاً [6] فتح الباری ج ۷ ص ۹۱ و اصابہ۔

شہادت

حضرت عمرؓ نے حاکم بنا کر کوفہ بھیج دیا تھا، عرصہ تک وہاں رہے پھر جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک ہوئے اور ۷۸ھ میں بعمر ۹۳ سال جنگ صفین ہی میں شہید ہوئے ہیں۔(رضی اللہ عنہ و ارضاہ)[1]

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

حضرت صہیب رومیؓ اصلاً عرب ہیں، بچپن میں رومی پکڑ کر لے گئے تھے اور غلام بنالیا تھا، وہیں پلے بڑھے ہیں اسی لئے رومی کہلاتے ہیں۔ بڑے ہونے پر یا تو خود بھاگ آئے اور مکہ آکر عبداللہ بن جدعان سے موالات کرلی، یا کسی نے روم سے خرید کر مکہ میں لاکر بیچ دیا اور عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ دونوں قول ذکر کئے جاتے ہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ سے قبل بعثت ہی سے تعلق تھا، فرماتے ہیں۔"صحبت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قبل ان یوحیٰ الیہ"[3] پھر اسلام لانے میں بھی سبقت کرنے والے لوگوں میں ہیں، حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان قبول کرلیا۔ آپ کی ہجرت کے مع بعد مدینہ طیبہ ہجرت کی ہے ان کی ہجرت کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے وہ مکہ سے بارادہ ہجرت نکلے ہی تھ کہ مکہ کے مشرکین کو علم ہوگیا، انہوں نے راستہ ہی میں روک لیا، حضرت صہیبؓ نے فرمایا تم مجھے جانتے ہ میں بہتر تیر انداز ہوں، جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر باقی رہے گا تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہو پھر میرے پاس میری تلوار بھی ہے جو تمہارے سروں کو تمہارے جسموں سے جدا کر دے گی، ان لوگو نے کہا ہمیں تمہارے جانے پر زیادہ اعتراض نہیں لیکن تم جو مال لے جارہے ہو یہ مال تو مکہ کا ہے، تم جب مک آئے تھے تو بالکل غریب تھے اور اب مالدار ہوگئے ہو، حضرت صہیبؓ نے فرمایا یہ بتلاؤ کہ اگر میں اپنا مال تمہیں دے دو تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے۔ انہوں نے کہا بے شک، اس کے بعد حضرت صہیبؓ نے مک میں موجود اپنے مال کا پتہ بتلا دیا کہ فلاں فلاں کے پاس میرا مال ہے اور میرے گھر میں فلاں جگہ سونا دفن ہے۔ اس پر ان لوگوں نے حضرت صہیبؓ کو مدینہ طیبہ جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت صہیبؓ جب مدینہ پہنچے ہیں اس وقت تک رسول اللہ ﷺ قباء ہی میں تھے جو اس وقت مدینہ طیبہ کی ایک مضافاتی بستی تھی، ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کے بارے میں آیت۔" ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ واللّٰہ رؤف بالعباد" (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۰۷) نازل ہو چکی تھی۔ ترجمہ:۔ اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے جو اپنی جان کو اللہ کی رضاجوئی کے لئے بیچتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت

---

1. فتح الباری ج ۷ ص ۹۱ و اصابہ۔
2. اصابہ ج ۳ ص ۲۵۴ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۸ و خلاصۃ التذہیب ص ۱۷۵۔
3. مجمع الزوائد باب فضل صہیب بحوالہ طبرانی۔

مہربان ہے۔

آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ ربح البیع، ربح البیع، ربح البیع، تمہاری تجارت نفع مند رہی، یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا۔ ❶

فضائل

حضرت صہیبؓ جیسا کہ ابھی اوپر گزرا بالکل ابتداء ہی میں اسلام لانے والے اصحابہ کرامؓ میں ہیں، چونکہ مکہ میں ان کا کوئی عزیز اور حامی و ناصر نہ تھا، اس لئے مشرکین مکہ نے ایمان لانے پر ان کو سخت ترین سزائیں دیں۔ مارنا پیٹنا، ہاتھ پاؤں باندھ کر سخت گرمی کے دنوں میں تپتی ہوئی چٹانوں پر دھوپ میں ڈال دینا یہ تو روز مرہ کا معمول تھا۔

ان کے بارے میں اوپر ذکر کی گئی آیت کریمہ ۔"ومن الناس من یشری نفسہٗ ...الایۃ." تو نازل ہوئی ہی اسے کے علاوہ آیت کریمہ والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبو ئنھم فی الدنیا حسنۃً ولا جر الا خرۃ اکبر لو کانوا یعلمون الذین صبرو وعلیٰ ربھم یتو کلون(سورۃ النحل نمبر ۴۱) کا مصداق بھی وہ اور ان جیسے صحابہ کرام ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے ظلم و ستم کے بعد اللہ کے واسطے ہجرت کی۔ ان کو ہم دنیا میں یقیناً بہترین ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر و ثواب تو بہت ہی بڑا ہے، اگر ان کو معلوم ہوتا۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔ ❷ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا صہیب سابق الروم الی الجنۃ۔ ❸ اہل روم میں صہیب سب سے پہلے جنت میں جانے والے شخص ہیں۔

وہ آپ کے ہجرت فرمانے کے فوراً بعد ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ جملہ غزوات میں شریک رہے۔ اگر آپ ﷺ نے کبھی کوئی لشکر روانہ فرمایا ہے جس میں دینی مصالح کی بنا پر آپ خود تشریف نہیں لے جاسکے ہیں تب بھی صہیبؓ اس میں شریک ہوئے ہیں۔ آپ نے جب بھی صحابہ کرامؓ سے کسی بات پر عہد و پیمان اور بیعت لی، حضرت صہیبؓ اس عہد و پیمان اور بیعت میں بھی شریک رہے، وہ بڑے بہادر اور جانباز تھے، ہر خطرہ کے وقت وہ سب سے آگے رہتے، کسی موقع پر بھی دشمن کے مقابلہ میں وہ پیچھے نہیں رہے ہیں۔ ❹

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ کے متعلق یہ خیال ہوا کہ شاید انہوں نے صہیبؓ کو کچھ تکلیف پہنچادی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا" لعلك آذیتہ فقال لا واللّٰہ فقال لو آذیتہ لاذیت اللّٰہ ورسولہ۔" کیا تم نے صہیب کو ایذا پہنچائی، انہوں نے عرض کیا واللہ، ایسا نہیں ہے۔ آپ نے

---

❶ اصابہ ج ۳ ص ۲۵۴ و سیر أعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳ و تفسیر معارف القرآن و تفسیر عثمانی۔
❷ اصابہ ج ۲ ص ۲۵۵۔ ❸ الزوائد باب فضل صہیبؓ۔
❹ مجمع الزوائد باب فضل صہیبؓ۔

فرمایا، اگر تم نے ان کو تکلیف پہنچائی تو سمجھ لو کہ تم نے اللہ اور اسکے رسول کو تکلیف پہنچائی۔ [1]

ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "من کان یومن باللہ والیوم الا خر فلیحب صہیباً حب الوالدۃ لو لدھا." [2] یعنی اہل ایمان کو چاہئے کہ صہیبؓ سے ایسی محبت کریں جیسی ماں اپنے بیٹے سے کرتی ہیں۔

صحابۂ کرام کی نظر میں بھی ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زخمی ہونے کے بعد فرمایا، جب تک خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے مسجد نبوی ﷺ میں امامت صہیبؓ کریں گے اور میری نماز جنازہ بھی صہیبؓ ہی پڑھائیں گے۔ [3] اور پھر ایسا ہی ہوا۔

وفات

سن وفات ۳۸ھ یا ۳۹ھ ذکر کیا جاتا ہے، وفات کے وقت بہت سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ [4] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

نام شریف جندب بن جنادہ ہے۔ لیکن اپنی کنیت ابوذر کے ساتھ ہی مشہور ہیں ان کا قبیلہ "غفار" مکہ سے ملک شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی مزاج میں سلامتی تھی۔ توحید کے قائل تھے اور صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن صامتؓ نے اس بارے میں ان ہی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے تین سال پہلے ہی سے نماز پڑھتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا، آپ کس کے لئے نماز پڑھتے تھے، فرمایا اللہ کے لئے، میں نے پوچھا کدھر کو رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، کہا جدھر میرا رب میرا رخ کر دیتا تھا ادھر ہی کو متوجہ ہو کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔ رات کے اولین حصہ میں نماز شروع کرتا اور جب وقت آخر شب ہوتا تو اللہ کے حضور سجدہ میں پڑ جاتا، سورج نکلنے تک ایسے ہی پڑا رہتا۔ [5]

ان کے ایمان لانے کا ایک واقعہ صحیحین کی ایک روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو انہوں نے تحقیق حال کے لئے اپنے بھائی حضرت اُنیسؓ کو مکہ بھیجا انہوں نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتلایا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسا کلام سناتے ہیں، جو شعر

---

1. صحیح مسلم باب فضائل بلال و سلمان و صہیب و مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی واللفظ لہ۔
2. سیر اعلام النبلاء و قال المصنف ذکر ابن حبان ھذا الحدیث فی کتابہ الثقات۔
3. اصابہ ج ۳ ص ۲۵۵، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۵، و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۸۔
4. اصابہ ج ۳ ص ۲۵۵۔
5. صحیح بخاری باب اسلام ابی ذرؓ۔ و صحیح مسلم فی المناقب۔

تو بہر حال نہیں ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو بھائی کی بات سے پورا اطمینان نہیں ہوا، مختصر سا سامان سفر لیا اور مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مکہ پہنچ کر حرم شریف میں جاکر ٹھہر گئے اور رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے لگے۔ نہ خود پہچانتے تھے، نہ کسی سے دریافت کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ اسی حال میں رات ہو گئی۔ حضرت علیؓ پردیسی خیال کر کے اپنے گھر لے گئے۔ قیام وطعام کے علاوہ کوئی گفتگو دونوں میں نہیں ہوئی۔ رات وہیں گزاری اور صبح کو اپنا سامان لے کر پھر حرم شریف آگئے، دن بھر وہیں رہے، دوسری رات کو بھی حضرت علیؓ یہ خیال کر کے کہ پردیسی ہیں ابھی اپنی منزل تک نہیں پہنچے، اپنے گھر لے گئے۔ آج بھی دونوں میں مطلب کی کوئی بات نہیں ہوئی اور حضرت ابوذرؓ صبح کو پھر حرم شریف آگئے تیسرے دن بھی جب حضرت علیؓ نے ان کو حرم میں ہی دیکھا تو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے حاضری کا مقصد معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ اس بات کا عہد و پیمان کریں کہ مجھے صحیح بات بتلائیں گے تو میں اپنی آمد کی غرض بتلاؤں۔ جب حضرت علیؓ نے وعدہ کر لیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا وہ بالکل برحق ہیں اور بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں، آپ رات کو میرے ساتھ رہئے میں صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلوں گا اور دیکھئے اگر میں راستہ میں آپ کے لئے کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو پیشاب کرنے کے بہانے رک جاؤں گا (آپ چلتے رہئے گا) صبح کو دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی باتیں سن کر حضرت ابوذرؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اس وقت تو اپنے گھر چلے جاؤ اور وہاں دین کی دعوت کا کام کرو اور جب ہمارے غلبہ کا علم ہو جائے چلے آنا۔ انہوں نے کہا میں خاموشی سے گھر واپس نہیں جاؤں گا، علی الاعلان مشرکین مکہ کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار کروں گا اور پھر حرم شریف آکر قریش کے لوگوں کے سامنے بآواز بلند اشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله کا اعلان کر دیا یہ نعرہ ایمانی سن کر لوگ چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے برا حال کر دیا، پورا جسم لہولہان ہو گیا، حضرت عباسؓ کو اس کا علم ہوا آئے اور ان کو بچایا۔ ابوذر نے دوسرے دن بھی اشهد ان لا اله الخ کا نعرہ بلند کیا اور آج بھی وہی سب کچھ ہوا جو کل ہوا تھا۔ [1] طبرانی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان کو اس اعلان سے بار بار منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ مجھے تمہارے قتل کر دیئے جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن ہر بار وہ جواب میں یہی عرض کرتے تھے "انه لا بد منه وان قتلت" یہ تو میرے لئے ناگزیر ہے خواہ قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاؤں، صحیح مسلم وغیرہ کی روایات میں مزید یہ بھی ہے کہ وہ جب مکہ سے اپنی والدہ اور بھائی کے پاس واپس پہنچے تو وہ لوگ بھی ان کے ایمان لانے پر ایمان لے آئے۔ [2] اس وقت تک صرف تین چار حضرات ہی ایمان لائے تھے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہو کر اپنے قبیلہ آئے اور آپ کے حکم کے مطابق وہاں دعوت دین کا کام

---

1. صحیح بخاری باب اسلام ابی ذرؓ۔ و صحیح مسلم فی المناقب۔
2. صحیح مسلم باب من فضائل ابی ذرؓ و مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۶ و اصابہ ج ۷ ص ۶۲ و مجمع الزوائد۔

شروع کر دیا۔ بہت ہی کم عرصہ میں قبیلۂ غفار اور اس سے متصل قبیلہ اسلم کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قبیلوں کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ کبھی آپ نے فرمایا غفار غفر اللہ لھا واسلم سالمھا اللہ۔ اللہ قبیلۂ غفار کی مغفرت فرمائے اور قبیلہ اسلم کو سلامت رکھے۔ کبھی آپ نے فرمایا یہ دونوں قبیلے اللہ کے مولیٰ ہیں اور ان کا اللہ ورسول کے علاوہ اور کوئی مولیٰ نہیں ہے (عربی زبان میں مولیٰ کا لفظ حامی ناصر اور انتہائی قریبی شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔ حدیث کی کتابوں میں ان دونوں قبیلوں کی مدح وستائش کی روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد وہ فوراً مدینہ حاضر نہ ہو سکے تھے بلکہ غزوۂ احد کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر مستقل آپ کی خدمت وصحبت ہی میں رہے۔[2]

فضائل

حضرت ابوذر کا شمار سابقین اولین اکابر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے، وہ اگرچہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، لیکن حضرت عمرؓ ان کے فضل وکمال کی وجہ سے انہیں بدری صحابہ کرام ہی کی صف میں شمار کرتے تھے ۔ان کے نزدیک علم وفضل میں حضرت ابوذرؓ کا درجہ اور مقام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسا تھا۔ حضرت علیؓ بھی ان کو علم کا خزانہ کہتے تھے۔[3] غزوۂ تبوک میں اونٹ کے بیماریاں کمزور ہو جانے کی وجہ سے عام لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لئے اونت کو چھوڑا، سامان کمر پر لادا اور پیدل چل دیئے۔ آپ نے دیکھا تو دعا فرمائی" یرحم اللہ ابا ذر" اللہ ابوذر پر رحم فرمائے، پھر فرمایا تنہا زندگی گزارتے ہیں موت بھی تنہائی میں آئے گی اور روز محشر بھی سب سے الگ اٹھیں گے۔[4]

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا۔"ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لھجة اصدق ولا اوفیٰ من ابی ذر شبه عیسیٰ بن مریم"[5] آسمان کے زیر سایہ اور روئے زمین پر کوئی شخص ابوذرؓ سے زیادہ سچا اور بات کا پکا نہیں ہے۔ وہ (اپنے زہد اور دنیا سے بے رغبتی میں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ابو ذر یمشی فی الارض بذھد عیسیٰ بن مریم۔[6] ابوذرؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کے حامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابوذرؓ جس طرح زاہدانہ زندگی گذارتے تھے، آپ کے بعد بھی ویسی ہی زندگی گزارتے رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں کی تھی اور آپ کا ارشاد ہے۔"اقربکم من مجلسا یوم القیامة من خرج من الدنیا کھیئة یوم ترکتھافیھا" قیامت میں سب سے زیادہ میرے قریب مقام اس شخص کو نصیب ہوگا

---

1. صحیح مسلم باب فضائل غفار واسلم وجامع ترمذی باب فی غفار واسلم۔
2. اصابہ ج ۷ ص ۶۲۔
3. ، 4. اصابہ ج ۷ ص ۶۲،۔
5. جامع ترمذی مناقب ابی ذر۔
6. جامع ترمذی باب مناقب ابی ذر و مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی و مسند احمد۔

جو دنیا سے اسی حالت میں رخصت ہوا، جس حالت میں میں اس کو چھوڑ کر آیا تھا۔ [1] آپؐ نے ان کو اپنے انتہائی خاص صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ ایک بار آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو چودہ مخصوص اور فاضل رفقاء عطا فرمائے ہیں پھر آپؐ نے ان چودہ رفقاء خاص کے اسمائے گرامی بھی ذکر فرمائے جن میں حضرت ابوذرؓ کا نام بھی شامل ہے۔ [2]

وفات

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں اپنے زاہدانہ مزاج کی وجہ سے مدینہ سے باہر مقام ربذہ میں آکر رہنے لگے تھے۔ اہلیہ کے علاوہ غالباً اور کوئی ساتھ نہ تھا، وہیں وقت موعود آپہنچا، مسلمانوں کی ایک جماعت جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے وہاں سے گذری، انہیں حضرات نے تجہیز و تکفین کی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ [3] رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

ایک انتہائی حسین و جمیل خوبرو نوجوان جس کی عمر ابھی بیس سال بھی نہ تھی بیعت عقبہ ثانیہ یا ثالثہ کے موقع پر مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر اسلام پر جینے اور مرنے اور مرتے دم تک اسلام کی خدمت و حمایت کی بیعت کر رہا تھا۔ اسے ایمان کی دولت حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ذریعہ نصیب ہوئی تھی، جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مدینہ طیبہ کے لوگوں کو دین کی دعوت اور قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا اس نوجوان کا نام معاذ بن جبلؓ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد تو معاذؓ سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ رہے۔ اکیس سال کی عمر میں غزوۂ بدر سے غزوات میں شرکت شروع کی پھر تمام ہی غزوات میں شریک رہے۔ ابھی عمر کی صرف تیس منزلیں ہی طے کی تھیں کہ اہل یمن کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا حاکم اور اہل یمن کا معلم بنا کر بھیجا۔ [4]

فضائل

حضرت معاذ بن جبلؓ نوعمری ہی میں سعادت ایمانی سے نواز دیئے گئے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید اور دینی مسائل کی تحصیل براہ راست رسول اللہ ﷺ سے کی تھی اور آپؐ نے ان کو اس کم عمری ہی میں قرآن و سنت اور دینی و فقہی مسائل کا بڑا عالم قرار دے دیا تھا، اپنی حیات ہی میں آپ نے جن حضرات صحابہ کرامؓ کو

---

1. مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی واصابہ ج ۷ ص ۶۲۔
2. جامع ترمذی مناقب اہل بیت النبی ﷺ ص۔
3. اصابہ ج ۷ ص ۶۲ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۷۔
4. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۴۴ تا ص ۴۵۰۔

قرآن مجید کا معلم بنایا تھا ان میں معاذ بن جبلؓ بھی ہیں۔ صحیح بخاری وغیرہ میں آپ ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔" استقرؤ االقرآن من اربعة من ابن مسعود وسالم مولیٰ ابی حذیفه وابن ومعاذ بن جبل۔" [1] یعنی ان چار حضرات سے جن میں معاذ بن جبلؓ بھی ہیں قرآن مجید پڑھا کرو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔" اعلم امتی بالحرام والحلال معاذ بن جبل" [2] یعنی حلت و حرمت کے مسائل کی واقفیت میں معاذ بن جبل کا مقام سب سے بلند مقام ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت معاذؓ کو اہل مکہ کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے کچھ دنوں کے لئے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان سے بہت خوش رہتے تھے۔ ایک بار ان کے بارے میں فرمایا۔ "نعم الرجل معاذ بن جبل" [3] معاذ بن جبل بہت ہی اچھے شخص ہیں۔ آپ کو حضرت معاذؓ سے بہت محبت تھی اور کبھی کبھی آپ ﷺ اس کا اظہار بھی فرما دیتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے حضرت معاذؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ "یا معاذا واللّٰه انی لا حبك" معاذ! واللہ مجھے تم سے بہت محبت ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں ایک دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور پڑھا کرو۔ "اللهم اعنی علیٰ ذکرك وشرك وحسن عبادتك" [4] اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی۔

۱۰ھ میں آپ ﷺ نے حضرت معاذ...... کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا ہے اور مدینہ طیبہ سے اس شان سے رخصت فرمایا ہے کہ معاذؓ (آپ کے حکم کے مطابق) گھوڑے پر سوار ہیں اور آپ ﷺ پاپیادہ ان کے ساتھ چل رہے ہیں اور حضرت معاذؓ کے بار بار عرض کرنے کے باوجود بھی ان کو گھوڑے سے اترنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ رخصت کرتے وقت آپ نے ان کو دین کی دعوت اور اسلامی حکومت کے سلسلہ کی بہت سی نصیحتیں فرمائی ہیں جن کا ذکر صحیحین وغیرہ کی روایات میں ہے۔ [5] اسی سلسلہ میں آپؐ نے ان سے سوال فرمایا تھا۔ معاذ! وہاں کے لوگوں کے درمیان اگر قضاء یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی ضرورت پڑے گی تو کس طرح فیصلے کرو گے انہوں نے عرض کیا اولاً کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اگر اس قضیہ کا حل کتاب اللہ میں نہیں ملے گا تو آپ کی سنت میں اس کا حل تلاش کروں گا ورنہ پھر خود خوب غور و فکر کر کے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کے اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله۔ [6] تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میرے قاصد کو خیر اور صحیح طریقہ کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی موقع پر آپ نے حضرت معاذؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ غالباً یہ آخری ملاقات

---

1. صحیح بخاری فی المناقب۔
2. جامع ترمذی مناقب معاذ بن جبل و اصابہ ج ۶ ص ۱۰۷۔
3. جامع ترمذی فی المناقب، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۶۸۔
4. سنن ابی داؤد باب فی الاستغفار۔
5. صحیح مسلم باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام و سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۴۴۸ و تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۰۔
6. جامع ترمذی باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، وطبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۴۷ و سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۴۴۸۔

ہے جس پر دونوں کی آنکھوں سے آنسو برس پڑے تھے۔ اسی موقع پر آپ نے ان کو "حفظك الله من بين يديك ومن خلفك ودرأعنك شر الانس والجن" کی دعا دی تھی۔ اللہ تمہاری ہر طرف سے حفاظت فرمائے اور تم کو جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے۔[1] حضرت معاذ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت بھی دی تھی کہ وہ قیامت کے دن علماء کی ایک جماعت کے امام بن کر آئیں گے۔

ان کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ ہی میں معلمین قرآن اور اصحاب فتویٰ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ بر سر منبر پر اعلان کیا تھا۔ "من كان يريد ان يسأل عن الفقه فليأت معاذ بن جبل"۔ جیسے دینی مسائل سے واقفیت مطلوب ہو اس کو معاذ بن جبلؓ کے پاس جانا چاہئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے معاذ بن جبلؓ یمن گئے تھے پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت میں واپس آئے اور ملک شام کی طرف بغرض جہاد چلے گئے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر سے کہا تھا، معاذؓ کے علم کی اہل مدینہ کو بہت ضرورت ہے ان کے جانے سے مدینہ میں علم کا بہت خلاء ہو جائے گا آپ انہیں ملک شام جانے کے ارادہ سے باز رکھئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ایک اللہ کا بندہ شوق شہادت کے جذبہ سے میدان جہاد کے لئے جارہا ہے میں اسے نہیں روک سکتا حضرت معاذؓ ملک شام جانے کے بعد وہاں طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے اور اسی میں ۱۷یا۱۸ھ میں شہید ہو گئے۔[3]

شہادت کے وقت عمر صرف ۳۳ سال تھی۔ بعض حضرات نے ۳۴یا۳۵ سال بھی بتلائی ہے۔[4]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

حضرت عبادہؓ کا تعلق مدینہ طیبہ کے قبیلۂ خزرج سے ہے۔ مکہ معظمہ آکر بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر ایمان لائے تھے۔ یہ واقعہ ۱۲ نبوی کا ہے۔ اس سے ایک سال پہلے حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں جمرہ عقبہ کے قریب مدینہ طیبہ سے حج کیلئے آنے والے حضرات کے سامنے اسلام پیش کیا تھا اور انکو دین کی دعوت دی تھی اسوقت کل چھ مدنی صحابہ کرامؓ ایمان لے آئے تھے۔ آئندہ سال حج کے موقعہ پر اسی جگہ کچھ اور مدنی صحابہ کرامؓ حاضر خدمت ہوئے اور مشرف باسلام ہو کر آپ کے دست مبارک پر اسلام اور اسکے بنیادی احکامات کی بیعت کر کے مدینہ طیبہ واپس ہوئے ہیں اس بیعت کا کس قدر تفصیلی ذکر صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔[5] ان میں سے کچھ لوگوں کو آپ ﷺ نے الگ الگ قبیلوں کا نقیب یعنی دینی دعوت کے سلسلہ میں ذمہ دار بنایا تھا۔ انہیں نقباء میں سے حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی تھے جن کو قبیلہ بنی عوف کا نقیب بنایا تھا۔[6] صحیح بخاری کی اس روایت میں بھی جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔ آپؓ کے نقیب ہونے کا ذکر ہے۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۴۸۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۴۷۔ [3] ایضاً و سیر اعلام النبلاء، ج ۱ ص ۴۵۲۔
[4] فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۶ [5] صحیح بخاری کتاب الایمان ص ۷
[6] شرح تراجم البخاری للشاہ ولی اللہ والشیخ محمد زکریا الکاندھلوی۔

فضائل

مدینہ طیبہ کے صحابۂ کرامؓ میں اولین ایمان لانے والے صحابی ہیں لیلۃ العقبۃ الاولیٰ میں شریک ہونے والے اور ہجرت کے بعد غزوۂ بدر سے لے کر تمام ہی غزوت میں شریک ہونے والے صحابی ہیں۔

بدری صحابہ کرامؓ میں بھی آپؓ کا بڑابلند مقام ہے۔ چند صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا ان میں حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی ہیں۔[1] حضرت یزید بن ابی سفیانؓ نے ملک شام سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں کی لوگوں کو قرآن پڑھانے اور دینی مسائل کی تعلیم دینے کے لئے کچھ معلمین بھیج دیجئے حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ، حضرت عبادہؓ اور حضرت ابو درداءؓ کو بھیج دیا۔ حضرت عبادہؓ نے فلسطین میں قیام کیا اور وہاں کے لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دی۔[2] وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ خواہ اس کا تعلق حاکم وقت ہی سے کیوں نہ ہو۔

جب حضرت معاویہؓ ملک شام کے حاکم ہوئے ہیں تو حضرت عبادہؓ وہیں قیام فرما تھے، انہوں نے حضرت معاویہؓ کی بہت سی باتوں پر نکیر کی ہے اور ان میں سے بعض باتوں کو حضرت معاویہؓ نے تسلیم بھی کر لیا، ایک مرتبہ ایک خطیب نے خطبہ میں حضرت معاویہؓ کی موجودگی میں ان کی تعریف شروع کر دی، حضرت عبادہؓ نے زمین سے خاک اٹھائی اور خطیب کے منہ پر مار دی۔ حضرت معاویہؓ نے جب ان کے اس عمل پر گرفت کی تو انہوں نے فرمایا ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے یہی حکم دیا ہے کہ منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈال دیں۔[3] غزوۂ احد کے بعد مسلمانوں کی پریشاں حالی کو دیکھ مدینہ کے قرب وجوار کے یہودی قبائل نے مسلمانوں سے کئے ہوئے عہد و پیان کو نظر انداز کر کے ان کے خلاف مختلف شکلوں میں اعلان جنگ کر دیا تھا۔ قبیلۂ بنی قینقاع نے سب سے پہلے عہد شکنی کی تھی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا اس قبیلہ سے پرانا معاہدہ تھا وہ اس قبیلہ کے ساتھ رہا۔ عبداللہ بن ابی کی طرح حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بھی ان لوگوں سے پرانا معاہدہ تھا لیکن انہوں نے اس معاہدہ کی بالکل پرواہ نہ کی اور اپنی برأت اور بے تعلقی کا اعلان کر دیا، اسی موقع پر آیت کریمہ **یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء** نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا گیا تھا۔[4]

وفات

حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں ۳۴ھ میں بعمر ۷۲ سال ملک شام میں انتقال ہوا۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۶۹۵ و اصابہ ج ۴ ص ۲۸ [2] اصابہ ج ۴ ص ۲۸

[3] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۰۔ [4] اصابہ ج ۴ ص ۲۸ و تفسیر بیان القرآن سورۂ مائدہ آیت ص ۵۱۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

حضرت خبابؓ کا تعلق قبیلہ بنی تمیم سے ہے بچپن میں کسی نے ان کو پکڑ کر مکہ معظمہ میں لا کر بیچ دیا اور مکہ کی ایک عورت ام انمار نے خرید کر اپنا غلام بنالیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں جن صحابہ کرامؓ نے بالکل ابتدائی زمانہ میں لبیک کہا ان میں حضرت خبابؓ بھی ہیں۔ انہوں نے اسلام لانے کی پاداش میں ہر طرح کے ظلم و ستم برداشت کئے۔[1] زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہی کام کرتے رہے۔ اسی سلسلہ میں عاص بن وائل پر کچھ قرض ہو گیا تھا جس کا مطالبہ کرنے کے لئے عاص کے پاس گئے اس نے کہا تمہارے پیسے جب ملے گے جب تم محمد (ﷺ) کی نبوت کا انکار کر دو، خبابؓ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار ہر گز نہیں کر سکتا خواہ تو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے۔[2] عاص نے کہا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا حضرت خبابؓ نے فرمایا بالکل، اس نے کہا کہ پھر اس وقت میرے پاس بہت ساماں و دولت اور آل اولاد ہو گی میں اسی وقت تمہارے قرض کی ادائیگی کروں گا۔ اس پر سورۂ مریم کی کئی آیتیں افرأیت الذی کفر بایاتنا سے لے کر و نرثه ما یقول و یأتینا فرداً تک آیات نمبر ۷۷، نمبر ۷۸، نمبر ۷۹، نمبر ۸۰ نازل ہوئیں،[3] جن میں عاص کی اس بے ہودہ قول پر سخت نکیر فرمائی گئی ہے، ان آیات کا ترجمہ اس طرح ہے۔ "بھلا آپ نے دیکھا اس شخص کو جو ہماری آیتوں (قدرت کی نشانیوں اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیلوں کا منکر ہوا اور اس نے کہا مجھ کو (دوبارہ زندہ ہونے کی صورت میں) مال اور اولاد ضرور ملے گا کیا اس نے (آئندہ کی) غیب کی باتوں کو دیکھ لیا ہے یا اللہ سے کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے۔ ہر گز نہیں (یعنی مال اولاد کچھ نہیں ملے گا۔) بلکہ ہم اس کی اس بات کو جو وہ کہہ رہا ہے لکھ رکھیں گے اور اس کے لئے عذاب کو طویل تر کرتے رہیں گے۔ اور جس منال و اولاد کا وہ ذکر کر رہا ہے وہ سب بھی ہمارا ہی ہو گا (یعنی اس کو وہاں کچھ نہ ملے گا)) اور وہ ہمارے حضور میں تنہا حاضر ہو گا۔

فضائل

جیسا کہ ابھی گزرا وہ اولین اسلام لانے والوں میں ہیں اور اسلام کے لئے ہر طرح کی قربانیاں انہوں نے دی ہیں، چونکہ وہ غلام تھے اس لئے ان کے لئے ہر طرح کی ایذاء رسانیاں جائز تھیں اور کوئی بھی ان کا حمایتی نہ تھا۔ ایک بار مشرکین مکہ نے آگ جلائی اور اس کے دہکتے ہوئے انگاروں پر حضرت خبابؓ کو لٹا دیا ان کی کمر کی چربی سے جب تک انگارے بجھ نہ گئے ان کو اٹھنے نہ دیا۔ عرصہ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی کمر دیکھ کر فرمایا تھا، میں نے آج تک ایسی کمر نہیں دیکھی۔ جلنے کے نشانات کی وجہ سے ان کی کمر پر برص کی طرح سفید داغ ہو گئے تھے۔ ان تکلیفوں سے تنگ آکر ایک دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکوہ شکایت اور دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا ابھی جلدی نہ کرو پہلے لوگوں نے تو دین کے سلسلہ میں بہت سخت آزمائشیں

---

1. اصابہ ج ۴ ص ۲۸ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۰۔ 2. اصابہ ج ۲ ص ۱۰۱۔
3. صحیح بخاری باب ذکر القین والحداد و تفسیر سورہ مریم و جامع ترمذی تفسیر سورہ مریم

برداشت کی تھیں۔ (اور آپ ﷺ نے ان آزمائشوں کا ذکر بھی کیا) اور پھر فرمایا واللہ یہ دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ [1]

حضرت علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ " رحم الله خباباً لقد اسلم راغباً وها جرطا ئعا وعاش مجاهداً وابتلى فى جسمه احولاً ولن يضيع الله اجر من احسن عملاً "۔ [2]

اللہ خبابؓ پر رحم فرمائے، وہ اپنی رضا و رغبت سے ایمان لائے اور انہوں نے خود اپنی خوشی سے ہجرت کی، مجاہدانہ زندگی بسر کی، ہرطرح کی جسمانی تکالیف برداشت کیں اور اللہ اعمال صالحہ کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے جملہ غزوات میں شریک رہے ہیں۔ [3]

وفات

۳۷ھ کوفہ میں وفات پائی۔ [4] رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن معاذؓ کا تعلق مدینہ کے مشہور خاندان قبیلہ اوس کی ایک شاخ قبیلہ بنی عبد الاشہل سے ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے ہی حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کو دین کی دعوت دینے کے لئے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا، ایمان لانے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان بنی عبد الاشہل کے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا اے میرے قبیلہ کے لوگو! تم لوگوں کے نزدیک میرا مقام کیا ہے؟ سب نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں، اور ہم سب میں بلند مقام ہیں، یہ جواب سن کر حضرت سعدؓ نے فرمایا میرے لئے تم لوگوں سے بات کرنا حرام ہے جب تک کہ تم سب مرد و عورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ، قبیلہ کے تمام مردوں و عورتوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور سب ہی لوگ ان کے کہنے پر مسلمان ہوگئے۔ پورے قبیلہ میں ایک بھی شخص ایسا نہ رہا جو دولت ایمانی سے محروم رہا ہو...... [5] وہ قبیلہ بنی عبد الاشہل...... (جو اوس کی شاخ ہے اور جس سے ان کا تعلق تھا۔) کے سردار تھے ہی اصل قبیلہ اوس جو انصار مدینہ کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا اس کے بھی سردار تھے، انصار میں کم ہی لوگ ان کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے، زمانہ جاہلیت میں بھی اہل مدینہ میں ان کو یہ بلند مقام حاصل تھا اور مدینہ طیبہ میں اسلام آجانے کے بعد بھی ان کا یہ مقام اہل مدینہ میں مسلم رہا، خود رسول اللہ ﷺ نے ان کو اہل مدینہ کے سردار کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ [6] رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لے آنے کے بعد آپ مسلسل دین کی دعوت اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت و حمایت میں مشغول رہے، غزوہ بدر سے ہی غزوات میں شرکت شروع کر دی تھی، غزوۂ خندق میں ایک مشرک کے تیر سے

---

1. صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ باب علامات النبوۃ۔
2. مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۹۔
3. اصابہ ج ۲ ص ۱۰۱ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۹۔
4. اصابہ ج ۲ ص ۱۰۱ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۹۔
5. اصابہ ج ۳ ص ۸۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۸۰۔
6. صحیح بخاری باب خروج النبی ﷺ الی بنی قریظہ و صحیح مسلم باب جواز قتل من نقض العہد۔

زخمی ہوئے، تیر ہاتھ کی ایک ایسی نس میں لگا جس سے کسی طرح بھی خون نہ رکتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے کئی بار اس زخم پر گرم لوہے سے داغ لگوائے، اس وقت خون کو روکنے کے لئے یہ بھی ایک طریق علاج تھا، کئی بار کے بعد خون کا بہنا بند ہوا جب ان کا خون کسی طرح نہ رکتا تھا تو انہوں نے دعا کی تھی اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے کوئی چیز بھی تیرے راستہ میں جہاد کرنے اور ان لوگوں سے جنگ اور قتال کرنے سے زیادہ محبوب نہیں ہے، جنہوں نے تیرے نبی ﷺ کی تکذیب کی ہے اور ان کو ان کے گھر (مکہ) سے نکالا ہے، الٰہی اگر قریش سے ابھی کوئی اور جنگ ہونا باقی ہو تو مجھے ابھی مزید زندگی عطا فرما تاکہ ان سے تیرے راستہ میں جہاد کروں، پرورگار، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ بظاہر اب قریش سے مزید کوئی جنگ نہیں ہونی، اگر ایسا ہی ہے تو مجھے اسی زخم میں شہادت عطا فرمادے۔ [1] بعض روایات میں یہ بھی اضافہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی دعا کی تھی کہ اے اللہ میرے موت سے پہلے بنو قریظہ کو ان کی دھوکہ دہی اور عہد شکنی کی سزا دے کر میری آنکھیں ٹھنڈی کر دے، [2] بنو قریظہ کا قصہ یہ تھا کہ یہ مدینہ کے قریب ایک یہودی قبیلہ تھا، ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم نہ آپ لوگوں سے جنگ کریں گے نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، لیکن دوسرے یہودیوں کی طرح ان لوگوں نے بھی عہد شکنی کی اور مشرکین مکہ اور عرب کے بعض دیگر قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا انہیں کی سازشوں کے نتیجہ میں غزوۂ خندق پیش آیا، اس لئے جیسے ہی رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے ہیں، فوراً ہی اللہ کا حکم آ گیا کہ بنی قریظہ پر حملہ کرنے کے لئے چلا جائے آپ صحابہ کرام کی ایک جمعیت لے کر وہاں تشریف لے گئے اور تقریباً ایک ماہ ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا ان لوگوں نے اپنے اس مسئلہ میں حضور ﷺ ہی کو حکم بنانا چاہا لیکن آپؐ نے ان کی رضامندی سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنا دیا، حضرت سعد بن معاذؓ اور ان کے قبیلہ اوس سے زمانۂ جاہلیت میں بنو قریظہ سے حلف یعنی نصرت و حمایت کا معاہدہ تھا لیکن حضرت سعدؓ کو اپنے ان حلیفوں کی عہد شکنی اور رسول اللہ ﷺ سے بغاوت انتہائی ناگوار گذری تھی اس لئے حضرت سعدؓ نے ان لوگوں کے مقاتلین کے قتل کئے جانے اور باقی لوگوں کو غلام بنانے کا فیصلہ فرمایا، حالانکہ ان لوگوں نے بار بار اپنے پرانے عہد و معاہدہ کی یاد دہانی کرائی اور نرم فیصلہ کرانے کی کوششیں کیں بلکہ بعض لوگوں نے تو ان کو اپنے حلیفوں کی حفاظت و حمایت نہ کر سکنے پر بہت عار بھی دلائی، لیکن حضرت معاذؓ نے یہی فیصلہ برقرار رکھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے فیصلے کی تصویب فرمائی۔ [3] حضرت سعدؓ نے زخمی ہونے کے بعد جو دعا کی تھی وہ مقبول ہوئی اور اللہ نے انہیں کے ذریعہ ان کی زندگی میں ہی بنو قریظہ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور جیسے ہی وہ بنو قریظہ کے قضیہ سے فارغ ہوئے، زخم کا منہ کھل گیا اور وہی وجہ شہادت ہوا۔

---

1. صحیح بخاری باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب مخرجہ الی بنی قریظۃ و صحیح مسلم باب جواز قتل من نقض العہد۔
2. اصابہ ج ۳ ص ۸۷۔
3. صحیح بخاری باب خروج النبی ﷺ الی بنی قریظہ صحیح مسلم باب جواز قتل من نقض العہد

فضائل

حضرت سعد بن معاذؓ نہایت حسین و جمیل اور طویل القامت شخص تھے ظاہری حسن ووجاہت کے ساتھ اللہ نے ان کو دینی ودنیوی عزت ووقار بھی عطا فرمایا تھا اہل مدینہ میں ان کا بہت بلند مقام تھا ان کے اسلام لانے سے مدینہ میں اسلام کو بڑی تقویت ملی، ان کا پورا قبیلہ بنی عبد الاشہل ان کے اسلام لانے پر مسلمان ہو گیا تھا رسول اللہ ﷺ بھی ان کے مقام کا اعتراف ولحاظ فرماتے تھے۔ جب غزوۂ خندق میں وہ زخمی ہوئے ہیں تو آپ نے ان کے لئے مسجد نبوی کے صحن میں ہی خیمہ لگوادیا تھا تاکہ ان کی تیمارداری اور علاج و معالجہ آپ کی نگرانی میں ہوتا رہے اور وہ ہمہ وقت آپ ﷺ کی نظر میں رہیں پھر جب آپ ﷺ نے ان کو بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے قبیلۂ بنو قریظہ بلوایا ہے اور وہ سواری پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا **قوموا الی سیدکم** اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ، بنو قریظہ کے بارے میں جو فیصلہ انہوں نے فرمایا تھا اس فیصلہ کو آپ ﷺ نے اللہ کا فیصلہ قرار دیا تھا اور اسی کے مطابق عمل بھی کرایا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ نے اللہ کے حضور عرض کیا۔ **اللّٰهم ان سعدا قد جاهد في سبيلك و صدق رسولك و قض الذى عليه فتقبل روحه بخير ما تقبلت به روحاً** الٰہی سعد نے آپ کے راستہ میں جہاد کیا، آپ کے رسولؐ کی تصدیق کی اور اپنی تمام دینی ذمہ داریوں کو پورا کیا، میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ان کی روح کا بہتر سے بہتر استقبال فرمائیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر آنکھیں کھول دیں اور عرض کیا **السلام عليك، يا رسول الله** میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں وفات ہو جانے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **جزاك الله خيراً فقد انجزت ما وعدته ولينجزنك الله ما وعدك**۔ اللہ تم کو بہترین جزادے، تم نے جو وعدے اللہ سے کئے سب پورے کر دکھائے اب یقیناً اللہ بھی تم سے کئے ہوئے اپنے وعدے پورے فرمائے گا۔ آپ نے ان کی وفات کے بعد فرمایا کہ سعد، اللہ کا نیک بندہ ہے جس کی آمد کی خوشی پر عرشِ الٰہی جھوم اٹھا، آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور ستر ہزار فرشتے آسمان سے ان کے جنازے میں شرکت کے لئے اتر آئے جو کبھی پہلے زمین میں نہیں اترے تھے۔ صحابہ کرام کو ان کی وفات پر اتنا صدمہ ہوا تھا کہ ایسا صدمہ شاذ ونادر ہی کسی کی وفات پر ہوا تھا، حضرت ابو بکر و عمر جیسے صحابہ کرامؓ بھی رو رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے ضبط غم کے لئے اپنی داڑھی پکڑ رکھی تھی۔ [1] رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دومۃ الجندل کے امیر نے ایک ریشمی جبہ بھیجا تھا، صحابہ کرامؓ نے ایسا قیمتی اور شاندار جبہ کبھی نہ دیکھا تھا، صحابہ اس کو بار بار چھوتے اور اس کی نرمی ونزاکت پر تعجب کا اظہار کرتے تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کے اس عمل کو دیکھ کر فرمایا کیا تم کو یہ بہت اچھا معلوم ہو رہا ہے، جنت میں سعد بن معاذؓ کے رومال اس سے بہت زیادہ بہتر اور نرم ونازک ہیں۔ [2]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ص ۲۸۴ تا ص ۲۹۶ و صحیح مسلم فضائل سعد بن معاذ و سنن نسائی فی الجنائز۔
[2] صحیح مسلم فی الفضائل و جامع الترمذی فی اللباس۔

ان کی والدہ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا بھی صحابیہ ہیں، بیٹے کی وفات پر بہت رنجیدہ تھیں، بڑادرد بھر مرثیہ کہاہے، رسول اللہ ﷺ نے انکامرثیہ سن کران کو صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایاواللہ وہ دین میں بہت پختہ اور اللہ کے کام میں بہت قوی تھے۔

وفات

غزوہ احزاب یعنی غزوہ خندق میں زخمی ہونے کی چند دن کے بعد ہی وفات ہو گئی اور وہی زخم شہادت کا سبب بنا تھا، غزوۂ خندق کاواقعہ ۵ھ کا ہے وفات کے وقت ان کی عمر کا ۳۷ سال تھی۔[1]

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

مدینہ کے مشہور یہودی قبیلہ بن قینقاع سے تعلق ہے، ان کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مل جاتاہے، وہ یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے، اسلام لانے سے پہلے ان کا نام الحصین تھا، رسول اللہ ﷺ ہی نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا، وہ اپنے ایمان لانے کاواقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور میں نے پہلی بار آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کودیکھا تودیکھتا ہی رہ گیااور دل نے قطعی طور پر یہ فیصلہ کرلیاکہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا پہلی بات جو میں نے آپ سے سنی وہ یہ تھی افشوا السلام و اطعموا الطعام و صلوا والناس نیام تدخل الجنة بسلام۔[2] لوگوں سلام کو عام کرواور غریبوں کو کھانا کھلاؤاور رات کوجب لوگ سورہے ہوں تو نماز پڑھواور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ، سلام کو عام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کیاجائے خواہ وہ شخص جان پہچان کا ہویانہ ہو، اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے چند سوالات کئے آپ نے ان کے صحیح صحیح جوابات دے دیئے، جوابات سن کر انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھااور ایمان لے آئے، سوالات وجوابات کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔[3] اس کے بعد آپ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہود بہت جھوٹی قوم ہے، آپ ابھی میرے ایمان لانے کااظہار نہ فرمائیں پہلے ان لوگوں سے میرے بارے میں معلوم فرمائیں کہ میرامقام ان کے نزدیک کیاہے، آپ ﷺ نے یہودیوں کی ایک جماعت کو بلاکر ان لوگوں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم کیاکہ وہ کیسے شخص ہیں سب نے بیک زبان کہا خیرنا و ابن خیرنا و افضلنا و ابن افضلنا و اعلمنا وابن اعلمنا، وہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر اور سب سے زیادہ صاحب علم ہیں اور ان کے والد بھی اپنے زمانہ میں سب سے افضل، و بہتر اور سب سے زیادہ صاحب علم تھے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایایہ بتلاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں تواسلام۔ کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہوگی؟ کہااللہ کی پناہ یہ نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ نے کئی بار یہ سوال دہرایااور یہود نے ہر بار یہی جواب دیا۔ اس گفتگو کے وقت حضرت عبداللہ بن سلام

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۲۹۱۔ [2] اصابہ ج ۴ ص ۱۰۰ الہ مسند احمد و جامع الترمذی ج ۲ ص ۷۱ و ۷۲۔
[3] صحیح بخاری باب فضائل عبداللہ بن سلام۔

رضی اللہ عنہ کہیں قریب ہی چھپ گئے تھے۔ جب یہود نے بار باران کے صاحب علم و فضل ہونے کا اقرار کرلیا تو وہ نکل آئے اور فرمایا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ، یہود نے فوراً ہی بات بدل دی اور کہنے لگے شرنا و ابن شرنا یہ بھی بدترین شخص ہے اور اس کا باپ بھی ایسا ہی شخص تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے ان لوگوں سے اسی کا خطرہ تھا۔ ❶

فضائل

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب جیسا کہ ابھی گزرا اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے پھر وہ یہود کے جلیل القدر عالم بھی تھے، انہوں نے یہودیت کو ترک کر کے دین اسلام کو اختیار کیا، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دوہرے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ ❷ رسول اللہ ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں ان کو جنت کی بشارت دے دی تھی، حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں ایک بار رسول اللہ ﷺ نے کچھ کھانا تناول فرمایا، آپ نے تناول فرمانے کے بعد جو بچ رہا اس کے متعلق فرمایا ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے جو اس کو کھائے گا۔ کچھ دیر کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ نے وہ بچا ہوا کھانا ان کو کھلایا۔ ❸ قرآن مجید کی متعدد آیات میں نام لئے بغیر ان کا ذکر ہے، آیت کریمہ وشھد شاھد من بنی اسرآئیل علیٰ مثلہ فامن واستکبر تم۔ ❹ میں شاھد من بنی اسرائیل کا مصداق عبداللہ بن سلام ہی ہیں اس طرح قل کفی باللہ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب۔ ❺ میں بھی ومن عندہ علم الکتاب سے آپ ہی مراد ہیں۔ ❻ دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کفر کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام لانے کو اسلام اور اس کے پیغمبر کی حقانیت کی دلیل اور شاہد عدل ہونے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا قول ما سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لحی یمشی انہ فی الجنۃ الا لعبد اللہ بن سلام نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے زندہ لوگوں میں صرف عبداللہ بن سلام کے متعلق ہی جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے۔ صحیحین ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق فرمایا انت علی الاسلام حتی تموت تم مرتے دم تک دین اسلام پر ثابت قدم رہو گے۔ ❼ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنے مرض وفات میں اپنے خاص شاگرد یزید بن عمیرہ کو اپنے بعد جن چار صحابہ کرامؓ سے تحصیل علم کی وصیت فرمائی تھی ان میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ بھی ہیں جن کے متعلق حضرت معاذؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ انہ عاشر عشرۃ فی الجنۃ یعنی یہ ان عشرہ مبشرہ کی طرح ہیں

---

❶ صحیح بخاری فی المناقب۔ ❷ جامع ترمذی کتاب النکاح و صحیح بخاری باب تعلیم الرجل امۃ واہلہ۔
❸ مجمع الزوائد ج۹ ص ۳۲۶۔ ❹ سورۂ احقاف آیت نمبر ۱۰۔ ❺ سورۂ رعد آیت ۴۳۔
❻ جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن سلام وفی تفسیر سورۃ الاحقاف و صحیح البخاری مناقب عبداللہ بن سلام وکذا فی صحیح مسلم۔
❼ صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن سلام و صحیح مسلم باب من فضائل عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

جن کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔ [1]

وفات

۴۳ھ مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ [2] رضی اللہ عنہ وارضاہ'

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا پہلا ہی سال تھا اور ابھی صرف چند خاصان خدا ہی اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے تھے کہ اللہ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھی دولت ایمان سے نواز دیا۔ وہ دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوگئے۔ کچھ مدت تک تو اپنے اسلام کو چھپائے رکھا لیکن زیادہ دن تک یہ بات راز نہ رہ سکی اور اسلام لانے کی پاداش میں ان کے گھر کے لوگوں نے انہیں گھر میں مقید کردیا اور طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں انہیں دی جانے لگیں۔ ایذار سانیوں اور قید و بند کا یہ سلسلہ ان کی ہجرت حبشہ تک برقرار رہا۔ مکہ کے چند ستم زدہ مسلمانوں نے ۵ نبوی میں پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ان ہی حضرات میں حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی تھے۔ پھر جب ان مہاجرین حبشہ کو مکہ کے حالات کے کچھ سازگار ہونے کی اطلاع ملی (جو درحقیقت غلط تھی) تو ان میں سے کچھ حضرات مکہ واپس آگئے۔ ان میں حضرت مصعبؓ بھی تھے۔ یہاں آکر دیکھا تو حالات بالکل ویسے ہی تھے جن کی بناء پر ہجرت کرنی پڑی تھی اور مصائب و شدائد بھی پہلے ہی کی طرح ان حضرات کے استقبال کے لئے تیار تھے۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ [3] حضرت مصعب بن عمیرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ [4]

فضائل

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ کے سب سے زیادہ ناز و نعم میں پلے نوجوان تھے۔ ان کے باپ کا شمار مکہ کے اغنیاء میں ہوتا تھا وہ حضرت مصعبؓ سے بہت محبت کرتا اور ان کے لئے قیمتی اور شاندار کپڑوں کا اہتمام کرتا تھا کہ ایسے کپڑے مکہ کے کسی نوجوان کو نصیب نہ تھے لیکن اسلام لانے کے بعد ماں باپ دونوں نے ناطہ توڑ لیا اور ہر طرح کی تکلیفوں اور آزمائش سے حضرت مصعبؓ کا واسطہ پڑنے لگا۔ قید و بند اور بھوک پیاس کی وجہ سے یہ ناز و نعم میں پلا ہو جسم بالکل جھلس گیا تھا۔ کھال جسم سے الگ ہو کر اترنے لگی تھی۔ ضعف کی وجہ سے چند قدم چلنا بھی بعض اوقات مشکل ہو جاتا تھا ان حالات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں مدینہ بھیجا تھا۔ اہل مدینہ کو قرآن اور دین کی تعلیم کے لئے ایک معلم کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے اس کام کیلئے حضرت مصعب کا انتخاب فرمایا تھا۔ مدینہ کے صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد انکے ہاتھ

---

[1] جامع ترمذی فی المناقب وطبقات بن سعد ج ۲ ص ۲ ...، تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۶۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۷۔
[3] اصابہ ج ۶ ص ۱۰۱۔ [4] صحیح بخاری باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینۃ و سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۱۴۵

پر ایمان لانے والوں اور ان سے علم دین حاصل کرنے والے کی تھی۔ [1]

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے جسم پر ایک بوسیدہ چادر تھی جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ کو ان کے اسلام لانے سے پہلے کے ناز و نعم یاد آگئے اور ان کی اس خستہ حالی کو دیکھ کر رونے لگے۔ [2] ان کا شمار اکابر اور اہل فضل صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ وہ اولین ایمان لانے والے اور حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کرنے والے مہاجرین صحابہ کرامؓ میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دین کی تعلیم اور قرآن مجید پڑھانے کے لئے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا اور انہوں نے مدینہ آکر سب سے پہلے جمعہ کی نماز کے قیام کا انتظام کیا تھا۔ [3] ان کو غزوہ بدر میں شریک ہونے کی فضیلت بھی حاصل ہے۔ غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں مسلمانوں کا جھنڈا دیا تھا۔ وہ غزوہ احد میں آپ ﷺ کے بالکل قریب کھڑے ہو کر جہاد کر رہے تھے اور آپ کے اوپر ہونے والے حملوں کو اپنے اوپر لے لیتے تھے۔ اسی حال میں شہادت سے سرفراز ہوگئے۔ [4] بوقت شہادت ان کے پاس صرف چھوٹی سی ایک چادر تھی اس میں کفن دیا گیا، وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، چادر سے سر ڈھک دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ حضرت خبابؓ حضرت مصعبؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم مہاجرین نے لوجہ اللہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی تھی جس کی وجہ سے ہمارا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ واجب ہو گیا تھا۔ پھر ہم میں کے بعض ساتھی وہ تھے جنھوں نے دنیا میں اس اجر سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور یونہی تکالیف و مصائب کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگئے، ایسے ہی لوگوں میں حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی تھے۔ [5] حضرت خبابؓ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے جو دین کے لئے قربانیاں دی تھیں اللہ نے ان کی ان قربانیوں کے بدلے میں دنیا و آخرت میں اپنے انعامات سے نوازا ہے۔ لیکن بعض صحابہ کرام ایسے بھی تھے جن کی شہادت یا وفات ان دنیوی انعامات کے دور سے پہلے ہی ہوگئی تھی اور ان کو ان قربانیوں کا کوئی بدلہ دنیا میں نہیں ملا ان کا پورا پورا بدلہ اور اجر و ثواب ان کو انشاء اللہ آخرت میں ہی ملے گا۔ ایسے ہی صحابہ کرام میں حضرت مصعب بن عمیرؓ تھے کہ ان کی شہادت ایسی تنگ دستی کے زمانہ میں ہوئی تھی کہ کفن کے لئے ایک کامل و مکمل چادر بھی نصیب نہ ہو سکی تھی جس چادر میں ان کو کفن دیا گیا تھا وہ اتنی چھوٹی اور ناکافی تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر سر کو تو چادر سے ڈھک دیا اور پاؤں پر اذخر نامی گھاس ڈال دی۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۴۸۔ [2] جامع ترمذی ابواب صفۃ القیامہ۔ [3] اکمال مصاحب المشکوۃ۔
[4] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۴۸
[5] صحیح بخاری باب من قتل من المسلمین یوم احد و باب الکفن من جمیع المال فی کتاب الجنائز۔

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن الولیدؓ کے والد کا نام ولید بن المغیرہ ہے اور والدہ لبابہ بنت الحارث ہیں یہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے بھی وہ اشراف قریش میں شمار کئے جاتے تھے، شجاعت و بہادری کے پیکر تھے۔ مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ کی جانب سے جنگوں میں شریک رہتے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھلاتے تھے۔ ۷یا۸ ہجری میں اسلام لانے کے ارادہ سے مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔ راستے میں حضرت عمرو بن العاصؓ ملے انہوں نے دریافت کیا کہاں کا قصد ہے کہنے لگے اسلام لانے کے ارادہ سے مدینہ جارہاہوں اب کب تک کفر پر قائم ہوں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا میرا ارادہ بھی یہی ہے۔ دونوں ایک ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے حضرت خالد ایمان لائے اور دست مبارک پکڑ کر بیعت علی الاسلام سے مشرف ہوئے پھر حضرت عمرو بن العاصؓ نے بھی یہی کیا۔ [1]

فضائل

کفر کی حمایت میں جس جوش و جذبہ کے ساتھ میدان جنگ میں شریک ہوتے تھے اسلام لانے کے بعد اس سے بہت زیادہ جوش و جذبہ اور شجاعت و بہادری کا مظاہرہ اسلام کی حمایت اور کفر کی مخالفت میں زندگی بھر کیا اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب پایا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اثناء سفر ایک جگہ قیام فرما تھے میں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا لوگ آپ کے سامنے گزر رہے تھے آپ آنے جانے والوں کے متعلق دریافت فرماتے تھے یہ کون ہے۔ میں عرض کرتا فلاں ہے۔ آپ ہر ایک کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرماتے رہتے۔ جب خالد بن الولیدؓ گزرے تب بھی آپ نے من هذا یہ کون ہے؟ کا سوال کیا میں نے عرض کیا خالد بن الولید ہیں فرمایا نعم عبداللہ خالد بن الولید سیف من سیوف اللہ۔ [2] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے قتال کرنے کے لئے خالد بن الولید کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو فرمایا میں نے ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے نعم عبداللہ واخو العشيرة خالد بن الوليد سيف من سيوف الله سله الله على الكفار والمنافقين۔ [3] خالد بن الولید اپنے خاندان کے بہترین فرد اور اللہ کے بہت ہی اچھے بندے ہیں وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جس کو اللہ نے کفار اور مشرکین کے لئے نیام سے نکال رکھا ہے۔

ان کے ایمان لانے اور مدینہ طیبہ آنے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد غزوہ موتہ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر ملک شام روانہ کیا تھا اور یہ فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں

---

1. اصابہ ج ۲ ص ۹۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۶۶
2. جامع ترمذی فی المناقب۔
3. مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد فی المناقب۔

تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں گے اور ان کی بھی شہادت کی صورت میں عبداللہ بن رواحہؓ کو امیر مقرر کیا جائے۔ [1] اللہ کا کرنا کہ یکے بعد دیگرے تینوں شہید ہوگئے پھر لوگوں نے حضرت خالد بن الولید کو امیر بنالیا۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے موتہ سے خبر آنے سے پہلے ہی مدینہ طیبہ میں ان حضرات کی شہادت کی اطلاع صحابہ کرامؓ کو دی اور فرمایا **حتی اخذالرایۃ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیہ۔** [3] ان تینوں کی شہادت ہو چکی ہے اور اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے (یعنی خالد بن الولیدؓ نے) جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے اس موقع پر حضرت خالدؓ نے اس زور کے ساتھ شمشیر زنی کی تھی کہ اس دن ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں بالآخر ایک یمنی تلوار نے آخر تک ساتھ دیا۔ [4] غزوہ موتہ میں مسلمان پورے علاقہ کو فتح نہیں کرسکے تھے بلکہ کچھ جزوی فتح کی بعد حضرت خالد بن الولیدؓ مسلمانوں کے لشکر کو کسی بڑے نقصان کے بغیر بحفاظت واپس لے آئے تھے اسی کو آپ نے فتح سے تعبیر فرمایا ہے۔ [5] اس فتح کا ذکر صحیح مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں بھی ہے۔ [6] پھر اس پورے علاقہ کو جیش اسامہ نے جاکر فتح کیا ہے جس کا ذکر حضرت اسامہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ نے خالدؓ بن الولید کو لشکر کے ایک حصہ کا امیر بنایا تھا۔ [7] پھر فتح مکہ سے فراغت کے بعد آپ نے حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی وہ بیچارے **اسلمنا** (ہم اسلام لے آئے) کہنے کے بجائے **صبانا صبانا** کہنے لگے جس کا مطلب ان کے نزدیک اسلام لانا ہی تھا، مسلمانوں کے نزدیک یہ تعبیر صحیح نہیں تھی اسی وجہ سے حضرت خالدؓ نے جوش جہاد میں چند لوگوں کو قتل کردیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس جماعت میں شریک تھے انہوں نے حضرت خالدؓ کو مزید قتل کرنے سے باز رکھا واپسی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے **اللھم انی ابرا الیك مما صنع خالد** الٰہی میں خالد کے اس عمل سے بری ہوں، میرا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں تو ضرور فرمایا لیکن اس واقعہ کے بعد بھی آپ ان کو امیر لشکر بناکر بھیجتے رہے۔ [8] حجۃ الوداع سے کچھ پہلے آپ نے حضرت خالدؓ کو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کا امیر بناکر یمن بھیجا تھا۔ [9] رسول اللہ ﷺ حضرت خالدؓ کی شجاعت و جنگی مہارت پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ کئی اور مہموں میں آپ نے حضرت خالدؓ ہی کو امیر بناکر بھیجا ہے۔ مکہ کے قریب عزیٰ نام کا بت تھا جو مکہ اور اطراف کے لوگوں میں بڑا معزز اور محترم سمجھا جاتا تھا اس کو توڑنے کے لئے بھی حضرت خالدؓ ہی کا انتخاب آپ نے فرمایا تھا۔ [10]

---

1. صحیح بخاری باب غزوہ موتہ۔
2. فتح الباری ج ۷ ص ۵۱۲۔
3. صحیح بخاری باب مناقب خالد بن الولید و باب غزوہ موتہ۔
4. صحیح بخاری باب غزوہ موتہ۔
5. فتح الباری ج ۷ ص ۵۱۳۔
6. صحیح مسلم باب استحقاق القاتل سلب القتیل وابوداؤد باب فی الا مام یمنع القاتل السلب۔
7. صحیح بخاری باب این رکز النبی الرایہ یوم الفتح و صحیح مسلم باب فتح مکہ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۶۶۔
8. صحیح بخاری باب بعث خالد الی بنی جزیمہ۔
9. صحیح بخاری باب بعث خالد و علی الی الیمن۔
10. اصابہ ج ۲ ص ۹۸۔

آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی آپؐ ہی کی طرح حضرت خالد پر اعتماد فرمایا اور اپنے عہد کے غزوات میں بھی ان کو امیر لشکر بنا کر بھیجتے رہے۔ مرتدین سے قتال میں بھی انہوں نے بہت کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ فتح روم و فارس میں بھی حضرت خالد کو بہت دخل رہا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے جہاد کرنے کے لئے بھی حضرت خالد بن الولیدؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا جس نے مسیلمہ کو اور اس کے ہزاروں ساتھیوں کو قتل کیا، ہرمز کو قتل کرنا اور اکیدر دومہ کو قید کرنا بھی انہیں کے کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے جنگی کارنامے بے حد و بے شمار ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آخر میں ملک شام کا گورنر بنا کر بھیج دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بعض انتظامی وجوہات سے ان کو معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کو امیر بنایا۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ جب حضرت عمرؓ کا گرامی نامہ لے کر حضرت خالدؓ کے پاس پہنچے ہیں جس میں حضرت خالد کو یہ حکم تھا کہ تم معزول کئے جاتے ہو اور تمہاری جگہ ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کو گورنر مقرر کیا جاتا ہے تب بھی اس شیر دل کی بہادری قابل دید تھی گرامی نامہ پڑھ کر فرماتے ہیں ان عمر بعث علیکم امین ھذہ الامۃ عمر نے اہل شام کے لئے اس شخص کو امیر بنا کر بھیجا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے امین الامت کے لقب سے سرفراز فرمایا تھا[1] اور بلا تکلف گورنری سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ نے بھی حضرت خالدؓ کے بارے میں فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خالد **سیف من سیوف اللہ** ہیں۔[2]

حضرت عمرؓ نے ان کو معزول تو کر دیا تھا لیکن ان کے قلب میں پھر بھی ان کی اتنی عظمت تھی کہ اپنی وفات کے وقت کہنے لگے "**لو ادرکت خالد بن الولید ثم ولیتہ فقدمت علی ربی لقلت سمعت عبدک وخلیلک یقول خالد سیف من سیوف اللہ سلہ اللہ علی المشرکین**۔[3] اگر اس وقت خالد بن الولید زندہ ہوتے اور میں ان کو خلیفہ بنا دیتا پھر اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوتا تو عرض کرتا میں نے آپ کے بندے اور محبوب یعنی رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا وہ فرماتے تھے کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جس کو اللہ نے مشرکین کے لئے سونتا ہے۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک دن کہنے لگے مجھے اپنی زندگی کی وہ رات سب راتوں سے زیادہ محبوب اور عند اللہ مقبول معلوم ہوتی ہے جس میں سخت سردی تھی اور بارش بھی ہو رہی تھی اور میں بارش سے بچنے کے لئے اپنی ڈھال کو (بطور چھتری کے) استعمال کرتا تھا اور صبح کو دشمن سے مقابلہ تھا۔

وفات

۲۱ھ میں حمص میں وفات ہوئی اگرچہ بعض مورخین نے مدینہ طیبہ میں وفات ذکر کی ہے۔ وفت کے وقت افسوس کے ساتھ کہنے لگے فلاں فلاں معرکوں میں شرکت کی اور زندگی بھر شہادت کی تلاش و جستجو میں رہا، جسم پر ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں ہے جہاں تلوار نیزے یا تیر کا زخم نہ ہو لیکن شہادت مقدر میں نہ

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد۔ [2] اصابہ ج ۲ ص ۹۹۔ [3] سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۳۷۲۔

تھی اور آج بستر پر موت آرہی ہے۔ وفات سے کچھ پہلے فرمایا: "میرے مرنے کے بعد میرا گھوڑا اور میرے اسلحے وقف فی سبیل اللہ ہیں" اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کل ترکہ بس یہی تھا۔ [1]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

اسلام لانے سے پہلے ان کا شمار سرداران قریش میں ہوتا تھا نہایت جری اور ذہانت و فطانت میں ضرب المثل تھے۔ حضرت خالد بن الولیدؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہو کر ۸ھ میں ایمان لائے ہیں۔ لیکن خود اپنے ایمان لانے کا تذکرہ جس طرح کرتے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدینہ طیبہ آنے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے البتہ آپ کی خدمت میں حاضری اور بیعت علی الاسلام حضرت خالد کے ساتھ ہی ہوئی۔ [2]

وہ اپنے اسلام لانے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزوہ خندق سے واپسی کے بعد مکہ آکر میں نے خاندان قریش کے کچھ ایسے لوگوں کو جمع کیا جو مجھ سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور میرا احترام بھی کرتے تھے میں نے ان سے کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ اب تو بظاہر محمد (ﷺ) کے دین کا بول بالا ہی ہو کر رہے گا میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ ملک حبشہ چلے جائیں اور بادشاہ نجاشی کی حمایت میں رہیں اگر محمد (ﷺ) اہل مکہ پر غالب آبھی جائیں گے تب بھی ہم وہاں محفوظ رہیں گے۔ محمد (ﷺ) کی ماتحتی میں رہنے کے مقابلہ میں نجاشی کی ماتحتی میں رہنا پسند ہے اور اگر اہل مکہ غالب آگئے تو اہل مکہ میں ہمارا مقام تو معروف ہی ہے۔ میرے ساتھیوں نے میری تائید کی اور میں بہت سے ہدایا لے کر نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں میں نے حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے نجاشی کے پاس آئے تھے میں نے نجاشی سے کہا یہ شخص ہمارے دشمن (محمد) کا قاصد ہے آپ اس کو ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم اس کو قتل کر دیں۔ نجاشی نے میری اس بات پر بہت ناگواری کا اظہار کیا اور کہا تم جانتے نہیں یہ شخص جس کا قاصد ہے وہ اسی طرح اللہ کا رسول ہے جس طرح حضرت موسیٰ اللہ کے رسول تھے۔ میں نے کہا کیا واقعی؟ نجاشی نے کہا تمہارا برا ہو تم میری اطاعت اور ان نبی (ﷺ) کی اتباع کرو واللہ وہ بالکل بر حق ہیں اور واللہ وہ اپنے مخالفین پر ایسے ہی غالب آئیں گے جیسے موسیٰ (علیہ السلام) فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آگئے تھے اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے نجاشی کے ہاتھ پر بیعت علی الاسلام کر لی وہیں سے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی راستہ میں حضرت خالدؓ ملے ہیں اور ان کے ساتھ مدینہ طیبہ جا کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے اور اسلام کا اظہار کیا ہے۔ [3] صحیح مسلم کی روایت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرنے کی مزید تفصیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں جب آپ نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا آپ نے فرمایا عمرو کیا ہوا میں نے عرض کیا ایک شرط پر بیعت کرتا ہوں آپ نے فرمایا کیا شرط ہے

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۸۲ ۳ تاج ا ص ۸۴ ۳ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۰ بحوالہ طبرانی و اصابہ ج ۲ ص ۱۰۰۔
[2] اصابہ ج ۵ ص ۲۔ [3] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۱۔

میں نے عرض کیا میرے ماضی کے جملہ گناہ معاف ہونے چاہئیں آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایمان لانے سے ماضی کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ [1]

فضائل

حضرت عمرو بن العاصؓ بڑے بہادر، نہایت ذہین و فطین اور میدان جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے صحابی ہیں ان کے ایمان لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی ان صلاحیتوں کو خوب استعمال فرمایا ہے۔ خود فرماتے ہیں " ما عدل بی رسول الله صلی الله علیه وسلم وبخالد منذ اسلما من اصحابه فی حربه ." [2] یعنی میرے اور خالد کے ایمان لانے کے بعد میدان جنگ کے لئے آپ نے کسی کو بھی ہم دونوں کے مساوی نہیں سمجھا۔ انہیں آپ نے بڑے بڑے صحابہ کرام کی موجودگی میں لشکر کا امیر بنا کر بھیجا ہے غزوہ ذات السلاسل کے لئے جانے والے لشکر میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی موجود ہیں لیکن امیر لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ کو بنایا۔ [3] فتح مکہ کے معاً بعد آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ کچھ صحابہ کرام کو قبیلہ ہذیل کے بت سواع کو توڑنے کے لئے بھیجا۔ جب حضرت عمرو بن العاصؓ وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے کہا تم لوگ اس کو توڑ نہیں سکتے یہ خود اپنی حفاظت کرے گا۔ لیکن جب حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ نے اس کو توڑ دیا تو وہ مجاور اپنے معبود کی بے کسی دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ ان کے ایمان لانے کی بڑی قدر کرتے تھے۔ فرماتے ہیں " اسلم الناس وامن عمرو بن العاص" [4] جس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو بن العاص دل سے ایمان لانے والے ہیں ان کو بھی ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ کی ذات سے غیر معمولی محبت اور تعلق ہو گیا تھا۔ صحیح مسلم کی وہ روایت جس کا کچھ حصہ ابھی گزرا ہے اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ "ماکان احد احب الیَّ من رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا اجل فی عینی منه وماکنت اطیق ان املا عینی منه اجلا لا له و لو سئلت ان اصفه اطقت لانی لم اکن املا عینی منه" یعنی ایمان لانے کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ میری نظر میں آپؐ سے زیادہ کوئی محبوب و محترم نہ تھا اور میرے دل میں آپ کی عظمت و جلالت کا یہ حال تھا کہ میں نظر بھر کر آپؐ کو دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ مبارک بیان کرنے کو کہے تو میں آپ کا حلیہ بھی بیان نہ کر سکوں گا اس لئے کہ میں کبھی آپ کو نظر بھر کر دیکھ ہی نہ سکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بھی انکی اس محبت کا اعتراف فرماتے تھے ایک بار آپؐ نے ان کے لئے دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا۔ "اللّٰهم صل علی عمرو بن العاص فانه یحبك ویحب رسولك"۔ [5] الٰہی عمرو بن العاص پر رحمتیں نازل فرمائیے اس لئے کہ وہ آپ سے اور آپ کے رسولؐ سے محبت کرتے ہیں۔ ایک بار

---

[1] صحیح مسلم باب کون الا سلام یهدم ما کان قبله ۔ [4] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۶۶۔
[2] فتح الباری ج ۷ ص ۲۶ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۲ بحوالہ طبرانی و اصابہ ج ۵ ص ۲ و سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۵۷
[3] جامع ترمذی فی المناقب۔ [5] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۶۵۔

آپ نے ان کے لئے تین بار **یرحم اللہ عمروا**(اللہ عمرو بن العاص پر رحم فرمائے) دعا فرمائی، کسی صحابی نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو فرمایا وہ اللہ کے راستہ میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ [1] جامع ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا۔ **"عمرو بن العاص من صالحی قریش"** [2] (عمرو بن العاص قریش کے بہترین لوگوں میں سے ہیں) ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو اطلاع کرائی کہ کپڑے پہن کر اور ہتھیار لگا کر (یعنی جہاد کے لئے تیار ہو کر) چلے آؤ۔ جب وہ آگئے تو آپ نے ان سے فرمایا میں تم کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں جہاں سے انشاءاللہ تم سالماً غانماً واپس آؤ گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں مال کی خاطر اسلام نہیں لایا۔ میرا مقصود تو اسلام ہی ہے آپ نے فرمایا **"نعم المال الصالح للرجل الصالح"** (اللہ کے نیک بندہ کے لئے پاک مال بہترین چیز ہے۔ [3]

وفات

۴۳ھ میں عید کی رات میں مصر میں وفات پائی اور عید الفطر کے دن دفن کئے گئے آپ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

عابد، زاہد، شب بیدار، بکثرت روزے رکھنے والے اور بہت زیادہ تلاوت کرنے والے، علم کے گویا صحابی بن صحابی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اپنے والد حضرت عمرو بن العاصؓ سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ وہ اپنے والد کے سب سے بڑے بیٹے ہیں ان کی پیدائش کے وقت عمرو بن العاص کی عمر زیادہ سے زیادہ اکیس سال ذکر کی جاتی ہے۔ [4]

فضائل

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے اصحاب الفضائل صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ نہایت عابد و زاہد اور شب بیدار تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے حوالہ سے ان کی ان صفات کا تذکرہ پڑھئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے میری شادی ایک شریف خاندان کی لڑکی سے کردی تھی وہ اپنی بہو کا بہت خیال کرتے اور میرے طرز عمل کے بارے میں اس سے دریافت کرتے رہتے تھے ان کے سوال کے جواب میں ایک دن میری بیوی نے کہا میرے شوہر بہت نیک، متقی، پرہیزگار آدمی ہیں لیکن مجھ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ والد صاحب نے میری اس بات کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کردی آپ نے فرمایا عبد اللہ کو ہمارے پاس بھیج دینا والد صاحب نے آپ کا فرمان مجھ تک پہنچادیا۔ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو فرمایا روزے رکھنے کا تمہارا معمول کیا ہے۔ میں نے عرض کیا

---

[1] مجمع الزوائد ج۹ ص ۳۵۲۔ [2] جامع ترمذی فی المناقب۔ [3] مجمع الزوائد ج۹ ص ۳۵۳۔
[4] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۹۱۔

روزانہ روزہ رکھتا ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا ختم قرآن کے سلسلہ میں کیا معمول ہے؟ میں نے عرض کیا ہر رات ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو اور ایک ماہ میں ایک قرآن ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہر ہفتہ تین روزے رکھ لیا کرو۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو ایسا کرو کہ دو دن چھوڑ کر ایک دوزہ رکھ لیا کرو میں نے عرض کیا میں اس سے بھی زیادہ روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں تب آپ نے فرمایا روزے رکھنے میں سب سے بہتر طریقہ حضرت داؤد علیہ السلام کا طریقہ ہے یعنی ایک دن افطار ایک دن روزہ۔ تم بھی ایسا ہی کیا کرو اور قرآن مجید کا ایک ختم سات راتوں میں کیا کرو۔

اس روایت سے ان کے روزوں اور تلاوت قران کا حال معلوم ہوا، روایت کے آخری حصہ میں یہ بھی ہے کہ بڑھاپے تک ان کا معمول یہی رہا بلکہ بڑھاپے میں قرآن مجید کا جو ساتواں حصہ رات کو پڑھنا ہوتا تھا وہ دن میں بھی گھر کے کسی فرد کو سنا لیا کرتے تھے تاکہ رات کو پڑھنے میں سہولت ہو اور روزوں کے معمول میں اگر کبھی خلل پڑھ جایا کرتا تھا تو اس کا حساب رکھتے تھے اور بعد میں اس کی تلافی کر لیا کرتے تھے۔ ❶

وہ رات کو اپنا کمرہ اندر سے بند کر لیتے، چراغ گل کر دیتے اور ساری رات اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے رہتے تھے روتے روتے ان کی آنکھیں ورم کر آتیں تھیں۔ ❷

رسول اللہ ﷺ سے بکثرت روایات نقل کی ہیں آپؐ کی حیات طیبہ ہی میں آپؐ کی اجازت سے روایات لکھ لیا کرتے تھے، انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ جس کا نام خود ہی صادقہ رکھا تھا تیار کر لیا تھا۔ اسی مجموعہ احادیث (صادقہ) کی روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ابوداؤد و ترمذی، نسائی وغیرہم نے نقل کی ہیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد سات سو ہے۔ ❸

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی روایت کرتے ہیں، ان کے شاگردوں میں بہت سارے جلیل القدر تابعین ہیں ان کے اور ان کے والدین کے متعلق ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "**نعم اهل البيت عبدالله وابو عبدالله وام عبدالله**" یعنی عبداللہ، ان کے والد اور ان کی والدہ یہ سب اہل بیت کیا ہی خوب اہل بیت ہیں۔ ❹

وفات

۶۵ھ میں مصر میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔ ❺

---

❶ صحیح بخاری باب فی کم یقرأ القرآن و باب صوم یوم وافطار یوم۔ ❷ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۹۱۔
❸ خلاصہ تہذیب الکمال۔ ❹ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۴
❺ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۹۴ واسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۴ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۲۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمرو مشہور صحابی حضرت جابرؓ کے والد ہیں رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے سے پہلے ہی آپ کی خدمت میں مکہ معظّمہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔ آپؐ نے ان کو اپنے قبیلہ کا نقیب بنا کر مدینہ طیبہ واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد حضرت عبداللہ غزوۂ بدر و احد دونوں میں شریک ہوئے ہیں اور غزوۂ احد ہی میں شہید ہو گئے۔ [1] ان کو غزوۂ احد میں اپنی شہادت سے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا اسی لئے انہوں نے اپنے بیٹے حضرت جابرؓ سے فرمایا میرا خیال ہے کہ میں کل سب سے پہلے شہید ہونے والے لوگوں میں ہوں گا تم میرے بعد اپنی بہنوں کا خیال رکھنا اور میرے ذمہ جو قرض ہے اس کی ادائیگی کر دینا۔ [2]

فضائل

وہ بڑے صاحب فضیلت صحابی ہیں مکہ جا کر اسلام لائے اور پھر مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ غزوۂ بدر واحد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں ان کی شہادت ہوئی ہے۔ مشرکین نے ان کو قتل کرنے کے بعد ان کے اعضاء جسم کاٹ کر مثلہ کر دیا تھا۔ ان کے بیٹے حضرت جابر ابھی بالکل نو عمر ہی تھے ان پر اور ان کی پھوپھی یعنی حضرت عبداللہ کی بہن فاطمہ بنت حزام پر اس حادثہ کا بہت اثر تھا جس کی وجہ سے یہ دونوں بہت زیادہ رو رہے تھے۔ آپ نے ان دونوں کی تسلی کے لئے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو کی شہادت کے بعد سے اللہ کے مقرب فرشتے مسلسل ان پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ [3] حضرت جابر اور ان کے خاندان کے دیگر افراد حضرت عبداللہ کو اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کرنے کے لئے میدان احد سے مدینہ طیبہ لے آئے تھے آپ نے ان کے جنازہ کو مدینہ سے میدان احد منگوالیا، اور پھر وہ وہیں دیگر شہدائے احد کے ساتھ دفن کئے گئے۔ [4] غزوۂ احد میں شہداء کی تعداد زیادہ تھی۔ جو لوگ زندہ بچ رہے تھے ان میں بھی خاصی تعداد زخمیوں کی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی زخمی تھے۔ اس لئے آپ نے ایک قبر میں دو دو، تین تین شہداء کو دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی اور جو شخص ان میں قرآن کا زیادہ حافظ و عالم ہوتا اس کو مقدم الی القبلہ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو بھی ایک یا دو شہیدوں کی ساتھ دفن کیا اور ان کو مقدم رکھا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی سے بھی بالمشافہ تکلم نہیں فرماتا ہے لیکن تمہارے والد سے بالمشافہ گفتگو فرمائی ہے اور اللہ نے ان سے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے بندے جو چاہو مانگو میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔ اس پر تمہارے والد نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے رب مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے تاکہ دوبارہ پھر آپ کے راستہ میں شہادت نصیب ہو۔ اللہ

---

[1] اصابہ ص ۱۱۰، ۱۱۱، سیر اعلام النبلاء ص ۳۲۵۔ [2] صحیح بخاری باب هل یخرج المیت من القبر۔
[3] صحیح بخاری باب الدخول علی المیت و صحیح مسلم باب من فضائل عبداللہ بن عمروؓ [4] جامع ترمذی ص ۲۰۵

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میری جانب سے یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا۔ [1]

امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں ایک عجیب و غریب واقعہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی قبر کے متعلق ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عمروؓ بن جموح کی قبروں کو پانی کے بہاؤ نے کھول دیا تھا لوگوں نے ان دونوں صحابہ کرامؓ کی مبارک نعشوں کو وہاں سے منتقل کرنے کے لئے ان کی قبروں کو کھودا تو دیکھا کہ دونوں کے جسم بالکل صحیح سلامت اور ترو تازہ ہیں جیسے کل ہی انتقال ہوا ہے۔ حالانکہ ان حضراتؓ کی شہادت کو چھیالیس سال ہو چکے تھے۔ [2] مؤطا امام مالک میں تو یہ واقعہ غزوہ احد کے چھیالیس سال بعد کا ذکر کیا گیا ہے...... صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد کو یوم احد میں مجبوراً ایک اور صحابی کے ساتھ دفن کیا گیا تھا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگتی تھی میں نے شہادت کے چھ ماہ کے بعد ان کو اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کر دیا اور ان کا جسم مبارک بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ دفن کیا گیا تھا۔ [3] اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ساتھ دوبار ایسا واقعہ پیش آیا۔ پہلی بار شہادت کے چھ ماہ کے بعد اور دوسری بار شہادت کے چھیالیس سال بعد۔ اس طرح کا واقعہ بعض دوسرے شہداء کرامؓ کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں اور خاندان خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچپن ہی میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ساتھ جن کا تذکرہ ابھی گذرا ہے مکہ معظمہ جا کر مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ جب آپؐ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اس وقت سے آپ سے قریبی تعلق رہا ہے لیکن چونکہ کم عمر بھی تھے اور اپنے والد کے اکلوتے بیٹے اور نو بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اس لئے غزوۂ بدر واحد میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد مستقل غزوات میں شریک رہے ہیں۔

فضائل

حضرت جابرؓ باعتبار عمر اگرچہ اکابر صحابہ کرامؓ کی صف میں شمار نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ان کا شمار جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے وہ جس طرح غزوات میں بکثرت شریک ہونے والے ہیں اسی طرح مکثرین فی الحدیث صحابہ کرام میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد انیس غزوات میں شرکت کی ہے۔ غزوۂ بدر واحد میں شریک نہیں ہو سکا تھا اس لئے کہ والد صاحب خود جاتے تھے۔ اور مجھے منع کرتے تھے لیکن جب غزوۂ احد میں والد صاحب شہید ہو گئے تو پھر کسی

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی دفن الشهداء۔ [2] مؤطا امام مالک باب الدفن فی قبر و احد من ضرورة۔
[3] صحیح بخاری باب هل يُخرج الميت من القبر

بھی غزوہ میں، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہونے سے محروم نہیں رہا۔[1] وہ **مکثرین فی الحدیث** بھی ہیں ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۵۴۰ ہے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی روایات نقل کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بہت سے اکابر صحابہؓ اور بڑی تعداد میں تابعینؒ کرام بھی ان سے احادیث کی روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔[2] چونکہ ان کے والد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تھے اور انہوں نے نو لڑکیاں چھوڑی تھیں اور صاحبزادہ صرف حضرت جابرؓ ہی تھے اور وہ بھی بہت نو عمر ہی تھے۔ نیز ان کے ذمہ کافی قرض بھی تھا جو حضرت جابرؓ ہی کو ادا کرنا تھا۔ اس لئے آپ حضرت جابرؓ کے ساتھ بڑا محبت وشفقت کا معاملہ کرتے تھے اور ان کی بہت فکر رکھتے تھے۔ جب حضرت جابرؓ کی شادی ہوئی تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کسی کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ یا مطلقہ سے انہوں نے عرض کیا کہ وہ کنواری تو نہیں ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کسی کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی۔ حضرت جابر کا جواب ان کی نوعمری کے باوجود بڑا سمجھداری کا جواب تھا اور اسی جواب کو ذکر کرنے کے لئے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ذکر کیا اے اللہ کے رسول والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور انہوں نے نو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ میں نے سن رسیدہ عورت سے اس لئے شادی کی ہے کہ وہ میری بہنوں کی دیکھ بھال کر سکے۔[3] ان کی اسی خستہ حالی کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ مختلف صورتوں سے داد ودہش کا معاملہ کرتے رہتے تھے۔ ایک بار سفر سے واپسی میں آپ نے ان کا اونٹ خریدا اور جب وہ اپنے اونٹ سے اترنے لگے تو آپ نے ان کو اترنے سے منع فرمادیا اور مدینہ طیبہ آکر اونٹ بھی ان کو دے دیا۔ اور اس کی قیمت بھی سفر کی اسی رات کے متعلق جس میں آپ نے ان کا اونٹ خریدا تھا حضرت جابر فرمایا کرتے تھے آپ نے اس رات میرے لئے پچیس بار دعائے مغفرت فرمائی تھی۔[4]

رسول اللہ ﷺ کی احادیث سننے اور روایت کرنے کا جو شوق بچپن میں شروع ہوا تھا بڑھاپے تک باقی رہا۔ وہ احادیث کی تحصیل کے لئے دور دراز کا سفر کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعض احادیث جو کسی مکی صحابہ کے علم میں تھیں ان کی تحصیل کے لئے مکہ کا سفر کیا۔ ایک بار تو صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے۔[5]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسجد نبوی میں حضرت جابرؓ کا ایک بڑا حلقہ درس قائم ہوتا تھا جس میں بڑی تعداد میں طلبہ علم حدیث میں شریک ہو کر فیضیاب ہوتے تھے۔[6]

وفات

حضرت جابر نے خاصی طویل عمر پائی۔ ان کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی ہے۔ وہ ان صحابہ کرامؓ میں جو مدینہ سے مکہ آکر اسلام لائے اور آپ سے عقبہ (جو منیٰ کا ایک حصہ ہے) میں بیعت کی۔ سب سے آخر میں

[1] صحیح مسلم باب عدد غزوات النبی ﷺ، و جامع ترمذی باب کم غزا النبی ﷺ۔
[2] اصابہ ج ۱ ص ۲۱۳ و سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۹۱۔ [3] جامع ترمذی باب ماجاء فی تزویج الابکار
[4] اصابہ ج ۱ ص ۲۲۲۔ [5] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۹۱۔ [6] اصابہ ج ۱ ص ۲۲۳۔

وفات پانے والے صحابی ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، مدینہ طیبہ ہی کے رہنے والے ہیں قبیلہ خزرج سے تعلق ہے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے وقت وہ بہت ہی کم عمر تھے۔ ان کی عمر اس وقت صرف گیارہ سال تھی۔ لیکن پہلے ہی سے مسلمان ہو چکے تھے اور قرآن مجید کی سترہ سورتیں بھی حفظ کر چکے تھے۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے ہیں تو لوگوں نے ان کو آپ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا اس بچہ کو قرآن مجید کی سترہ سورتیں یاد ہیں۔ آپ نے ان سے وہ سورتیں سنیں اور اس کم عمری میں ان کے ان سورتوں کو حفظ کر لینے پر تعجب کا اظہار فرمایا۔

فضائل

وہ اگرچہ صحابہ کرام میں کم عمر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے علم و فضل کی وجہ سے خصوصاً قرآن سے خصوصی تعلق کی بناء پر ان کا شمار اہل علم واصحاب فتویٰ صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت ذہین اور قوی الحفظ تھے، جیسا کہ ابھی گزرا انہوں نے بالکل بچپن ہی میں قرآن مجید کی سترہ سورتیں یاد کر لی تھیں، حالانکہ اس وقت تک رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ بھی تشریف نہیں لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ذہانت اور قوت حفظ ہی کی وجہ سے سریانی زبان سیکھنے کے لئے ان کا انتخاب فرمایا تھا۔ مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو قرب وجوار کے یہودیوں سے خط و کتابت کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان لوگوں کی خط و کتابت کی زبان سریانی تھی اگر آپ کو خط لکھنا ہوتا تو کسی یہودی سے لکھواتے اور اگر یہود کا خط آپ کے پاس آتا تو اس کو پڑھوانے کے لئے بھی کسی یہودی کی ضرورت پڑتی، آپ کو مدینہ کے یہود پر اعتماد نہ تھا کہ وہ خط لکھنے اور پڑھنے میں دیانت داری سے کام لیں گے اس لئے آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے فرمایا تم یہود کی زبان سریانی لکھنا پڑھنا سیکھ لو۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے صرف سترہ دن میں ہی سریانی کے لکھنے اور پڑھنے پر عبور حاصل کر لیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے خط و کتابت کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔[1] جن صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا ان میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی ہیں حضرت انس فرماتے ہیں **جمع القرآن علی عهد النبی ﷺ اربعة كلهم من الانصار ابی و معاذ بن جبل و ابو زید بن ثابت**[2] یعنی رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں چار صحابہ کرام نے جو سب انصاری صحابہ تھے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، ان کے نام ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو زیدؓ اور زید بن ثابتؓ ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے زمانہ میں مسلمانوں کا ایک لشکر یمن کے علاقہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے جہاد کے لئے گیا تھا، اس لشکر کو اگرچہ فتح حاصل ہو گئی تھی اور مسیلمہ کذاب مارا گیا تھا لیکن

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۲۸۔ [2] اصابہ ج ۳ ص ۲۳، صحیح بخاری فی المناقب

مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی تھی۔ جن میں بہت سے قرآن مجید کے حافظ بھی شامل تھے، اس واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے درخواست کی تھی کہ اسی طرح اگر حفاظ شہید ہوتے رہے تو خطرہ ہے کہ کہیں قرآن مجید ہی لوگوں کے درمیان باقی نہ رہے۔ اس لئے آپ قرآن مجید کی کتاب کا اہتمام کرادیں (اس وقت تک الگ الگ سورتیں تو صحابہ کرامؓ کے پاس لکھی ہوئی تھیں لیکن پورا قرآن یکجا مصحف کی شکل میں لکھا ہوا نہ تھا۔) حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا میں کیسے کر سکتا ہوں۔ کافی افہام و تفہیم کے بعد بالآخر حضرت ابو بکرؓ قرآن کو یکجا لکھوانے اور جمع کرانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کام کے لئے دونوں بزرگوں کی نگاہ انتخاب حضرت زید ثابتؓ پر پڑی۔ ان کو بلوایا گیا اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنا مدعا ان کے سامنے رکھا، اور فرمایا "انك رجل شاب عقل لا نتهمك قد كنت تكتب الوحي لرسول الله ﷺ فتتبع القرآن واجمعه" تم ایک عاقل نوجوان ہو اس کام کے لئے ہم لوگوں کو تم پر پورا اعتماد ہے۔ پھر تم تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی کاتب وحی رہے ہو، لہذا قرآن کو تلاش کر کر کے ایک جگہ جمع کر لو حضرت زیدؓ کو بھی وہی اشکال ہوا جو حضرت ابو بکرؓ کو ہوا تھا، کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ کام آپ دونوں حضرات کیسے کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن حضرات شیخین نے انکو سمجھایا۔ بالآخر وہ اس کام کیلئے راضی ہو گئے اور صحابہ کرامؓ سے مختلف سورتیں جمع کر کر کے پورا مصحف یکجا لکھ کر تیار کر دیا۔ [1] وہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور ان کے علاوہ بھی بعض صحابہ کرامؓ پورے قرآن کے حافظ تھے۔ الگ الگ سورتیں تو بہت سے صحابہ کرامؓ یاد تھیں، لیکن وہ ہر جگہ سے لکھی ہوئی سورتیں جمع کر رہے تھے۔

وہ علم فرائض یعنی ترکہ کی تقسیم کے مسائل واحکام سے بھی بہت واقف تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا۔ "افرض امتی زيد بن ثابت" [2] میری امت میں علم فرائض سے سب سے زیادہ واقف زید بن ثابتؓ ہیں۔

غزوۂ تبوک میں قبیلہ بنو نجار کا جھنڈا حضرت عمارہ بن حزمؓ کے ہاتھ میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان سے لے کر حضرت زید بن ثابتؓ کو دے دیا۔ حضرت عمارہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میرے بارے میں کوئی شکایت آپ کو پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ زید بن ثابتؓ کو جھنڈا دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کے حافظ ہیں، صحابہ کرام بھی ان کے علمی مقام کی بہت معترف تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو اپنے پاس مدینہ طیبہ ہی میں رکھتے تھے۔ کہیں نہ جانے دیتے تھے، وہ ان کی موجودگی میں مدینہ طیبہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ [3]

ان کی وفات پر صحابہ کرامؓ نے جو کچھ ان کے بارے میں کہا اس سے صحابہ کرامؓ کی نظر میں ان کی بلند مقامی اور قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ "مات حبر الامة" آج اس امت کا ایک بڑا عالم وفات پا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "دفن اليوم علم كثير" آج بڑا علم دفن ہو گیا۔ حضرت

---

[1] صحیح بخاری باب جمع القرآن و جامع ترمذی فی المناقب۔ [2] ترمذی فی المناقب۔

[3] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۳۴۔

عبداللہ بن عباسؓ کے دل میں ان کا مقام کتنا بلند تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ ایک دن حضرت زید بن ثابتؓ گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے ابن عباسؓ وہاں موجود تھے انہوں نے فوراً ان کے گھوڑے کی رکاب پکڑلی۔ حضرت زید نے کہا آپ رسول اللہ ﷺ کے ابن العم ہیں، میرے لئے نہایت محترم ہیں، آپ یہ کیا کر رہے ہیں ابن عباسؓ نے کہا ہم اپنے علماء کا اسی طرح اکرام کرتے ہیں۔ اور بھی بعض صحابہ کرامؓ سے اسی طرح کے اقوال ان کے بارے میں مروی ہیں حضرت عمرؓ نے تو کئی بار اپنے حج یا عمرہ کے سفر کے موقع پر ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ ❶ ان کی وفات پر حضرت حسانؓ نے جو مرثیہ کہا تھا اس کا ایک شعر یہ تھا۔

و من للقوا فی بعد حسان و ابنه　　　و من للمعانی بعد زید بن ثابت

"حسان اور ان کے بیٹے کے بعد شعر و شاعری کون کرے گا اور زید بن ثابتؓ کے بعد قرآن و حدیث کے معانی کا سمجھنے والا کون رہ گیا ہے"۔

وفات

اکثر مؤرخین کے نزدیک وفات ۴۵ھ میں ہوئی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ

حضرت جریر بن عبداللہ کا تعلق قبیلۂ انمار سے ہے۔ یہ قبیلہ نجد کے علاقہ کا ہے۔ والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا بجیلہ ہے۔ والدہ کی نسبت ہی سے بجلی کہلاتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ۱۰ھ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ ❷

فضائل

حضرت جریرؓ اگرچہ بہت تاخیر سے اسلام لائے لیکن ان کا شمار اعیان صحابہ میں ہوتا ہے یہ اپنی قوم کے سردار تھے ان کے مدینہ طیبہ حاضر ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی ان کے ایمان لانے کے واقعہ سے بھی ان کی عظمت اور جلالت کا پتہ چلتا ہے جس وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوئے ہیں اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور مسجد بھری ہوئی تھی ان کو بیٹھنے کے لئے جگہ نہیں ملی رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک جس کو آپ زیب تن فرمائے ہوئے تھے بچھادی اور فرمایا اس پر بیٹھو انہوں نے وہ چادر اٹھا کر اپنے سینے سے لگالی اور عرض کیا اکرمك الله كما اكرمتنى يارسول الله (یارسول اللہ اللہ آپ کو بھی ایسے ہی اکرام و اعزاز سے نوازے جیسے کہ آپ نے مجھے اکرام و اعزاز سے نوازا ہے) آپ نے ان سے اس چادر پر بیٹھنے کے لئے اصرار فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا اشهد انك لا تبغى علواً فى الارض ولا فساداً یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ تم زمین میں برتری کے طالب ہو اور نہ فساد کرنا چاہتے

❶ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۲۷ و اصابہ ج ۳ ص ۲۳۔　❷ اصابہ ج ۱ ص ۲۴۲۔

ہو۔اسی مجلس میں حضرت جریرؓ اسلام لے آئے۔اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کے اس غیر معمولی اکرام کے متعلق آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا **اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ۔** [1] یعنی کسی قوم کا سردار اگر تمہارے پاس آئے تو اس کا اکرام کرنا چاہئے۔ بعد میں بھی رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ان کے اکرام واعزاز ہی کا رہاہے۔ خود حضرت جریرؓ فرماتے ہیں۔ **ما حجبنی رسول الله صلی الله علیه وسلم منذ اسلمت ولا رانی الا تبسم۔** [2] یعنی اسلام لانے کے بعد جب بھی میں حاضر خدمت ہوتا اور آپ سے اندر حاضر ہونے کی اجازت چاہتا آپ ہمیشہ مجھے اندر آنے کی اجازت دے دیتے اور ہمیشہ مجھے دیکھ کر تبسم فرماتے زمانۂ جاہلیت میں اہل یمن نے اپنے یہاں ایک نقلی کعبہ بنالیا تھا۔ جس کا نام ذوالخلصہ تھا اس کو وہ لوگ کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔اس میں کچھ بت رکھ چھوڑے تھے جن کی پوجا کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں اسکی طرف سے مسلسل خلش رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت جریرؓ سے فرمایا تم اس جھوٹے اور نقلی کعبہ کو منہدم کردو تو میرے دل کو سکون نصیب ہو جائے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں ایک سو پچاس طاقتور شہ سواروں کو لے کر یمن کے سفر کا ارادہ کر لیا لیکن میرا حال یہ تھا کہ میں گھوڑے سواری سے واقف نہ تھا اور گھوڑے پر سے گر جایا کرتا تھا میں نے اپنا یہ حال آپ　سے عرض کر دیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور دعا کی **اللهم ثبته واجعله هادياً مهدياً۔** [3] اے اللہ جریرؓ کو گھوڑے کی کمر پر جماد یجئے اور ان کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دیجئے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے میں ایسا شہ سوار ہو گیا کہ پھر کبھی بھی گھوڑے سے نہیں گرا۔اور پھر میں نے اور میرے ساتھیوں نے جا کر اس ذوالخلصہ یعنی نقلی کعبہ کو منہدم کر دیا اور اس میں آگ لگا کر اس کو خاک کر دیا۔جب رسول اللہ ﷺ کو میری کامیابی کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے میرے لئے اور میرے ساتھیوں کے لئے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔ [4]

حضرت جریرؓ حجۃ الوداع میں بھی آپ کی ساتھ شریک ہوئے ہیں اور آپؐ نے ان سے خطبہ کے وقت فرمایا تھا کہ لوگوں کو خاموش کردو۔ [5] حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو عراق کی جنگوں میں شرکت کے لئے بھیج دیا تھا۔انہوں نے ان جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

فتح قادسیہ میں بھی ان کو بڑا دخل تھا۔ان جنگوں سے فارغ ہو کر وہ کوفہ میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اور وہیں ان کی وفات ہوئی ہے۔

حضرت جریرؓ کو اہل مدینہ خصوصاً انصاری صحابہ کرامؓ سے بڑی محبت تھی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں میں حضرت جریرؓ کے ساتھ تھا وہ راستہ میں میری خدمت کرتے تھے۔ میرے منع کرنے پر فرمانے لگے ہیں میں نے حضرات انصار صحابہ کرامؓ کا جو طرز عمل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھا ہے اس کے

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۳۲ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷۲۔　[2] صحیح بخاری و صحیح مسلم المناقب۔
[3] صحیح مسلم فی المناقب۔　[4] صحیح بخاری فی المناقب والمغازی، و صحیح مسلم باب من فضائل جریر بن عبدؓ۔
[5] صحیح بخاری باب الانصات للعلماء۔　[6] صحیح مسلم باب فضائل انصار۔

بعد سے میں نے قسم کھالی ہے کہ جب بھی مجھے کسی انصاری صحابی کی صحبت کا موقع نصیب ہوگا میں ان کی خدمت ضرور کروں گا۔ صحیح مسلم میں اس روایت کے راوی محمد بن المثنیؒ اور محمد بن بشارؒ نے روایت نقل کرنے کے بعد یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت جریرؓ حضرت انسؓ سے عمر میں بڑے تھے۔ ❶

باطنی کمالات کے ساتھ اللہ نے حسن ظاہری سے بھی بہت نوازا تھا۔ وہ انتہائی حسین و جمیل تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ ان کو **یوسف هذه الامة** کہتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ وہ اس امت میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح حسین و جمیل ہیں۔ ❷

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت حسانؓ مدنی خزرجی صحابی ہیں۔ ان کے والد کا نام ثابت اور والدہ کا نام فریعہ ہے۔ حضرت فریعہ بھی صحابیہ ہیں۔ عربی کے بہت بلند پایہ شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اپنے قبیلہ کے شاعر تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان کی شاعری کا موضوع رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور دین اسلام کا دفاع ہو گیا تھا۔ اسی لئے ان کا لقب سید شعراء المومنین اور شاعر رسول اللہ ﷺ ہو گیا تھا۔ ❸

فضائل

جیسا کہ ابھی گذرا، انہوں نے اپنی شاعری کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان کے اشعار میں نیزوں اور تیروں سے زیادہ چبھن اور تلوار سے زیادہ کاٹ ہوتی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے دفاع اور مشرکین مکہ کے ہجو کے جواب میں ایسے تیز و تند اور سریع التاثیر اشعار کہتے تھے جن کی تیزی اور قوت تاثیر سے مشرکین بلبلا جاتے تھے صحیح مسلم کی ایک روایت میں خود انہوں نے اپنے اشعار کی اس تاثیر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے **والذی بعثك بالحق لا فرینهم بلسانی فری الا دیم۔** ❹ اے اللہ کے رسول میں اس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں اپنی زبان (یعنی اشعار) سے ان کی کھال پھاڑ دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ کے لئے منبر رکھواتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر آپ کی موجودگی میں اشعار پڑھتے تھے اور آپ ان سے فرماتے جاتے یا حسان اجب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے حسان اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے تم جواب دہی کرو اور یہ دعا بھی کرتے **اللّٰهم ايّده بروح القُدس** اے اللہ جبرائیل کے ذریعہ ان کی مدد فرما۔ اس دعا میں بذریعہ جبرائیل جس مدد کی درخواست کی گئی ہے اس سے بظاہر اشعار کے ورود اور الہام کی مدد مراد ہوگی۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں اس دعا کی مقبولیت کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ جب تک حسانؓ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے اشعار کے ذریعہ دفاع کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ جبرائیل کے ذریعہ ان کی

---

❶ صحیح مسلم باب فضائل انصار۔ ❷ اصابہ ج ۱ ص ۲۴۔ ❸ اصابہ ج ۲ ص ۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۱۲،
❹ صحیح مسلم فی المناقب۔

مدد بھی کرتا رہتا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ ان اللہ یوید حسان بروح القدس ما یفا خرا وینا فح عن رسول اللہ ﷺ۔ [1] ایک مرتبہ حضرت حسان مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمر کا گزر ہوا اور انہوں نے حضرت حسانؓ کی جانب ذرا گھور کر دیکھا حضرت حسان نے کہا آپ گھور کیا رہے ہیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مسجد میں شعر پڑھا کرتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ عنہا کو اگرچہ حضرت حسانؓ سے ایک شکایت تھی کہ وہ فتنۂ افک میں شریک ہوگئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے کی وجہ سے وہ ان کی بڑی قدر کرتی تھیں ان کے آنے پر ان کے بیٹھنے کے لئے گدّا ڈلواتی تھیں۔ ایک بار وہ آئے اور ام المومنین نے اسی طرح ان کا اکرام کیا اور بیٹھنے کیلئے گدّے کا اہتمام کیا تو ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کہا آپ ان کو گدّے پر بٹھاتی ہیں حالانکہ انہوں نے جو کیا تھا وہ آپ کے علم میں ہے۔ ام المؤمنین نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مشرکین کی ہجو کے جواب دیتے تھے اور آپ کے قلب مبارک کو سکون پہنچانے کا سامان کرتے تھے۔ اب یہ نابینا بھی ہوگئے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطی کو معاف فرمادے گا اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا نہ فرمائے گا۔ [2] ان کا شمار فن شاعری میں بہت بلند مقام شعراء میں ہوتا ہے اور ان کے اشعار اسلامی عہد کی شاعری میں بہت معیاری اشعار سمجھے جاتے ہیں۔ کچھ اشعار اور ان کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

قصہ یہ ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی حضرت ابوسفیان بن الحارثؓ عبدالمطلب جو بہت دیر میں مسلمان ہوئے ہیں اپنے کفر کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتے اور آپ کی شان میں گستاخی کرتے تھے، حضرت حسانؓ نے اپنے اشعار میں ان کو ہجو کا جواب دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایک بہترین قصیدہ بھی کہہ دیا ہے۔ ان اشعار میں یہ بھی ذکر ہے کہ تم، آپ ﷺ کے خاندان کے ہوتے ہوئے آپ کی ہجو کرتے ہو اور میں غیر ہوتے ہوئے دفاع کر رہا ہوں۔

هجوتَ محمداً فاجبتُ عنه و عند الله فی ذاك الجزاء

”تم حضرت محمد ﷺ کی ہجو کرتے ہو میں آپ کی طرف سے اس کا جواب دیتا ہوں اور مجھے اللہ کے یہاں اس کا اجر ملے گا“۔

هجوتَ محمداً براً تقیًا رسول الله شیمته الوفاء

”تم نے محمد ﷺ کی ہجو کی جو بہت ہی وسیع الخیر اور متقی پرہیز گار، اللہ کے رسول ہیں۔ جن کی عادت ہی وفاداری ہے“۔

فان ابی و والدتی و عِرضی لعرض محمد منکم وقاء [3]

”میرے ماں باپ، میری عزت و آبرو تمہارے محمد (ﷺ) پر قربان“۔

---

[1] صحیح بخاری باب ذکر الملائکة و صحیح مسلم فی المناقب و جامع ترمذی باب ماجاء فی انشاد الشعر۔
[2] جامع ترمذی باب ماجاء فی انشاد الشعر۔ [3] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۱۴۔

صحیح مسلم میں مزید اشعار ہیں اور حضرت حسان بن ثابتؓ کے دیوان میں آپ کی مدح و توصیف کا ایسا بیش بہا خزانہ ہے جو شاید ہی کسی شاعر کے یہاں ہو گا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسفیان کا نام صخر بن حرب ہے لیکن اپنی کنیت ابوسفیان کے ساتھ مشہور ہیں، ان کی ایک کنیت **ابوحنظلہ** بھی تھی۔ قریش کے سرداروں اور مکہ کے ذہین ترین اور بااثر لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے قرابت کے باوجود ایمان لانے میں بہت تاخیر کی، غزوہ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار تہہ تیغ کردیئے گئے تھے، اس لئے غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں انہوں نے ہی مشرکین مکہ کے لشکروں کی قیادت کی۔ فتح مکہ سے ایک دن پہلے جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ بالکل مکہ کے کہ قریب تشریف فرماتھے تو حاضر خدمت ہوئے اور اسی وقت یا پھر دوسرے دن (فتح مکہ کے دن) ایمان لائے ہیں۔ [1]

فضائل

حضرت ابوسفیانؓ نے اپنے کفر کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خوب خوب مخالفت کی تھی لیکن اسلام لانے کے بعد اسلام کی حمایت میں غیر معمولی قربانیاں دے کر اس کی تلافی کردی، ویسے بھی آپ کا فرمان ہے ''الاسلام یهدم ما کان قبلہ'' یعنی اسلام لانے کے بعد ماضی کے سارے گناہ اور قصور معاف ہو جاتے ہیں۔ کفر کے زمانہ میں بھی انہوں نے ابو جہل اور ابولہب کی طرح رسول اللہ ﷺ اور عام مسلمانوں کو تکلیفیں نہیں پہنچائیں تھیں، ایمان لانے کے معاًبعد غزوۂ حنین اور غزوہ طائف میں شرکت کی ہے، غزوۂ طائف میں تو ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا تم چاہو تو میں اللہ سے تمہاری آنکھ کی صحت کی دعا کردوں، اللہ تعالیٰ اس کو ٹھیک کردے گا۔ ورنہ اس کے بدلے میں اللہ تم کو جنت عطا فرمائے گا، حضرت ابوسفیانؓ نے عرض کیا مجھے جنت چاہئے اور آنکھ کی تکلیف اور اس کے ضائع ہونے کو برداشت کرلیا۔ ان کی دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں کام آگئی تھی اپنے بیٹے حضرت یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کی قیادت میں مصروف جہاد تھے اور بآواز بلند دعا کررہے تھے یانصر اللہ اقترب اے نصرت خداوندی قریب آجا، اور پوری طرح نابینا ہو جانے کے باوجود مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے اور جم کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی تلقین و نصیحت کررہے تھے۔ [2]

صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ سے فرمایا تھا من دخل دار ابی سفیان فهو آمن۔ [3] مشہور تابعی حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے دار ابی سفیان کو یہ شرف اسلئے عطا کیا گیا تھا کہ مکہ کے زمانہ قیام میں آپ نے بھی اس گھر میں مشرکین مکہ

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۰۵ و اصابہ ج ۳ ص ۲۳۸۔
[2] اصابہ ج ۲ ص ۲۳۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۰۶۔
[3] صحیح مسلم باب فتح مکہ

کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے لئے پناہ لی تھی۔ (1) اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے تحریر فرمایا ہے فیہ تالیف لابی سفیان واظہار لشرفہ یعنی آپ کے اس اعلان میں حضرت ابو سفیانؓ کی تالیف قلب کے علاوہ ان کی فضیلت کا بھی اظہار ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ نے ایمان لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول جس طرح زمانہ کفر میں، میں نے کفار کے لشکروں کی قیادت کی ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسلامی لشکر کی بھی قیادت کروں (رسول اللہ ﷺ چونکہ ان کی قائدانہ صلاحیت سے واقف تھے اس لئے) آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی۔ (2)

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کی ہی صاحبزادی ہیں، ان کے تذکرہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جب ابو سفیان کو اس کا علم ہوا کہ ان کی بیٹی ام حبیبہ سے (جو اس وقت حبشہ میں تھیں) رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمالیا ہے تو انہوں نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بڑے بلند تعریفی کلمات کہے۔ ان کے صاحبزادی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ بھی ایمان لانے کے بعد اسلام کے بہترین خادم اور مسلمانوں کے قائد بنے۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ بھی فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ ایمان لانے کے بعد بہت سے معرکوں میں شرکت کی تھی، ملک شام اور اس کے اطراف کے بہت سے علاقوں کے فتح کرنے میں ان کی حربی صلاحیتوں کو کافی دخل رہا ہے۔

وفات

حضرت ابو سفیان کی وفات خلافت عثمانی کے زمانہ میں ہوئی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہؓ کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی، صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے ہیں، اپنے ایمان لانے کا واقعہ بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو عمرہ کرنے سے منع کر دیا اور آپؐ کے اور مکہ والوں کے درمیان صلح نامہ لکھے جانے کے بعد آپ مدینہ طیبہ واپس جانے لگے تو مجھے آپؐ کے نبی برحق ہونے کا یقین ہو گیا تھا اور جب آئندہ سال آپ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں تو میں مسلمان ہو چکا تھا، لیکن والدین کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن جب والدین بھی مسلمان ہو گئے تو میں نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ (3) فتح مکہ کے بعد اس خاندان کے غالباً سبھی لوگ مدینہ آگئے ہیں۔

فضائل

حضرت معاویہؓ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی کمالات سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ وہ بہت ہی حسین و جمیل، طویل القامت، باوقار حلیم و بردبار، نہایت ذہین اور معاملہ فہم شخص تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کتابت

(1) اصابہ ص ۲۳۸۔ (2) صحیح مسلم فی المناقب۔ (3) سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۱۲۔

وحی اور خط و کتابت کی خدمت بھی ان کے سپرد کر دی تھی۔ [1] آپ نے ان کے لئے متعدد بار دعائیں فرمائیں۔ ایک بار ان کیلئے آپ ﷺ نے دعا فرمائی اللّٰهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب۔ [2] اے اللہ معاویہ کو کتابت اور فن حساب سکھا دیجئے اور ان کو آخرت کے عذاب سے بچائیے۔ اسی روایت کی بعض سندوں کے ساتھ اس کے متن میں ومكن له في البلاد کا اضافہ بھی ذکر کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ "اور ملکوں ملکوں ان کو اقتدار نصیب فرمائیے" ہوتا ہے۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں ان کے لئے آپ کے دعا کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں اللّٰهم اجعله هادياً مهدياً واهدبه [3] اے اللہ معاویہ کو اپنے بندوں کے لئے ذریعۂ ہدایت اور خود ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور ان سے ہدایت کا کام بھی لے لیجئے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ مذکورہ دعائیں سب ہی قبول ہوئیں۔ وہ بہترین کاتب تھے، حتی کہ آپ ﷺ نے ان کو کتابت وحی اور اپنی خط و کتابت کے لئے بھی منتخب فرمایا تھا، حساب کتاب کے ماہر تھے اللہ نے ان کو دور دراز علاقوں تک اسلامی سلطنت کے وسیع کرنے کا ذریعہ بنایا۔ وہ خود بھی ہدایت یافتہ تھے اور اللہ ہی جانتا ہے کتنے بندگان خدا ان کی وجہ سے دولت ایمان سے سرفراز ہوئے اور رہا آخرت کا معاملہ سو وہ ارحم الراحمین کے ہاتھ میں ہی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد ہی میں اسلامی فوج کے ایک بہترین سپاہی تھے، پھر خلفاء ثلثہ کے عہد میں اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر ترقی کرتے رہے، انکو حضرت عمرؓ نے ملک شام کا گورنر بنایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بھی وہ اسی منصب پر فائز رہے۔ [4] حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کے اور حضرت علیؓ کے مابین اختلاف اور جنگ و جدال رہا لیکن جب حضرت حسینؓ خلافت سے ان کے حق میں دست بردار ہوگئے تو وہ خلیفۃ المسلمین ہوگئے اور ایک طویل مدت تک باتفاق عام صحابہ و تابعین وہ امیر المؤمنین رہے ہیں۔ اس زمانہ میں انہوں نے اسلام کے خلاف سازشوں اور شورشوں کو یکسر ختم کر دیا تھا اور مملکت اسلامی میں ہر طرف سکون ہی سکون نظر آتا تھا اس لئے اسلامی فوجوں کو غیر اسلامی علاقوں تک دین کی دعوت پہنچانے اور ان کو مفتوح کرنے کا خوب موقع ملا۔ اس کی تفصیل البدایہ والنہایہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ وہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں بھی اسلامی اصولوں اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی بہت پابندی کرتے تھے۔ صرف اس کی ایک مثال ہی سے اس سلسلہ میں بھی ان کے متبع سنت ہونے کا اندازہ ہو جائے گا۔ حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں حضرت معاویہؓ اور اہل روم کے درمیان ناجنگ معاہدہ تھا۔ جب اس کی مدت ختم ہونے کے قریب ہوئی تو حضرت معاویہؓ نے اسلامی فوجوں کو روم کی سرحد کے قریب بھیجنا شروع کر دیا تاکہ جیسے ہی مدت ختم ہو ملک روم پر حملہ کر دیا جائے۔ بظاہر تو یہ حملہ چونکہ ناجنگ معاہدہ کی مدت ختم ہونے کے بعد ہوتا اس لئے کوئی عہد شکنی کی بات نہ تھی لیکن ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہؓ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور فرمانے لگے الله اكبر وفاء لا غدر یعنی اللہ اکبر ہم لوگوں کے لئے عہد کو پورا کرنا لازمی ہے، بدعہدی جائز نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کی اس بات کا مطلب دریافت کیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ جس شخص کا کسی قوم سے کوئی عہد و پیمان ہو تو اس شخص کو اس عہد و

---

[1] اصابہ ج ۶ ص ۱۱۳۔　[2] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۲۴۔　[3] جامع ترمذی فی المناقب۔　[4] اصابہ فی ذکر معاویہ

پیمان میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہ کرنا چاہئے حتی کہ اس عہد کی مدت پوری ہو جائے، یا اس کو اس حال میں ختم کیا جائے کہ فریقین بالکل مساوی حیثیت میں ہوں۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ کا مطلب یہ تھا کہ رومیوں کی غفلت میں فوجوں کو وہاں لے جا کر جمع کرنا تاکہ مدت ختم ہوتے ہی حملہ کر دیا جائے یہ بھی بد عہدی ہی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے فوج کو فوراً واپسی کا حکم دے دیا۔ ❶

ان کے تقویٰ اور خوف خدا کا ایک واقعہ اور پڑھ لیجئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ریاکار شہید، ریاکار عالم، ریاکار مال خرچ کرنے والا، یہ تینوں شخص سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ یہ حدیث جب حضرت ابو ہریرہؓ کے کسی شاگرد نے حضرت معاویہؓ کو سنائی تو حضرت معاویہؓ کا روتے روتے یہ حال ہو گیا کہ وہاں پر موجود لوگوں کو یہ خطرہ ہونے لگا کہ کہیں ان کی موت واقع نہ ہو جائے۔ ❷

اتباع سنت کا بہت خیال رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کو اپنے بالوں میں دوسرے بال شامل نہ کرنے چاہئیں، حضرت معاویہؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ مدینہ کی بعض عورتیں ایسا کرنے لگی ہیں تو ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ علماء مدینہ کہاں چلے گئے ہیں۔ عورتوں کو ایسا کرنے سے کیوں نہیں منع کرتے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ❸

وفات

صحیح قول کے مطابق حضرت معاویہؓ کی وفات رجب ۶۰ھ میں ہوئی ہے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

بفضلہٖ تعالیٰ .... **"معارف الحدیث"** کا مبارک سلسلہ اس جلد پر تمام ہوا۔

---

❶ جامع ترمذی فی باب ماجاء فی الغدر۔
❷ ترمذی فی ابواب الزھد۔
❸ صحیح مسلم باب تحریم فعل الواصلة۔